ثروت آرا بیگم

288

1380

10×6/9

Cat

ثروت آرا بیگم

(مکمل)

ناول

حمیدہ سلطان احمد

ناشر

نظامی بک ایجنسی بدایوں۔ یو۔ پی

بار اول حصہ اول مئی ۱۹۴۲ء
بار دوم مکمل دسمبر ۱۹۵۳ء

قیمت فی جلد

۵ر

مطبوعہ

نظامی پریس بدایوں

حصہ اوّل

پیارے آکا بھائی

فخرالدین علی احمد کے نام

پیش لفظ

میرے نزدیک کسی کامیاب نظم اور کسی کامیاب ادب پارے کی پہلی کسوٹی یہ ہے کہ جب یکبار ان سے رجوع کیا جائے تو وہ راتوں کی نیند حرام کر دے۔ عورت اور ادب ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ پہلی نظر میں ہی آدمی نفرت سے منہ پھیر لے یا اپنی اکتاہٹ کا اظہار کرنے لگے اور اگر کسی مجبوری یا عقیدت کے پیش نظر منہ نہ پھیر سکے تو کم از کم اسے اس بات کا احساس نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کوئی نہایت کڑوی کسیلی دوا اپنے حلق سے نیچے اتار رہا ہے۔ ادب کو میں دوا کا درجہ ضرور دیتا ہوں لیکن اس دوا کے مکسچر ہونے کا میں قائل نہیں ہوں۔ اس دوا کا گولیوں کی شکل میں ہونا شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ ان گولیوں پر شکر چڑھی ہوئی ہو۔

جب میں نے "ثروت آرا بیگم" سے رجوع کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں کوئی نہایت خوش ذائقہ شربت پی رہا ہوں۔ شربت کی مہک مجھے مسحور کرتی گئی اور شربت پلانے والی کی رنگین زبان نے کہ جس میں قوس و قزح کے ساتوں رنگ موجود تھے بے طرح جکڑ لیا۔ اور مجھے اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیا کہ یہ لوگ جو خوبصورت محلات میں رہتے ہیں، ریشمیں سرسراتے ہوئے نازک لباس پہنتے ہیں اک ذرا لو لگنے کے اندیشے سے دن نکلتے ہی برفیلے تہ خانوں میں جا گھستے ہیں اور اک ذرا جھٹکے سے جنہیں غش آ جاتا ہے، کس دنیا کے لوگ ہیں۔ یہ کونسی دنیا ہے جہاں ماہ رخ پری وش و حور منظر ماہ جبین دوشیزائیں ہیں کہ جنکا قد سرو کو شرماتا ہے اور جنکے پاؤں کبھی کھردری زمین پر نہیں پڑے اور جو سبز فنا رنگ کا چست آڑا پاجامہ پہنتی ہیں ململ چنتم سماک لگی جاکٹ پہنتی ہیں اور ریشم کے شبنمی دوپٹے اوڑھتی ہیں کہ جن پر کامدانی کی باریک افشاں چنی ہوتی ہے۔

لیکن جب پورا ناول پی چکا تو باوجودیکہ مصنف نے جگہ جگہ ایسی دنیا، ایسے ماحول اور ایسی شہزادیوں کا ذکر بڑے طمطراق سے کیا ہے، مجھے بڑی شدت کیساتھ اس بات کا احساس ہوا

کہ یہ لوگ مر چلے ہیں۔ اور اگر مرے نہیں تو دم توڑ رہے ہیں ان کی یہ کھوکھلی زندگی، کھوکھلے قہقہے، کھوکھلے غم اور کھوکھلی مسرتیں! یہ ناول انھیں مردہ یا بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے کرداروں کی زندگی کی تاریخ ہے، اور چونکہ میرے خیال میں اس دیرینہ و پارینہ اس سڑے گلے نظام کی حقیقی منظر کشی اس ناول کی جان ہے اس لئے میں "ثروت آرا بیگم" کو معاشرتی اور اخلاقی ناول کہنے کے بجائے اسے ایک تاریخی ناول کا نام دیتا ہوں۔

جیسا کہ اس ناول کی تاریخ اشاعت سے معلوم ہوتا ہے یہ ناول پہلی بار ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تھا اور جیسا کہ خود مصنف کا قول ہے یہ ناول تاریخ اشاعت سے بہت عرصہ پہلے ذہنی تکمیل کے مدارج طے کرتا رہا، چنانچہ اس ناول کا تجزیہ کرتے ہوئے میں اسے آج کے حالات کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتا ہوں اسے ان حالات کی روشنی میں دیکھوں گا جب جاگیردارانہ نظام نزع کی سسکیاں لے رہا تھا (آخری سسکیاں نہیں کیوں کہ ہندوستان میں ابھی تک جاگیرداری پوری طرح سے فنا نہیں ہوئی) اور اپنے امیرانہ کلچر اور رئیسانہ تمدن کو بندریا کے مردہ بچہ کی طرح اپنی چھاتی سے چمٹائے ہوئے تھا اور سرمایہ دارانہ نظام اپنے عنفوان شباب پر پہنچنے کے لئے اس کے سرہانے بیٹھ کر بیخ بیخ ٹھونک رہا تھا۔

ان حالات میں ناول کے ہیرو ظفر جنگ کا اور اس کے علاوہ دو اور نواب زادوں کا گھر والوں کی مخالفت کے باوجود اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے ولایت جانا اور پھر انہیں سے ایک کا ولایت سے "فرنگن" کو بیاہ لانا اور اسی نوعیت کے بعض اور واقعات اس بات کی بین دلیل ہیں کہ مصنف نے شعوری طور پر وقت کی بدلتی ہوئی قدروں کا ساتھ دیا ہے خصوصاً ناول کے ایک اہم کردار صفدر کی کہنہ و فرسودہ روایات پر طنز و مزاح کی نشتر زنی۔

ذرا ملاحظہ ہو کہ صفدر کی شادی ہو رہی ہے آرسی مصحف کی رسم ادا ہو چکی اب ٹونوں کی باری ہے۔

میراثن صفدر سے کہتی ہے۔

میراثن ۔ میاں کہو لگا ٹونا۔
صفدر ۔ تیرے لگا ہوگا میرے کیوں لگتا۔
میراثن ۔ اللہ علی کی امان، دولہا میاں کہو، یہ رسم ہے۔
صفدر ۔ خواہ مخواہ کہو، ہم بیاہ کرنے آئے ہیں، یا جادو ٹونے لگانے؟

اس قسم کے رسم و رواج اور ٹونے ٹوٹکے آج بھی ہمارے معاشرہ میں شامل ہیں اور اکثر پڑھے لکھے اور خود سر نوجوان اس طرح کے مذاق بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن صفدر صرف اپنی شادی کے موقع پر ہی ایسا مذاق نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ناول کے آغاز سے انجام تک اپنے طنز و مزاح کے ایسے تیر چھوڑتا ہے اور اس انداز سے ہر طرح کی غلط روی کا مضحکہ اڑاتا ہے کہ لامحالہ اسکی ترقی پسندی کی داد دینا پڑتی ہے خاص طور سے اسکا وہ آخری اقدام کہ جسمیں وہ ہیرو اور ہیروئن کو مختلف طریقوں سے مروجہ رسم و رواج کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ہیروئن کو، جو ہیرو کی منگیتر ہے مگر بعض غلط فہمیوں کی بنا پر کسی اور سے بیاہی جا رہی ہے اور ہیرو کو جو اپنی محبوب بیوی کو ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھتے ہوئے بھی اپنی نام نہاد خاندانی شرافت کو سینے سے چمٹائے ہوئے صرف سرد آہیں بھرنے پر اکتفا کرتا ہے ــــ اگر اسے میری گستاخی تصور نہ کیا جائے تو میں ظفر جنگ کے بجائے صفدر میاں کو اس ناول کا ہیرو گردانوں گا۔

کہیں اوپر میں یہ کہہ چکا ہوں کہ میں اس اخلاقی اور معاشرتی ناول کو تاریخی ناول کا نام دیتا ہوں، میں اس ناول کو اس لئے بھی تاریخی ناول کا نام دیتا ہوں، کیونکہ اسمیں بعض ایسی چیزوں کا ذکر ملتا ہے جن کے علم کے بغیر کسی بھی مورخ کے لئے ہندوستان کے جاگیری دور کی تاریخ مرتب کرنا دشوار ہوگا ــــ مثلاً اس زمانے کے پرتکلف کھانوں کی لمبی چوڑی فہرست عجیب و غریب زیورات کے نام وغیرہ اس ناول میں جاگیری نشست و برخاست کے تمام تر لوازمات موجود ہیں۔

میں یہاں ان کھانوں کی لمبی چوڑی فہرست بیان نہیں کرونگا، ان ملبوسات اور

زیورات کا بھی ذکر نہیں کروں گا کہ جنھیں وہ لوگ پہنتے تھے اور اتراتے تھے میں یہاں صرف اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کروں گا کہ جو کل تھا وہ آج نہیں ہے اور جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگا۔ اور جو ادیب کوئی تخلیق کرتے ہوئے اس تاریخی حقیقت کو ذہن میں نہیں رکھتا وہ تاریخ کے ساتھ انسانی ارتقا کے ساتھ اور خود اپنے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔

مقام مسرت ہے کہ حمیدہ سلطان نے اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس طرح خود اپنے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا ہے اس ناول میں انھوں نے صرف اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے کہ جس کا خود انھیں براہ راست تجربہ تھا، ان کے کردار ان کے جانے پہچانے کردار ہیں جو اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ اور میں سمجھتا ہوں یہی اس ناول کی کامیابی کا سبب ہے۔

دفتر شاہراہ دہلی

یکم فروری ۱۹۵۳ء

پرکاش پنڈت

دیباچہ طبع اوّل

دراصل میری یہ تصنیف جس نے اب کتابی صورت اختیار کرلی ہے اب سے
دس سال قبل جب میں پورے چھ ماہ کی طویل علالت کے بعد بستر سے اٹھی تھی محض دل بہلانے
کی خاطر تفریحی مشغلہ تھا، ڈاکٹر درسی کتب کے مطالعے کی اجازت نہ دیتے تھے بیکاری کا وقت
گذارنے کیلئے میں نے اسکو لکھنا شروع کیا رفتہ رفتہ مجھے اس میں دلچسپی پیدا ہوتی چلی، اور
ان اوراق پریشاں نے ایک مستقل کتاب کی صورت اختیار کرلی اسے غور کی ضرورت
تھی نئی نئی امنگ تھی اور شوق تازہ تھا میں اس کی تکمیل میں بالکل منہمک ہو کر رہ گئی
کم و بیش ایک سال میں میں نے ایک حصہ مکمل کرلیا لیکن دوسرے حصے کی تکمیل اور
نظر ثانی کی نوبت نہ آئی تھی کہ میرے ابا جان کرنل ذوالنور علی احمد فالج کے خطرناک
مرض میں مبتلا ہوگئے، چار ماہ دس روز کی علالت کے بعد راہی عالم بقا ہوئے، ابا جان
کی وفات نے خرمن عقل و ہوش پر بجلی گرا دی، حواس کا شیرازہ بکھر گیا اور اس سانحہ
ہوشربا کی بدولت ایک عرصہ تک میں اس کی جانب توجہ نہ کرسکی۔ غم و خوشی دنیا میں
توام ہیں، میں بھی رفتہ رفتہ سنبھلی اور افکار سے نجات پاتے ہی پہلی فرصت میں اس پر
آٹھ سال بعد نظر ثانی کی، دوسرے حصے کو مکمل کیا دو سال سے برابر اسکی اشاعت
کی کوشش کرتی رہی لیکن ہر بات کا وقت خدا کی جانب سے متعین ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی
وجہ مانع رہی، اب "ثروت آرا بیگم" کا پہلا حصہ اپنے رنگ میں پیش کر رہی ہوں
جو آج سے دس سال قبل میرا تخیل تھا یہ میرے اوائل شباب کے والہانہ تخیل کا
مکمل مرقع ہے اور دوسرا حصہ جو جلد ہی پیش کرنے کی کوشش کروں گی میرے

موجودہ تفکرات کا نتیجہ ہوگا، نکتہ سنج طبائع اس فرق کو دونوں حصّوں میں خود محسوس کرینگی۔

بنی نوع انسان میں سے کوئی بشر بھی کمزوری سے مبرّا نہیں، مجھے بھی اس کا اعتراف ہے، میری اس تصنیف میں بھی بہت خامیاں ہونگی، اہلِ قلم اصحاب سے گذارش ہے کہ آزادانہ اس پر تنقید کریں تاکہ میں اپنی اور تصانیف میں ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرسکوں، میں محترم بھائی فصیح الدین احمد صاحب کی مشکور ہوں جنھوں نے اس کی طباعت کے انتظام میں حصّہ لیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے مجھے وقتاً فوقتاً مستفید فرمایا۔

حمیدہ سلطان احمد
۱۵ اپریل ۱۹۴۲ء

پریم نواس
سول لائن دہلی

گزارشِ احوالِ واقعی

"ثروت آرا" بقول پرکاش بھائی کے اب تاریخی درجہ حاصل کر چکی ہے اس لئے کہ اس میں میرے بچپن کی دلی وہ دلی جو اب سے پچیس برس پہلے تھی محفوظ ہے اپنی عمر کے سولھویں سال میں نے اسے لکھا تھا ظاہر ہے کہ جب میرا شعور پختہ تھا نہ کوئی اور تجربہ تھا جو بھی میں نے اپنے اردگرد دیکھا اور محسوس کیا بے لکھ دیا اس کی یہ بے ساختگی اس کی سب سے بڑی دلکشی ہے اور اب بیس سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بھی یہ مجھکو اتنی ہی عزیز ہے جیسے کسی کمسن لڑکی کو اپنی گڑیا! اس میں میرے اوائل شباب کی وہ تمام شگفتگی موجود ہے جو اب یادِ ایام ہو کر رہ گئی ہے اور وہ کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں جو اس ویران دلی میں کہیں بھی نہیں ہیں وہ بورژوا جاگیردار لوگ جو مزدور اور بھوک کا رونا نہیں روتے تھے نام نہاد ترقی پسندی کا لیبل لگا کر اپنی حقیقت کو بھول نہیں چکے تھے جنکے دل میں خدا کا ڈر بھی تھا اور خدا کی مخلوق کے لئے درد بھی — جنکی تمام زندگی بنی نوع انسان کی مدد کرنے گزرتی تھی اور جو نہ جانے کتنی بیکس زندگیوں کی ڈوبی ہوئی کشتیوں کے ناخدا ہوتے تھے ختم ہو چکے ہیں "ثروت آرا" انھیں آن بان کے لوگوں کی زندگی کا عکس ہے جنکے دم سے دلی دلی تھی! اسکا دوسرا حصہ بھی جو ۱۹۴۲ء میں مکمل ہو چکا تھا اب آپکے سامنے ہے میں پرکاش پنڈت صاحب کی مشکور ہوں کہ انھوں نے اپنے ترقی پسند قلم سے اس بورژوائی ذہنیت کی تصنیف کے لئے دیباچہ لکھا اس طرح "ثروت آرا" جو بالکل جاگیردارانہ ماحول کے زیوروں سے مزین تھی اسکی پیشانی پر ترقی پسندی کا سرخ قشقہ لگا کر اسکے حسن کو اور بھی دوبالا کر دیا۔

کوچہ پنڈت
علی منزل
دہلی

حمیدہ سلطان احمد
۲۲ جون ۱۹۵۳ء

۱

شام کا وقت ہے، ڈوبتے ہوئے آفتاب کی آخری کرنیں ہندوستان کے سب سے خوبصورت شہر اور دارالسلطنت دہلی کی شاندار عمارتوں پر نچھاور ہو رہی ہیں، اس تاریخی شہر کی عظمت و شان کے افسانے ورق روزگار پر ثبت ہیں، اس کی زمین میں ایسے باکمال فخر روزگار دفن ہیں، جن کا جواب اب ہندوستان پیدا نہیں کر سکتا، باوجود صدہا بار لوٹے جلنے کے اس کی زیبائی اور رعنائی میں فرق نہیں، صبح بنارس اور شام اودھ کی بہاریں اس کی صبح و شام پر نثار ہیں، شہنشاہ جارج پنجم کا دربار گو ہر بار ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا ہے، اس لئے رونق اور بھی دوبالا ہو گئی ہے.

چنانچہ روز کی طرح آج بھی چاندنی چوک میں جو دہلی کا سب سے بڑا اور شاندار بازار ہے، ہجوم ہے، کھوے سے کھوا چھل رہا ہے، حالانکہ نومبر کا مہینہ ہے، سردی کافی ہے لیکن خلقت کے ہجوم اور سواریوں کی کثرت کی وجہ سے اس بازار میں چلتے ہوئے گرمی محسوس ہوتی ہے اسی بھیڑ اور سواریوں کی کثرت میں، ایک خوبصورت لینڈو گاڑی اپنے شاندار مشکی گھوڑوں کے باعث نمایاں نظر آتی ہے، کوچبان اور دونوں سائیس وردی پوش ہیں، کوچبان نے بھیڑ سے گھبرا کر جلدی سے گاڑی کو کمپنی باغ میں ڈال دیا، اور سکون کا سانس کھینچا لیکن یہ کیا؟ گھوڑے بدکنے لگے، اُف کسی شریر لڑکے نے گھوڑوں کی ٹانگوں میں پٹاخہ چھوڑ دیا

بیچارہ کوچمین بہت سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن گھوڑے کسی طرح قابو میں نہیں آتے۔ وہ گاڑی کا پٹ کھل گیا، ایک خوبصورت لڑکی گاڑی سے گر پڑی۔

ساتھ ہی ایک معمر عورت اور ایک جوان دونوں گاڑی سے کود پڑیں، اور اپنی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان دونوں نے جلدی سے خوبصورت دوشیزہ کو جو بالکل بیہوش تھی چند قدم ہٹ کر گھانس پر لٹا دیا، اور ہوشیار کرنے کی ترکیبیں کرنے لگیں۔

گاڑی الٹ گئی، ایک گھوڑا بھاگ گیا، سائیس اس کے تعاقب میں لپکا دوسرا گھوڑا بیٹھ گیا، سائیس اور کوچمین دونوں اس گھوڑے کے اٹھانے اور ساز کی مرمت کرنے میں مصروف ہو گئے۔

چونکہ اب شام ہو چکی تھی، قمری مہینہ کی آخری تاریخیں تھیں، باغ میں بالکل سناٹا اندھیرا تھا، اور ان بیچاروں کو اس حادثہ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آ رہی تھی، معاً ایک کار کے ہارن کی آواز آئی، کاریں ابھی شاذ و نادر ہی شہر کے دو تین رؤسا کے پاس تھیں۔

کوچمین نے جلدی سے کار کے روکنے کے لئے اشارہ کیا اور فوراً پہچان لیا کہ شہر کے مشہور رئیس کے لڑکے نواب زادہ ظفر جنگ ہیں۔

کار رک گئی اور نواب زادہ ظفر جنگ مع اپنے ایک نوجوان ساتھی کے یہ کیا معاملہ ہے؟ کہتے ہوئے کار سے اتر پڑے۔

کوچمین نے آگے بڑھ کر کہا، صاحب یہ گاڑی خورشید زماں بیرسٹر کی ہے اُن کی صاحبزادی صاحبہ مع اپنی دادا اور اس کی لڑکی کے ہوا کھا کر واپس گھر رہی تھیں، کسی شریر لڑکے نے پٹاخہ چھوڑ دیا، گھوڑے بھڑکے گاڑی الٹ گئی، ایک گھوڑا بھاگ گیا، دوسرا بیٹھا ہے گاڑی اس حالت میں گھر پہونچنے کے قابل نہیں۔

ظفر جنگ نے کوچمین کی طولانی تقریر سے گھبرا کر کہا لیکن صاحبزادی صاحبہ کہاں ہیں؟

کوچمین: حضور اُن کو تو اس صدمے سے غش آ گیا ہے، دادا ادھر گھاس کے تختے پر

اُن کو ہوش میں لانے کی ترکیب کر رہی ہیں۔
ظفر جنگ۔ (اپنے ساتھی کی جانب مڑ کر) صفدر ہمیں مدد کرنی چاہیئے۔
صفدر: بیشک! اور وہ دونوں آگے بڑھے۔
دادا اجنبی آدمیوں کو آتے دیکھ کر ٹھٹک گئیں، لیکن صفدر نے کہا، دادا جی گھبراؤ نہیں، میں صفدر ہوں، صاحبزادہ فرخندہ بیگم کا بھائی، باجی کی نند فرخندہ بیگم اور شوکت آرا بیگم کی محبت اور دوستی ہے، اکثر تم نے مجھے "رفیق منزل" میں دیکھا ہوگا پہچانا نہیں، اور یہ میرے دوست نواب زادہ ظفر جنگ ہیں۔
دادا جن کو اس پریشانی میں یہ شناسائی بھی سہارا تھی، ہاں تم کو دیکھا تو ہوگا لیکن اس وقت اندھیرے میں بڑھیا کو کیا سوجھتا ہے، خیر خدا آپ کی عمر دراز کرے غنیمت ہے کہ آپ آ گئے کہیں سے پانی لے تو چھڑکوں! شاید اس سے میری بچی کو ہوش آجائے، صدمے سے بالکل ہوش نہیں، اے اللہ ہم پر اپنا رحم کر، بیگم صاحبہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔
صفدر نے کہا گھبراؤ نہیں دادا اللہ تھوڑی دیر میں بہن ثروت آرا ٹھیک ہو جائیں گی میں ابھی پانی لاتا ہوں، ظفر بھائی تم یہیں ٹھہرو۔
ظفر نے تارچ کی روشنی ڈالی تو نمناک گھاس پر ایک ایسی بے ہوش حسینہ پڑی ہوئی نظر آئی جس پر یہ گمان ہوتا تھا کہ اس فانی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کھلتا ہوا اسپید رنگ، جس میں سرخی کی رنگت ملی ہوئی، صورت پر معصومیت کا نور، لانبی خوشنما پلکیں، بادامی آنکھیں جو بند ہونے پر بھی فسوں کار تھیں۔
نقشے کا تناسب بوٹا بوٹوں کا حسین تخیل، غرضکہ چند منٹ کے لئے ظفر جنگ کو اس مہوش کا قرار، بے ہوش حسینہ کے لاثانی حسن نے ایسا مسحور کیا کہ وہ اپنے گرد و پیش بھول گیا۔
آخر وہ چونکا اور اپنے حواس جمع کر کے سب سے پہلے اپنا کوٹ دیکر دادا کو کہا کہ یہ

صاحبزادی صاحبہ کے نیچے بچھا دو، تاکہ نمناک گھاس پر پڑے رہنے سے سردی لگ جانے کا احتمال جاتا رہے۔

دولہ نے دعائیں دیتے ہوئے کوٹ لیکر بچھایا اور پھر دوسری عورت کی مدد سے ثروت کو کوٹ پر لٹایا۔

صفدر پانی لے آئے اور دولہ نے زور سے منھ پر پانی کے چھینٹے دئے، ثروت آرا کو جب ہوش آیا تو پہلی نظر ظفر پر پڑی، جو ایک ہاتھ میں ٹارچ سنبھالے دوسرے ہاتھ سے ثروت آرا کی نبض دیکھ رہا تھا اور نظریں خوبصورت چہرے پر تھیں۔

ثروت نے جب اس طرح غور سے ایک حسین نوجوان کو اپنی طرف جھکے ہوئے پایا تو شرما گئی، جلدی سے منھ پھیر کر ہاتھ چھڑا کر اٹھ بیٹھی اور ساری کی اوٹ کر لی۔

ظفر دراصل ثروت آرا کو ہوش میں لانے کے بجائے خود اُس کے حسن دلفریب سے متاثر ہوکر بیہوش ہو چکے تھے۔

ثروت آرا کے شرما کر اوٹ کر لینے پر اُن کو اپنے طرز عمل کا احساس ہوا، اور نادم ہو کر اُنھوں نے انگریزی میں معذرت چاہی، پھر دولہ سے کہا بہتر ہے آپ کو میں کوٹھی چھوڑ آؤں، آپ کی گاڑی تو جانے کے قابل نہیں۔

دولہ نے کہا، میاں اللہ کرے خوش رہو، میں خود کہنے والی تھی، میری بچی کی جان پہلے ہی ہلکان ہو گئی، اب اس موئی گاڑی میں نوج جائیں۔

ظفر نے اجازت پاکر کار قریب کی، اور گاڑی پٹ کھول کر ایک طرف کھڑے ہو گئے، ثروت آرا کے پاؤں میں ذرا سے چوٹ آگئی تھی، اس لئے وہ دوسری عورت حشمت کے سہارے سے لنجاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھیں، دولہ بھی بیٹھیں۔

ظفر جنگ نے دولہ سے پتہ پوچھکر، خورشید لاج سبزی منڈی کا راستہ لیا کار آناً فاناً میں فراٹے بھرتی پہونچ گئی۔

خورشید لاج میں برقی روشنی کے باعث دن ہو رہا تھا، جھاگا جو انگوڑا ابھی سائیس کے چند منٹ قبل یہاں پہونچ چکا تھا، بیرسٹر صاحب کلب گئے ہوئے تھے اس لئے بیگم خورشید زمانی اپنی لاڈلی بیٹی کو لانے کے لئے خود جانے کو تیار کھڑی گھر آنے کی گاڑی منگوا رہی تھیں کہ کار پورچ میں آکر رکی.

ظفر جنگ نے موٹر کا پٹ کھول دیا، سب نوکر دوڑے، ساری کوٹھی میں غل مچ گیا کہ چھوٹی بیگم آگئیں، دولت نے پہلے ظفر جنگ اور صفدر کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا، پھر ثروت آرا کو اندر لے گئیں، ثروت پاؤں کی چوٹ کے باعث اچھی طرح چل نہ سکتی تھیں، ماں نے فوراً بیٹی پر سے صدقہ اتروایا، آدمی ڈاکٹر کے یہاں گیا، اور سب کی جان میں جان آئی.

ظفر و صفدر کی امداد کا بیگم صاحبہ نے پس پردہ آکر بہت شکریہ ادا کیا جس کے جواب میں ان دونوں نے کہا، ہم خادم ہیں، شرمندہ نہ کریں، اگر اپنی ایک بہن کی مدد کی، کون سا بڑا کام کیا، اور جانے کی اجازت چاہی، بیگم صاحبہ نے لیمنڈ اور خشک میوے سے تواضع کی اور کہا بیرسٹر صاحب آتے ہوں گے، آپ کھانے کے بعد جائیے.

ظفر جنگ نے کہا، انشاء اللہ بیرسٹر صاحب سے نیاز حاصل کرنے پھر کسی دن حاضر ہوں گا، اس وقت تو اجازت دیجئے.

دونوں کا یہ اصرار دیکھ کر آخر بیگم صاحبہ نے بہت شکریہ کے بعد ان دونوں کو رخصت کیا.

۲

ظفر جنگ کے والد نواب اظہر جنگ کا شمار دہلی کے چوٹی کے امراء میں ہوتا تھا، اُن کے دادا شاہ عالم کے زمانے میں بخارا سے آئے تھے اور یہاں منصب جلیلہ پر فائز تھے جاگیر بھی ملی ہوئی تھی، غدر کے زمانے میں نواب اظہر جنگ کے والد نواب مظفر جنگ پر دوسرے شرفائے دہلی کی طرح مصیبت آئی اور ان کی تمام جائداد اور جاگیر ضبط ہوگئی، لیکن جب ایک جلیل القدر انگریز نے جن کو بغاوت کے دنوں میں انھوں نے پوشیدہ رکھا تھا، ان کی سفارش کی تو جاگیر و جائداد اُن کو واپس مل گئی یہی نہیں اس انگریز کی جان بچانے کے صلے میں گورنمنٹ نے ایک گاؤں اور دیا اظہر جنگ غدر کے زمانے میں دو سال کے معصوم بچے تھے، ان کے والد مظفر جنگ نے غدر کے بعد دہلی کی رہائش چھوڑ کر حیدر آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، وہاں ان کو مہاراجہ چندو لال کی وساطت سے آصف جاہ کے زمرۂ مصاحبین میں داخل کرلیا گیا تھا، اور دو ہزار روپیہ ماہوار ملتا تھا مظفر جنگ کی وفات کے بعد نواب اظہر جنگ اپنے باپ کے عہدے پر فائز ہوئے، لیکن نواب میر محبوب علیخاں خلد آشیاں کے بعد انھوں نے ملازمت سے کنارہ کشی کرلی حضور نظام نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قدردانی فرما کر ایکہزار روپے ماہوار پنشن کردی اور بار ملازمت سے سبکدوشی حاصل کرکے نواب اظہر جنگ تقریباً دو سال سے دہلی میں سکونت پذیر تھے، دہلی میں ان کی حیثیت نمایاں تھی، جاگیر اور شہر کی جائداد کی آمدنی پنشن وغیرہ

سب ملا کر آٹھ ہزار کے قریب تھی، جو ان کی شان و عظمت برقرار رکھنے کے لئے بہت کافی تھی جو سوداگر دہلی آتا پہلے نواب اظہر جنگ کے دولتکدے پر جاتا، جو نئی کتاب طبع ہوتی پہلے نواب اظہر جنگ کے کتب خانے میں ملتی، ہر ایک نئی ایجاد بھی سب سے پہلے نواب اظہر جنگ کے یہاں پائی جاتی، چنانچہ کاریں ابھی شہر میں بالکل معدودے چند تھیں، لیکن نواب اظہر جنگ نے فوراً ولایت آرڈر بھیجکر دو کاریں منگالیں، ایک اپنے لئے اور دوسری اپنے بیٹے ظفر جنگ کیلئے

نواب اظہر جنگ گو مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے، لیکن روشن خیال بزرگ تھے اسلئے شہر کی گنجان آبادی سے الگ، آبائی مکان کو چھوڑ کر انھوں نے ٹھنڈی سڑک پر ایک عالیشان محل بنوایا تھا۔

اس وسیع خوبصورت عمارت کو جس کا نام اظہر محل تھا دو حصوں میں منقسم کیا گیا تھا مردانہ حصہ مغربی انداز پر کوٹھی نما بنایا گیا تھا جس میں مشرقی تزئینیں بھی شامل تھیں، جس کے تین کمرے ظفر جنگ کے لئے الگ اُن کے مذاق کے مطابق آراستہ تھے، ایک اُن کا ڈرائنگ روم تھا، یہ ایک خوبصورت چوکور مربع فرش کا کمرہ تھا جس میں ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے، صوفہ سٹ بہت آرام دہ اور اعلیٰ قسم کا تھا، مینٹل پیس پر قیمتی سونے کے کام کا گھنٹہ رکھا ہوا تھا جو ہر پندرہ منٹ بعد، سریلی آواز سے وقت بتاتا تھا، گھنٹے کے قریب مشہور یونانی مفکر ارسطا طالیس کا مجسمہ رکھا ہوا تھا، وسط کمرہ میں ہاتھی دانت کے نفیس کام کی خوبصورت گول میز رکھی ہوئی تھی جس پر چاندی کے گلدان میں گلاب کے تروتازہ پھول کمرے کی فضا کو معطر کئے ہوئے تھے۔

صوفے کے قریب تپائی پر ایش ٹرے تھی، ایک کونے میں پیانو رکھا ہوا تھا دوسری جانب گراموفون، نیلے رنگ کے ریشمین پردے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے، ڈرائنگ روم کے قریب کا مختصر کمرہ ظفر کی لائبریری تھا، جس میں شیشے کی الماریوں کے اندر فارسی انگریزی، عربی، مصری اور اردو کی بہترین کتب کا نایاب ذخیرہ موجود تھا،

وسط میں لکھنے کی میز لگی ہوئی تھی، اس پر خوبصورت قلم اور دوات لکھنے کے نفیس کاغذ

رائٹنگ پیڈ اور چند اخبار پڑے ہوتے تھے، دروازوں پر سبز گہرے رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے دالان کے پاس خوابگاہ تھی، جس کے وسط میں مسہری لگی ہوئی تھی، مسہری کے ایک جانب ڈریسنگ ٹیبل دوسری جانب کپڑوں کی الماری، ایک چھوٹی میز پر چند کتابیں ایک کونے میں آرام کرسی پر ظفر آنکھیں بند کئے تخیل میں غرق نیم دراز ہیں۔

زنانخانہ بالکل مشرقی طرز پر بنا ہوا ہے، عالیشان ڈیوڑھی جس پر دو دربان بیٹھے رہتے ہیں، آگے چل کر ایک لمبا راستہ آتا ہے اس سے نکلنے کے بعد ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی ہے، یہ بار بردارنی ہے، جو کوئی نیا آدمی آتا ہے، دربان باربردارنی سے کہتے ہیں وہ اندر سے اطلاع کرتی ہے، آگے بڑھکر وسیع صحن ہے صحن کے ایک طرف ایک خوبصورت حوض بنا ہوا ہے، جس کے چاروں کونوں پر ناندوں میں پام کے درخت رکھے ہوئے ہیں حوض کے اندر چھوٹی چھوٹی زرد سبز مچھلیاں پڑی ہوئی ہیں فوارے پر سنگ مرمر کی ایک حسین عورت کا چہرہ بنا ہوا ہے، جس کے سر کے وسط میں فوارہ نکل رہا ہے۔

ایک جانب کیاری میں مشرقی پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں جن کی بھینی بھینی مہک سے دماغ معطر ہوتا ہے، دوسری جانب مولسری کے بڑے درخت نے صحن کا کافی حصہ گھیر لیا ہے اس مولسری کے درخت کے نیچے ہی ماماؤں، مغلانیوں کے رہنے کے لئے کھنچیاں بنی ہوئی ہیں، اس سے ذرا ہٹ کر آبدارخانہ اور باورچی خانہ ہے، جہاں باورچنیں کھانے کی تیاری میں مصروف ہیں، ٹھنا ٹھن کی آوازیں چلی آرہی ہیں، صحن کو طے کر کے مرمریں چبوترہ ہے جس پر جانے کے لئے سات سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں، چبوترے پر دونوں جانب بغلوں میں دو بڑے کمرے بنے ہوئے ہیں، سامنے عالیشان دالان در دالان ہیں، ان دالانوں کی بغلوں میں بھی کمرے نکلے ہوئے ہیں، دالانوں میں صاف چاندنیوں کا فرش ہے، جن میں سلوٹ کا کہیں نام نہیں اور ایرانی قالین صدر میں بچھی ہوئی ہیں، گاؤ تکئے ہیں، جھاڑ فانوس سے آراستہ دونوں دالان منہ سے بول رہے ہیں، باہر کے دالان میں چلمنیں لگی ہوئی ہیں، اندر کے دالان میں

چناپٹی کے پردے ہیں، بیگم صاحبہ اندر کے دالان میں گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی ہیں، جوانی میں
غضب کی حسین ہوں گی، اب بھی گو عمر چالیس کے قریب ہے، صورت پر رعنائی زیبائی باقی ہے،
سر میں سفید بال کا نام نہیں ہے رنگ ایسا صاف ہے کہ ہاتھ لگائیے میلا ہو جسم گداز ناک
نقشہ بے عیب، لباس وہی جو دہلی کی پرانی بیگمات کا ہے، بڑے پائنچوں کا اودی قناویز کا
پاجامہ، بلبل چشم بیک لگی ہوئی، ہلکے بادامی ملنے کی جاکٹ اور ایسے ہی رنگ کے ملنے کا
چادرہ، کانوں میں دو جڑاؤ پتے بالیاں، ہاتھوں میں ڈائمنڈ کٹ سونے کے کڑے اور
چوڑیاں، گلے میں جڑاؤ چمپاکلی، انگلیوں میں بیش قیمت انگشتریاں، سامنے چاندی کا پیچوان
لگا ہوا ہے، ایک لونڈی چلبلی جوان بنی سنوری، سامنے حکم کی منتظر کھڑی ہے۔

قریب ہی ایک ماہوش لڑکی بیٹھی ہے، ان کی چھوٹی لڑکی مہر النسا ہے، جو ایک تیرہ سالہ
خوش منظر ماہ جبیں ہے، صورت ماں سے ملتی ہے، لباس میں اپنی ماں سے مختلف ہے، سبز قناویز
کا چست آڑا پاجامہ ہے، ہلکے گلابی ملنے کی قمیص ہے، ایسا ہی رنگ کا شبنم کا دوپٹہ ہے
جس پر کامدانی کی باریک افشاں ہے، زیور کی قسم سے صرف اس کے کان میں ایک ایک
دُر ہے اور ہاتھوں میں دو دو نازک طلائی چوڑیاں، قصہ چہار درویش ماں کو پڑھ کر سنا رہی
ہے بیگم صاحبہ سننے میں منہمک ہیں لیکن باربردارنی کی آواز سے یہ انہماک ٹوٹ گیا جو
بہت دور سے چیخ کر کہہ رہی تھی، اری سوسن، گلچمن، او سنبل، اری سب کہاں ہو چلو نہ
بڑی صاحبزادی اور صادقہ بیگم آئی ہیں۔

لونڈیاں اور مامائیں دھڑ دھڑ کرتی بھاگیں، اور ان کے جھرمٹ میں دو نوجوان
حسین بیگمیں زرق برق لباس میں آتی نظر پڑیں، جنھوں نے آتے ہی بیگم صاحبہ کو آداب کیا۔

بیگم صاحبہ نے ایک شوخ مزاج سانولی سلونی صورت والی بیگم کو گلے لگاتے
ہوئے کہا پھولو پھلو، پھر دوسری بیگم نے جن کا صاف رنگ میدہ اور شہابت تھا کہا
اللہ زیب النسا خوب سہیلی کے ہاں رہیں۔

زیب النسا۔ دیکھئے اماں جان میں نہ رہتی تھی، صادقہ بہن نے آنے نہ دیا۔
صادقہ۔ خالہ جان اتنے دن بعد تو یہ آئی تھیں، ایک رات میرے ہاں رہ گئیں تو کیا
ہرج ہوا۔
بیگم صاحبہ۔ ہرج تو کچھ نہیں لیکن ابھی ان کو آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں، پھر جا کر
رہ لیتیں، کل عشرت زمانی ان سے ہی ملنے آئیں، شام تک راستہ دیکھ کر واپس گئیں
زیب النسا۔ مومانی جان کے پاس میں خود کل ہو آؤں گی۔

زیب النسا نواب اظہر جنگ کی بڑی لڑکی تھیں، جن کی شادی ایک سال کا عرصہ ہوا نواب خسرو جنگ ایک حیدرآباد کے جاگیردار سے ہو چکی تھی۔

زیب النسا ابھی اپنی سسرال سے آئی تھیں، صادقہ بیگم اور صفدر بیگم صاحبہ کی بہت عزیز سہیلی کے بچے تھے، ان دونوں کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، اب بیگم صاحبہ ان دونوں کو ایسا ہی عزیز رکھتی تھیں اور ایسا ہی برتاؤ کرتی تھیں جیسا کہ ایک حقیقی خالہ کو کرنا چاہیئے۔

صادقہ اور زیب النسا ہم مکتب تھیں اور دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔

بیگم صاحبہ نے مہر النسا سے مخاطب ہو کر پھر پڑھنے کی فرمائش کی، جو خبرداری پکاری گئی کہ نواب صاحب تشریف لاتے تھے۔

نواب صاحب کی آمد کی خبر سن کر سب کونے کونے ہو گئے، بیگم صاحبہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئیں بہو بیٹے چادریں سنبھال کر اوڑھے، اور تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

نواب صاحب ظفر کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے آئے، نواب صاحب اور ظفر کی شکل اس قدر ملتی ہے کہ ہر کوئی کہہ سکتا ہے، یہ باپ بیٹے ہیں، فرق اتنا ہے کہ وہ بڈھے ہیں اور یہ جوان وہی میدہ اور شہاب رنگ وہی سبک نقشہ، وہی لانبا قد، غرضکہ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نواب صاحب نے بیٹیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، صادقہ کو بھی دعا دی، اور بیوی

کے پاس بیٹھ گئے ظفر بھی ماں، بڑی بہن اور صادقہ کو آداب کرکے مودب دو زانو نظریں نیچی کرکے قدرے فاصلے سے بیٹھ گئے، نواب صاحب کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر کہا، سنتی ہو صاحب تمہارے صاحبزادہ کیا کہتے ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ کیا؟

نواب صاحب۔ ان کا خیال ولایت جانے کا ہے، آئی سی ایس کرنے کا ارادہ ہے۔

بیگم صاحبہ۔ نوج دور پار فرنگیوں کے مشن جانے کا کیا کام ہے؟ اور یہ آئی سی ایس کیا بلا ہے، جرنیل، کرنیل، لفٹن گورنر تو سنا تھا، یہ نیا نام آج سنا ہے۔

نواب صاحب۔ ہاں صاحب زمانہ بھی تو نیا ہے، ہر بات نئی ہے، اب گراموفون سے گھر بیٹھے اچھے سے اچھے گانے سن لو محفل رقص و سرود جمانے کی ضرورت بھی کیا ہے، ریل تو نکلی ہی، موٹر بھی نکل آئی، سنا ہے اب اڑن کھٹولے کی طرح کی کوئی چیز بھی بنے گی۔

بیگم صاحبہ۔ اے اللہ قیامت قریب ہے، ان فرنگیوں نے تو آفت ڈھا رکھی ہے، نگوڑے ایک سے زیادہ ایک عجوبہ نیا نکالتے ہیں، ہاں تو یہ آئی سی ایس کیا چیز ہے؟

نواب صاحب۔ ارے صاحب ایک امتحان ہے جس کا نام آئی سی ایس ہے یعنی انڈین سول سروس۔

بیگم صاحبہ۔ لو تم نے اور بھی بڑا نام لے دیا، میں کیا جانوں، یہ کیا بلا ہے؟

نواب صاحب۔ ارے صاحب سیدھی بات یہ ہے کہ اس امتحان کو پاس کرنے کے بعد پہلے ڈپٹی کلکٹر، پھر کلکٹر، کمشنر اگر قسمت اچھی ہوئی تو وائسرائے بہادر کی کونسل کے ممبر تک بن جاتے ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ چیز تو یہ اچھی ہے لیکن سنا ہے وہاں جاکر مذہب نہیں رہتا، اس لئے دل نہیں چاہتا کہ ظفر جائیں۔

ظفر جنگ۔ اماں جان آپ کے فرمانے کی بات ہے، اب سب جا رہے ہیں، مذہب ایسا

بو دا نہیں کہ یہاں جلنے سے جانا سب ہے گا۔
بیگم صاحبہ۔ لیکن میرا تو دل نہیں مانتا، تم کو اب کیا کمی ہے، جو ولایت جاؤ، سب کچھ تمہارے لئے ہے، بس پڑھ لیا، بہ بہت کافی ہے اب پڑھکر کیا کرو گے۔
ظفر جنگ۔ اماں جان تعلیم صرف روپے کے لئے نہیں حاصل کی جاتی، بلکہ میں تو سمجھتا ہوں جس طرح ایک ذی عقل انسان کے لئے غذا کی ضرورت ہے، اتنی ہی تعلیم کی ورنہ زندگی ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہے۔
بیگم صاحبہ۔ افوہ رے منطقی لڑکے کیا کیا باتیں بنا رہا ہے، بھلا میں کیسے تم کو اتنی دور جانے کی اجازت دیدوں۔
نواب صاحب۔ اس میں ہرج کیا ہے، بیگم اس کی خوشی ہے تعلیم پوری کرنے دو! بار بار کیوں ہوتی ہو؟
بیگم صاحبہ۔ واہ صاحب منع کرنے سے رہے اور تم شہ دے رہے ہو، میرا ایک بچہ ہے، کیا غرض ہے جو کالے کوسوں بھیجوں۔
نواب صاحب۔ میرے ایک دوست مسٹر سن جان کمبرج کالج میں پروفیسر ہو گئے ہیں، وہ ظفر کا خیال رکھیں گے فکر نہ کرو۔
بیگم صاحبہ۔ تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم باپ بیٹے صلاح کرکے آتے ہو، خبر گیری کرنے والا ہر جگہ خدا ہے، وہ کافر کیا خبر رکھے گا، لیکن نہیں صاحب میں اس ملک میں جانے نہ دونگی، موئی فرنگنیں لپٹ جاتی ہیں۔
نواب صاحب۔ مسکرا کر، تو تم اپنے بیٹے کی کہیں منگنی کر دو، پھر یہ خوف جاتا رہے گا۔
بیگم صاحبہ۔ لیکن آخر جانا کون سا ضروری ہے کہ کسی طرح بغیر اس کے کام نہیں بن سکتا۔
ظفر جنگ۔ ابھی اماں جان آپ انکار نہ کریں، میری بہتری اسی میں ہے کہ تعلیم مکمل کروں۔
بیٹے کو مصر پاکر بیگم صاحبہ مجبور ہو گئیں اور کہنے لگیں بھئی مجھے یہ چونچلے نہیں بھاتے، اچھا

دیکھا جائے گا۔

ماں کو نیم رضامند پاکر ظفر بھی خاموش ہو گئے، اور پھر صادقہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے باجی آپ سے تو باتیں نہیں ہو سکیں، چلئے بی آپا اپنے کمرے میں چلئے، تینوں بہنیں اور ظفر بیگم صاحبہ اور نواب صاحب کو آداب کر کے اٹھ گئے۔

کمرے میں آکر صادقہ نے کہا ارے بھئی تم بہت جھوٹے ہو، کھانے پر رات کو تمہارا بہت دیر تک انتظار کرتی رہی، صفدر کہاں غائب ہیں؟

ظفر جنگ۔ باجی معاف کیجئے، ایک خاص وجہ کے باعث رات میں نہ آسکا، صفدر جانے کے بعد نشاط آئے تھے ان کے ہمراہ چلے گئے تھے آتے ہی ہوں گے۔

زیب النساء۔ آخر وجہ کیا تھی نہ آنے کی ہم بھی تو سنیں۔

ظفر۔ جی بالکل ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ میرے ایک دوست کی گاڑی الٹ گئی تھی میں اتفاق سے وہاں پہنچ گیا، ان کو گھر پہنچانے میں دیر ہو گئی، ساڑھے نو ہو چکے تھے، میں نے سوچا کہ آپ سب کھانا کھا چکے ہوں گے اب جانا بے سود ہے۔

صادقہ۔ واہ ہم نے تو دس بجے تک تمہارا انتظار کیا۔

ظفر۔ خیر اب پھر سہی، مجھے کیا آپ کے ہاں کھانا کھانے سے انکار ہے، ہزار مرتبہ کھاؤنگا

صادقہ۔ مہر النساء تم کو فرخندہ نے سلام کہا تھا، کہنا بھول گئی تھی، (ظفر کی جانب مخاطب ہو کر) ارے بھئی سنا ہے نشاط بھی؛ لاین جاتے کو کہہ رہے ہیں۔

ظفر نے جواب نہ دیا تو زیب النساء نے شانہ ہلا کر کہا، کیا سوچ رہے ہو؟

ظفر (چونک کر) جی کیا فرمایا آپ نے؟

صادقہ۔ ایں کیا بات ہے، تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو؟

ظفر۔ (جن کا خیال فرخندہ کا نام سنکر ثروت کی جانب چلا گیا تھا) جی نہیں تو، رات ذرا نیند اچھی طرح نہیں آئی، اس لئے طبیعت مضمحل ہے۔

صادقہ۔ (دبیر کی آہٹ سے نظر اٹھا کر) ایلو صفدر بھی آگئے۔
زیب النساء۔ واہ صفدر، تمہارے نہ ہونے سے رات کو کھانا بے لطف رہا۔
صفدر۔ (جو ایک خوش مزاج چنچل طبیعت کا نوجوان تھا، ظفر کی طرف دیکھ کر منہ بنا کر) ان میاں صاحب کی اردلی میں تھا، ان کے ساتھ میں بھی نہ آسکا۔
صادقہ۔ ہاں وہ تو ہم نے بھی سنا کہ ظفر کے کسی دوست کی گاڑی الٹ گئی تھی۔
صفدر۔ (شرارت سے) جی ہاں بہت گہرے دوست کی، بس کچھ پوچھئے نہیں، اس دوستی کے باعث بیچارے ہمارے دوست خلصے پریشان ہو گئے ہیں۔
زیب النساء۔ ہاں یہ تو ہمیں بھی خیال ہے کہ یہ کچھ کھوئے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔
صفدر۔ جی بجا ہے، اب دیکھئے آپ ایک ناول کے ہیرو بننے والے ہیں۔
ظفر۔ واہ صفدر کیا بیہودگی ہے، آپا آپ ناحق پریشان ہوتی ہیں، صفدر تو مسخرے ہیں، فضول بناتے ہیں۔
صفدر۔ ہائی اور آپا ان کی بات کا یقین نہ کیجیے، قصہ یوں ہے کہ رات کو گلابی پری کا سایہ ان پر ہو گیا، ہزار مرتبہ منع کیا، دونوں وقت ملتے باغوں میں نہ جایا کرو، نہ مانا لیٹا پنڈا اچھا، آخر اب خلل کا آزار ہو گیا۔
ظفر۔ از برائے خدا صفدر خاموش رہو کیا بکو اس لگائی ہی کسی وقت تو سنجیدہ بنا کرو۔
صادقہ۔ سچ تو ہے صفدر، نہ جانے کیا اول جلول بک رہے ہو، دیکھتے نہیں کہ ظفر بھائی کی طبیعت اس وقت درست نہیں ہے۔
صفدر۔ (ہاتھ باندھ کر) سچ ہے خطا ہوئی مجھے خبر نہ تھی کہ سرکار کے دشمنوں کا مزاج عالی ناساز ہے، اب جو فرمائیے تو اندر سبھا کے کالے دیو کو بلا کر انتظام کیا جائے۔
ظفر۔ صفدر نہ مانو گے تم خاموش رہو بھائی۔
صادقہ۔ سچ بتاؤ، ظفر کیا بات ہے، ہم سے نہ چھپاؤ

ظفر۔ (پریشان ہوکر) اور، باجی یقین جانیں، کوئی خاص بات نہیں، یونہی طبیعت اس وقت مضمحل ہے، یہ حسب عادت بنا رہے ہیں، آؤ صفدر باہر چلیں، دونوں چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد صادقہ نے زیب النساء سے کہا، کوئی بات ضرور ہے، جو ظفر اتنے خاموش ہیں، صفدر سے الگ بلاکر پوچھوں گی۔

زیب النساء۔ ہاں خیال مجھے بھی اس کا ہے، ضرور پوچھنا۔

مغلانی۔ لے حضور، آپ کو بیگم صاحبہ بلاتی ہیں۔

صادقہ۔ بی مغلانی نواب صاحب باہر تشریف لے گئے؟

مغلانی۔ جی حضور اُن کو تو گئے بھی کتنی دیر ہوگئی۔

دونوں اُٹھ کر بیگم صاحبہ کے پاس آئیں۔

بیگم صاحبہ نے صادقہ سے کہا، بھئی ظفر جنگ کے لئے اب خیال کرنا چاہیے، انشاء اللہ اب وہ جوان ہیں، اور پھر ولایت جانے کا خیال ہے، بہتر ہے جتنی جلد منگنی یا نکاح ہوجائے تم کوئی لڑکی ڈھونڈو، جو صورت شکل میں میرے ظفر کا جوڑ ہو۔

صادقہ۔ آپ کی فرمانے کی بات ہے، بھائی ظفر کے لئے دلہنوں کی کیا کمی، دہلی میں نوابی خاندان ابھی کئی ہیں اور لڑکیاں بہت ہیں، انشاء اللہ ایسی دولہن ڈھونڈونگی کہ بس جوان کے مقابل ہو۔

بیگم صاحبہ۔ ہاں بھئی، ہم تو حیدرآباد رہ کر دہلی والوں سے اجنبی ہوگئی، اپنے کنبے والے ملاپ سب چھوٹ گیا تمھاری ماں خدا بخشے دہلی کے چپے چپے سے واقف تھیں، ہر جگہ ان کا آنا جانا تھا، میری تو بچپن کی سہیلیاں بھی ایسی بچھڑیں کہ کچھ پتہ نہیں کون کہاں ہے۔

صادقہ۔ جی ہاں پردیس میں انسان رہ کر پردیسی ہی بن جاتا ہے، دیکھئے انشاء اللہ جلد ہی کوشش کروں گی۔

بیگم صاحبہ۔ اے بی مغلانی، اے مغلانی۔

مغلانی۔ جی حضور۔

بیگم صاحبہ۔ بوا بارہ بجتے ہیں، کھانا بھیجو، پوچھ آؤ کہ چھوٹے حضور اور صفدر میاں یہاں کھائیں گے یا سرکار کے ساتھ۔

مغلانی۔ حضور ابھی باہر بدارنی سے شمّو کہہ گیا ہے کہ چھوٹے حضور تو نواب صاحب کے ہمراہ خاصہ نوش فرمائیں گے۔

بیگم۔ اچھا تو یہاں کھانا بھیجو۔

مغلانی۔ بہت بہتر۔

۳

سول ہسپتال کے قریب والی عالیشان کوٹھی میں صادقہ اپنے بھائی صفدر سے محوِ گفتگو ہے

صادقہ۔ صفدر سچ بتاؤ۔ ظفر جنگ اس قدر پریشان کیوں ہے؟ کیا اس کا تعلق اُس رات والے حادثے سے ہے؟

صفدر۔ (مسکرا کر) جی ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔ لیکن باجی میں بتاؤں گا نہیں۔

صادقہ۔ میں کیا دشمن ہوں جو کسی سے کہہ دوں گی۔

صفدر۔ لیکن آپ کو دوست بھی نہیں کہا جا سکتا۔

صادقہ۔ (چڑ کر) اے لڑکے ہوش کی دوا کر، بیچارے کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، میں تمہاری دشمن ہونگی تو ظفر جنگ کی بھی ہوں گی۔

صفدر۔ لیکن صاحب آپ کو اس قدر جستجو کیا ہے، آپ کی بلا سے کوئی پریشان رہے یا خوش، آپ کا بیاہ ہو گیا اور آپ تو خوش ہیں۔

صادقہ (مسکرا کر) اے ہے صفدر کسی وقت تو انسانیت سے گفتگو کیا کرو، میں کہتی ہوں تمہارا یہ بچپن کب جائے گا؟

صفدر۔ باجی یہ بات تو آپ کے ہاتھ میں ہے، آج آپ ہمارا بیاہ کر دیں تو ہم بھی سنجیدہ بن جائیں گے

صادقہ۔ چل بے شرم بے غیرت کہیں کا، ارمان زدہ، اس وقت تیرے بیاہ کا کیا ذکر ہے۔

صفدر۔ باجی اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟ آپ کو اپنا بیاہ کرتے شرم نہ آئی تو میرے بیاہ سے کیوں شرم آتی ہے؟

صادقہ۔ (مسکرا کر، ہاتھ مار کر) اے لڑکے توبہ کرو، زبان ہے کہ قینچی چلے ہی جاتی ہے، اس وقت تمہارے بیاہ کا ذکر ہی کیا ہے، میں ظفر جنگ کی بات پوچھ رہی ہوں، تم اپنا قصہ لے بیٹھے۔

صفدر۔ خیر آپ مصر ہیں تو عرض کئے دیتا ہوں، مگر پہلے آپ اس پریشانی کا مداوا کرنے کا اقرار کریں تو میں کہوں، ورنہ اپنے دوست کا راز کیوں کھولوں۔

صادقہ۔ صفدر، تم تو پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ مجھے کیا معلوم پریشانی کا کیا سبب ہے، میرے امکان میں اس کا مداوا ہے یا نہیں، اگر میں کر سکتی ہوں تو ظفر جنگ کے لئے بھلا کوئی کسر اٹھا رکھوں گی، جان و دل سے کوشش کروں گی۔

صفدر۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ان کی پریشانی کو تھوڑی کوشش سے رفع کر سکتی ہیں، اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔

صادقہ۔ (اشتیاق بھرے لہجے میں) تو بتاؤ وہ کیا بات ہے؟

صفدر۔ (کمپنی باغ والا واقعہ سنا کر) اس لئے بھائی ظفر پریشان ہیں۔

صادقہ۔ اُف رے شریر اتنی دیر سے نہ بتایا، یہ بات ہے تو واقعی ظفر جنگ کی پریشانی بالکل بجا ہے، ثروت آرا کا حسن مرد تو مرد عورتوں کا دل موہ لیتا ہے، بہت حسین لڑکی ہے اور ظفر جنگ کا جوڑ ہے، خالہ جان نے لڑکیوں کو تلاش کرنے کو مجھ سے کہا بھی ہے۔ مجھے ثروت آرا بیگم کا خیال ابھی تک نہ آیا تھا، ابھی خالہ جان سے جا کر کہتی ہوں۔

صفدر۔ پھر میں بھی یہ خوش خبری ظفر بھائی کو سناتا ہوں۔

صادقہ۔ نرگس او نرگس جا ذرا گاڑی تو لگوا، میں اظہر محل جاؤں گی۔ صفدر تم میرے ساتھ چلو گے نا؟

صفدر۔ نہیں صاحب آپ کا میرا ساتھ کیا۔ مجھے تو سہراب کے ہاں جانا ہے، وہاں ہم سب آج دوپہر کے کھانے پر مدعو ہیں۔

صادقہ نے جلدی جلدی ساری لپیٹی اور گاڑی میں بیٹھکر اظہر محل چلنے کا حکم دیا، اصیل گھوڑے چابک کا اشارہ پاتے ہی ہوا ہوگئے، آناً فاناً میں صادقہ اظہر محل پہنچ گئیں۔

سہیلی کی آمد کی خبر پاکر زیب النساء فوراً استقبال کے لئے لپکیں اور معانقہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں لے گئیں۔

صادقہ نے بیٹھتے ہی کہا زیبو بہن مٹھائی کھلاؤ تو خوش خبری سناؤں۔

زیب النساء۔ مٹھائی بہت، مگر خوش خبری کیا ہے؟ کیا ظفر جنگ کے لئے کوئی اچھی لڑکی تلاش کی ہے،

صادقہ۔ اچھی کیا یہ کہو کہ لاجواب تلاش کی ہے۔

زیب النساء۔ تمہارے منہ میں گھی شکر، بتاؤ تو کونسی لڑکی ہے؟

صادقہ۔ بیرسٹر خورشید زماں کی لڑکی ثروت آرا، تم نے فرخندہ کی سالگرہ کی ٹی پارٹی میں دیکھا ہے، کوئی چھ مہینے کی بات ہے۔

زیب النساء۔ ذرا پتہ بتلاؤ کونسی لڑکی یاد نہیں رہا۔

صادقہ۔ وہی جو سبز تارے بانے کی ساڑی پہنے تھی اور روپلی پٹی کا منی سی سرخ و سفید رنگ کی بہت خوبصورت سی فرخندہ کے پاس بیٹھی تھی۔

زیب النساء۔ ہاں یاد آگیا، بھئی اُس کی شکل تو بہت موہنی ہے، حوروں کو مات کرتی ہے، بس ظفر جنگ کا جوڑ ہے، واہ تمہارا انتخاب قابل داد ہے۔

صادقہ۔ میرا نہ کہو، بلکہ خود ظفر جنگ کا۔

زیب النساء۔ متعجب ہو کر، خود ظفر جنگ کا؟ کیا کہہ رہی ہو؟

صادقہ۔ (نے مسکرا کر سارا قصہ سنا دیا اور کہا) دراصل ظفر جنگ کی پریشانی کا سبب یہی یہ سارا واقعہ ہے میں نے صفدر سے آج بمشکل قسمیں دیکر معلوم کیا، پہلے تو گھنٹہ بھر انھوں نے میرا دماغ چاٹا۔ بمشکل ہزاروں قسمیں لیکر بتایا ہے، سچ پوچھو تو مجھے اس کا خیال نہ بھی تھا، ادھر اُدھر خیال کے گھوڑے دوڑا رہی تھی، عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ ثروت آرا کا خیال بھی نہ آیا، لیکن جب صفدر نے کہا تو میں فوراً آئی

زیب النساء۔ اچھا ہوا تم آگئیں، اماں جان نے برسوں سے ایک تلا توپ ڈال رکھی ہے دہلی کی ساری لڑکیوں کی پوری تاریخ تیار ہو رہی ہے ہر ایک سے یہی سوال ہے کہ اچھی لڑکی کی تلاش کرو۔ ابھی مغلانی کسی لڑکی کا ذکر کر رہی تھیں۔

صادقہ۔ کس لڑکی کا، میں بھی تو سنوں۔

زیب النساء۔ ذکر شروع ہی ہوا تھا کہ تمہارے آنے کی اطلاع ہوئی؟ چلو اماں جان پاس چلیں، وہاں قصہ چھڑا ہوا ہے۔

صادقہ۔ اے سچ تو ہے خالہ جان بھی کہیں گی، میں کتنی نالائق ہوں، اس قصے کے سننے کے لئے تمہارے ساتھ ادھر آگئی آداب بھی نہ کیا۔

دونوں بیگم صاحبہ پاس آئیں، بیگم صاحبہ نہایت انہماک سے مغلانی سے باتوں میں مصروف تھیں، صادقہ کو آداب کے جواب میں دعائیں دے کر کہا بیٹھو بیٹی، یہ مغلانی نواب سردار علی خاں کے ہاں کا ذکر کر رہی ہیں، کہتی ہیں لڑکی خوبصورت ہے اور اچھی ہے۔

نواب سردار علیخاں کو میں جانتی ہوں پشتینی امیر ہیں، بادشاہی وقت میں ان کے بزرگوں کا منصب تھا، ساتھ نوبت نقارہ چلتا تھا۔

غدر میں لٹتے لٹاتے کے بعد اب بھی جواہر کافی ہیں، بڑی بیٹی کے بیاہ میں اتفاق سے حیدرآباد سے میں آئی ہوئی تھی، شریک تھی، خوب جہیز دیا تھا، یہی لڑکی اور بیاہنے کو ہے، بس دو بیٹیاں ہی ہیں، جو کچھ ہے ان کا ہے، یہ جگہ میرے خیال میں اچھی ہے تمہارا کیا خیال ہے۔

صادقہ۔ خالہ جان، نواب سردار علیخاں کے ہاں مجھے خود کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن سنا ہے اُن کے گھر کا ماحول بہت تاریک ہے، روپیہ اما رت بیشک ہے لیکن لڑکیاں تعلیم یافتہ نہیں ہیں، بڑی صاحبزادی نے تو صرف قرآن شریف ہی پڑھا ہے چھوٹی غالباً اردو لکھ پڑھ سکتی ہیں شکل بھی میں نے کچھ روز ہوئے دیکھی تھی، نواب اکبر مرزا کے ہاں لڑکے کے ختنے میں میں بھی تھی اور نواب سردار علیخاں کی بیگم صاحبہ بھی مع دونوں صاحبزادیوں کے آئی ہوئی تھیں، اکبر مرزا کی

بیوی اور سردار علیخاں کی بیوی چچا زاد بہنیں ہیں، اس لئے لڑکیاں بھی آتی تھیں، رنگ البتہ لڑکی کا بہت صاف ہی، بالکل میموں جیسا، بال بھی بھورے ہیں، لیکن ملاحت نام کو نہیں ہی، عمر بھی اٹھارہ سال سے کم نہ ہوگی، نواب سردار علیخاں کی بیگم کا مزاج ساری دہلی میں مشہور ہے، لڑکی میں بھی ماں کا کچھ نہ کچھ اثر ہوگا، بڑی بیٹی حسن بانو بیگم اکثر میکے میں رہتی ہیں، ساس نندوں سے نہیں بنتی، روپیہ، جواہر بیشک بہت ہی لیکن ظفر بھائی کے لئے یہ لڑکی بالکل ناموزوں ہی، ان کے لئے تو ہمہ صفت موصوف لڑکی کی ضرورت ہے۔

بیگم صاحبہ۔ پھر تم کوئی لڑکی بتاؤ۔

صادقہ۔ جی میں اسلئے ہی اسوقت حاضر ہوئی ہوں، بیرسٹر خورشید زماں صاحب کی لڑکی ثروت آرا بیگم صورت و سیرت میں لاثانی ہیں، بہن زیب النسا نے دیکھا ہی، آپکی طبیعت اُس روز ناساز تھی فرخندہ کی سالگرہ میں ثروت آرا بھی تھیں، بیگم خورشید زماں دہلی کے دستور کے مطابق لڑکی کو کہیں نہیں لیجاتیں، لیکن فرخندہ اور ثروت آرا کی دوستی بہت ہی، اسلئے آئی تھیں، جومس ان کو پڑھاتی ہی، اسی وجہ سے یہ میل جول ہوا عمر بھی فرخندہ کے برابر یعنی چودہ سال کی ہی، نہایت مناسب جوڑ ہی، اگر آپ فرمائیں تو سلسلہ جنبانی کی جائے۔

بیگم صاحبہ۔ میں بیرسٹر خورشید زماں سے واقف نہیں، کہاں کے رہنے والے ہیں، سولہ سال کی عمر میں بیاہی گئی، شادی ہو کر حیدرآباد چلی گئی، اتنی عمر وہاں گذری، اب دو سال سے یہاں آئی ہوں کسی سے واقف نہیں انجان محض ہوں۔

صادقہ۔ بیرسٹر خورشید زماں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے گہرے دوست ہیں ان کے والد نواب آصف الدولہ کے خاندان سے تھے، بیگم خورشید زماں سے تو غالباً آپ واقف ہونگی نواب عمدۃ الملک کی نواسی ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ اہا پھر آرا بیگم کا ذکر کر رہی ہو۔

صادقہ۔ جی ہاں۔

بیگم صاحبہ۔ وہ تو میرے ساتھ کی کھیلی ہیں، انکی نانی اور میری دادی دوپٹہ بدل بہنیں بنی ہوئی تھیں پہلے زمانے کی دوستیاں رشتے پر فوق رکھتی تھیں، جب تک دونوں زندہ رہیں حقیقی بہنوں کا سا برتاؤ ایک دوسرے سے کرتی رہیں، نواب عمدۃ الملک نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی، بھانجے سے کرکے بھانجے کو گھر داماد رکھ لیا تھا، سپہر آرا اور میں ایک ساتھ کھیلے رہے، میری شادی سے دو سال قبل سپہر آرا کے والد سلطان عالم لکھنؤ چلے گئے تھے اور سپہر آرا بھی اپنے والدین کیساتھ لکھنؤ گئی تھیں، ہمارے زمانے میں لڑکیوں کو خط و کتابت کرنے کا حکم نہ تھا، یاد کرتی تھی، لیکن خط نہ لکھ سکتی تھی، پھر شادی ہو کر حیدرآباد چلی گئی، ملنے کا اتفاق نہیں ہوا، آج یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ ایک لڑکپن کی بچھڑی سہیلی سے ملنا ہو جائیگا، اب میں آتون جی کو بھیجتی ہوں، یہی اُن سے اچھی طرح واقف ہیں، ابھی سپہر آرا بہن کو بلاؤنگی، جا نبیل آتون جی کو بلالا

آتون جی۔ (آکر) جی کیا حکم ہے؟

بیگم صاحبہ۔ لے آتون جی، بہن سپہر آرا بیگم یہیں موجود ہیں اور مجھے خبر بھی نہیں، ابھی ابھی صادقہ سے معلوم ہوا، تم فوراً ابھی بہن سپہر آرا بیگم پاس جاؤ، میرا سلام کہنا اور کہنا بہن یہ معلوم ہو کر آج کتنی خوشی ہوئی ہے کہ تم دہلی ہو، ملنے کے لئے اگر ممکن ہو ابھی ورنہ کل ضرور آؤ، دل تمہارے دیکھنے کے لئے بے قرار ہے، بچی کو ضرور اپنے ہمراہ لانا۔

آتون جی۔ بہت بہتر۔

بیگم صاحبہ۔ ہاں داروغہ سے کہہ دو، دو کشتیاں بھی خشک میوہ اور پھل کی گاڑی میں رکھوا دیں پہلے پہل خالی ہاتھ کیا جانا۔

آتون جی بہت بہتر کہتی ہوئی آداب عرض کر کے خورشید لاج سدھاریں۔

۴

دن کے آٹھ بج چکے ہیں، لیکن خورشید لاج کے کمرے ابھی تک برقی روشنی سے جگمگا رہے ہیں، آج سردی غضب کی ہے۔ بیرسٹر خورشید زماں ان کی خوبصورت چہیتی بیگم اور حسین ماہ وش بیٹی کے اپنے بیڈروم میں صبح کی چائے نوش کر رہے ہیں، سپہر آرا نے سیاہ رنگ کا شب خوابی کا لباس پہن رکھا ہے جس میں ان کا سرخ و سفید رنگ پھوٹا پڑتا ہے، سر پر شالی رومال ہے، بیرسٹر صاحب سلیپنگ سوٹ پر گرم لبادہ پہنے ہوئے ہیں، ثروت آرا کا چاند سا چہرہ نیلے اونی ڈھیلے ڈھالے سوئٹر کے لباس میں ایسا چمک رہا ہے جیسے بادلوں میں چاند۔

یہ تینوں ایک بیضوی میز کے گرد بیٹھے ہیں، جس پر خستہ نان خطائیاں، بسکٹ، ٹوسٹ انڈے اور چاندی کے ٹی سیٹ میں گرما گرم چائے رکھی ہے۔

کمرے کے فرنیچر اور طرز سجاوٹ سے مکین کی خوش سلیقگی اور نفاست ٹپکی پڑتی ہے۔

سپہر آرا۔ صاحب آج تو غضب کی سردی ہے۔

خورشید زماں۔ تعجب ہے ابھی تو نومبر کا آخر ہے، دسمبر میں کیا حالت ہوگی؟

ثروت آرا۔ ابا جان گذشتہ سال تو ایسی سردی نہ تھی۔

خورشید زماں۔ ہاں میری پیاری بتاؤ اب تو تمہارے پاؤں میں درد نہیں ہے؟

ثروت۔ (مسکرا کر) ابا جان درد تو جب ہی چلا گیا تھا۔

سپہر آرا۔ توبہ، اُس دن تو میرے حواس باختہ ہوگئے تھے۔ ایسے بُرے بُرے خیالات آتے رہے جب تک ثروت نہ پہونچیں کہ کیا بتاؤں، وہ دونوں لڑکے نہ وہاں مدد کرتے تو نہ جانے کیا ہوتا اللہ نے بڑا کرم کیا کہ وہ دونوں پہونچ گئے۔

خورشید زماں۔ اُن بیچاروں کا میں نے اب تک شکریہ بھی نہ ادا کیا، دوسرے روز ہی میرٹھ جانا ہوگیا، آج ظفر جنگ کو میں ٹیلیفون کردوں گا۔

سپہر آرا۔ ہاں ضرور، ثروت بیٹی ساڑھے آٹھ ہوچکے، تمہاری اُستانی نو بجے آجائیں گی، جاؤ لباس تبدیل کرو۔

ثروت آرا۔ آداب اباجان، کیا میں جاؤں؟

بیرسٹر۔ پیشانی کا بوسہ لے کر جاؤ پیاری۔

ثروت آرا، خورشید زماں کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی، اسکول میں اُس زمانے کے شرفاء کے رواج کے مطابق بیرسٹر صاحب نے نہیں پڑھایا تھا مگر گھر پر ایسی عمدہ تعلیم دی تھی کہ ثروت ابھی اپنی عمر کی چودھویں منزل میں تھی، لیکن انگریزی بخوبی لکھ پڑھ اور بول سکتی تھی، لب و لہجہ بہت دلکش تھا، فارسی پر بھی اتنا عبور تھا کہ معمولی گفتگو بلا تکلف کرسکتی تھی، اردو تو گویا اُس کے گھر کی لونڈی تھی، بلا تکلف روانی کیساتھ ہر مشکل سے مشکل کتاب پڑھ لیتی تھی، اس چھوٹی سی عمر میں بہت اچھے مضامین اکثر تہذیب نسواں میں تعریفی حاشئے کے ساتھ چھاپے جاتے، پینٹ میں کافی مہارت تھی، اسکے ہاتھ کی بنائی ہوئی کئی سینری کی تصاویر گھر کی زینت تھیں گو دن کا زیادہ حصہ درس تدریس میں گزرتا، لیکن سگھڑ ماں نے بیٹی کو خانہ داری کے کاموں سے بھی ناواقف نہ رکھا تھا، ایک گھنٹہ کشیدہ کاری کارچوب، کپڑوں کی قطع برید اور سلائی روزانہ سپہر آرا خود بتاتی تھیں۔ ہفتہ میں دو دن انگریزی ہندوستانی کھانا ثروت کو پکانا سکھاتیں غرضکہ ثروت مشرقی و مغربی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ تھی جہاں اُس میں یہ قابلیت تھی کہ بڑی سے بڑی سوسائٹی میں بلا جھجک گفتگو کرسکے، وہاں پرانی وضع کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب سے بھی وہ واقف تھی، وہ ایک ایسا پھول تھی جس کی خوبصورتی

کے ساتھ خوشبو کا بھی یہ عالم تھا کہ مغرب و مشرق کے دماغوں کو یکساں معطر کر سکتا تھا۔
روز کی طرح آج بھی ثروت آرا نے پہلے غسل کیا اور گرم ململ کی قمیص و غرارہ پہن کر شبنم کا سرمئی رنگ کا دوپٹہ اوڑھا، پھر جلدی جلدی بال سنوار کر درست ہو بیٹھی، چند منٹ بعد ہی اُسکی اُستانی مس کلاک آگئیں۔ گیارہ بجے تک مس کلاک پڑھاتی ہیں، اُن کے جانے کے بعد ثروت آرا نے آج کا اخبار لیا اور پڑھنے میں مصروف ہو گئی، اُسکا محویت حشمت کی آمد نے چونکا دیا، جو کہہ رہی تھی بوا چلو تم کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں
ثروت آرا۔ کیوں؟
حشمت۔ بیگم صاحبہ کی ایک سہیلی نے جو نئی دہلی میں ہیں اور بیگم صاحبہ کے یہاں ہونے سے بے خبر تھیں اب خبر پا کر اپنی مغلانی کو بھیجا ہے، بی مغلانی نے آپکو دیکھنے کی بھی تمنا ظاہر کی ہے، اس لیے بیگم صاحبہ نے آپکو بلایا ہے۔
ثروت آرا آہستہ قدم رکھتی ہوئی ماں کے پاس آئی، ایک معمر عورت کو بیٹھے ہوئے پایا، سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا۔
آتون جی نے سنبھل کر دعائیں دیں، بلائیں لیں، ثروت کے اتنے خوبصورت ہونے کا انکو گمان بھی نہ تھا، مہر النساء بھی حسین تھی، لیکن ثروت آرا کی صورت میں بلا کی کشش اور دلفریبی تھی بہت ہی خوش ہوئیں،
سپہر آرا اپنی بچھڑی ہوئی سہیلی کے حالات بہت انہماک سے پوچھ رہی تھیں کب حیدرآباد سے آئیں؟ کتنے بچے ہیں؟
آتون جی ہر بات کا معقول جواب دے رہی تھیں، ہوتے ہوتے ظفر جنگ کے ذاتی ذکر تک بھی نوبت پہونچ ہی گئی۔
آتون جی نے کہا، حضور خاک چاٹ کر کہتی ہوں کہ ایسا خوبصورت، نیک سیرت، ہونہار لڑکا آج کل کے زمانے میں بہت کم ہے، اللہ رکھے اب انیسویں میں لگے ہیں اور ماشاء اللہ سے وہ بی۔ اے ٹی۔ اے کیا ہوتا ہے وہ بھی پاس کر لیا، پڑھنے کا بہت شوق ہے۔
سپہر آرا۔ پھر اب کیا ارادہ ہے؟
آتون جی۔ اب لندن جانے کو کہہ رہے ہیں، پر بیگم صاحبہ اب تک رضامند نہیں ہیں، اکلوتا بچہ ہے، پھر کسی بات کی کمی نہیں، کیسے اتنی دور بھیج دیں۔

سپہر آرا۔ ہاں بوا یہ سچ ہے، لیکن تعلیم آج کل کے زمانہ میں ضروری ہے۔

آنون جی۔ بجا فرمایا آپ نے، پر بیگم صاحبہ کا دل نہیں مانتا، ہاں تو آپ کب تشریف لائیں گی؟ صاحبزادی کو ضرور ملنے ہمراہ لائیں، بیگم صاحبہ نے تاکید کر دی ہے۔

سپہر آرا۔ بوا تم میری بہن شمس النساء بیگم سے بہت بہت سلام کہنا، کہہ دینا دل تو چاہتا ہے کہ پر لگیں اور اُڑ کر ابھی تم تک پہونچوں، بچپن کی سب باتیں یاد آ گئیں، پر اب وہ آزادی بے فکری کہاں، آج ان کے بہنوئی کے چند دوست چائے پر آ رہے ہیں، اس کا انتظام کرنا ہے، کل صبح سے نند نے بلا رکھا ہے، اُن کے پوتے کی دودھ چھٹائی کی تقریب ہے، پرسوں خیر سے ثروت کی سالگرہ کا دن ہے، بہن سے کہہ دینا آپ ضرور بچوں کو لے کر تشریف لائیں، تم زبانی کہہ دینا بلاوا لیکر کل خود دوا کو میں بھیجوں گی۔

آنون جی۔ بہت بہتر جو حضور نے فرمایا کہہ دوں گی۔

سپہر آرا بیگم نے بھی آنون جی کے ہمراہ ایک کشتی میں پستے کی لوز، پیٹھے کی مٹھائی اور ایک میں خشک میوہ کر دیا۔

آنون جی۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے، بیگم صاحبہ ناراض ہونگی کہ یہ کیوں لائیں؟

سپہر آرا۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے، بچوں کے لئے تھوڑی سی دی ہے، خالہ کہتے اپنے کو مجھکو شرم نہ آئے، اگر ذرا سی چیز بھی بچوں کے لئے نہ بھیجوں، بہن نے ثروت کے لئے اتنا میوہ پھل بھیجا تو میں نے کچھ کہا، اب میں اگر زبیدہ، مہرو اور ظفر کے لئے بھیجتی ہوں تو تم کو کیا عذر ہے، یہ تم کو لیجانا ہو گا۔

آنون جی معقول جواب سن کر خاموش ہو گئیں اور آداب کر کے رخصت ہوئیں۔

۵

دن کے دس بج چکے ہیں، ظفر اپنی لائبریری میں آرام کرسی پر نیم دراز ہیں، ہاتھ میں شبلی کا دیوان ہے بظاہر انکی نگاہ کتاب پر ہی ہے لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی گہرے فکر میں غرق ہیں۔

آخر انھوں نے ایک آہ سرد کھینچ کر آنکھیں بند کر لیں۔

صفدر نے داخل ہوتے ہی کہا کہئے اب بھی آپ مراقبے ہی میں ہیں؟

ظفر۔ (آنکھیں کھول کر) ایں تم کب آ گئے، مجھے ابھی ابھی کچھ غنودگی سی آ گئی تھی، اس لئے خبر نہ ہوئی۔

صفدر۔ بندہ نواز بیشک اب ہم جیسوں کی خبر کیوں ہونے لگی، ابھی سے یہ حال ہے، آئندہ تو شاید پہچانو گے بھی نہیں۔

ظفر۔ (شرمندہ لہجے سے) صفدر خدارا مجھے بناؤ نہیں، میں خود ہی پریشان ہوں۔

صفدر۔ (منہ بنا کر) جی ہاں معلوم ہے کہ آپ پریشان ہیں، اور آپ کی پریشانی کا چرچا سارے عالم میں ہے۔

ظفر۔ (گھبرا کر) سچ کہو صفدر کیا واقعی میری پریشانی کا اظہار سب پر ہو گیا؟

صفدر۔ (جی سرکار لگاتے ہوئے) سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟

ظفر۔ پھر اب کیا ہوگا، اللہ میں کیا کروں؟

صفدر۔ ہوتا کیا، بیاہ ہوگا ہم سہرے گائیں گے۔

ظفر۔ کیا بک رہے ہو، صفدر، کس کا بیاہ، کیسا بیاہ؟

صفدر۔ تمہارا بیاہ اور کس کا بیاہ۔

ظفر۔ یا اللہ یہ کیا بے سروپا گفتگو ہے مفصل بتاؤ، مجھے تو کوئی اطلاع نہیں۔

صفدر۔ (ہاتھ مٹکا کر) ہم کو تو سب خبر ہے، یہ آنٹی جی بیرسٹر خورشید زماں کے ہاں بھیجی گئی تھیں وہاں سے آئی ہیں۔

ظفر۔ ہونہہ۔

صفدر۔ ہونہہ کیا مٹھائی کھلاؤ، ہم نے کتنی بڑی کارگذاری کی ہے۔

ظفر۔ کھلا دیں گے مٹھائی بھی، ستاؤ نہیں بھائی۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر) ہیلو کون ہے، اچھا آپ ہیں بیرسٹر صاحب آپ کی یادآوری کا شکریہ، ناحق آپ شرمندہ کرتے ہیں، جی ہاں صفدر بھی یہیں ہیں، ہم دونوں کی جانب سے شکریہ قبول کریں، آج ہم حاضر ہونے سے معذور ہوں، معافی چاہتا ہوں، ایک اور دوست نے کئی روز سے آج کا وقت لے لیا ہے، کل صبح ابا جان کے ہمراہ ایک شادی کی شرکت کیلئے علیگڈھ جانا ہے، پرسوں شب میں واپسی ہوگی، اس کے دوسرے روز انشاء اللہ حاضر خدمت ہونگا، جی ہاں صفدر بھی ضرور آئیں گے، خالہ جان سے میرا آداب عرض کر دیجئے، (ریسیور رکھ کر بیٹھ گئے)۔

صفدر۔ یہ کیا بیرسٹر صاحب تھے۔

ظفر۔ (مسکراتے ہوئے) جی ہاں۔

صفدر۔ ماشاء اللہ آپ ایسی خوشی میں آئے کہ بغیر پوچھے میری جانب سے خود ہی اقرار کر لیا، میں تمہارا طفیلی بن کر نہیں جاتا۔

ظفر۔ تمہاری مجال ہے کہ تم انکار کر سکو؟

صفدر۔ کیوں کیا تم نے ہمیں خرید لیا ہے۔

ظفر۔ (مذاقیہ لہجے میں) دربیں چہ شک

دو اور نوجوانوں کو آتا دیکھکر بہلو سہراب آؤ نشاط آؤ۔

نشاط۔ ایک کشیدہ قامت، گورے چٹے رنگ کا وجیہہ نوجوان تھا، صفدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہو داد نہ دوگے اس موٹے کو پکڑ لایا۔

سہراب۔ جو گداز جسم، گندمی رنگ والا ایک سیدھا سادھا نوجوان تھا، ہم خود آنے کو تھا پر فرصت نہیں ملتا، تو میرے کو کیا کرتا۔

صفدر۔ اجی سہراب صاحب آپ اردو کی ٹانگ نہ توڑیے، غریب پہلے ہی بگڑے دل نوجوانوں کے ہاتھوں مجروح ہو رہی ہے، لیکن آپ تو بالکل ہی ختم کئے دے رہے ہیں۔

سہراب۔ (شرمندہ ہو کر انگلش میں) مان جاؤ صفدر تم بہت شریر ہو۔

ظفر۔ کہو سہراب، میں تو کل کرکٹ ٹورنامنٹ میں گیا نہیں، کیسا میچ رہا۔

سہراب۔ دہلی ٹیم خوب جان توڑ کر کھیلی اور کلکتہ والے بہت بری طرح ہارے، آج تو چلو گے نہ؟

صفدر۔ ہاں ہاں آج تو ضرور یہ جائیں گے۔

نشاط۔ آخر لفظ "ضرور" پہ اتنا زور تم نے کیوں دیا؟

صفدر۔ اس لئے کہ آج ہم اور ہمارے دوست مسٹر ظفر اتنے خوش ہیں کہ تم اگر چاہو تو سارا ہندوستان تم کو بخش سکتے ہیں، بشرطیکہ نغمۂ تہنیت سناؤ۔

نشاط۔ لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تہنیت کس بات کی؟

صفدر۔ لیے احمق بغیر بات کے ہم تہنیت کیوں گوانے لگے (ظفر کی جانب شرارت بھری نظر سے دیکھ کر) کچھ ایسی بات ہے کہ یہ چپ ہیں۔

ظفر۔ واہ صفدر یہ مذاق کا کیا موقعہ ہے، کوئی بات نہیں ویسے ہی بنا رہے ہو۔

صفدر۔ (ناچ کر) اے میں قربان دولہا بولا نہیں کرتے مونھ کا نور اڑ جاتا ہے۔

ظفر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

سہراب و نشاط نے ایک بڑا قہقہہ لگایا۔

نشاط۔ اچھا، یہ بات ہے، تو بڑے زور شور سے تہنیت گاؤں گا، مگر صفدر، یہ تو بتاؤ کہ ہماری ہونے والی بھابی صاحبہ کس گھر کی چشم و چراغ ہیں؟

صفدر۔ (منہ چڑا کر) خاموش بے تہذیب، منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال یہ راز ہے ابھی نہیں بتلاتے۔

نشاط۔ تو جاؤ ہم بھی نہیں گاتے۔

صفدر۔ اُونھ ہم کو پرواہ نہیں، روپیہ سلامت ہے تو گانے والے بہت، لیکن تمہارا نام فہرست دوستی سے خارج کر دیا جائے گا۔

نشاط۔ (ظفر کی جانب دیکھ کر) خیر ہمیں اپنے ننھے منے بھائی کی خاطر عزیز ہے، اس لئے گانا ہی پڑے گا، یہ کہکر ہارمونیم اٹھالیا اور سُر درست کرنے لگے۔

نشاط کو قدرت نے نہایت سحر آفریں آواز عطا کی تھی، اُس کے نغمے روح کو تاروں پر کھینچ لیا کرتے تھے، اور ہر انسان مسحور ہو جاتا تھا، تھوڑی دیر اُس نے سُر لائے، پھر نہایت دلکش انداز سے گانا شروع کیا۔

بہار آئی ہی بھر دے بادہ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس آباد ساقی تیرا میخانہ

یہ غزل ختم کر کے انھوں نے باجہ بند کیا۔

ظفر۔ نشاط ایک حافظ کی غزل ضرور سناؤ، واللہ لطف آجائے گا۔

نشاط۔ بہت بہتر (سر ہلا کر)

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

حافظ کی غزل، گانے والا نشاط جیسا خوش گلو، بس ایک سماں بندھ گیا، در و دیوار سب ساکت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک سحر ہے جو سب کو مسحور کئے ہوئے ہے، مست و بیخود ساری فضا جھوم

رہی تھی۔ سننے والوں کے ہر رگ پٹھے میں اس تان نے ارتعاش پیدا کر دیا، اور بے اختیار سب کے منہ سے واہ واہ کی صدا بلند ہوگئی۔

نشاط۔ نے ظفر سے کہا اب تم کو بھی گانا پڑے گا۔

ظفر۔ تمہارے گانے کے بعد میرا گانا، منہ چڑانا ہے۔

نشاط۔ ہم نہیں لتے تم کو بھی گانا پڑے گا۔

ظفر۔ (اصرار سے مجبور ہو کر ہار سہیم دوست کہہ کے) گاؤں کیا کچھ یاد بھی تو نہیں۔

نشاط۔ غالب کی کوئی غزل سناؤ۔

ظفر۔ (گنگناتے ہوئے) درد منت کش دوا نہ ہوا۔

صفدر۔ خوب خوب، بس یہی گاؤ۔

ظفر۔ (پرسوز آواز سے) میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا۔

ظفر نشاط جیسے خوش گلو نہ تھے، لیکن آواز میں سوز کافی تھا، ان کا گانا بھی اثر سے خالی نہ تھا، غزل ختم کرنے پر صفدر نے ظفر کی خوب بلائیں لیں، اور گردن پھیر کر کہنے لگے، واہ بیٹا خوب گاتے ہو، کما کھاؤ گے۔

ظفر و نشاط۔ اب تم کو بھی استاد گانا ہوگا۔

صفدر نے کہا تو انکار کون کرتا ہے، ضرور ہم اپنے لحن دلکش سے سامعین کو محظوظ فرمائینگے۔

ظفر کے پلنگ سے شال گھسیٹ لائے، اور اوڑھ کر گھونگٹ نکال کر بے تان و سُر خوب چیخ چیخ کر گایا،   باجی منگا دو مجھکو جھلا جھل کی اوڑھنی

سب دوست ہنسی کے مارے لوٹتے رہے، یہ ہنگامہ مچا ہوا تھا کہ خدمتگار نے آکر کہا حضور آپ کو اور صفدر صاحب کو اندر بلایا۔

ظفر نے سہراب سے کہا انشاء اللہ شام کو میچ میں ملنا ہوگا، کہو نشاط تم بھی آؤ گے نہ؟

نشاط۔ ضرور آؤں گا۔

سہراب دلشاد رخصت ہوئے، ظفر وصفدر اندر آئے۔

صفدر نے ڈیوڑھی سے غل مچایا، کہاں ہو بی باجی او ر آپا، ماما، ولت کو کیوں بلایا ہے۔

صادقہ۔ اے ہوش میں آؤ، صفدر دیوانوں کی طرح کیوں غل مچا رہے ہو۔

صفدر۔ خوشی نے پاگل بنا دیا ہے، باجی اس میں میرا کیا قصور ہے، خالہ جان تو یہاں نہیں ہیں۔

زیب النساء۔ وہ تو ابھی عشرت محل سے نہیں آئیں۔

صفدر۔ اہا، جب تو مزے ہیں، کہو بی باجی کیا کارگزاری کی۔

زیب النساء۔ (ہنس کر) بہت بڑی، بلاوا بھی ثروت آپا کی سالگرہ کا آگیا، پرسوں سالگرہ ہے۔

صفدر۔ اور دولہا میاں کا بلاوا بھی سالگرہ کے دوسرے روز ہے۔

ظفر کے گلے لگ کر ارے میرے بچے خدا نے یہ دن کیا کہ تیرا نصیبہ کھلنے کے دن آئے۔

ظفر۔ مان جاؤ۔ صفدر انسانیت سے بیٹھو۔

صفدر۔ (گاکر) میرا ہریالا بنڑا، مرادوں پایا بنڑا۔

صادقہ اور زیب النساء (ہنستے ہوئے) صفدر ذرا زور سے گاؤ۔

شمشاد دوڑتی ہوئی آئی اور کہا اے حضور بیگم صاحبہ تشریف لے آئیں۔

صفدر۔ اُف، اب تو چپ رہنا ہوگا، ہمارے پیٹ میں تو چوہے قلابازیاں لگا رہے ہیں آؤ ظفر باہر چلیں، آپا اب کھانے کے وقت ملیں گے، اس وقت ہنسی آ رہی ہے، رکے گی نہیں دونوں باہر چلے گئے۔

۶

آج ثروت آرا کی سالگرہ کا دن تھا، خورشید لاج کی صفائی یوں تو روزانہ ہی ہوتی تھی اور کوٹھی کے سب کمرے گرد و غبار سے پاک، آئینے کے مانند صاف رہتے تھے لیکن آج سپہر آرا بیگم نے اپنے سامنے سب کمروں کی صفائی کرائی، چونکہ تقریباً سَو سے بھی زیادہ خواتین کو مدعو کیا تھا، اس لئے وسیع ڈرائنگ روم کے علاوہ ڈائننگ روم میں بھی نشست و چائے کا انتظام کیا تھا، دونوں کمروں کے سامنے کے دروازوں پر موٹے موٹے موتیا اور گلاب کے کنٹھوں سے پھولوں کی محراب بنائی گئی تھی، محراب کے وسط میں انگور کے خوشے لٹک رہے تھے، کھانے کے کمرے میں تو کھانے کی بڑی میز کے گرد ہی کرسیاں تھیں، ڈرائنگ روم میں جا بجا ہشت پہلو اور بیضوی میزیں لگا کر کرسیاں رکھ دی گئی تھیں، میزوں کے وسط میں نکہت بار گلدستے تھے، ارد گرد نمکین اور شیریں اشیاء پیسٹری سلیقے سے ترتیب وار رکھی ہوئی تھیں، وسط کی بڑی میز پر سالگرہ کا خوبصورت کیک رکھا ہوا تھا، جس پر مصنوعی پھول پتے انگور اس خوبصورتی سے بنے ہوئے تھے کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے، اور کیک پر شمعیں روشن تھیں، ایک کونے کی میز پر بلّوری قابوں میں کابل کے انگور، اٹلی کے سیب، امریکہ کے مالٹے اور خشک میوہ رکھا تھا۔

سپہر آرا ابھی چیزیں میزوں پر لگوا رہی تھیں کہ ثروت آرا تیار ہو کر آگئی۔ ا ہا ہا ماشاءاللہ عضنیہ کا نکھار ہے۔ آتشی گلابی رنگ کی ساڑی ہے جس پر نقرئی سلمے کی آڑی بیل بنی ہوئی ہے۔

آنچل پر بہت بھاری کام ہے، اور سچے موتیوں کی جھالر لگی ہوئی ہے، سر میں ایک لباس کا ماہتاب کی شکل کا حلقہ لگا ہوا ہے، کانوں میں یاقوت کے گوشوارے ہیں، گلے میں یاقوت کا نکلس اور گلوبند ہے، ایک ہاتھ میں نازک خوبصورت گھڑی بندھی ہے، دوسرے میں یاقوت کی چوڑیاں ہیں، مرمریں انگلیاں انگشتریوں سے بھری ہوئی ہیں، اس لباس اور زیور میں ثروت کا حسن پھوٹا پڑتا ہے، کون ہے جو اس موہنی صورت پر فریفتہ نہ ہو جائے، ایسا معلوم ہوتا ہے اندر کے اکھاڑے کی پری یا جنت کی حور انسانی صورت میں جلوہ نما ہے۔

سپہر آرا نے بیٹی کو دیکھ کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ سورۂ ان یکاد دم پڑھکر پھونکی اور فرطِ محبت سے گلے لگا لیا۔

ثروت آرا ۔ امی آپ لباس تبدیل نہ کریں گی، ساڑھے تین ہو چکے ہیں اور کل ایک گھنٹہ مہمانوں کے آنے میں باقی ہے۔

سپہر آرا ۔ بیٹی اب میں نے کام ختم کر لیا ہے، جاتی ہوں جو تھوڑا کام اور ہے تم کرا لینا۔

ثروت آرا ۔ ہاں آپ جائیں کرا لوں گی۔

سپہر آرا چلی گئیں، اور ثروت نے حشمت سے جو نارنجی ساٹن کی شلوار قمیص پہنے ہوئے اور ایسا ہی دوپٹہ اوڑھے ہوئے خوشی خوشی پھر رہی تھی، کہا، حشمت چوکلیٹ تو لے آ۔

حشمت ۔ جی ابھی لائی، کہتی ہوئی چل دی، ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

ثروت ۔ ہیلو، کون ہے؟

آواز ۔ آپ کون ہیں؟

ثروت ۔ جی میں ثروت آرا ہوں، فرمایئے کیا کام ہے؟

آواز ۔ جی میں ثروت آرا ہوں، فرمایئے کیا کام ہے؟

ثروت آرا ۔ تسلیم، آپ کون ہیں، کہاں سے بولتے ہیں؟

آواز ۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے اتنی جلد بھول گئیں، میں ظفر ہوں، کیا بیرسٹر صاحب گھر

پر تشریف رکھتے ہیں؟

ثروت آرا۔ معاف کیجئے، میں نے آپ کی آواز نہیں پہچانی، ابّا جان باہر گئے ہوئے ہیں، فرمائیے کیا کہنا ہے؟

ظفر۔ اُن سے کہہ دیجئے میں کل حاضر ہوں گا۔ اور خالہ جان سے کہہ دیجئے، امّی جان نے کہا ہے میں پانچ بجے سے قبل نہ پہنچ سکوں گی، اس لئے تاخیر کا خیال نہ کریں۔

ثروت آرا۔ بہت بہتر، آداب عرض، یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بجی۔

ثروت۔ اُونہہ، اب کون ہے؟ ناک میں دم کر دیا۔

حشمت۔ (جواب آگئی تھی) بیوی سن لونا، نہ معلوم کون ہوگا؟

ثروت آرا۔ ابھی تو ظفر صاحب سے اتنی دیر بک بک کی، نہ جانے اب کون صاحب ہیں حشمت تو ہی سُن لے۔

حشمت۔ (رسیور لیکر) ہیلو، آپ کہاں سے بولتے ہیں۔

ثروت کی جانب دیکھکر، ہوں یہ تو کوئی انگریزی بول رہا ہے، آپ ہی آجائیے۔

ثروت۔ (رسیور لیکر) ہیلو۔

آواز۔ معاف کیجئے، میں یہ دریافت کرنا تھا اُس دن جو آپ کے چوٹ لگی تھی اب تو اُس کا اثر باقی نہیں ہے۔

ثروت۔ (مسکراتے ہوئے) شکریہ، میں بالکل اچھی ہوں، آپ فکر نہ فرمائیں۔

آواز۔ یہ صفدر بھی آپ کو سلام کہتے ہیں۔

ثروت آرا۔ صفدر بھائی سے میرا بھی سلام کہہ دیجئے، اُمید کہ اب آپ مجھے معاف کرینگے آداب عرض، رسیور رکھ دیا۔

حشمت۔ کون تھا؟

ثروت آرا۔ وہی ظفر صاحب تھے، اُنھیں معلوم ہوتا ہے کچھ خبط ہو گیا ہے، بار بار ٹیلیفون کر کے تنگ کرتے ہیں۔

حشمت۔ (ہنس کر) تو کیا ہوا، مزاج بھی نہ پوچھیں، آپ بگڑتی کیوں ہیں؟

ثروت آرا۔ بکواس مت کر، کام کر، وقت کم رہ گیا ہے، فرخندہ بہن اب تک نہیں آئیں

فرخندہ۔ (کمرے میں داخل ہو کر) یہ کس کا ذکر ہے۔

ثروت آرا۔ (گلے ملتے ہوئے) عمر بڑی ہے، خوب آئیں، لیکن بہن تم نے تو کہا تھا کہ ساڑھے تین بجے تک آجاؤں گی، اور اب تو چار بج کر بھی دس منٹ ہو گئے۔

فرخندہ۔ آتو جاتی لیکن بھابی جان صبح اظہر محل گئی ہیں، بھائی جان کے دو دوست لنچ پر آ گئے تھے، بس اس لئے جلد نہ آ سکی۔

ثروت آرا۔ تم نے کچھ اور بھی سنا یہ اظہر محل والی بیگم صاحبہ تو ہماری امی کی بڑی پرانی سہیلی نکلیں، پرسوں اُن کے ہاں سے آنون جی آئی تھیں، امی کو بلایا تھا، لیکن اُنھوں نے مصروفیت کا عذر کر دیا، آج سب آئیں گے۔

فرخندہ۔ ہاں یہ تو مجھکو معلوم ہے لیکن ایک اس سے زائد نئی خبر سناؤں تو مجھکو کیا دو گی؟

ثروت آرا۔ کیسی خبر کیا کوئی عجیب بات ہے؟

فرخندہ۔ ہاں بہت عجیب، یہ کہ گاڑی الٹنے کا واقعہ تم نے مجھکو لکھا تھا، معلوم ہوا کہ تم کو جنھوں نے گھر تک پہونچایا، وہ اظہر جنگ کے لڑکے ظفر جنگ، اور بھابی جان کے بھائی صفدر ہی تھے، اب بیگم صاحبہ تم کو بہو بنانے کی فکر میں ہیں۔

ثروت آرا۔ (شرما کر) واہ بہن خوب تم کو تو مذاق کرنے کی عادت ہے۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) نہیں مذاق نہیں، ظفر بھائی تمہارے دیکھنے کے بعد سے بہت افسردہ خاطر تھے، بھابی اور بھائی صفدر نے صلاح کر کے بیگم صاحبہ کو رائے دی کہ تمہارے پیغام دیں بیگم صاحبہ کی اتفاق سے تمہاری والدہ پرانی سہیلی نکلیں۔

ثروت آرا۔ اُف مجھے کیا خبر تھی کہ یہ گُل کھلا ہی، میں تو ابھی اُن سے ٹیلیفون پر گفتگو کر چکی ہوں۔

فرخندہ۔ کس سے، کیا بیگم صاحبہ سے؟

ثروت آرا۔ نہیں اُن سے ہی جن کو تم بھائی کہہ رہی ہو۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) اللہ ابھی سے نام لینے میں تکلف ہے، اچھا تو مس صاحبہ آج آپ گفتگو فرما رہی تھیں، خوب کورٹ شپ ہو رہا ہے۔

ثروت آرا۔ مجھ نگوڑی کو تو خبر بھی نہیں کہ یہ معاملہ ہی، اتفاق کی بات ہی ورنہ جان کر میں گفتگو کیوں کرتی، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ منحوس حادثہ یہ گُل کھلائے گا۔

فرخندہ۔ (ہنس کر) ہاں بہن اتفاق ہی دنیا کی بہترین اور بدترین چیز ہیں، خیر بہن اب تم فکر کیوں کرتی ہو، بڑی اچھی جگہ چھاپا مارا ہی، ماشاء اللہ ظفر بھائی خوبصورت، اکلوتے، تعلیم یافتہ، ہونہار اور نیک طینت، نوابزادے سب ہی کچھ ہیں، کسی بات کی کمی نہیں ہی۔

ثروت آرا۔ (طنزیہ انداز سے) جی ہاں نیک طینتی تو اس سے ہی ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔

فرخندہ۔ تمہارا حسن ایسا ہی کافر ہی کہ زاہد صد سالہ بھی دیکھ کر اپنے کو قابو میں نہیں رکھ سکتا، بچارے بیچارے بھائی ظفر جنگ ہزار نیک ہیں، آخر نوجوان ہیں، دل رکھتے ہیں، احساس بھی ہونا ہی چاہیے۔ پھر یہ کوئی گناہ نہیں کہ شادی کا پیغام دیکھنے کے بعد دیا جائے، اس میں کیا برائی ہی، ہمارے اسلام اس کو جائز کیا ہے کہ جس سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لیا جائے، لہذا تمہاری شادی عین اسلامی قاعدے کے مطابق ہو گی، مگر اس میں شک نہیں کہ ثروت تم نے دولہا بھی اپنا ہی جیسا لاجواب تلاش کیا ہی، بھائی ظفر جنگ بہت ہونہار ہیں، اٹھارہ سال کی عمر میں بی۔ اے میں تمام یونیورسٹی میں اوّل آئے تھے، ہماری بھابی جان ہمیشہ ان کی تعریف کرتی رہتی ہیں، لاڈلا اکلوتا بچہ خفیفا خراب ہوتا بجا تھا، لیکن ایسی اچھی عادت ہے کہ سب تعریف کرتے ہیں۔

ثروت آرا۔ بس بس خدا کے لئے قصیدہ خوانی بند کرو۔ میرا تو یہ تعریف سُنتے سُنتے دل اُکتا گیا

(ماں کو آتا دیکھکر) امّی دیکھئے سب ٹھیک ہے نہ؟
سپہر آرا۔ ہاں سب ٹھیک ہے، فرخندہ نے بھی کھڑے ہوکر آداب کیا، اور سپہر آرا نے اُنکو گلے لگالیا پھر دریافت کیا کہ تمہاری بھاوج کیوں نہیں آئیں؟
فرخندہ۔ جی صبح سے وہ اظہر محل گئی ہوئی ہیں، وہیں سے یہاں آئیں گی۔
ثروت آرا۔ امّی ابھی اظہر محل سے ٹیلیفون آیا تھا، خالہ جان پانچ بجے آئیں گی۔
فرخندہ ثروت کو معنی خیز نظروں سے دیکھکر مسکرا دی اور ثروت نے لجاکر نظریں نیچی کرلیں۔
سپہر آرا۔ کار کے ٹھہرنے کی آواز آئی ہے، دیکھ تو حشمت کون ہے؟
ثروت آرا۔ (سامنے دیکھکر) پھوپی جان کی کار ہے، یہ کہتی ہوئی استقبال کے لئے آگے بڑھی اُدھر سے ملکہ بیگم ثروت آرا کی پھوپی زاد بہن شاہجہاں بیگم اور بھاوج رشید دولہن اتریں پھوپی نے بھتیجی کو گلے لگایا، پیار کیا، بھاوج سے معانقہ کیا اور ثروت کو زمرد کی مالا پہنا دی۔
ان کے آنے کے تھوڑی دیر بعد بیگم احمد زماں یعنی بیرسٹر صاحب کے بڑے بھائی کی بیوی آئیں۔
سپہر آرا۔ (نے بڑی بھاوج کو دیکھکر کہا) واہ بھابی جان آپ کو تو صبح سے آنا چاہیئے تھا، کل اتنا کہلوا دیا تھا، لیکن آپ اب آئیں، آپا ملکہ بیگم نے تو یہ عذر کر دیا تھا کہ شاہجہاں کے دولہا آئے ہوئے ہیں، کھانا کھلائے بغیر گھر سے نہیں آسکتیں۔
بیگم احمد زماں۔ میں آنے کو صبح تیار تھی لیکن تمہارے جیٹھ کو بخار ہو گیا اور گھبراہٹ ایسی تھی کہ حواس باختہ ہو رہے تھے، خدا خدا کر کے تین بجے اُن کو پسینہ آیا، بخار اُترا تو اُنھوں نے کہا جاؤ ثروت کی سالگرہ کا دن ہے، دولہن بُرا مانیں گی۔
سپہر آرا۔ بھابی جان بیچارے بھی کمزور ہیں، روز کوئی نہ کوئی روگ لگا رہتا ہے۔
یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سپہر آرا کی دو دور کی بہن ملنے والیاں آگئیں، وہ اُن کے استقبال کو بڑھیں اتنے میں تانتا بندھ گیا، ثروت آرا کی اُستانیاں، سہیلیاں، رشتے دار بیگمات سب مہمان پانچ بجے تک آگئے، چائے ابھی شروع نہیں ہوئی تھی، سپہر آرا بیگم کو اپنی سہیلی اظہر زماں بیگم کا انتظار تھا۔

سوا پانچ بجے اظہر محل کی سواریاں بھی دو کاروں میں پہونچیں، ایک کار میں سے بیگم صاحبہ مع دونوں صاحبزادیوں اور صادقہ کے اُتریں، دوسری گاڑی میں سے بی مغلانی اور آتون جی مٹھائی کی کشتی اور تحفوں کے بکس سنبھالے اُتریں۔

سپہر آرا بیگم اپنی بچھڑی سہیلی سے بہت تپاک سے بغلگیر ہوئیں، اور ایک ایک سے ملایا پھر چائے کا دور شروع ہوا۔

سب سے قبل پھونک مار کر شمعیں کیک پر سے گل کر دیں اور اظہر زمانی بیگم سے کہا آپ ہی اس کیک کو پہلے چھری لگائیں۔

بیگم صاحبہ نے چھری لگا دی، پھر کیک کاٹا گیا، کیک کی تقسیم کے بعد اور شبار کا نمبر آیا۔

ثروت آرا کو اُس کی سہیلیوں نے پھولوں کے گجروں سے ایسا لادا تھا کہ وہ مجسم بہار کی ملکہ معلوم ہو رہی تھی، تمام جسم پر پھول ہی پھول نظر آتے تھے، بیگم صاحبہ نے دل ہی دل میں اُس کے حسن اور ملائک فریب صورت کو سراہا۔ اپنے خیال سے کہیں زیادہ خوبصورت پایا، اور ساتھ ہی ان کی عزیز سہیلی کی لڑکی، اور اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ بھی، اکلوتی بھی، ہر طرح سے اُن کے بیٹے کا مناسب و موزوں جوڑ تھی، غرضکہ اُن کو ثروت آرا اتنی پسند آئی کہ اگر موقع وقت کا لحاظ نہ ہوتا تو اسی وقت ہی شاید سپہر آرا سے ثروت کے لئے سوال کر بیٹھتیں۔

چائے کے بعد مہمانوں نے ثروت کی سالگرہ کے تحفے ایک میز پر ڈھیر کرنے شروع کر دیئے، سب نے اپنے مذاق اور حوصلے کے مطابق تحفے دیئے تھے، ثروت کی استانی مس کلاک نے اُسکو عمر خیام کی رباعیات کا جرمنی ایڈیشن دیا تھا، ایک یورپین سہیلی ڈاکٹر لارنس نے ایک ضروری ادویہ کا بکس دیا تھا، جس میں حسب ضرورت سب چیزیں تھیں، اس کے علاوہ کسی نے چاندی اور بلور کے گلدان کسی نے لکھنے کا سامان اور کسی نے کمرے کی آرائش کی چیزیں دی تھیں۔

کئی بزرگ رشتے دار بیگمات نے روپے اور چھوٹے چھوٹے نازک زیور بھی دیئے، بیگم صاحبہ نے بھی زمرد ہیرے کا بریسلٹ ثروت کی خوبصورت کلائی میں پہنا دیا، جس کا قیمتی ہیرا برقی روشنی میں

نظروں کو خیرہ کر رہا تھا، سب مہمان رخصت ہوئے، بیگم صاحبہ کو سپہر آرا بیگم نے تھوڑی دیر کے لئے اور ٹھہرا لیا، تمام کوٹھی دکھائی، بیگم صاحبہ خود نواب زادی، میاں ماشاءاللہ نواب، بیرسٹر خورشید لاکھ ہزار خوشحال سہی، مگر پھر بھی نواب صاحب کے تمول کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے، لیکن کوٹھی کی سجاوٹ اور آراستگی دیکھ کر بیگم صاحبہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

ان کے ہاں کی طرح آرائشی سامان چاندی سونے کا نہ تھا، ہر کمرے میں بہت کم قیمت کی چیزوں سے آرائش کی گئی تھی، جن کو سپہر آرا کے سلیقہ مند ہاتھوں نے بہت دیدہ زیب بنا دیا تھا، تمام کمرے اس عمدگی سے آراستہ اور صاف تھے کہ نگاہ پھسلتی تھی۔

اظہر زمانی بیگم ہر چیز کو دیکھتی جاتیں اور دل ہی دل میں سپہر آرا بیگم کے سگھڑاپے کی داد دیتی جاتیں، سب سے زیادہ چیز جس نے انکو مرعوب کیا، سپہر آرا کے سونے کے کمرے کی سہریوں کے پردے تھے جن پر بہت نفاست کے ساتھ آیات قرآنی کے ستارے سے بنائی گئی تھیں، یہ خود سپہر آرا بیگم اور ثروت آرا کے ہنرمند ہاتھوں کے بنائے ہوئے تھے، بیگم صاحبہ اس دستکاری کو بار بار ہاتھ میں لیکر دیکھتیں اور بہت دیر تک تعریف کرتی رہیں۔ اور سپہر آرا بیگم سے اظہر محل آنے کا وعدہ لیکر بہت شاداں فرحاں سدھاریں، اب کافی رات ہو چکی تھی، بیرسٹر صاحب مع بیوی بچی کے کھانے کی میز پر بیٹھ چکے تھے۔

بیرسٹر صاحب نے سوال کیا، اظہر زمانی بیگم بھی آئی تھیں؟

سپہر آرا۔ نہ کیوں آتیں وہ تو سب کے جانے کے بعد گئیں۔ ثروت کو بریسلٹ دیا، بڑی لڑکی نے گھڑی ثروت کو دی، چھوٹی نے چاندی کا پاؤڈر کیس دیا، قلاقند، موتی پاک ایک کشتی میں لائی تھیں، میں نے بھی اُن کی بڑی لڑکی کو زمرد کی مچھلیاں دیں، اور اکیس روپے مٹھائی کے کہہ کر دیئے۔

بیرسٹر۔ چلو اچھا ہوا، تمہاری ایک بچھڑی سہیلی مل گئیں اور خوب لین دین ہوئے۔

سپہر آرا۔ مجھے بہت اصرار سے بلا گئی ہیں، پرسوں جاؤں گی۔

بیرسٹر۔ ہاں وہ آ چکی ہیں، اب تو تم کو جانا ہی ہوگا۔

سپہر آرا اور ظفر جنگ جنھوں نے ثروت آرا کو اُس دن گاڑی اسٹیشن پر پہونچایا تھا وہ اظہر زمانی بیگم

کے ہی لڑکے ہیں۔

بیرسٹر۔ بھئی واہ یہ بھی خوب اتفاق ہے۔

سپہر آرا۔ ہاں ظفر جنگ بھی کل تم سے ملنے آئیں گے، بہن شمس النساء کہہ رہی تھیں میں نے کہدیا ہے اُن سے کہدینا چاہئے یہیں ہیں۔

بیرسٹر صاحب۔ شمس النساء کس کا نام ہے؟

سپہر آرا۔ اظہر زمانی کا اصلی نام تو شمس النساء ہی ہے، یہ تو ان کی سسرال کا خطاب ہے۔

بیرسٹر۔ ہاں بیگم، نواب اظہر جنگ سے تو اکثر ملنا ہوتا ہے، وہ تو پُرانے خیال کے آدمی ہیں، بیگم صاحبہ بھی اُن کی ہم خیال ہونگی۔

سپہر آرا۔ ہاں شمس النساء کا تو وہی پرانا طرز ہے، مگر بیٹیاں آج کل کے زمانے کے موافق اُنھوں نے اُٹھائی ہیں، دونوں، ساریاں پہنے ہوئے تھیں، تعلیم یافتہ بھی ہیں، بڑی تو خیر، مگر چھوٹی تو خوب انگلش بول رہی تھیں۔

ثروت آرا۔ آپ نے باتوں میں امی مچھلی نہیں لی، بہت لذیذ پکی ہے۔

سپہر آرا۔ ہاں لاؤ دو، مجھے بالکل خیال نہ رہا۔ ماما کی جانب مخاطب ہوکر، فہمیدہ سموسے تو لاؤ۔

بیرسٹر۔ بیٹی آج تم نے اخبار دیکھا کیا خبریں تھیں؟

ثروت آرا۔ ابا جان وقت ہی نہیں ملا، صرف ایک صفحہ دیکھا لڑائی کی خبروں کا، ان خبروں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی والے پھر پسپا ہو رہے ہیں۔

بیرسٹر۔ کھانے کے بعد مجھے اخبار سنانا، میں نے تو آج مصروفیت میں اخبار دیکھا ہی نہیں، لڑائی کی خبریں روزانہ معلوم ہونی ضروری ہیں، مجھے تو اپنے ہندوستانی بھائیوں کا خیال رہتا ہے جو روزانہ ہزاروں کی تعداد میں اس خونخوار جنگ کی وجہ سے کٹ رہے ہیں اور یہ خوفناک جنگ کسی طرح ختم نہیں ہوتی ہندوستان تباہ ہوا جا رہا ہے اس کے بہادر سپوت ایک غیر قوم کے لیے اپنی بیش بہا زندگیاں کس فراخ دلی سے قربان کر رہے ہیں کاش کہ یہ کوئی قومی لڑائی ہوتی تو یہ اطمینان ہوتا کہ ہم شہادت کا درجہ

حاصل کر رہے ہیں۔

ثروت آرا۔ ابّا جان میں اکثر سوچتی ہوں کہ لوگ ایک حالت پر قانع کیوں نہیں رہتے کاش کہ قیصر جرمنی یہ لڑائی محض ملک کی خاطر نہ لڑتا، اتنی ہزاروں جانیں پھر کیوں تلف ہوتیں؟

بیرسٹر۔ بیٹی دنیا نام ہی حرص و ہوس، لڑائی جھگڑے اور خونریزی کا ہے، اگر آج سب دنیا کا تخیل تبدیل ہو جائے تو پھر انسان فرشتے بن جائیں، اور یہ دنیا ہی ارم بنجائے۔

ثروت آرا۔ کھانا ختم کر کے اٹھی اور اخبار لا کر باپ کو سنانے لگی، ایک گھنٹے تک اخبار سنانے اور سیاسی معاملات پر بحث کرنے میں سب مشغول رہے، پھر شب بخیر کہہ کے سب اپنے اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔

۷

دوسرے دن صبح ثروت چائے سے فارغ ہو کر حسبِ دستور کلاک سے پڑھتی رہیں، گیارہ بجے مس کلاک رخصت ہوئیں تو گلزار اور فہمیدہ کو میز لگانے کا حکم دے کر خود باغیچے میں چلی گئی، مطلع صاف تھا، دھوپ آج خوب تیز تھی، ثروت خراماں خراماں پھول کو توڑتی سونگھتی باغ میں پھر رہی تھی، آخر تھک کر گلاب کے کنج میں بیٹھ گئی، اس کی ہلکی بسنتی ساری گھاس میں یہ معلوم ہوتا تھا گویا کھیت میں سرسوں پھولی ہوئی ہے، سرخ گلاب کا پھول بالوں میں لگا ہوا تھا اور وہ دھیمے سروں میں فارسی کا ایک نعتیہ شعر گنگنا رہی تھی۔

پاؤں کی آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو حشمت کو عقب میں کھڑے مسکراتے پایا۔

ثروت۔ آخر آ گئیں نہ آپ؟

حشمت۔ نہ کیوں آتے اور ہیں تو یہ کہنے آئی ہوں، اظہر محل سے ٹیلیفون آیا ہے، ظفر جنگ ساڑھے چار بجے آئیں گے۔

ثروت آرا۔ پھر میں کیا کروں؟

حشمت۔ میں جاہل آدمی ہوں، اس دن کی ہمدردی کا شکریہ باقاعدہ لکھ دیجئے۔

ثروت۔ حشمت تو سر پہ کیوں چڑھ گئی ہے، ہر وقت مذاق کرتی ہے۔

حشمت۔ (سنجیدہ منھ بنا کر) مذاق کی کیا بات ہے، میں آپ سے تو کچھ نہیں کہہ رہی، میں بھی شکریہ نہ کر دوں

ثروت آرا۔ تو لکھو خود میں کیا منع کرتی ہوں، میں کوئی منشی تو ہوں نہیں (ذرا جھجک کر) صرف ظفر جنگ آرہے ہیں یا صفدر بھی آرہے ہیں۔

حشمت۔ صرف ہمارے ظفر جنگ ہی آرہے ہیں، صفدر میاں کی آج کچھ طبیعت ناساز ہے اس لئے نہ آسکیں گے۔

ثروت۔ ماشاءاللہ کیا جولانیٔ طبع ہے، یہ تمہارے ظفر جنگ کب سے ہوگئے۔

حشمت۔ (منہ بنا کر) جب سے ہم نے انہیں دیکھا اور انھوں نے ہمیں دیکھا۔

ثروت۔ (بگڑ کر) چل نالائق شامت آئی ہے، مجھے بناتی ہے۔

حشمت زور سے ہنستی ہوئی چل دی۔

گلزار نے کھانا میز پر لگنے کی اطلاع دی، اور ثروت ساری سنبھالتی سبزے کو پامال کرتی کھانے کے کمرے میں داخل ہوئی۔

بیرسٹر۔ کہاں تھیں ثروت؟

ثروت۔ ابا جان باغ میں پھولوں سے کھیل رہی تھی۔

سپہر آرا۔ بیٹی دوپہر کو باغ میں نہ جایا کرو۔

ثروت۔ (بھولے پن سے) کیوں اماں؟

سپہر آرا۔ اللہ رکھے کوارا پنڈا ہے، دوپہر میں جانا ٹھیک نہیں،

ثروت مسکرا کر خاموش ہوگئی۔

سپہر آرا۔ (بیرسٹر سے) آج اظہر محل سے ٹیلیفون آیا ہے، ظفر جنگ ساڑھے چار بجے آئیں گے۔

بیرسٹر۔ ہاں اس روز ظفر جنگ نے یہی کہا تھا کہ تیسرے روز واپس آؤں گا، اور پھر فوراً حاضر ہوں گا۔

سپہر آرا۔ اب دیکھنا کتنا خوبصورت لڑکا ہے، میں نے اس دن دیکھا تھا، جیتا رہے، نظر نہ لگے رنگ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے مبدء شباب اور نقشہ تو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔

بیرسٹر۔ نواب صاحب بھی بہت خوبصورت انسان ہیں، کبھی جوانی میں بہت حسین ہوں گے۔

اس بڑھاپے میں یہ حالت ہے کہ رنگ قندھاری انار کا دانہ معلوم ہوتا ہے۔

سپہر آرا۔ اور شمس النسا بھی خوبصورت ہیں، پھر بھلا ایسے خوبصورت والدین کے بچے کیوں نہ حسین ہوں گے، ماشاء اللہ دونوں لڑکیاں بھی حسین ہیں، خصوصاً چھوٹی تو بہت ہی پیاری شکل کی ہے۔ میرے اگر بیٹا ہوتا تو فوراً لڑکی کو مانگ لیتی۔

بیرسٹر۔ (مسکرا کر) خوب، کیا ہماری ثروت سے بھی زیادہ پیاری ہے۔

سپہر آرا۔ رنگ تو ثروت سے بھی ذرا نکلتا ہوا سمجھو، البتہ ملاحت اور نقشے کا تناسب ایسا نہیں ہے۔

ثروت آرا۔ امی جان، واقعی بہن مہر النسا بہت حسین ہیں، میں تو ان کی برابری نہیں کر سکتی۔

سپہر آرا۔ نہیں میری چاند، تمہاری چاند سی صورت کی ملاحت کسی میں کہاں ہے۔

ثروت۔ واہ امی آپ تو مجھے چاہتی ہیں، اسلئے ایسا فرماتی ہیں، کھانا ختم ہوتے ہی بیرسٹر اٹھ کھڑے ہوئے۔

سپہر آرا۔ کیوں کیا کہیں جانا ہے۔

بیرسٹر صاحب۔ نہیں تو، آج تو تعطیل ہے، ضروری کاغذات دیکھنے ہیں، یہ کہتے ہوئے اپنے آفس میں چلے گئے۔

سپہر آرا حسب معمول مشین سے سلائی کرنے لگیں۔

ثروت آرا۔ نٹنگ کرتی رہیں۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد دونوں ماں بیٹیوں نے ظہر کی نماز پڑھی، ثروت آرا نماز کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

سپہر آرا بیگم نے گلنزار کو ڈرائنگ روم میں چائے لگانے کا حکم دیا، اور ٹھیک چار بجے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں وہ ظفر جنگ کا انتظار کرنے جا بیٹھیں۔

جونہی ساڑھے چار پر گھنٹے کی سوئی آئی، ظفر جنگ کی خوبصورت چھوٹی کار پورچ میں آکر رک گئی، ظفر جنگ خراماں خراماں سر کو قدرے خم کئے آئے، چپراسی نے دوڑ کر سلام کیا، گلنزار

نے کمرے کی چلمن ہٹائی اور ظفر جنگ نے اندر داخل ہو کر سپہر آرا بیگم کو ہندوستانی مودبانہ طریقے سے آداب کیا۔

سپہر آرا بیگم نے عمر و اقبال کی دعائیں دے کر اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا، دو دادو دروازے میں کھڑی تھیں اُن کو بھی ظفر جنگ نے سلام کیا، انھوں نے بلائیں لیں اور دعائیں دیں۔

بیرسٹر صاحب کو آتا دیکھکر ظفر پھر کھڑے ہو گئے، اور شیک ہینڈ کیا، رسمی گفتگو کے بعد بیرسٹر صاحب کہنے لگے، پیارے ظفر میں آپ کا مشکور ہوں، آپ نے اتنی ہمدردی کی، افسوس اس سے قبل میں آپ کا شکریہ نہ کر سکا۔

ظفر۔ (سر جھکا کر) آپ شکریہ بار بار کر کے مجھے نادم کرتے ہیں، یہ ایسی کیا بات شکریے کے قابل تھی۔
سپہر آرا بیگم۔ بیٹا خدا کا شکر ہے کوئی غیر نہ تھا، یہ معلوم ہو کر مجھے بہت مسرت ہوئی کہ تم تھے میرے لئے جیسے ثروت ویسے تم۔

ظفر نے ثروت کا نام سن کر اپنا سر جھکا لیا اور کہا آپ کی عنایت ہے، میں بھی آپ کو اماں جان جیسا ہی سمجھتا ہوں۔

بیرسٹر صاحب۔ اب آپ کہاں تعلیم پا رہے ہیں۔
ظفر۔ جی میں بی۔ اے کا امتحان لکھنؤ کیننگ کالج سے دے چکا ہوں چھ ماہ ہوئے۔
بیرسٹر۔ ہاں اب مجھے یاد آیا، آپ تو یونیورسٹی میں فرسٹ آئے تھے، تصویر بھی آپ کی نکلی تھی، میں اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔
ظفر جنگ۔ شکریہ آپ کی بزرگانہ تہنیت کا، یہ سب آپ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔

بیرسٹر۔ اب کیا ارادہ ہے؟
ظفر جنگ۔ آئی، سی، ایس کا ارادہ ہے، میں اب تک ولایت چلا گیا ہوتا، اگر جولائی میں میعادی بخار میں مبتلا نہ ہو جاتا، پورے ایک ماہ علیل رہا، اس کے بعد بھی ڈاکٹروں نے چھ ماہ

سپہر آرا۔ توبہ اس تکلف کی کیا ضرورت ہے، میرا ارادہ کل خود ہی آنے کا تھا، ظفر میاں سے کہنا بھول گئی۔

آتون جی۔ اور بیگم صاحب نے فرمایا ہے، صاحبزادی کو ضرور لائیے گا۔

سپہر آرا۔ صبح کا وقت تو ان کے پڑھنے کا ہوتا ہے، پھر کسی دن شام کو وہ آجائیں گی کل تو صرف میں ہی آؤں گی۔

آتون جی۔ بہت بہتر۔

۸

آج صبح ہی صبح سے اظہر محل میں سپہر آرا بیگم کے آنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بڑے دالانوں میں چاندنیاں حالانکہ صاف بچھی ہوئی تھیں، لیکن ان کو اُٹھا کر دوسری چاندنیاں بچھائی گئیں۔ گاؤ تکیوں کے غلاف بدلے گئے، کھانے کا اتنا اہتمام ہے کہ معلوم ہوتا ہے بہت سے جلیل القدر مہمانوں کا کھانا ہے، بیگم صاحبہ نے داروغۂ مطبخ کو بلا کر کئی کئی مرتبہ تاکید کی کہ یہ بھی ہو اور وہ بھی۔

انہی طیاریوں میں دس بج گئے، اور بیگم صاحبہ سب طرح تیار ہو کے اپنی سہیلی کی آمد کا انتظار کرنے لگیں، اپنی بھاوج عشرت زمانی بیگم اور نند اکبری بیگم کو صبح ہی سے بلوا لیا تھا، اب سب سپہر آرا بیگم کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ گیارہ بجے قریب باریدارنی نے سپہر آرا بیگم کے آنے کی اطلاع دی، زیب النسا، مہر النسا، صادقہ سب پیشوائی کے لئے ڈیوڑھی تک گئیں، ہاتھوں ہاتھ لیکر چبوترے تک آئیں، یہاں خود بیگم صاحبہ نے خود اپنی سہیلی کی پیشوائی کی اور خوب ذوق شوق کے معانقے کے بعد نند و بھاوج سے ملوایا، سب بزرگ بیگمات صدر میں بیٹھیں، لڑکیاں کسی قدر فاصلے سے سامنے ادب سے بیٹھ گئیں، اور باتیں شروع ہو گئیں۔

سپہر آرا۔ معاف کرنا بہن میں ذرا دیر سے پہونچی، اوّل تو دن اتنے چھوٹے ہیں کہ چائے پیتے ہی پیتے نو بج جاتے ہیں۔ پھر آج تمہارے بہنوئی ذرا دیر سے کچہری گئے، اُن کو بھیج کر جب کار آئی تو میں آئی۔

شمس النسا بیگم۔ بہن تم نے ٹیلیفون دے کر میری گاڑی منگالی ہوتی۔
سپہر آرا۔ یوں تو میں لینڈو میں آسکتی تھی لیکن جب سے کمپنی باغ میں گھوڑے بد کے ثروت کے چوٹ آئی ہیں نے گاڑی میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔
شمس النسا۔ (گھبرا کر) اے ہے یہ کب ہوا؟
سپہر آرا۔ بہن یہ واقعہ کوئی مہینے کے قریب ہوا جب کا ہی، ظفر جنگ کو خدا نے بھیجدیا تھا۔ انھوں نے لڑکی کو گھر تک پہونچایا، میں نے خدا کا شکر کیا کہ آپ کا بچہ تھا، میرا بھی وہ بچہ ہے کسی اور غیر نے نہیں دیکھا۔
شمس النسا بیگم۔ بہن واقعی میرے بچے تمہارے ہی ہیں، لیکن یہ واقعہ کب ہوا، ظفر جنگ نے گھر میں اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔
سپہر آرا۔ بہت خاموش طبیعت بچہ ہے، خدا عمر دے۔
صادقہ۔ خالجان صفدر نے کہا تو تھا مجھ سے اور زہیو بہن سے، پھر فرخندہ کو ثروت آپا بیگم نے بھی لکھا تھا، خدا نے بچا لیا، ثروت بہن کو، اور یہ غنیمت ہے کہ صفدر اور ظفر جنگ اپنے ہی تھے، کوئی غیر نہ تھا۔
بیگم صاحبہ۔ ہمیں تو تم میں سے کسی نے بھی نہ بتلایا، ظفر تو خیر شرمیلے اور خاموش طبیعت ہیں۔
عشرت زمانی۔ واقعی ظفر میاں کی طبیعت میں تو اتنی شرم ہے کہ آجکل کی لڑکیاں بھی اتنا نہیں شرماتیں۔
سپہر آرا بیگم۔ کل ظفر جنگ کہہ رہے تھے کہ لندن جانے کا ارادہ ہے، لیکن اماں جان اس ذکر سے ناراض ہوتی ہیں۔
شمس النسا بیگم۔ ہاں بہن وہ تو کئی مہینے سے ولایت جانے کے لئے ضد کر رہے ہیں مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ اتنے کالے کوسوں بھیجدوں، جہاں کی خبر بھی پندرہ دن میں آتی ہو، نگوڑی لڑائی کی خبروں سے اور دم ہولا جاتا ہے۔

سپہر آرا بیگم ۔ لڑائی سے کیا غرض، لڑائی تو وہاں سے دور ہے، جہاں پڑھنے کو جائیں گے آپ نہ گھبرائیں اور بسم اللہ کر کے بھیجدیجئے۔
اکبری بیگم ۔ نہ جانے یہ آجکل لڑکوں کو کیا دھن لگ گئی ہے، بلقیس کے دولہا بھی جانے کو کہہ رہے ہیں، گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، پھر بھی ولایت کی دھن سوار ہے۔
عشرت زمانی ۔ نشاط نے بھی ناک میں دم کر رکھا ہے۔ کہتا ہے ظفر بھائی جائیں گے تو میں بھی جاؤں گا۔
شمس النسا بیگم ۔ خدا ان لڑکوں کو نیک توفیق دے۔
سپہر آرا بیگم ۔ بہن اس میں سوچ گیا ہے، جتنا انسان پڑھتا ہے تجربہ وسیع ہوتا ہے ظفر میاں کا تو آئی سی ایس کا ارادہ ہے، اس لئے آپ اللہ کا نام لیکر بھیجدیں، فکر نہ کریں ماشاءاللہ لڑکا ہونہار ہے، قابل ہو کر آئے گا۔
شمس النسا بیگم ۔ ہاں آجکل کے لڑکے کسی کی سنتے تھوڑی ہیں، ان کی ضد تو اب پوری کرنی ہوگی، لیکن اس فکر میں ہوں جانے سے قبل ظفر جنگ کا عقد کر دوں، وداع انشاءاللہ واپسی پر ہوگی، اچھی لڑکی کی تلاش میں ہوں۔
سپہر آرا ۔ (مسکرا کر) ماشاءاللہ لڑکا لائق ہونہار خوبصورت ہے، لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟ بہت مل جائیں گی۔
شمس النسا بیگم ۔ ہاں بہن تمہاری دعا سے لڑکیوں کی تو کمی نہیں ہے، مگر میرے ظفر کا جوڑ تو بس ایک ہی لڑکی ہے؟
سپہر آرا بیگم ۔ کس کی لڑکی ہے۔
شمس النسا بیگم ۔ (ہنس کر) میری ثروت اللہ رکھے، اور کون؟ وہ مجھے بہت پیاری ہے، میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے زیور اور جہیز سے بھی زیادہ پیاری اس پر آتا ہے ظفر جنگ کو تم بہت چاہتی ہو، آؤ تبادلہ کریں، ظفر جنگ کو تم لیلو، ثروت کو مجھے دیدو۔

سپہر آرا بیگم۔ بہن واقعی ظفر جنگ کو بخدا میں ایسا ہی عزیز رکھتی ہوں جیسے اپنی ثروت کو اور ثروت آپ کی ہی ہی، مگر یہ معاملے ایسے نہیں کہ اتنی جلد ہاں کر لی جائے، جبتک ثروت کے باپ سے صلاح نہ کر لوں، کیسے ہاں کر دوں، ظفر جنگ ماشاء اللہ ہر طرح لائق و افضل ہیں لیکن ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔

عشرت زماں بیگم۔ اے بہن آپ کے سہاگ کی تو ماشاء اللہ ساری دنیا میں دھاک ہے، بیرسٹر صاحب بھلا کیا آپ کے خلاف کریں گے، جو آپ کہیں گی وہی کریں گے۔

سپہر آرا۔ ہاں آپ کا فرمانا درست ہے، پھر بھی مجھے یہ حق نہیں کہ بغیر ان سے صلاح لئے حامی بھر لوں۔

شمس النسا۔ تم اقرار کر لو، انشاء اللہ بھائی صاحب کو رضا مند کر لیا جائے گا۔

سپہر آرا بیگم۔ (مسکرا کر) بہن گھر بلا کر یہ زبردستی کرتی ہو۔

شمس النسا بیگم۔ رہنے بھی دو بہن وہ دن بھول گئیں جب ہم تم گڈے گڑیا کا بیاہ رچایا کرتے تھے، جب ہم نے کھیل کھیلا تھا اور کچھ قدرت خدا تھی، جب کبھی تمہاری گڑیا اور میرا گڈا تھا، اب ہم کو خدا نے اس قابل کیا اور حالات موافق ہیں تو لاؤ اس کھیل کو اصل کر دکھائیں۔

سپہر آرا۔ بہن لڑکپن کی بات ہی دوسری ہے، تم اب بھی دل میں طفلانہ خیالات لئے ہوئے ہو، میں نے انکار کب کیا، لیکن ہاں اقرار بھی نہیں کر سکتی۔

شمس النسا بیگم نے سپہر آرا کو نیم رضا مند پا کر گفتگو کا رخ بدلا، اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، بارہ بجے مغلانی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا، حضور خاصا لگ چکا ہے، یہ سنتے ہی سب بیگمات اٹھ کھڑی ہوئیں، پہلو کے کمرے میں جہاں کھانا لگا ہوا تھا، داخل ہوئیں دو لونڈیاں ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے سنبھالے ہاتھ دھلانے کے لئے سفید تولئے کاندھوں پر ڈالے کھڑی تھیں، ہاتھ دھو کر سب بیگمات کھانے پر بیٹھیں۔

دسترخوان پر، بریانی، متنجن، سبزہ قبولی، بادامی قورمہ، کھڑا قورمہ، مرغ مسلم، کوفتے، تیتر کے کباب، پسندے، دوپیازہ، بادشاہ پسند دال، کریلوں کا دلمہ، بھاجی، بیگن، نورتن قاش، دو تین وضع کے رائتے، بورانی، پراٹھے، شیرمال، چپاتی، روغنی چھلکے، زردہ، بالائی، مزعفر، کھیر، نمش، فلاقند، پستے کی لوز، تین چار قسم کے اچار، چٹنیاں، مربے، ورقی سموسے، تمام دسترخوان کیوڑے، گلاب کی خوشبو سے معطر اور سنہری روپہلی ورقوں سے جگمگا رہا تھا۔

سپہر آرا بیگم۔ ماشاءاللہ غنی بہن، تکلفات کی انتہا کردی، کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی۔

شمس النسا بیگم۔ لو بہن ایسا کیا کھانا ہے، تم تو شرمندہ کرتی ہو۔

انہی خوش گپیوں میں کھانا ختم ہوا۔

بیگم صاحبہ کے حکم سے کھانا بیرسٹر صاحب کے لئے بھی ایک خوان میں بھیجا گیا، کھانے کے بعد چکنی ڈلی، پان کی گلوریاں، نقرئی، طلائی ورقوں میں لپٹی ہوئی لائی گئیں اور سب بیگمات قیلولے کے لئے لیٹ گئیں، نصف گھنٹے کے بعد سب اٹھیں، ظہر کی نماز کے بعد پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، تین بجے کے بعد سپہر آرا چلنے کو تیار ہوئیں تو۔

بیگم صاحبہ نے کہا بہن کل تو جمعرات ہے، پرسوں جمعہ کو تمہارے بہنوئی کو بھائی صاحب کے پاس بھیج دوں گی۔

سپہر آرا بیگم۔ شوق سے، بھائی نواب صاحب سے کہہ دیجے چائے بھی بیرسٹر صاحب کے ہمراہ نوش کریں۔

شمس النسا بیگم۔ چائے تو وہ سہ پہر میں پیتے نہیں، البتہ شربت پلا دینا اور دیکھو اپنے اقرار سے نہ پھرنا۔

سپہر آرا بیگم۔ انجان بن کر کیسا اقرار؟

شمس النسا بیگم۔ بس بہن تجاہل نہ کرو، شرط میری ہو چکی۔

سپہر آرا بیگم۔ (مسکرا کر) دیکھئے کوشش کروں گی، اللہ مالک ہے۔

صادقہ، زیب النساء (ایک زبان ہو کر) خالہ جان ثروت بہن کو تو ہم کو دیدیجئے۔
سپہر آرا۔ اللہ لڑکیوں تم بھی چلی نکلیں، خیر بہن دیکھا جائے گا، اس وقت تو جانے دو۔
مغلانی نے کار لگنے کی اطلاع دی، اور ڈیوڑھی تک سب بیگمات سپہر آرا بیگم کو چھوڑ کر گئیں، اُن کے جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا، سپہر آرا بیگم رضامند تو ہیں۔
اکبری بیگم۔ ہاں بھابی انشاء اللہ وہ کر ہی لیں گی، لیکن ایک دم کیسے اقرار کر لیں۔
عشرت زمانی۔ آج کل اچھے لڑکے قسمت والوں کو ہی ملتے ہیں۔
صادقہ۔ مومانی جان لڑکیاں بھی اتنی اچھی ذرا مشکل سے ملتی ہیں، ماشاء اللہ ثروت آرا کسی بات میں بھائی ظفر جنگ سے کم نہیں ہیں، یہ جوڑا تو خدا نظر بد سے بچائے اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔
بیگم صاحبہ۔ خدا سازگار کرے اور ہو جائے، اگر پرسوں بات پختہ ہو گئی، تو میں آئندہ جمعہ کو ہی عقد کی تاریخ مقرر کر دوں گی، پھر شب برات لگ جائے گی۔
زیب النساء۔ اُمید تو ہے۔ انشاء اللہ معاملہ پرسوں ہی طے ہو جائے گا۔
جمعہ کے مبارک دن نواب صاحب کے وسیع ڈرائنگ روم میں چار بجے عزیزوں، دوستوں کا مجمع تھا، ڈاکٹر رفیق احمد، نواب عشرت علی، بڑے نواب صاحب یعنی ظہر زمانی بیگم کے ماموں، نواب عباس علی خاں، نواب صاحب کے بہنوئی، صفدر، نشاط، سہراب، خسرو جنگ، جمع تھے، چائے کے بعد سب خورشید لاج روانہ ہوئے۔
صفدر۔ (چلتے ہوئے، تمسخرانہ لہجے میں) چلتے ہو بھائی ظفر جنگی ملنگنے۔
ظفر۔ بکواس مت کرو، میں تو سنبھا جا رہا ہوں، یہ کہہ کر انھوں نے کار کا ہنڈل گھمایا، اور چل دیئے۔
خورشید لاج میں بھی آج ان لوگوں کی آمد کا انتظام تھا، بیرسٹر صاحب مع اپنے بڑے بھائی خان بہادر احمد زماں صاحب، بہنوئی محمد علی خاں اور بھانجے مسٹر رشید احمد کے

نواب صاحب کے خیر مقدم کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

میزوں پر خشک میوہ، پھل لوزبات اور چوکلیٹ قرینے سے لگے ہوئے تھے چھ بجے کے قریب یہ سب صاحبان پہونچے، بیرسٹر صاحب سے نواب صاحب کی کلب کی ملاقات تھی، اس لئے شناسائی تھی، اپنے بہنوئی ماموں اور داماد کا تعارف نواب صاحب نے کرایا، ملنے ملانے کے بعد سب کی تواضع پھل و خشک میوے سے کی گئی، سگریٹ پیش کئے گئے۔

بڑے نواب صاحب نے کہا، بھئی خورشید تم کو ہمارے آنے کی غرض معلوم ہے اس بڑھاپے اظہر جنگ نے جس لئے مجھے یہاں آنے کے لئے گھسیٹا ہے، ہم بھیک مانگنے آئے ہیں، ہماری تمنا پوری کرو۔

خورشید زماں۔ (سر جھکا کر) دست بستہ، قبلہ آپ کے فرمانے کی بات ہے، آپ کے قدم میمنت لزوم سے یہ کفش خانہ روشن ہوا۔

بڑے نواب صاحب۔ اگر تم مجھکو اپنا بزرگ سمجھتے ہو تو میرے کہنے کی لاج رکھو اور ثروت آرا بیگم کو ہمیں دیدو۔

خورشید زماں۔ جناب میں آپ کا خادم ہوں لیکن میرا اختیار بھائی صاحب کو ہے۔

نواب صاحب۔ (احمد زماں کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں بھئی احمد تمہاری کیا رائے ہے۔

احمد زماں۔ یہ میاں خورشید کی سعادت مندی ہے جو مجھکو اپنا مختار سمجھتے ہیں بھلا کب آپ کے سامنے انکار کر سکتا ہوں، آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

بڑے نواب صاحب۔ تو پھر بسم اللہ کرو۔ ہمیں شربت پلاؤ۔

خورشید زماں۔ لیکن اندر تو اطلاع ہو جائے۔

بڑے نواب صاحب۔ رشید میاں اندر جاؤ، اپنی ہوانی سے میری دعا کہو، اور کہو خدا کی قدرت ہے تم اور شمس النسا میرے سامنے کھیلتی پھرتی تھیں، اب خدا نے یہ دن کیا تم بیٹی کی ماں ہوئیں اور وہ بیٹے کی ماں بنیں تو ہماری آرزو پوری کرو۔

نورِ چشمی ثروت آرا کو ہمیں دو، اور عزیزم ظفر جنگ کو تم لو۔

رشید۔ بہت بہتر کہہ کر اندر گئے اور چند منٹ بعد آ کر کہا، موامانی جان نے آداب عرض کیا ہے اور کہا ہے، آپ میرے بھی بزرگ ہیں اور آپ کا حکم سر آنکھوں پر، مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ ثروت بھی ظفر جنگ کی طرح آپ کی ہی ہے۔

بڑے نواب صاحب۔ بھئی اب تو کوئی عذر نہیں، لاؤ احمد شربت پلواؤ۔

بیرسٹر صاحب نے اشارہ کیا اور بلوری کنٹروں میں دودھ کا شربت خادمان سلیقہ شعار لے کر آئے، شربت پلانے کے بعد رشید احمد نے سب کے گلوں میں پھولوں اور گوٹے کے ہار ڈالے۔

اظہر جنگ۔ بھائی خورشید زماں آپ کی بہن نے کہا تھا لڑکا دو ماہ بعد ولایت جا رہا ہے، عقد جس قدر جلد ہو جائے بہتر ہے، آگے شب برات کا مہینہ شروع ہوتا ہے، عورتیں اس کا وہم کرتی ہیں، اگر مضائقہ نہ ہو تو آئندہ جمعہ کو عصر و مغرب کے درمیان عقد ہو جائے۔

خورشید زماں۔ جناب میں تو اب ثروت کو آپ کو دے چکا، شریفوں کی زبان ایک ہوتی ہے، اب آپ کو اختیار ہے۔

اظہر جنگ۔ میں آپ کی اس بندہ نوازی کا مشکور ہوں، آئندہ جمعہ کو تاریخ بھی اچھی ہے ہم لوگ عصر و مغرب کے درمیان حاضر ہوں گے۔

خورشید زماں۔ بہت بہتر۔

اس کے بعد تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، آٹھ بجے کے قریب یہ لوگ رخصت ہوئے۔

۹

اظہر محل اور خورشید لاج دونوں جانب عقد کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔
ماشاء اللہ دونوں طرف روپیہ، دونوں باحوصلہ، پھر کمی کس بات کی، اظہر محل میں چار روز قبل سے ہی نوبت رکھدی گئی، نفیری کی سریلی صدائے تہنیت نے تمام محل میں رونق کر دی، محل کے سارے کمرے دو دن قبل مہمانوں سے بھر گئے، اظہر زماں بیگم نے اپنی نند اور بھاوج اور رصادقہ کو تو جانے ہی نہ دیا تھا، بلقیس بیگم، اکبری بیگم کی لڑکی اپنی سسرال رامپور تھیں وہ بھی آگئیں اور سب دور پرے کے عزیز اور ملاقاتی بھی جمعرات کے دن سے ہی آگئے، مہمانوں کے مارے اتنے عظیم الشان محل میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ظفر کے کمروں میں اُن کے وہ دوست جو باہر سے آئے ہوئے تھے مقیم تھے، اور تمام دن ان کمروں سے پیانو اور ہارمونیم کے ساتھ تہنیت کے نغموں کی بارش ہوا کرتی تھی۔

صفدر کی خوشی کا ان دنوں ٹھکانا نہ تھا، ظرافتِ طبع دوچند ہو گئی تھی، تمام وقت خوش فعلیوں میں گذرتا۔

جمعرات کی شام کو رسم حنا بندی ہوئی، ظفر جنگ کو چاندی کی چوکی پر بٹھا کر بہنوں نے مالیدہ منھ میں دیا، اور داہنے ہاتھ کی چھنگلی میں مہندی لگائی، سب نے دولہا پر سے نچھاور کی، ڈومنیوں نے لہک لہک کر گیت گائے، اور جھولیاں بھر کر انعام پایا۔

دولہا کے مہندی لگانے کے بعد سب بہنوں اور رشتے کی بھاوجوں نے مہندی لگائی، رتجگا ہوا، ساری رات اسی چہل پہل میں گزری۔

صبح اظہر زمانی بیگم نے زردے، بالائی اور سات ترکاریوں سے صحنک کے کونڈے بھرے اور سب بیگمات نے وضو کرکے نئے جوڑے پہن کر عطر لگا کر بیوی کی نیاز کھائی گلگلے سارے کنبے اور ملاپ میں تقسیم کئے گئے، کھانا کھاتے کھلاتے تین بج گئے، چار بجے ظفر جنگ کو غسل کرا کے وہ خلعت پہنایا گیا جو خورشید لاج سے صبح بہت تزک و احتشام سے آیا تھا، چکلیٹ رنگ کی زربفت کی شیروانی، ہیرے کے بٹن لگے ہوئے، زرکار پیازی مندیل، آسمانی سلک کی قمیص، سفید ساٹن کا اریب پاجامہ، سلیم شاہی بہت بھاری سہرے سچے کام کی جوتی، سر پر کلغی جس کے وسط میں بیش قیمت زمرد اور اس کے گرد ہیرے جگمگا رہے تھے، گلے میں موتی اور زمرد کے کنٹھے، کمر میں مرصع پیش قبض، انگلی میں بیش قیمت الماس کی انگشتری۔

گو کہ عام طور پر اس قسم کا لباس مردوں کو بھلا نہیں لگتا لیکن حسین آدمی ہر حالت میں اچھا لگتا ہے، ظفر اس شاہانہ لباس میں پھوٹے نکلتے تھے، سرخ و سفید رنگ کو شرم و خوشی کے ملے جلے جذبے نے اور چمکا دیا تھا، اور وہ ایک دلربایانہ انداز سے قدرے سر کو خم کئے منہ کو رومال لگائے بیٹھے تھے، اُن کے قریب اُن کے عزیز ترین دوست صفدر و نشاط دائیں بائیں پہلو دبائے ہوئے تھے، اور چاروں طرف سے اُن کے کلاس فیلو دوستوں کا ایسا ہجوم تھا، جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں۔

چونکہ ابھی بزرگ کوئی نہ آیا تھا، میاں صفدر اپنا لکھا ہوا مذاقیہ سہرا اٹکا اٹکا کر اور بھاؤ بتا بتا کر سنا رہے تھے اور ساری محفل کشت زعفران بن رہی تھی۔

چوبدار نے نواب صاحب کے آنے کی خبر جا کر پکاری، اور یہ سب خاموش ہو گئے، نواب صاحب کے ہمراہ اُن کے معمر دوست اور سب مہمان اُمنڈ آئے، ظفر جنگ سر کو خم

گئے باپ کی تعظیم کے لئے جھک گئے، نواب صاحب نے بڑھکر پیشانی پر بوسہ دیا، پھر کی کشتی جس پر زرکار کشتی پوش جگمگا رہا تھا پیش خدمت نے پیش کی، نواب صاحب نے بسم اللہ کر کے پھولوں کا سہرا بیٹے کے سر پر باندھا، پھر موتیوں کا سہرا خسرو جنگ نے باندھا، نواب صاحب نے داماد کو سہرا بندھائی کا نیگ پانچسو روپے دئے، اور اپنے حسین و شکیل بیٹے کے حسن و شباب سے متاثر ہو کر ماشاء اللہ کہا اور سورہ ان یکاد دم کی اور اشرفیاں نچھاور کیں۔

نواب صاحب کے نچھاور کرتے ہی اور سب نے بھی حسب مقدور اور رشتے کی مناسبت سے نچھاور کی، ہر طرف زر و سیم بکھر گیا، ہوا خواہ دوڑ دوڑ کر اٹھاتے اور دعائیں دیتے جاتے۔

ارباب نشاط کے طائفوں نے پرا باندھ کر سہرے گانے شروع کئے سماں بندھ گیا۔

بینڈ نے بھی تہنیت کی گیتیں شروع کیں، نفیری زور سے بجنے لگی، برات سجائی جانے لگی۔

محل میں سب بیگمات نے تلوان جوڑے پہنے، دولہن کے جوڑے، زیور اور چند کشتیوں میں بھری مٹھائی، پانوں کے بیڑے سجائے گئے۔

ڈومنیوں کے گانے پاندانوں کے کھٹاکے، بچوں کا شور، بیگمات کے قہقہوں اور گفتگو کا غل، کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی، صفدری، نشاط کی چیختے چیختے آواز بڑ گئی، کہ بیگمات سوار ہو جائیں تو برات چلے، لیکن طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا ہے۔

صادقہ، زیب النسا، بیویوں کو جمع کر کے ڈیوڑھی تک لاتیں، لیکن بیگمات پھر واپس اندر چلی جاتیں، کوئی کہتی اے ہے میرے پانوں کی ڈبیا رہ گئی، کوئی اپنی لونڈی گلچمن کو پکارتی، کسی نے کہا اے بی ٹھہرو، تمہاری باتوں میں میں نے ایک جھلنیا پہنی دوسری وہیں پاندان کے ڈھکنے میں چھوڑ دی، غرضکہ ہلڑ مچا ہوا تھا۔

بمشکل بیگمات ایک گھنٹے کی کد و کاوش کے بعد سوار ہوئیں، اور گاڑیوں کا تانتا بندھا گیا، پولیس کا زبردست انتظام ہے، لیکن اتنی خلقت ہی، جلدی کرتے کرتے بھی چھ بج گئے اور برات سج سجا کر بہت تزک و احتشام سے گشت کرتی ہوئی دولہن کے گھر چلی۔

سب سے پہلے اونٹوں پر نشان، سانڈنیاں ایسی خوبصورت جیسے مور خیال، چاندی کے ساز اور زیورسے آراستہ پیراستہ، چھم چھم کرتیں، ان کے پیچھے بینڈ والوں کی قطار، پھر تخت رواں پر ارباب نشاط اپنے دلکش نغموں اور دل ربا ناچ سے تماشائیوں کو لبھاتی پھر آتشبازی سے باغ و بہاری بنائی ہوئی، اس کے بعد سولہ کمسن کہاریاں تاش تمامی کے لہنگے پہنے، بھولی بھولی صورتیں آنچل پلو کے دوپٹے اوڑھے، ہر قدم پہ ٹھوکریں کھاتی، کبابِ دری کو چلنے کا انداز بتاتی، دولہن کے لباس، زیور اور شیرینی کی کشتیاں سنبھالے پھر میرٹھ کے فوجی بینڈ والے گھوڑوں پر سوار، بینڈ بجاتے رجمنٹ کی فوجی پوشاک اور انداز سپاہیانہ تماشائیوں کے لئے ایک مرعوب کُن تماشہ تھے۔

اس کے بعد دولہا کی چاندی کی گاڑی، چار سبزہ گھوڑے جتے ہوئے چاندی کے ساز براق سے مزین، کوچبین کی سرخ بانات کی وردی، جس پر کسیں سے تمام کام بنا ہوا تھا پیچھے مورچھل بردار مورچھل کرتے، اس کے پیچھے نواب صاحب کی فٹن جس میں مشکی جوڑی جتی ہوئی تھی، اسکے بعد اور عمائدین شہر کی گاڑیاں، جن میں نواب احمد سعید خاں صاحب، نواب اسحٰق خاں بہادر، لالہ سریرام رئیس دہلی، اور نواب صاحب کے یورپین احباب چیف کمشنر صاحب سر جیمس، کرنل ولسن سول سرجن، کرنل رابرٹ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کرنل ابرٹ میرٹھ کی گارد کے افسر تھے، اور خلوص دوستی کی بنا پر اپنا فوجی بینڈ بھی ساتھ لائے تھے۔

بارات کے تانتے کے آخر میں بیگمات کی گاڑیاں تھیں، جنہیں حسین و جمیل بیگمات کے دلربا چہروں کی جھلک کبھی کبھی نظر آجاتی تھی، بارات پورے تزک و احتشام سے رواں تھی، ہر کہ و مہ اس بارات کو دیکھنے میں محو تھا۔

بوڑھے دیکھنے والے کہتے تھے کہ غدر کے بعد دہلی میں یہ پہلی بارات ہے جو اس قدر عظیم الشان ہے، صاحب کیوں نہ ہوں پشتینی امیر ہیں، ہائے مٹی ہوئی دہلی تجھ میں اب بھی ایسے ایسے باحوصلہ لوگ موجود ہیں، ایسے ہی لوگوں سے تیری آن بان قائم ہے۔

ایک کوزہ پشت بڈھے نے جو پان والے کی دوکان پر بیٹھا تھا کہا، میاں سائیں کے سو کھیل ہیں ظفر جنگ کے دادا مظفر جنگ کی بارات بھی ان آنکھوں نے دیکھی ہے، اللہ اللہ کیا سماں تھا، میری عمر اُس وقت کوئی آٹھ برس کی تھی، میرے خالو نواب مظفر جنگ کے ہاں داروغہ مطبخ تھے، غدر سے پانچ برس پہلے کا ذکر ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے، ایکماہ پہلے سے توڑے بندی شروع ہوئی تھی، گیارہ خوان کا توڑہ تھا، ہم لوگوں کے تو مزے تھے، پورے کنبے میں ایک ماہ کھانا نہیں پکا۔

ایک دن اماں کا یہ غرض کھانا کھاتے کھاتے جی گھبرا گیا تو ہمسائے کی غریب عورت کو دو چوٹی دار رکابیاں متنجن، مزعفر کی بھر کر دیں اور اُس سے تیل کی گھنیا اور بیسنی روٹی لیکر کھائی۔

جس دن مظفر جنگ کی بارات چڑھی ہے، اللہ کس شان کی بارات تھی کہ ساری دہلی اُمنڈ آئی تھی، چونکہ دُولہن حکیم احسن اللہ خاں کی نواسی تھی اور حکیم احسن اللہ خاں وزیر اعظم اور بادشاہ سلامت کی ناک کا بال تھے، حضرت ظلِ سبحانی بنفس نفیس شادی میں تشریف لائے تھے، اس لئے سارے شاہزادے بارات کے ساتھ تھے، کیسے کیسے چھیلے جوان تھے، حضور جہاں پناہ کے سبب سے ریذیڈنٹ بہادر، کمشنر صاحب بھی شریک تھے، شب کے بارہ بجے سے بارات کا چڑھاؤ شروع ہوا تھا تو کہیں صبح کے چار بجے دولہن کے گھر پہنچی تھی، آج قدرت نے اُن کے پوتے کی بارات دکھادی۔

پان والے نے کہا، ہاں خاں صاحب آپ نے تو بہت کچھ دیکھا ہے، دنیا کے کھیل یہی ہیں، ہم نے تو ہوش سنبھالنے کے بعد یہ پہلی بارات اس شان کی دہلی میں دیکھی ہے،

خانصاحب نے ٹھنڈا سانس لیکر جواب دیا، تم کل کے بچّے ہو، ابھی دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے، ان آنکھوں نے البتہ نہ جانے کیا کیا دیکھا ہے، بہادر شاہ غازی کا وقت دیکھا ہے۔ پھول والوں کی سیر دیکھی ہے، بسنت کا میلا دیکھا ہے، برکھا رت کی بہاریں دیکھی ہیں پھر یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ شاہزادیاں جن کو شمس و قمر نے نہ دیکھا تھا در بدر ماری پھریں،

شاہزادے جن کے پھول سے جسم باغِ جہاں میں تر و تازہ رہنے کے قابل تھے عین عالمِ شباب میں مارے گئے، بوڑھے بادشاہ کو آناً فاناً میں بے تاج و تخت کر کے، کالے کوسوں بھیج دیا۔

فیض بازار، لال ڈگی جہاں کبھی کٹورا بجتا تھا، وہاں اب گدھوں کے ہل چل گئے، لال قلعہ کی رونق کو فلکِ کج رفتار نے ہُوحق کے سناٹے میں بدل دیا، جہاں کبھی شاہزادیوں کے خلخالِ پا کی جھنکار سامع نواز تھی، وہاں اب وحشی گوروں کے خوفناک قہقہے دلوں کے پار ہوتے ہیں، آہ زمانے تیرا انقلاب۔

یہ سب اِن باتوں میں رہے، بارات تزک احتشام سے آگے نکل گئی۔

خورشید لاج کے پھاٹک کو ہنر مند مالی کے ہاتھوں نے ایسا سجایا ہے کہ بے اختیار صلِ علیٰ کہنے کو دل چاہتا ہے، گلاب کے پھولوں سے دروازہ بنایا ہے، بجلی کے لال سبز ننھے ننھے قمقمے آمد و رفت کا راستہ چھوڑ کر لگے ہوئے ہیں، تمام خورشید لاج کثرتِ چراغاں سے نگار خانۂ آتشیں بن رہی ہے۔

وسیع ڈرائنگ روم میں سے آج صوفہ سٹ نکال کر فرش کرا دیا گیا ہے، ایرانی قالینوں کا سفید چاندنی پر چاروں طرف حاشیہ ہے، گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں، کمرے کے وسط میں دولہا کے لئے سبز کارچوبی مخمل کی مسند بچھی ہوئی ہے، ویسا ہی گاؤ تکیہ اور گل تکیے لگے ہوئے ہیں، دروازوں پر کارچوبی سبز پردے جگمگا رہے ہیں کمرے کی سجاوٹ دیکھکر اندر کے اکھاڑے کا دھوکا ہوتا ہے، ڈرائنگ روم کے علاوہ ایک اور بغل کے کمرے اور وسیع برآمدے میں بھی نشست کا انتظام ہے۔

اندر سپہر آرا بیگم بمع ملکہ بیگم اور احمد زمانی بیگم کے انتظام میں مصروف ہیں ثروت آرا کا کمرہ اس وقت کمسن حسینوں کے باعث رشکِ گلزار بنا ہوا ہے شاہجہاں، رشید دلہن فرخندہ، نسیمہ، مہ لقا، مس الیس، مس روزی، سوشیلا، ماشاء اللہ سب حسین و ماہرو ہیں اور پھر اپنے اپنے مذاق کے مطابق سب کے بناؤ سنگھار نے حسن کو دو آتشہ کر دیا۔

ثروت آرا کو جو عروسانہ لباس میں شرمائی لجائی بیٹھی ہیں، سب نے اس طرح گھیرا ہے جیسے چاند کے گرد ستارے ہوں۔

چہلیں ہو رہی ہیں، آیئے ہم بھی ذرا ان مہ جبینوں کی دل کش باتوں کا لطف اُٹھائیں۔

شاہجہاں۔ اے بی فرخندہ تم بھی خوب ہو، ادھر بھی اُدھر بھی، کل رات کو وہاں تھیں صبح یہاں آن کودیں۔

فرخندہ۔ ہاں کیا کروں دو طرفہ خوشی کا خیال ہو، رات کو بھابی جان کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا، وہ چار دن سے وہیں ہیں، صبح یہاں کا بلاوا تھا یہاں آگئی۔

رشید دُلہن۔ بی بلاوہ تو تمہارا کل سے یہاں تھا، رات کو سب نے تم کو خوب یاد کیا مہندی لگاتے وقت تم نہ تھیں، صبح بھی نہایت تڑکے سے گیارہ بجے آئی ہو۔

فرخندہ۔ میں کل سے کیسے آتی، بھابی بُرا مان جاتیں، صبح میں آنے کو تیار تھی، ظہر زمانی بیگم نے کہا صحنک چکھ کر جانا، مجبوراً رُکنا پڑا، نیاز کی بات تھی انکار کیسے کرتی۔ میرا خود دل یہاں پڑا تھا۔

شاہجہاں۔ ہم خوب جانتے ہیں تمہاری باتیں، زیب النسا بیگم کے رشتے کے دیور تمہارے منگیتر ہیں، اس لیے ان کی خوشامد کرتی ہو۔

فرخندہ۔ (چڑ کر) میں کیوں کسی کی خوشامد کرنے لگی۔

نسیمہ۔ آپا فرخندہ چڑ نہ جاؤ، ہمیں سب خبر ہے بھائی سکندر بخت بھی آئے ہوئے ہیں۔

مہ لقا۔ یہ سکندر بخت کون ہے؟

رشید دُلہن۔ اے ہے مہ لقا تم کو معلوم نہیں؟ فرخندہ کے منگیتر کا نام سکندر بخت ہے، کیسی سہیلی کہ منگیتر کا نام تم کو نہیں بتایا۔

مہ لقا۔ لو بھلا یہ ایسی باتیں کیوں بتانے لگیں؟

فرخندہ۔ (منہ بنا کر) واہ یہ چھیڑ خانی کیا نکالی ہے، کوئی آئے یا جائے ہم کو کیا کام۔

مہ لقا۔ ذرا دل سے تو مشورہ کر لو، دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں، اوپری باتوں سے کیا ہوتا ہے؟

فرخندہ۔ اللہ مہ لقا، میں نہیں سمجھتی تھی تم اتنی سر پھری ہو۔

رشید دلہن۔ اے مہ لقا تم کیا بڑھ بڑھ کر بول رہی ہو، بلقیس بیگم کے بھائی تو ظفر جنگ کے پھوپی زاد بھائی ہیں، وہ تو ضرور آئے ہوں گے۔

فرخندہ یا تو منہ بنائے ہوئے رہتی، فوراً ہنس پڑی، کہنے لگی شاہد بھائی رات کو ہی خوب الاپ رہے تھے، ایک ہفتے سے یہیں ہیں۔

شاہجہاں۔ (مسکرا کر) شاہد نے گایا تو تمہارے سکندر صاحب نے بھی ضرور گایا ہوگا تم نے اس بہانے سے اپنے سکندر صاحب کا گانا سنا ہوگا۔

سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں، فرخندہ کھسیانی ہو کر چپ ہو گئی۔

مس لوسی۔ باجے کی آواز آ رہی ہے، شاید بارات آ گئی۔

رشید دلہن۔ اے ہاں آ تو رہی ہے لیکن ہلکی سی، ابھی بارات دور ہے، اے بہن ثروت چلتی ہو بارات دیکھنے؟

ثروت آرا۔ شرما کر اور جھک گئی۔

روز۔ (انگلش میں) پیاری ثروت تم تو خاصی گٹھری معلوم ہو رہی ہو۔

لوسی۔ ارے روز چلو، بارات قریب آ گئی، زور سے باجوں کی آواز آ رہی ہے۔

سوائے فرخندہ اور مہ لقا کے سب بارات دیکھنے چلی گئیں، ان دونوں کے منگیتر بارات میں تھے، شرم کے باعث دیکھنے نہ جا سکیں۔

سب کے جانے کے بعد فرخندہ سے ثروت نے آہستہ سے کہا کیوں بہن تم سکندر بھائی کو دیکھنے کیوں نہیں جاتیں؟

فرخندہ۔ واہ تم کو بھی زکام ہو گیا، بھائی ظفر جنگ کو دیکھنے تم چلو تو کیا مضائقہ ہے میں بھی ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

ثروت نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔
بیرسٹر صاحب کے بھائی، بہنوئی نے بارات کا استقبال کیا، سب کو حسب مرتبہ لیجا کر بٹھایا۔ اندر بیگمات کی سواریاں اُترنے لگیں، رسمدھنوں کے بیٹھتے ہی ڈومنیوں نے گالیاں دینی شروع کیں، شربت پلایا جانے لگا۔
بیگم صاحبہ نے پانچ اشرفیاں شربت پلائی کی دیں، سو روپے ڈومنیوں کو گالیوں کے دئے، ایجاب و قبول کے لئے وکیل و گواہ اندر آئے، احمد زماں صاحب بطور وکیل اور رشید احمد اور شاہجہاں کے میاں اکبر حسین بطور گواہ کے، بردہ کرایا گیا، بیچارے بہت دیر تک چیختے رہے، جب جاکر سنوائی ہوئی، اور دولہن کے کمرے تک پہنچائے گئے، دولہن کے پاس سے اس وقت کنواری لڑکیوں کو ہٹا دیا گیا، شاہجہاں بیگم، رشید دلہن اور سپہر آرا بیگم بیٹھی رہیں۔
احمد زماں نے کہا، بیٹی ثروت آرا بیگم اپنے نفس کا اختیار نواب زادہ ظفر جنگ ولد اظہر جنگ کو لبعوض پچھتر ہزار زر مہر کے دیتی ہو۔
ثروت آرا خاموش رہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
احمد زماں نے پھر اپنے الفاظ کا اعادہ کیا، ثروت خاموش رہیں۔
احمد زماں ۔ بھابی ثروت کو سمجھاؤ بچہ ہے، رونے کی کیا بات ہے، سب خیر ہے۔
سپہر آرا بیگم ۔ اس وقت خود آب دیدہ تھیں، آنسو پونچھ کر کہا، کہدو میری چاند، ہوں، شاباش رونے کی کیا بات ہے۔
شاہجہاں ۔ ہاں بہن جلدی سے کہدو، دیکھو بیچارے ماموں جان کب سے کھڑے ہیں۔
ثروت آرا نے سب کے اصرار سے مجبور ہو کر آہستہ سے ہوں کہدیا۔
مبارک سلامت کا غل مچ گیا، ناک میں نتھ ڈال دی گئی اور دولہا کا جھوٹا شربت دلہن کو پلایا گیا، اظہر زماں بیگم اس وقت ایک ساڑی بہت بھاری نقرئی کام کی فرنچ چوکلیٹ رنگ کی مع بلاؤز بیٹی کوٹ وغیرہ کے لائی تھیں، اور ایک جوڑا سرخ تار بانے کا بہترین

سنہری کام کا دوپٹہ، ویسی ہی قمیص، سبز کمخواب کا غرارہ، آنکھ ٹھہرنی دشوار تھی، جوڑا ایسا جگمگا رہا تھا، ہیرے زمرد کا ہار اور ہیرے زمرد کے کرن پھول، جڑاؤ نتھ، ہیرے کا ٹیکا، سونے کی پازیب، یہ زیور تھا، شاہجہاں، فرخندہ نے جوڑا اور زیور پہنا کر دُلہن بنایا، ماشاءاللہ اس عروسانہ لباس اور زیور میں نزدنت حوروں کو مات کر رہی تھی۔

کھانے کے بعد دُلہن کو شاہجہاں بیگم گود میں لائیں، بیگم صاحبہ اور زیب النساء بیگم نے منھ دیکھا، بیگم صاحبہ نے منھ دیکھکر زمرد و الماس کی جہانگیریاں پہنائیں اور زیب النساء بیگم نے ایک بازوبند پہنایا، جس کے وسط میں ظفر جنگ کی تصویر تھی اور اردگرد دیا قونند ہیرا لگا ہوا تھا، سب نے اس نئے زیور کو پسند کیا

پھر بیگم صاحبہ نے دُلہن پر سے نچھاور کی، اس رسم کے بعد دولہن کو اندر اٹھا کر لے گئے، دولہا اندر آیا، سپہر آرا بیگم نے بلائیں لیں، ڈھائی ہزار روپے چاندی کی کشتی میں لگا کر سلامی کا دیا، اور بیگمات نے بھی حسب توفیق سلامی دی، بارہ بجے شب کو بارات رخصت ہوئی۔

رات بھر اظہر محل میں محفل رقص و سرود رہی، دوسرے دن شام کو سب مہمان رخصت ہوئے۔

۱۰

ثروت آرا بیگم اور ظفر جنگ کا عقد ہوئے دو ماہ کے قریب ہو چکے ہیں، دونوں جانب حوصلہ اور روپیہ پھر کمی کس بات کی۔

شب برات پر دو طرفہ منوں آتشبازی آئی اور گئی، رمضان میں بیگم صاحبہ نے بہو کے لئے بہت دھوم سے افطاری بھیجی، سپہر آرا بیگم نے منجھلے روزے کو سب سمدھیانے والوں کو بلایا، سوسوا سو بیگمات اور اتنے ہی مردوں کو خوب عالیشان افطاری اور کھانا دیا۔

رمضان کی ستائیس کو بیگم صاحبہ نے بہو کے لئے عیدی بھیجی، سوا من کچی سوئیاں، دس سیر میوہ، بیس سیر قند، دودھ کے لئے اکیس روپے گیارہ اشرفیاں عیدی کی، بہت بھاری سُرخ بنارسی ساری مرصع موتیوں کے کنگن، بلوری چوڑیوں کے اکاون جوڑے پانچ سیر مہندی۔

آج عید کا چاند دیکھنے گئے لئے صفدر، ظفر جنگ، صادقہ، زیب النسا، مہر النسا، سب محل کی چھت پر تھے، ابر کے باعث چاند نظر نہ آیا تو سب تھک کر نیچے آ گئے، اور میاں صفدر نے کہا لو بی باجی اور آپا کل کا روزہ اور رکھو، اب تو بڑھیا عید ہو گی۔

زیب النسا۔ تعجب ہے کہ آج چاند نہیں ہوا رمضان کا چاند تیس کا تھا، یہ انتیس کا ہونا چاہیئے۔

صفدر۔ اگر آپ حکم دیں تو میں جھوٹ موٹ کہدوں کہ چاند ہو گیا۔
صادقہ۔ ہوش کی دوا کرو صفدر واہ ایک روزے کے لئے جھوٹ بول کر سارے مہینے کی محنت اکارت کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی، جہاں اتنے یہ رکھے یہ ایک بھی خدا رکھوا دے گا۔ مذہب میں بھی تمہارا مذاق چلتا ہے۔
صفدر۔ اللہ جانتا ہے کہ ہم سب سے ہنستے ہیں، اگر اللہ میاں سے بھی ایک دو باتیں ہنس کر کرلیں کیا مضائقہ ہے، اللہ ہمارا بھی ہے، کوئی اللہ میاں کی ٹھیکیدار آپ نہیں ہیں ہم تو خدا کے خاص مقبول بندے ہیں۔
زیب النساء۔ اگر کل صبح اطلاع ملی تو عید بے لطف ہوگی۔
ظفر جنگ۔ ابھی تو باہر سے گواہیاں آئیں گی تاکہ شب میں ہی چاند ہونے کی اطلاع ملجائے
صفدر۔ اگر کل عید ہے تو پھر ہمارا تو کل رات کا کھانا خورشید لاج میں ہوگا، اللہ رکھے نوشاہ میاں کے ساتھ والوں میں ہیں۔
صادقہ۔ ہاں تم سب کا بلاوا تو عید کی شام کو خورشید لاج کا ہے۔
زیب النسا۔ بھئی خالہ سپہر آرا بیگم بھی ماشاءاللہ ہماری اماں جان کی طرح با حوصلہ ہیں، جب ہی تو ایسی ہیلی ہیں، افطاری اور کھانا کتنا عمدہ اور کتنی افراط سے تھا، اور پھر انتظام ایسا کہ ذرا بھی گڑبڑ نہ ہوئی، بہت منتظم بیوی ہیں۔
صفدر۔ ظفر ہیں خوش نصیب، خوب اچھی سسرال ملی، ان کے طفیل میں ہم کو بھی خوب کھانے ملتے ہیں، (گود پھیلا کر) اے اللہ تو مجھکو بھی ایسی سسرال دیجیو۔
صادقہ۔ زیب النساء۔ (ہنستے ہوئے) تم بہت بے شرم ہو، صفدر ہر وقت بیاہ کے فکر میں بیمار رہتے ہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، ابھی سے اتنا ارمان ہے۔
صفدر۔ (منھ بنا کر) اور آپ دونوں کو جیسے ارمان ہی نہ تھا، میں نے خود آپا کو بیاہ کی دعا مانگتے دیکھا ہے۔

زیب النسا۔ (بگڑ کر) واہ صفدر، یہ بھی بھلا کوئی مذاق ہے، کوئی سُن لے گا تو کیا کیا کہے گا، تم اب بہت گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔

صفدر۔ ایں ایں آپ خفا ہو گئیں، ہماری آپا معاف کیجئے، (کان پکڑ کر) آئندہ ایسی گستاخی نہ کریں گے۔

زیب النسا۔ (مسکرا کر) تمہاری شرارت جب حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو غصہ آ ہی جاتا ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گولے چھٹے، نقارہ بجا اور اطلاع ملی کہ بمبئی سے گواہی آ گئی چاند ہو گیا۔ سارے محل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور عید کے انتظامات ہونے لگے، بیگم صاحبہ نے داروغہ مطبخ کو صبح کے کھانے کے لئے احکام دئے۔ مالی کو حکم گیا باغ سے مہندی توڑ کر آئی، بیگم صاحبہ نے مالی کو انعام دیا، اور تین چار لونڈیوں نے مل کر ہاتھوں ہاتھ مہندی پیس لی۔

کھانے کے بعد زیب النساء، مہر النساء نے مہندی لگائی، بیگم صاحبہ نے بھی ناخونوں پر مہندی رکھی، دو بجے کے قریب سب سوئے۔

صبح سات بجے جاگ گئے، منہیاری نے چوڑیاں لڑکیوں کو شوخ رنگ کی سلیقے ستارے کی جگمگاتی پہنائیں، بیگم صاحبہ کو بھی دودھیا رنگ کی بلوری چوڑیاں پہنائیں، انعام اور سویاں لیں، اور دعائیں دیں، منہیاری رخصت ہوئی، سب نے نئے جگمگاتے بیش قیمت جوڑے زیب تن کئے، زیور پہنا، جب تک یہ سب بیگمات زیور، لباس سے درست ہوئیں۔ باسلیقہ خادماؤں نے باہر کے دالان میں، سفید براق سا دسترخوان بچھا کر ابلی ہوئی سویاں، الگ، شیر، خرمہ اور سوتوں کا مزعفر جدا، ورق لگے ہوئے، مسور کی دال اور خشکا، دودھ میں بھیگے ہوئے چھوہارے کنز، اور میوہ، قند، سب قرینے سے لگا دیا، ٹھیک آٹھ بجے آواز پڑی سرکار تشریف لاتے ہیں، نواب صاحب بمع بیٹے اور صفدر کے اندر آئے، سوتوں پر نیاز دی، اور نیاز کی سویاں وہ دونیچے چکھیں نیاز چکھنے کے بعد نواب صاحب نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک اشرفی عیدی کی دی اور عیدگاہ سدھارے محل میں بھی عید کا دوگانہ سب نے ادا کیا، بیگم صاحبہ

نے سب میل جول اور قریبی عزیزوں میں حصے بھیجے
گیارہ بجے کے قریب نواب صاحب اور ظفر جنگ، صفدر، بھی آ گئے، ساتھ ہی مٹھائی کے خوان، پھل کے ٹوکرے اور کھلونے بھی آئے، صادقہ رات کو بارہ بجے سدھار ہی نہیں، اب پھر آ گئیں، بیگم صاحب نے سات روپے صادقہ کو عیدی کے دئے، ڈاکٹر رفیق احمد آئے، ان کو دو اشرفیاں بیگم صاحبہ نے عیدی کی دیں، صادقہ کی ننھی بچی خورشید کو جو چھ ماہ کی تھی کھلونے دئے۔ کھانا کھایا گیا، ڈومنیوں کے طائفے آ گئے، مبارکباد کی صداؤں سے محل گونجنے لگا، عشرت محل سے سب آئے، شام تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہا،
ظفر جنگ نے آج اپنے چند مخصوص دوستوں کو ٹی پارٹی دی تھی، میاں صفدر، وحید زماں سوسائٹی آج خوب چہک رہے تھے، شام کو سب احباب رخصت ہوئے، صرف نشاط، سہراب ڈاکٹر رفیق احمد، شاہد حسن رہ گئے، ان سب کا خورشید لاج بلاوا تھا۔
سات بجے ظفر جنگ نے سیاہ سوٹ زیب تن کیا اور مع احباب کے خورشید لاج سدھارے مٹھائی کے خوان اور پھل بیگم صاحبہ سہ پہر ہی کو بھیجنے کے لیے بھیج چکی تھیں۔
خورشید زماں نے معانقہ کر کے ظفر جنگ کی حسین پیشانی پر بوسہ دیا، پھر سب سے ہاتھ ملایا۔ کھانا بہت پر تکلف تھا، احمد زماں صاحب، رشید احمد اور چند اور احباب بیرسٹر صاحب کے کھانے پر تھے۔
کھانے کے بعد ظفر جنگ اندر سپہر آرا بیگم کے سلام کو گئے، انھوں نے گلے لگا کر دعائیں دیں اور خاصہ دان میں لگا کر چھ دو اشرفیاں اپنی اور بیرسٹر صاحب کی جانب سے عیدی کی دیں۔ صفدر اور نشاط کو بھی سات سات روپے عیدی کے بھیجے، ان دونوں نے بہت بہت شکریہ اور آداب کہلا بھیجا، اندر جاتے ہوئے ظفر جنگ صفدر سے کچھ سرگوشی کر گئے تھے۔
صفدر سر ہلا کر، بیرسٹر صاحب سے یہ معذرت کر کے کہ ابھی چند منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔ قریب ہی ایک دوست کا گھر ہے، ذرا مل آؤں، چل دئے، اور سیدھے روشن آرا باغ کا رخ

گیا، باغ میں پہونچ کر انھوں نے کشمیرے کا پتلون نما پاجامہ، معمولی گرم کپڑے کا بھاری لبادہ پہنا، بالوں کی ٹوپی سر پر رکھی، منھ پر ایک ایسا پاؤڈر لگایا کہ رنگ گہرا سانولا ہو گیا، بڑی بڑی مونچھیں لگا کر مفلر اس طرح لپیٹا کہ چہرے کا بہت حصہ اس میں چھپ گیا، کار کو چھوڑ کر شوفر کو تاکید کی کہ میں ابھی یہیں آتا ہوں انتظار کرنا، آپ تیز قدم اٹھاتا پھر خورشید لاج کی جانب چلا، خورشید لاج یہاں سے چند گز کے ہی فاصلے پر تھی، کوٹھی کے دروازے پر پہونچ کر انھوں نے شاگرد پیشے کی جانب رخ کیا، دیکھا سب کوٹھریاں خالی ہیں، نوکروں کا مجمع باورچی خانے کی جانب ہے، البتہ مشعلچی بیٹھا ہوا روٹی کھا رہا ہے۔

صفدر نے بھاری آواز سے کہا، میاں مشعلچی ذرا اندر اطلاع کرا دو حشمت سے کہہ دینا کہ تمہارے بھائی آئے ہیں تم کو بلاتے ہیں۔

مشعلچی بہت اچھا کہہ کر چلا، اور میاں صفدر ایک خالی کوٹھری میں چارپائی پر بیٹھ کر حشمت کا انتظار کرنے لگے، بی حشمت، ثروت کے کمرے میں چہلیں کر رہی تھیں کہ گلزار نے جا کر خبر پہنچائی، آپا حشمت، مشعلچی کہتا ہے تمہارے بھائی آئے ہیں تم کو بلاتے ہیں۔

حشمت۔ اوئی یہ کونسے بھائی ہیں، اس بندی کے تو کوئی بھائی بہن ہے نہیں، اماں اللہ بخشے مجھے اکلوتا چھوڑ مریں، پھوپی نے پالا۔

ثروت آرا۔ پھر یہ بھائی کہاں سے پیدا ہو گئے۔

حشمت۔ آہا، میری خالہ زاد بہن باجی صغرا کے میاں میرٹھ سے شاید آئے ہوں گے۔ جا لڑکے پوچھ کر آ کہ میرٹھ سے آپ آئے ہیں نہ؟

گلزار نے جا کر صفدر سے دریافت کیا کہ حشمت دریافت کرتی ہیں، آپ میرٹھ سے آئے ہیں؟

صفدر۔ ہاں کہہ دینا کہ میں میرٹھ سے سہ پہر کو ایک ضروری کام سے آیا تھا، صبح ہی چلا جاؤں گا، اس وقت آ کر مل جاؤ۔

گلزار نے آ کر حشمت سے یہی کہد یا اور حشمت طرارہ بھر کر چلی، قریب پہنچکر اس نے کہا بھائی رحمت علی باجی تو اچھی ہیں۔

صفدر۔ (بھاری آواز سے) ہاں، لیکن حشمت مجھے تم سے ایک خاص بات کہنی ہے، ذرا کیواڑ بند کردو۔

حشمت نے حیران ہو کر کہا ایسی کیا خاص بات ہے؟ اور کیواڑ بند کر دیئے۔

صفدر۔ (گلوبند ہٹا کر اور مونچھیں اُتار کر) حشمت میں صفدر ہوں۔

حشمت۔ اُوئی میاں آخر یہ سوانگ بنا کر آنے کی کیا ضرورت تھی؟

صفدر۔ ضرورت تھی، جب ہی تو آیا، ثروت آرا بیگم کی ایک تصویر جلدی مجھے لادو، تمہارے دولہا میاں کی فرمائش ہے، اب ایک ہفتے بعد اُن کی ولایت کی روانگی ہے، تصویر اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔

حشمت۔ بہت خوب، ابھی لیجیئے، اتنی سی بات کے لئے آپ نے اتنی تکلیف گوارا کی، یہ کہتی ہوئی چل دی۔

ثروت آرا۔ (حشمت کو آتا دیکھکر) بھائی سے بات کر آئی؟

حشمت۔ (مسکرا کر) ہاں، یہ کہتے ہوئے اُس نے ثروت کی تصویر میز پر سے اُٹھالی، یہ تصویر ایک چاندی کے کام کے چوکھٹے میں رکھی ہوئی تھی، اور باکمال مصوّر نے اس تصویر کو اس خوبی سے کھینچا تھا کہ ثروت کی ہر ہر ادا اس تصویر میں پوری شان سے جلوہ نما تھی، عین میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سیاہ ساری پہنے ہوئے خانہ باغ میں گلاب کے پھولوں کی ایک شاخ پکڑے سرو کے درخت کے نیچے کھڑی ہے، اور گلاب کے پھول کی کچھ پتیاں ہوا سے بکھری جا رہی ہیں، ثروت کی ساری کا آنچل دلربایانہ انداز سے ہوا کے ساتھ اُڑ رہا ہے نگاہیں دُور اُفق پر لگی ہوئی ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے وہ اس رنگین فضا میں کھوئی ہوئی ہے۔

حشمت نے اس تصویر کو ثروت آرا کے ایک رومال میں لپیٹا، ثروت آرا ابتک یہ سمجھ رہی تھی کہ حشمت تصویر دیکھ رہی ہے، رومال میں تصویر کو لپیٹتے دیکھ کر وہ ذرا چونکی اور کہا اوو بوانی یہ کیا کر رہی ہے؟

حشمت۔ (مسکرا کر) دولہا میاں کو دینے جا رہی ہوں۔

ثروت۔ ہشت چل دُور ہو، رکھ میری تصویر، ہاتھ توڑ ڈالوں گی۔

حشمت۔ (جاتے ہوئے) اُدھر یہ ڈرا دے کسی اور کو دینا۔

ثروت۔ ہائیں ہائیں کرتی رہی اور وہ تصویر لے کر چلتی بنی۔

صفدر۔ انتظار میں تھے، تصویر لے کر انھوں نے حشمت کا شکریہ کیا، اور نظروں سے بچتے، تیز قدم اُٹھاتے کوٹھی سے باہر نکل گئے، باغ میں پہونچ کر انھوں نے منھ دھویا اور لباس تبدیل کیا، انسانیت کے جامے میں آکر تصویر لبادے کی جیب میں رکھی، کار میں بیٹھکر خورشید لاج آئے۔

ظفر جنگ اندر سے باہر آگئے تھے اور اب سب صفدر کے منتظر تھے، کار کے ٹھہرتے ہی سہراب باہر نکل آیا، اور کہا کہاں رہ گئے تھے میاں سب کو انتظار میں مارا۔

صفدر۔ چل بے دماغ نہ چاٹ آ تو رہے ہیں، اندر داخل ہوئے تو ڈاکٹر رفیق نے کہا، میاں صفدر تم نے تو خوب انتظار کرایا، ساڑھے گیارہ بھی ہوگئے۔

صفدر۔ (مسکرا کر) معاف کریں بھائی صاحب، باتوں میں بیٹھکر وقت گذرتا معلوم نہ ہوا۔

بیرسٹر صاحب۔ ایسی جلدی کیا ہے، میاں صفدر تم سردی میں چکر لگا کر آئے ہو، چند منٹ ٹھہرو، کافی کی ایک پیالی اور پیو۔

صفدر۔ بہت بہتر۔

چند منٹ تک کافی پیتے رہے، پھر اجازت مانگ رخصت ہوئے۔ اپنے گھر میں پہونچ کر ظفر نے کہا، صفدر تصویر تو تم لے آئے ہوگے۔

صفدر۔ کیا کہہ رہے ہو، کیسی تصویر؟

ظفر جنگ۔ ثروت آرا کی تصویر؟

صفدر۔ کیا بیہودہ بکواس ہے، ذرا ادب سے نام لو، ہماری بہن کا، ورنہ اچھی طرح خبر لی جائے گی۔

ظفر۔ بہت اچھا سرکار، جو آپ فرمائیں وہی حکم بجالاؤں۔

صفدر۔ ارے سچ کہنا پڑے تا بعدار اس وقت تو بن گئے، دوست ہم تو ڈر کے مارے تصویر لینے گئے ہی نہیں تو تم کو کہاں سے تصویر دیں۔

ظفر جنگ۔ اونہہ!... شیخی تو اتنی مارتے ہو کہ میں ایسا بہادر ہوں اور ویسا بہادر ہوں ذرا سا کام نہ ہوسکا۔

صفدر۔ بیچارہ میں کیوں بہادر ہونے لگا، آپ ہیں ظفر جنگ بہادر، خود کیوں نہ لائے، بیوی کی تصویر لینے بھی ڈر لگتا ہے، جنگ بہادر صاحب اوروں کو ٹپوانے کی فکر میں رہتے ہو۔

ظفر جنگ۔ اگر سماج کی شرم نہ ہوتی تو تصویر حاصل کرنے میں مشکل ہی کیا تھی۔

صفدر۔ اللہ رے شرمیلے صاحبزادے، جب ہی تو خالہ جان کہتی ہیں میرا بچہ بہت شرمیلا ہے، ہمسے گھنے کہیں کے، ہماری شادی ہوجاتی تو ہم تو ڈنکے کی چوٹ لیتے۔

ظفر۔ دماغ نہ چاٹو، اگر تصویر لائے ہو تو دیدو، ورنہ خاموش رہو۔

صفدر۔ ہم بھلا تصویر نہ لاتے، لیکن صاحب پہلے آپ اپنا لباس تو تبدیل فرمالیں۔ ورنہ یہ تصویر ایسا دیوانہ کردے گی کہ لباس کا ہوش نہیں رہے گا۔

ظفر جنگ نے لباسِ شب خوابی پہنا اور صفدر نے تصویر دیدی، وہ واقعی اس دلکش تصویر کو پاکر دین و دنیا کو بھول کر اس میں محو ہوگئے۔

۱۱

لیلائے شب نے کارواں سرائے دنیا سے کوچ کیا، پیارے پیارے تارے ٹمٹما ٹمٹما کر وداع ہوئے، سپیدۂ سحری نے دن کی آمد کا اعلان کیا، اظہر محل میں ظفر جنگ کی لندن جانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں، چونکہ صبح نو بجے کی ٹرین سے روانگی تھی، اس لئے صبح چار بجے سے ہی سب محل میں جاگ اُٹھے، روانگی سے دو دن قبل تمام قریبی رشتے دار بیگمات محل میں آگئی تھیں، صبح سات بجے تک تمام عزیز دوست مرد بھی مع ہار پھولوں کے جمع ہوگئے، بیگم صاحبہ کا اکلوتے بیٹے کی جدائی کے خیال سے عجیب حال تھا، تمام رات پلک نہ جھپکائی تھی، ہزاروں صدقے سیلے بیٹے پر سے اُتار رہی تھیں اور سینکڑوں نذر نیاز دے رہی تھیں، بہنیں بھی پریشان تھیں، ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے، اور سب اس کو منحوس سمجھکر ضبط کرنے کی کوشش میں تھے۔

سپہر آرا بیگم، بیرسٹر صاحب صبح چھ بجے ہی آگئے تھے، آخر روانگی کا وقت آپہنچا اور ظفر جنگ عزیزوں کے جھرمٹ میں محل میں بیگمات کو سلام کرنے آئے، اتنے امام ضامن باندھے گئے کہ ظفر جنگ کو دونوں بازو اُٹھانے ذرا بار معلوم ہوتے تھے، بیگم صاحبہ نے بہت ضبط کرکے دل کو سنبھالا، ظفر جنگ کو گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا، دو اشرفیاں بازو پر باندھیں نظر کا ٹیکا ماتھے پر دیا، اور آنسو پی کر بھرائی آواز میں بولیں، خدا حافظ، جاؤ سدھارو، خدمت

کرنے والی ماں کو بھول نہ جانا، جس طرح پشت دکھانے ہو اسی طرح منھ دکھانا، یہ کہکر ہچکی بندھ گئی، بے اختیار اتنے روز کی مفارقت کے خیال سے دل بھر آیا۔

ظفر جنگ نے ماں کے قدموں پر جھک کر کہا اماں جان از برائے خدا خادم کے لئے اتنا رنج نہ کریں، چار سال بات کرتے گذر جائیں گے، ہر ہفتے انشاء اللہ آپ کو خط لکھوں گا فکر نہ فرمائیں، یہ کہتے ہوئے ظفر جنگ خود بھی آبدیدہ ہو گئے، لیکن ماں کے خیال سے اپنے کو سنبھالا۔

صادقہ قریب ہی کھڑی تھیں اُن کی جانب جھک گئے، انھوں نے بھی گلے لگایا، بخیر آنے کی دعا مانگی، پھر دونوں بہنوں سے ملے، سپہر آرا بیگم پردے میں تھیں اُن سے جا کر ملے، اس وقت کی طویل جدائی اُن پر بھی شاق تھی، لیکن تھیں سمجھدار، بہت ضبط کر کے بخندہ پیشانی اپنے لائق و مہذب داماد کو الوداع کہا، چار اشرفیاں امام ضامن کی باندھیں، ڈھائی سو روپے ناشتے کے دیے، اور پیشانی پر بوسہ دے کر رخصت کیا۔

بیگم صاحبہ نے ظفر جنگ سے دیواروں پر نصر من اللہ و فتح قریب لکھوایا، صفدر و نشاط قرآن شریف ایک سفید چادر میں لے کر کھڑے ہوئے، ظفر جنگ اُس کے نیچے سے نکلے اور سب کو خدا حافظ کہہ کر کار میں بیٹھے، اور سب عزیز و احباب بھی گاڑیوں کاروں میں اسٹیشن تک پہنچانے گئے، چونکہ ملنے ملانے میں وقت کم رہ گیا تھا، اس لئے ظفر جنگ اور ہیر سٹر صاحب، نشاط، صفدر، خسرو جنگ جو بمبئی تک ظفر جنگ کو پہونچانے جا رہے تھے بعجلت فرسٹ کلاس درجے میں بیٹھ گئے، درجہ دو دن قبل ہی ریزرو کیا جا چکا تھا، نوکر مع سامان کے تیسرے درجے میں بیٹھے، کچھ سامان بک کرا دیا، ان لوگوں کے سوار ہوتے ہی جھنڈی ہلی، انجن نے وسل کیا، ظفر جنگ نے رومال ہلانا شروع کیا، پہونچانے والے ہجوم نے بھی جواباً رومال ہلائے اور خدا حافظ کہا، چند منٹ میں ٹرین کھپ کھپ کرتی نظروں سے غائب ہو گئی، بمبئی پہونچ کر تاج محل ہوٹل میں ان سب نے قیام کیا، ظفر جنگ کی

آنکھیں عروس البلاد بمبئی کو دیکھکر کھُل گئیں، انھوں نے دہلی، شملہ، حیدرآباد، آگرہ، علیگڈھ
لکھنؤ ہوش سنبھال کر دیکھا تھا، سمجھتے تھے ان سے بڑا اور کونسا شہر ہوگا، یہاں کی صناعی عمارات
سمندر کا نظارہ، اپالو بندر کے جہاز ایک سے بڑھکر ایک چیز نظر کے لئے سامان تفریح تھی
دو روز خوب سیر کی، تین مارچ کی شام کو بمبئی پہونچے، چھ مارچ کی صبح دس بجے جہاز میں بیٹھے
دو بجے جہاز نے سیٹی دی، لنگر اُٹھے، ظفر و صفدر کی جدائی غضب تھی، دونوں کی آنکھوں سے
مسلسل اشک رواں تھے، اور ہم آغوش تھے، نشاط نے بمشکل دونوں کو جدا کیا۔

بیرسٹر صاحب بھی چشم پُرآب تھے، ظفر جنگ نے ادب سے اُن کی قدمبوسی کی، بیرسٹر صاحب نے گلے لگا کر پیشانی چومی، پھر ظفر جنگ نشاط سے بغلگیر ہوئے اور یہ سب الوداع کہہ کر کشتی میں سوار ہوئے، ظفر جنگ کھڑے دیکھتے رہے، وطن چھوٹنے کا خیال اور عزیزوں کی جدائی کے ملال سے بے اختیار دل بھر آیا، اور آنکھوں سے قطراتِ اشک مسلسل ٹپکنے لگے، جہاز نے ایک مہیب سیٹی دی اور آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوا، ظفر نے بآواز بلند رقّت آمیز لہجے سے کہا ؎

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

نشاط و صفدر نے ایک زبان ہو کر کشتی میں سے کہا ؎

در سفر رفتنت تو مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

دونوں جانب سے جب تک جہاز نظر آتا رہا رومال ہلتے رہے، لو وہ اب نقطہ سا معلوم ہوتا ہے، اب اب تو بالکل غائب ہو گیا۔

ان لوگوں کے دل اُداس تھے، اسلئے ہوٹل آگئے، کہیں باہر نہ گئے، دوسرے دن سب کے لئے تحفے خریدے اور شب کی ٹرین سے دہلی واپس آگئے۔

اظہر محل میں سناٹا تھا، بیگم صاحب ہر وقت جانماز پر بیٹھی ظفر جنگ کے بخیر پہونچنے کی دعائیں مانگا کرتیں، صفدر کے آنے سے کچھ قدرے چہل پہل ہو گئی، گو صفدر سب کو بہلانے کی کوشش کرتے، مگر ظفر جنگ کے نہ ہونے سے خود دل میں خلا محسوس کرتے تھے، ہنستے ہنستے خاموش ہو جاتے اور باتیں کرتے کرتے اُنکو ظفر جنگ کا خیال آتے ہی چپ لگ جاتی۔

ظفر جنگ سب کی جدائی سے دل گرفتہ ضرور رہتے، لیکن اُن کے شفیق پروفیسر نے اُن کے لئے دلچسپیاں مہیا کر دیں، تاش، ٹینس اور کھیلوں میں وہ حصّہ لیتے، یا کبھی کبھی جہاز کی ڈک پر پانی کا منظر دیکھتے، آٹھویں روز جہاز مارسیلز بندرگاہ میں پہونچا۔

کشتیوں میں بیٹھ کر سب جہاز والے سیر کے لئے اُترے، یہاں کی کچھ چیزیں ظفر جنگ نے بھی خریدیں، اور خطوط دہلی ماں باپ، ساس خسر اور صفدر کو لکھے، دوسرے دن شام کو جہاز نے مارسیلز سے لنگر اُٹھایا، کوئی دلکش مقام اور دلچسپ نظارہ جب بھی نظر آتا ظفر جنگ کو صفدر یاد آتا، اور وہ اپنے عزیز دوست کی یاد میں ایک آہ سرد کھینچ کر رہ جاتے، پندرہویں روز جہاز ساحلِ لندن پر لنگر انداز ہوا، اور ظفر جنگ مسٹر سن جان کی معیت میں اُتر کے ریل میں سوار ہوئے، دو گھنٹے بعد وہ لندن کے خوبصورت اور عظیم الشان شہر میں تھے، یہاں اُن کا قیام ایک اعلیٰ ہوٹل میں تھا، ظفر جنگ کے لئے یہاں کی ہر چیز نئی اور متعجب کرنے والی تھی، چار دن لندن میں رہے اور مسٹر سن جان نے ہر جگہ کی سیر کرائی، کار ظفر جنگ نے آتے ہی خرید لی تھی اور لندن جیسے گنجان شہر میں خوب چلاتے تھے، پانچویں روز ظفر جنگ مسٹر سن جان کے ساتھ مشہور مغربی علمی درسگاہ کیمبرج سدھارے۔

۱۳

صبح کا سہانا سماں ہے، ہوا کے تیز جھونکے اٹھلاتے ہوئے کانوں کے پاس سے شاں شاں کرتے گذر رہے ہیں، مشرقی اُفق کا بالائی حصہ صبح کی تیز روشنی میں آفتاب کے پورے نکھار کا پتہ دے رہا ہے۔

ثروت آرا بیگم ابھی غسل کر کے برآمد ہوئی ہیں، اور بال نچوڑنے میں مصروف ہیں، لانبے سیاہ بالوں سے پانی کے قطرے مثلِ گوہرِ غلطاں ٹپک رہے ہیں، بال خشک کر کے وہ ابھی بیٹھنے نہ پائی تھیں کہ حشمت نے صبح کی ڈاک پیش کی، کرسی گھسیٹ کر وہ میز کے سامنے بیٹھ گئیں اور جلدی جلدی ڈاک دیکھنے لگیں، باپ کے نام کے خط الگ کئے، ماں کے خطوط جدا رکھے۔

اپنے نام کے دو خط پائے، ایک تو اُن کی ہندو سہیلی شانتی کا خط تھا، لیکن دوسرے نقرئی لفافے کی شانِ خط اُن کے لئے اجنبی تھی، اس لئے پہلے اس خط کو ہی کھولا، جوں جوں خط پڑھتی گئی، اُس کے چہرے سے حزن و ملال ٹپکنے لگا، حتیٰ کہ بیگوں آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک پڑے۔

رنگ جو کچھ دیر قبل چنبیلی کے پھولوں کی مانند سپید تھا، شرم در نج کے ملے جلے تاثرات سے ارغوانی ہو گیا اور جذباتِ دلی سے متاثر ہو کے اُنھوں نے اپنے نازک لبوں کو زور

سے کھینچ لیا، اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہا، خدا بخیر پہنچائے، اتنی دور کا سفر ہے، پھر قبلے کی جانب سر کو خم کر کے کہا یا اللہ اُن کو بخیر پہنچانا اور اپنے مقاصد میں کامیاب کرنا۔

پیاری ثروت!

خدا کرے آپ کے حسن و شباب کا آفتاب ہمیشہ تاباں رہے، یقین ہے آپ میری اس جسارت کو معاف کریں گی کہ آپ کو اس طرح بے باکانہ خط لکھ رہا ہوں۔ حالانکہ شرعاً اخلاقاً یہ ممنوع نہیں، تاہم سماج کی بندش، خاندانی رواج کا رکھ رکھاؤ ہم مشرقی لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دیتا، لیکن آپ کی تصویر کا شکریہ کرنا از بس ضروری تھا، حالانکہ وہ بیچاری حشمت کی کوشش کے باعث ملی، لیکن بہرحال صاحبِ تصویر آپ ہی ہیں۔

میری تصویر کا لاکٹ فرخندہ بہن کے ذریعے آپ تک پہونچ جانے کا فخر حاصل کر چکا ہے، ڈارلنگ کیا میں یہ اُمید کر سکتا ہوں؟ کہ آپ اس لاکٹ کو زیبِ گلو کریں گی۔

آج دو بجے میں جہاز میں بیٹھ جاؤں گا، اس وقت صبح کے چار بجے ہیں اور سب سو رہے ہیں، اس فرصت کو غنیمت پا کر میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں، خدا کرے یہ آپ کے ہاتھوں تک محفوظ پہونچے، کاش آپ کی موہنی صورت روانگی سے قبل ایک بار اور دیکھ سکتا، لیکن ہندوستانی رسم و رواج کی بدولت یہ ممکن نہ تھا۔

دعا کرو پیاری کہ کامیاب ہندوستان آؤں اور پھر ساری عمر آپ کی پیاری صورت کی پرستش میں صرف کرنے کی خدا مجھے توفیق دے۔ لکھنے کو بہت دل چاہتا ہے اور کچھ ابارعبِ حُسن اور خیالِ معارفت نہیں لکھنے دیتا۔

عازمِ سفر

صرف آپ کا ظفر، از تاج محل ہوٹل

ثروت نے دوبارہ خط پڑھا اور زیر لب مسکرا دی، پھر اس احساس نے اس کو پسینے پسینے کر دیا کہ اگر ابا جان یہ خط پا لیتے تو اپنے دل میں کیا کہتے، اُف یہ دیدہ دلیری اس طرح خط لکھ دیا، ناصاحب ہم باز آئی ایسی محبت سے، بیشک گناہ نہیں ہے، لیکن دنیا کی شرم بزرگوں کا ادب کرنا ضروری ہے، کوئی نہ آجائے، اس خیال سے اُس نے میز کی دراز کھولکر خط رکھا، خط رکھتے ہوئے لاکٹ پر نظر پڑی۔

لاکٹ کو پھر اُس نے اپنی نازک گوری گردن میں ڈال کر تصویر کو محبت بھری نظروں سے دیکھا، پھر قمیص کے کالر کے نیچے اس کو چھپا لیا، اور دراز مقفل کر دی، وہ ابھی کرسی پر بیٹھنے بھی نہ پائی تھی جو حشمت نے فرخندہ، شاہجہاں، رشید دلہن کے آنے کی خبر سنائی۔

ثروت نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جلدی جلدی بال سنوارے اور منقشی شال کو سنبھالتی خراماں خراماں برآمدے میں پہونچی۔

فرخندہ نے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا، لاؤ ثروت بہن انعام دو، میں ان سب کو گھسیٹ لائی ہوں۔

ثروت۔ بیشک کام تو یہ قابلِ انعام ہے، لیکن ہم نہیں دیتے، البتہ بھائی سکندر بخت سے دلوا دیں گے۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) واہ بہن باتیں بنانے سے اب کام نہ چلے گا یا تم انعام دو، ورنہ پھر ہم بھی ولایت سے انعام منگوالیں گے۔

شاہجہاں۔ (منہ چڑا کر) لو تمہارا منھ اس قابل کہ انعام لو، دو گھنٹے گاڑی ٹھہرا کر میں خود بتو کو لے کر آئی ہوں، وہی مثل ہے اُلٹا چور کو توال کو ڈانٹے۔

رشید دُلہن۔ ہاں بہن زمانہ ہی اوندھا ہے، اپنی ہانڈی لوور پر لگی گنوائی، تم تو ماشاءاللہ گل خنداں محفل ہو، سچوں کو جھوٹا بنا دیتی ہو۔

ثروت۔ (مسکرا کر) چلئے لڑئیے نہیں، آپ سب کا احسان میرے سر آنکھوں پر، فرمایئے

بھابی، نسیمہ بہن کیوں نہیں آئیں ۔
رشید دلہن ۔ اُن کے سر میں درد تھا، اس لئے نہ آسکیں، گلشن آرا آنے کو تیار تھیں، لیکن اُن کے چچا کے ہاں سے میلاد شریف کا بلاوا آیا، وہاں چلی گئیں ۔
فرخندہ ۔ اے بہن شاہجہاں ہم نے سنا ہے گلشن آرا کی منگنی تمہارے نند کے دیور سے ہو رہی ہے ۔
شاہجہاں ۔ منگنی کا تو ابھی ذکر بھی نہیں، لوگ خوب خبریں اُڑاتے ہیں، ابھی تو صرف پیغام میری نند نے دیا ہے، مہر پر ابھی تو ردّ و کد ہو رہی ہے، میرے نندوئی پنجابی ہیں، ان کے والد کہتے ہیں دس پندرہ ہزار سے زیادہ مہر نہیں باندھیں گے، خالہ سکینہ بیگم کہتی ہیں میری دونوں لڑکیوں کا پینتیس ہزار کا ہے، اس کا بھی اتنا ہی ہوگا ۔
ثروت آرا ۔ بہن آپ کی نند کا مہر تو تیس ہزار ہے ۔
شاہجہاں ۔ میرے نندوئی تو اُن کے دوست ہیں، اس لئے ان کی بہن سے کرنیکی خوشی میں مہر اتنا منظور کر لیا، اُن کے باپ کی خوشی نہ تھی، اب بھی یہی ہو رہا ہے، تم جانتی ہو عصمت و گلشن کی کتنی دوستی ہے ۔
وہ چاہتی ہے کسی طرح گلشن میری دیورانی بن جائے، عصمت کی وجہ سے میاں بھی ادھر ہی چاہتے ہیں، لڑکا بڑے بھائی کے کہنے میں ہے، دونوں بھائیوں میں اتفاق ہے، لیکن اُن کے والد صاحب مہر پر اڑے ہوئے ہیں، ادھر خالہ سکینہ بیگم کہتی ہیں، کہ میں پینتیس ہزار سے ایک پائی کم نہ کروں گی، میری لڑکی میں خدا نکردہ کیا کیڑے ہیں جو اس طرح دیدوں ۔
ثروت ۔ واقعی بات صحیح ہے، گلشن بہن خوبصورت خلیق تعلیم یافتہ سلیقہ شعار ہیں ایسی ہو قسمت والوں کو ملتی ہو عصمت کا خیال صحیح ہے، اچھی شکل تو خیر عصمت کی بھی ہے۔ مگر گلشن تو نکھ سکھ درست ہے، اور پھر تعلیم بھی کافی ہے، خالہ سکینہ بیگم کو تو بہت اچھے رشتے

مل جائیں گے، ہاں عصمت بہن کے دیور کو ایسی ہمہ صفت و موصوف لڑکی ملنی مشکل ہے
شاہجہاں۔ اس اٹھواڑے میں جو کچھ ہوگا معلوم ہو جائے گا، گلشن آرا کا نواب اور
بہا م ابھی جگہ سے آیا ہوا ہے، اور پھر شہر میں ہی تو ہے۔
فرخندہ۔ کہاں سے آیا ہے ہم نے نہیں سُنا۔
شاہجہاں۔ نواب حسن علی خاں کے بڑے لڑکے سے، نواب صاحب کی آمدنی چھ ہزار ماہوار کی ہے، بس دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، بہت معقول رشتہ ہے، خالہ سکینہ بیگم تو بالکل رضامند ہیں، مہر وہ چالیس ہزار کا باندھتے ہیں، لیکن لڑکا میٹرک فیل ہے، اس وجہ سے خالو صاحب ابھی خاموش ہیں، عصمت کے دیور ایم، اے ہیں، ورنہ روپے میں انکی بھلا نواب حسن علی خاں سے کیا برابری ہے۔
رشیدہ دلہن۔ ارے بھئی جہاں قسمت ہوگی ہو جائے گی، چھوڑو بھی یہ قصہ۔
ثروت آرا۔ بھابی جان تاش کھیلیں گی یا کیرم بورڈ منگواؤں۔
رشیدہ دلہن۔ آج تو بیت بازی ہونی چاہیئے۔
شاہجہاں۔ یہ بات بھابی جان آپ نے میرے دل کی کہی۔
ثروت۔ چلئے، بسم اللہ
رشیدہ دلہن۔ (مسکرا کر) ہست کلید در گنج حکیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
فرخندہ۔ منم محو جمالِ او نمیدانم کجا رفتم
شدم غرقِ وصالِ او نمیدانم کجا رفتم
ثروت۔ میم چاہیے۔
مرا یار یست سنگیں دل ستمگر سست پیمانے
قیامت قامتے زنار دارے نا مسلمانے
رشیدہ دلہن۔ یہی ہے آرزو دل کی کہ اک احسان کرتا جا

مرے جینے کا اے دلبر تو کچھ سامان کرتا جا

شاہجہاں۔ (مسکرا کر) اے فلک رشک سے نہ جل جانا
بچھڑے ملتے ہیں ایک مدت کے

فرخندہ۔ یاد اتنا ہے کہ دیکھا تھا کسی کو بے نقاب
پھر نہیں معلوم دل کی کیا سے کیا حالت ہوئی

ثروت کو خاموش پاکر اے بہن سنتی ہو یا نہیں۔

فرخندہ۔ (ہنسکر) پہونچ گئیں لندن۔

شاہجہاں۔ خدا خیر کرے۔

ثروت۔ (چونک کر) اے واہ میں نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

فرخندہ۔ جی آپ کے افکار ہم کو خوب معلوم ہیں۔

ثروت۔ (شرمندہ لہجہ میں) واہ بہن فرخندہ تم کو تو بنانے کی عادت ہے، شاہجہاں بہن بتاؤ کیا کہا؟

شاہجہاں۔ جو کہنا تھا کہدیا، تم نے نہیں سنا، تمہاری مرضی۔

ثروت۔ (ہنسکر) بھئی اللہ بتاؤ بھی۔

فرخندہ۔ (شعر دوہرا کر) لا ہیے جناب۔

ثروت۔ لو حاضر ہے۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

شاہجہاں۔ ندا ریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

رشید دلہن۔ واہ واہ کربیا میں پہونچ گئیں، خیر تو۔

ساقی ہے میکدہ ہے جوانی ہے جوش پر
واعظ بتا دے مے ہی رہا آج یا نہیں

فرخندہ۔ (مسکراکر) بالکل روا ہے، نون درکار ہے۔
نزاکتوں میں جو ناز نیں یگانہ ہوا
جو پہنی پھولوں کی بدھی تو دردشانہ ہوا

ثروت۔ (مسکراکر) اللہ رے نزاکت بدن چھل گیا تمام
پہنا تھا کبھی خواب میں گجرا گلاب کا

شاہجہاں۔ اسیر پنجۂ عہد شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

فرخندہ۔ یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

رشید دولہن۔ نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی نہ وہ بدلے
میں کیوں کر اعتبار انقلاب آسماں کر لوں

شاہجہاں۔ نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

ثروت۔ یہ لب پر کیوں یہ میرے شور فغاں ہے
میرے چہرے سے کیوں وحشت عیاں ہے

فرخندہ۔ (ہنسکر) بہنا ہم کو کیا خبر حشمت تو بتا تیری دیگم کیا پوچھ رہی ہیں۔
شاہجہاں۔ میں بتا دوں اس لئے کہ دولہا ولایت سدھارے۔
ثروت۔ واہ بہن مجھ نگوڑی کو تو بات کرنی تم سب نے دوبھر کر دی۔
فرخندہ۔ (شعروہراکر) بہن تم ہی تو کہہ رہی تھیں، اس کا جواب اس نے دیدیا کیا گناہ کیا۔

ثروت۔ میں نے تو یوں ہی کہدیا، اس کا کوئی مطلب نہ تھا۔
شاہجہاں۔ گاتے ہوئے۔

بڑے لمبے سفر پر سئیاں گیھدی

ثروت۔ واہ کیا اچھی لگتی ہو بہن شاہجہاں
شاہجہاں، فرخندہ کھکھلاکر ہنس پڑیں۔
ثروت۔ (بات ٹالنے کے لئے) بھابی جان کرسی ادھر گھسیٹ لیجئے، آپ کے منھ پر دھوپ آرہی ہے۔
فرخندہ۔ نہیں بہن اب تو اندر ہی چلو، یہاں اب دھوپ تیز ہو گئی ہے، بیٹھنا ناگوار معلوم ہو رہا ہے۔
سب اٹھکر کمرے میں چلی گئیں۔

۱۳

گذشتہ واقعات کو ڈیڑھ ماہ ہونے کو آیا، اظہر محل جس کے گوشے گوشے سے کبھی قہقہوں کی صدا گونجا کرتی، ظفر کے جانے سے سنسان ہے، زیب النسا، ظفر جنگ کے جانے کے ایک ہفتے بعد ہی اپنی سسرال حیدر آباد چلی گئیں، نواب صاحب بیٹے کے جانے سے خود دل گرفتہ ہیں، بیگم صاحبہ بیچاری ہر وقت جانماز پر بیٹھی بخیر پہونچنے کی دعائیں مانگا کرتی ہیں، ہمہ وقت اُداس ہر منٹ دلگیر

رہیں صادقہ تو گو دل گھبراتا ہے، مگر بیگم صاحبہ کی وجہ سے ہر دو سرے تیسرے روز آجاتی ہیں، اور ایک دو دن رہ کر جاتی ہیں، صفدر جو صرف ظفر کے لندن جانے کے لئے کالج سے رخصت لیکر آئے تھے، لکھنؤ کالج اپنی تعلیم ختم کرنے کی غرض سے جا چکے ہیں حسب معمول صادقہ دو روز بعد آج بھی کوئی دن کا ایک بجا ہوگا ابھی ابھی آکر اتری ہیں، بیگم صاحبہ کو سلام کر کے کہنے لگی، اے ہے خالہ جان آپ کا منہ کتنا سا نکل آیا ہے، رنگ ایسا زرد ہوگیا ہے جیسے کوئی برسوں کا بیمار ہو، ایسی تو افسردہ نہ رہا کریں، وہم آتا ہے۔

بیگم صاحبہ۔ بیٹی کیا کروں، ہر وقت نگوڑا شیطان بہکاتا ہے، نہ جانے کیا کیا خیالات دل میں آتے ہیں، میں تو لاحول پڑھ دیتی ہوں، آج ظفر کو خیر سے گئے ہوئے ایک ماہ بارہ روز ہوگئے، ابھی تک پہونچنے کا تار نہیں آیا، بس راستے میں دو خط بھیجے تھے، وہی ملے، خط ملے

بھی آج آٹھواں دن ہے۔ خدا ظفر جنگ کے بخیر پہونچنے کی خبر سنائے تو دل کو اطمینان ہو۔
عشرت زمانی بیگم۔ (جو آج صبح سے آئی ہوئی تھیں) آپا فکر نہ کرو، انشاء اللہ ایک دو روز میں پہونچنے کی خبر آہی جائے گی۔
بیگم صاحبہ۔ میں نے تو خدا کی حفاظت میں سونپا ہے، خدا ہی خیر کی خبر سنائیگا۔
صادقہ۔ انشاء اللہ۔
عشرت زمانی بیگم۔ صفدر کا بھی کوئی خط آیا صادقہ؟
صادقہ۔ جی پرسوں آیا تھا، لکھا تھا، بغیر ظفر بھائی کے پڑھائی میں بالکل دل نہیں لگتا۔
عشرت زمانی۔ وہ تو صفدر، ظفر، نشاط کی دانت کاٹی روٹی ہے، دلہن بیگم کیونکر، نشاط نے بھی یہی لکھا ہے، کیا کہوں اب نشاط کے جانے کے بھی دن آرہے ہیں، مجھے ابھی سے اس خیال سے سناٹے آرہے ہیں۔
بیگم صاحبہ۔ نہ معلوم ان لڑکوں پر یہ کیا دھن سوار ہے جس کو دیکھو نگوڑے ولایت کا سبق ہے، وہاں جا کر نہ جانے کیا مل جائے گا؟
عشرت زمانی۔ ظفر جنگ نے اللہ رکھے پہل کی ہے، اب سب کے سر پہ ولایت کا خیال سوار ہے۔
صادقہ۔ ممانی جان اس میں ہرج کیا ہے، جتنا انسان تعلیم حاصل کرے اچھا ہے۔
عشرت زمانی۔ اے نگوڑ ماری فرنگیوں کی زبان پڑھکر کرنا کیا ہے؟
صادقہ۔ (ہنسکر) بادشاہ جو فرنگی ہیں، اُن کی زبان سیکھنی لازمی امر ہے۔
عشرت زمانی۔ بوا کچھ ہو مجھکو تو یہ گٹ پٹ ایک آنکھ نہیں بھاتی، کل صبح مہر وانی اُستانی سے باتیں کر رہی تھیں، ایک بر ملا گالی اُس نے دی رہیں تو ہنسی کے مارے لوٹ گئی، عجب بے تکی زبان ہے۔
مہر النسا۔ ممانی جان وہ ایک انگلش لفظ ہے، جس کے معنی خوشی ہیں، اس پر تھا پوچھ

رہی تھیں کہ یہ بیگم صاحب کیوں ہنس رہی ہیں ریں نے ٹال دیا۔
بیگم صاحبہ۔صادقہ تمہارے میاں لاہور کب جائیں گے؟
صادقہ۔ جی وہاں کام پورے مہینے کا ہے، کوٹھی از سرِ نو بنوانی پڑے گی، فرخندہ کے بیاہ کے بعد دیکھا جائے گا، اُن کا بیاہ سر پر ہے،
عشرت زمانی۔ پہلے تم کہتی تھیں، رجب میں کرنے کا ارادہ ہے، رجب میں تو ابھی بہت دن ہیں۔
صادقہ۔ جی ہاں خیال تو یہی تھا، لیکن فرخندہ کی سسرال والے جلدی کر رہے ہیں، بڑے بھائی کی ہو رہی ہے، دونوں بھائیوں کا ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔
عشرت زمانی۔ چلو یہ اچھا ہے، زیبو اور فرخندہ پاس پاس ہو گئیں۔
بیگم صاحبہ۔ فرخندہ کے بیاہ کی کیا تاریخ ٹھہری؟
صادقہ۔ بقرعید کی چودہ ستمبر کی اکیس۔
عشرت زمانی۔ ٹھنڈ تو خیر نہ ہو گی، ہاں موسم گرم بھی نہ ہو گا۔
صادقہ۔ زیبو بہن تو انشاء اللہ جولائی ہی میں آجائیں گی۔
بیگم صاحبہ۔ خدا بخیر لائے اور فارغ ہوں، بھری برسات ہو گی۔
باریدار نی نے نواب صاحب کے آنے کی خبر دی۔
بیگم صاحبہ۔ اے خدا خیر کرے، یہ بیوقت کیسے وہ آرہے ہیں۔
(نواب صاحب سے، جو قدم بر داشتہ آرہے تھے) خیر ہے، صاحب اس وقت کیسے آئے؟۔
نواب صاحب۔ ہاں خیر ہے، ظفر کا تار آگیا، وہ بخیر لندن پہونچ گئے۔
بیگم صاحبہ۔ اے خدا تیرا شکر ہے، جو تونے یہ خبر سنائی، تیری کریمی کے صدقے جس طرح بخیر پہونچنے کی خبر سنائی، اسی طرح لاکر بخیر ملائیو بھی۔

مغلانی اے مغلانی، جلدی ڈھائی روپے کی تازہ امرتیاں، سوا روپے کے پیڑے دس آنے کی امرتیاں الگ منگاؤ، مولا علی مشکلکشا سو سوا روپے کے پیاروں کی اور بیوی کی نیاز دلاؤنگی، خدا نے بچے کو بخیر پہونچایا۔

عشرت زمانی بیگم۔ (بٹوے سے سوا روپیہ نکال کر) لو بوا اس کی بھی تازہ شیرینی منگا لینا میں نے بھی مولا علی مشکلکشا کا دونا مانا تھا۔

بیگم صاحبہ۔ اے ہے یہ تو بھول گئی، دیکھنا بیچ کے طاق میں پیسے سفید رومال میں بندھے رکھے ہیں وہ بھی لیتی جاؤ۔ اور راسلد کے الائچی دانے منگوا لینا۔

(صادقہ کو اُٹھتا دیکھکر) اے بیٹی کدھر چلیں؟

صادقہ۔ خالہ جان ظہر کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھوں گی اور نفل بھی بھائی ظفر کے بخیر پہونچنے کے مانے تھے۔

بیگم صاحبہ۔ نفل تو مجھکو بھی پڑھنے ہیں، اری لطیفن جلدی وضو کو پانی لا، شکر ہے بچہ بخیر پہونچ گیا، اب حواس ٹھکانے ہوئے۔

یہ کہتی ہوئی بیگم صاحبہ نماز کی چوکی پر جا بیٹھیں

۱۴

ظفر جنگ اس وقت کیمبرج کے مشہور کالج سینٹ کیتھرائن کے متصل ایک مختصر کوٹھی کے ایک خوشنما فرنیچر سے آراستہ کمرے میں بیٹھے ہوئے اسٹڈی میں مشغول ہیں، اُن کو یہاں آئے ابھی، صرف دو ماہ ہوئے ہیں، اور طالب علموں کی طرح اُن کا قیام کالج کے ہوسٹل میں نہیں ہے، پروفیسر صاحب کے پاس رہتے ہیں، اور وہ بذاتِ خود اُن کی نگرانی کرتے ہیں، چونکہ پروفیسر صاحب کے اولاد نہیں ہے، اس لئے وہ اور اُن کی میم صاحبہ ظفر جنگ کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔

نواب صاحب پروفیسر صاحب کو ظفر کی رہائش اور نگرانی کے لئے پانچسو روپیہ ماہوار اُن کے تعلیمی اخراجات کے علاوہ دیتے ہیں۔

ظفر گو کہ عزیزوں کی جدائی، احباب کی مفارقت، خصوصاً صفدر کی جدائی سے پریشان ہیں، مگر پروفیسر صاحب کی شفقت نے اُن کو بہت کچھ بھلا دیا ہے، اوقات کی پابندی کی بدولت بہت کم وقت ملتا ہے، اس لئے پریشان خیالات ظفر کو زیادہ نہیں ستاتے۔

علی الصبح بیدار ہو کر، بستر میں چائے پی کر وہ اسٹڈی کرتے رہتے ہیں، آٹھ بجے غسل کر کے بریکفسٹ کھا کے کالج جاتے ہیں، وہاں سے واپسی پر، چائے کے بعد کالج میں ٹینس کھیلنے جاتے ہیں، پھر کبھی کبھی سینما، رات کے کھانے کے بعد، چہل قدمی کے لئے نکل جاتے ہیں، واپس آکر بستر پر چلے جاتے ہیں، ان اوقات کی پابندی میں سر مو فرق نہیں ہوتا، اُن

صفدر کی یاد ہر وقت کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی ہے، کوئی تفریح ہو یا سیر، سینما ہو یا ٹینس، ہر جگہ ہر وقت صفدر کی یاد ستاتی ہے، اس وقت بھی صفدر کی یاد نے ظفر جنگ کو بے چین کر دیا اور کتاب سے نظر ہٹا کر انھوں نے صفدر کو خط لکھنا شروع کر دیا۔

خط تمام انگلش میں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری یاد ستاتی ہے، پڑھائی وغیرہ کی بابت دریافت کیا ہے، لکھنؤ کالج کے ان طلبار کو جو ان کے حلقۂ دوستی میں تھے پوچھا ہے اور اختتام خط پر یہ شعر لکھ دیا۔

چمن والو ذرا پرسش کبھی اس کی بھی لازم ہے!
جو تم سے دور بیٹھا ہے کہیں بے بال و پر ہو کر

خط ختم کر کے ظفر جنگ نے پوسٹ کرنے کے لئے خادمہ کو دیا، اور چونکہ ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے، اس لئے جلدی جلدی غسل کیا، اور بریکفسٹ کے لئے کھانے کے کمرے میں چلے گئے، جہاں پروفیسر صاحب اور ان کی میم صاحبہ پہلے سے موجود تھے۔

پروفیسر۔ پیارے ظفر آج تم کسی قدر پریشان نظر آتے ہو۔

ظفر۔ (مسکرا کر) صرف یہ آپ کا خیال ہے، میں تو بالکل خوش ہوں۔

میم صاحبہ سے مخاطب ہو کر) آنٹی میرا خیال درست ہے نہ؟

میم صاحبہ۔ (تبسم آمیز لہجے سے) پیارے ظفر واقعی معلوم تو تم اس وقت کچھ افسردہ ہوتے ہو۔

پروفیسر صاحب۔ میں اس کی وجہ سمجھتا ہوں، یہاں تمہارا کوئی ہمسن، ہم مذاق دوست نہیں، یہی وجہ پریشانی ہے کالج میں کافی ہندوستانی طلبا ہیں، مگر انکے اخلاق ایسے خراب ہیں کہ میں نہیں چاہتا پیارے ظفر تم ان کے ساتھ ملا جلا کرو۔

ظفر۔ میں خود ان چھچھوری طبیعت والے لڑکوں سے ملنا پسند نہیں کرتا، جو بیکار روپیہ اور وقت ضائع کرنا زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔

میم صاحبہ۔ میری بھتیجی نے جو آج کل ہندوستان میں اپنے بھائی کے پاس ہے لکھا ہے

کہ آئندہ ماہ میں بیں لندن آؤنگی، وہاں گرمی کے باعث وہ مضمحل رہتی ہے،
پروفیسر صاحب۔ بیچاری تھیوڈورا جوزف گلاب کے پھول کے مانند نرم ونازک ہو
ہندوستان کی گرمی خدا کی پناہ واقعی اُس کی صحت پر اُس کا ناگوار اثر ہوا ہوگا، ضرور
اُس کو یہاں آجانا چاہیئے۔
میم صاحبہ۔ہاں وہ آرہی ہے (ظفر کی طرف مخاطب ہوکر) تم ابھی ایک ہمجولی سے ملکر
بہت خوش ہوگے۔
ظفر۔ (شکریئے کے انداز میں سر کو خم کرکے) میں واقعی مس جوزف سے مل کر بہت مسرور
ہونگا آپ کا ممنون ہوں کہ آپ میرے دل بہلانے کے لئے سب کچھ کرتی ہیں، الجد اگر جتنا
آرام یہاں بھی آپ کی بدولت مجھے مل رہا ہے، خدا کی مہربانی ہے جو آپ کی ایسے شفقت
کرنے والے بزرگوں کی عنایات سے مستفیض ہونے کا موقع مجھے ملا، میں آپ کی مہربانیوں
کا شکریہ کرنے سے قاصر ہوں۔
میم صاحبہ۔ نہیں میرے پیارے، میں تو جو کچھ بھی کرتی ہوں صرف اس لئے کہ مجھکو تم
سے خود محبت تمہاری لیاقت، نیک طینتی اور اس غیر معمولی ہوشمندی کے باعث ہے جو
ہندوستانیوں میں عنقا ہے، کاش تمام ہندوستانی تمہاری طرح ذکی الحس، اصول کے
پابند اور وقت کے قدر دان ہوتے۔
ظفر۔ میں کس قابل ہوں، یہ سب میرے قابل شفیق پروفیسر مسٹر سن جان کی عنایتوں کا نتیجہ
ہے، جن کی شفقت نے آج مجھے اس قابل بنایا ہے (کھڑے ہوکر) کیا آنٹی میں جاؤں؟
میم صاحبہ۔ (خوبصورت پیشانی پر بوسہ دے کر) جاؤ پیارے بیٹے، خدا کرے جب
واپس آؤ تو میں تم کو بالکل خوش اور مسرور پاؤں۔

۱۵

ماہِ اگست کی سہانی شام ہے، تمام عالم پر شفق کی دلفریب شہابی چادر پھیلی ہوئی ہے، طائرانِ خوش الحان اپنی دلکش اور ترنم ریز آوازوں میں ایک دوسرے کو رخصت کہہ کر آشیانوں کی طرف چل پڑے ہیں۔

فضائے بسیط میں خوشی چھا رہی ہے، مگر اظہر محل میں آج چار ماہ بعد پھر چہل پہل ہے اور ڈومنیوں کے گانے کی آواز ڈھول کے ساتھ چلی آ رہی ہے، اور زیب النسا بیگم کے ہاں آج گیارہ روز ہوئے لڑکا ہوا ہے۔

آج چھٹی کا دن ہے، پہلوٹی کا بچہ۔ پھر ماشاء اللہ ننھیال، ددھیال دونوں امیر خاندانی نواب، جس قدر بھی دھوم دھام ہو بجا ہے۔

عقیقہ صبح ہو گا۔ قریب کی رشتے دار بیگمات تو جس دن سے بچہ پیدا ہوا ہے یہاں موجود ہیں، دونوں وقت دیگیں دم ہوتی ہیں، آج دور پرے کی رشتے کنبے کی بیگمات میل ملاپ والیاں بھی جمع ہو گئی ہیں۔

وہ سامنے اندر کے بڑے دالان کے ایک کونے میں گنگا جمنی چھپر کھٹ لگا ہوا ہے جس پر لفتری کام کا ریشمی نارنجی پردہ پڑا ہوا جگمگا رہا ہے، زیب النسا بیگم صبح سے سرخ تاش کا جوڑا پہنے اور زیور سے گوندنی کی طرح لدی ہوئی دولہن بنی بیٹھی ہیں، اُن کے پاس اُن

کی عزیز سہیلی بی صادقہ جگمگاتے سلمے ستارے کے لباس میں چمک رہی ہیں۔

قریب چاندی کی پلنگڑی پر زیب النساء بیگم کی نند حسن افروز بیگم بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہیں، بچہ اس وقت لمبا گلابی سلک کا فراک پہنے ہوئے ہے، کارچوبی چوگوشہ ٹوپی ننھی سی کلغی لگی ہوئی ہے، گلے میں موتیوں کا کنٹھا پڑا ہوا ہے، مہمان بیویوں کے جوڑے سے برقی روشنی میں جگمگا رہے ہیں حسین صورتوں اور فوق البھڑک پوشاکوں سے محفل پر اندر سبھا کا دھوکا ہوتا ہے، ایک سے زیادہ ایک بناؤ ہے، سب نے تکلفات میں حتی الامکان کوئی کمی نہیں کی ہے۔

عشرت زمانی۔ اے آپا تھال رکھواؤ نہ شام ہوئے بھی دیر ہوئی، پھر کھانا کس وقت ہوگا۔

بیگم صاحبہ۔ دولہن بہن سپہر آرا کا انتظار کر رہی ہوں، نہ معلوم ابتک کیوں نہیں آئیں، اری سنبل جا صفدر میاں سے کہہ، خورشید لاج ذرا ٹیلیفون کرکے دریافت کریں کہ بہن ابتک کیوں نہیں آئیں (سامنے دیکھکر) اللہ وہ آرہی ہیں، یہ کہتی ہوئی ملنے کے لئے آگے بڑھیں۔

سپہر آرا اس وقت ہلکے گلابی رنگ کی قیمتی ساٹن کا غرارہ اور ایسی ہی سلک کی قمیض پہنے ہوئے تھیں، غرارے پہ قمیض پر نازک نقرئی زردوزی کا کام تھا، ہلکے فیروزی رنگ کا آڑی بیل پڑی ہوئی نازک کام کا دوپٹہ تھا، سر پر الماس کا ایک حلقہ چاندی کی شکل کا تھا اور ہلکا ہلکا زیور ہاتھ گلے میں تھا، اس ہلکے زیور، صوفیانے لباس میں انکی حسین صورت سب میں نمایاں تھی، ان بیگمات سے وہ بدرجہا اچھی لگ رہی تھیں، جو تاش تمامی کے تلوان جوڑے پہنے اور زیورات سے لدی ہوئی تھیں۔

بیگم صاحبہ نے مسکراکر کہا، بہن بڑی دیر لگائی۔

سپہر آرا۔ واقعی دیر ہوگئی، مگر مجبوری تھی، ثروت کو آج بخار ہوگیا تھا، دوا اور سوپ پلا دے کر آئی ہوں۔

بیگم صاحبہ۔ اے ہے مری ثمدت کا پنڈا بہت ہلکا ہے، نظر لگ جاتی ہے تم خیال نہیں رکھتیں۔

سپہر آرا۔ (مسکرا کر) واقعی آپ کی وہ زیادہ لاڈلی ہے، آپ مجھ سے زیادہ خیال رکھینگی اب تو مجھے اپنے مرنے کا بھی غم نہیں، ثمدت کو سسرال ایسی ملی، تم جیسی جان چھڑکنے والی ساس ہو تو ماں کا کیا غم

بیگم صاحبہ۔ ساونی نوج... کیسی بری زبان ہے، بہن یہ کیا بدشگونی ہے: الٰہی تم ثمدت کے سر پر صد و سی سال قائم رہو، نواسا کھلاؤ، بہاریں دیکھو۔

سپہر آرا نے آگے بڑھکر زیب النسا کو گلے لگایا، صادقہ سے ملیں، بچے کو پیار کر کے سات اشرفیاں ہاتھ میں دیں۔

بیگم صاحبہ نے صادقہ سے کہا تھال لگوا کر لاؤ، عشرت زمانی کہاں گئیں، ان کو بلاؤ، حسن افروز جیٹھانی بھاوج کے اور بھتیجے کے پٹی باندھو، تھال رکھنے کی رسم شاہان مغلیہ کی رسم ہے، اور دہلی کے وہ امرا جن کا تعلق شاہان مغلیہ سے تھا اب تک اس رسم کو ادا کرتے ہیں، یہ رسم اس طرح ادا ہوئی۔

حسن افروز بیگم نے زیب النسا بیگم اور بچے کے سر پر گوٹے سلمہ ستارے کے کام سے مسلسل پٹیاں جو تاج کی شکل پر بنی ہوئی تھیں باندھیں۔

ایک چوبی خوان میں سات قسم کا کھانا لایا گیا، جس میں سات ترکاریاں ملا کر پکایا ہوا ایک سالن بھی تھا، اور اس کو دہلی کی اصطلاح میں تورنی کہتے ہیں، پہلے سات سہاگنوں یعنی عشرت زمانی بیگم صادقہ، بلقیس بیگم، حسن افروز، سپہر آرا بیگم، اکبری بیگم اور خود بیگم صاحبہ نے ہر ایک چیز میں سے ایک ایک نوالہ لیا، پھر زیب النسا بیگم کو ہر چیز کا ایک ایک نوالہ دیا۔ اور ٹھنڈے گرم پانی کا بھی ایک ایک گھونٹ پلایا، یہ سب اس لئے کیا کہ بڑی بوڑھیوں کے اعتقاد میں چھٹی والے دن جو چیز زچہ کو چکھا دی جائے بچے کو نقصان نہیں کرتی، تھال

کی رسم کے بعد زیب النسا بیگم کا بھاری لباس اور زیور بڑھا دیا گیا، ہلکا لباس پہنا دیا۔ سب کو کھانا کھلایا گیا، کھانے کے بعد تمام رات ڈومنیوں کا ناچ گانا ہوتا رہا۔ صبح دس بجے سب کنبے کے مرد اکٹھے ہوئے اور عقیقہ کیا گیا، بچے کا نام مسعود جنگ رکھا گیا، عقیقے کے بعد مردانے زنانے میں پھر کھانا ہوا، اور سہ پہر کو سب مرد و عورت رخصت ہوئے۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد شام کو صفدر و نشاط گھر میں آئے۔

صفدر۔ اے بی آپا زیبو، آپ تو والدہ محترمہ بننے کے بات بھی نہیں کرتیں۔

زیب النسا۔ چلو بے شرم چپ رہو۔

صفدر۔ (بچے کو کاندھے سے لگا کر) میرا بیٹا ہے یہ تو۔

صادقہ۔ اے ہے بیچارے بہت ہی ارمان زدہ ہیں۔

صفدر صاحب۔ اس میں ارمان کی کیا بات ہے، سب کا دل چاہتا ہے کہ بیاہ ہو، بچہ ہو، جب آپ کا بیاہ نہیں ہوا تھا تو آپ کو بھی اس دن کا ارمان تھا۔

صادقہ۔ اوئی نوج، میں نے کب تم پر اپنے ارمان کا اظہار کیا تھا۔

صفدر۔ (منہ بنا کر) ارمان نہیں تھا تو پھر بیاہ ہی کیوں کیا؟

صادقہ۔ اگر نہیں کرتی تو تمہاری ناک کٹ جاتی۔

صفدر۔ واہ صاحب، خواہ مخواہ ہماری ناک کیوں کٹتی، بیاہ آپ کا، بات آپ کی، ناک ہماری ایسی کیا مفت تھی جو کٹ جاتی۔

صادقہ۔ صفدر کی پشت پر تھپڑ مار کر، چلو ارمان ہے تو کر کیوں نہیں لیتے۔ کون منع کرتا ہے۔

صفدر۔ کریں گے اور بیچ کھیت کریں گے۔

نشاط۔ یادش بخیر، اس وقت بھائی ظفر کس قدر یاد آ رہے ہیں۔

زیب النسا۔ ہاں جب تم اور صفدر آتے ہو تو اور بھی ظفر یاد آتے ہیں۔

صفدر۔ بس اب ہمارے جانے میں بھی تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں، یہ زمانہ بہت مشکل سے گذرا۔

صادقہ۔ دن بھی کتنی جلدی گزرتے ہیں، آج اگست کی بیس تو ہوگئی، ستمبر کے آخر ہفتے میں جاؤ گے۔

صفدر۔ آہا جی مسوں کا ناچ خوب جہاز پر دیکھیں گے۔

نشاط۔ تو گویا آپ صرف ناچ رنگ دیکھنے جا رہے ہیں۔

صفدر۔ اس میں شک کیا ہے؟۔

صادقہ۔ اے ہے صفدر تم تو ضرور کسی کو لے آؤ گے۔

صفدر۔ کسی کو کیوں لائیں گے، اگر لائیں گے اپنی بیوی کو لائیں گے۔

نشاط۔ تو تمہارا جانا فضول ہے، پڑھو گے کیا خاک؟

صفدر۔ واہ بیاہ سے زیادہ پڑھنا تھوڑی ہے۔

زیب النسا۔ جس کی شامت آئے گی وہ تم کو قبول کرے گی۔

صفدر۔ مجھکو تو بہت قبول کریں، مگر میں کب کسی کو قبول کرتا ہوں۔

زیب النسا۔ اچھا صفدر یاد رکھنا جب امی جان سے آج تمہاری سب باتیں کہہ دونگی۔

صادقہ۔ (کان پکڑ کر) ہماری آپا نہیں خالہ جان سے نہ کہنا، ورنہ بری طرح اتارے جائیں گے۔

صادقہ۔ (ہنسکر) ہاں ہاں ہم تو ضرور کہیں گے، اب تو تم بہت بے شرم ہو گئے ہو۔

صفدر۔ (منہ بنا کر) پھر ہم کٹی کر دیں گے۔

صادقہ۔ اے ہے بہت ننھے بچے ہو۔

صفدر۔ بالکل شیر خوار ہوں (بچے کو کھینچ کر) اس کے برابر۔

زیب النسا۔ میاں رحم کرو، تم تو بالکل بندر ہو اس کی ہنسلی اتر جائے گی۔

صفدر۔ لائیے آپا آپ کی مسعود کی تصویر اُتار دیں، بھائی ظفر کو جا کر دیں گے۔

صادقہ۔ مگر اس طرح کیا، کل کی طرح لباس و زیور پہنا کر لو۔

زیب النسا۔ بھئی بار بار میں تماشہ نہیں دیتی۔

صفدر۔ اچھی آپا ہمارے لئے ایک دفعہ اور کپڑے پہن لیں۔

صادقہ نے لباس زیور پہنا کر، بچے کو زیب النسا کی گود میں دیدیا، اور صفدر نے تصویر کھینچ لی، اور پھر باتیں بنانے لگیں۔

منگلانی نے آکر کہا، صفدر میاں ڈاکٹر صاحب باہر آپ کو بلاتے ہیں۔

صفدر۔ اچھا بی آپا اب تو جاتے ہیں، انشاء اللہ کل پھر ملیں گے ماؤ نشاط۔

دونوں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد۔

صادقہ۔ کس قدر شریر ہے صفدر۔

زیب النسا۔ بیوی صفدر کی انشاء اللہ خوب خوش رہے گی۔

صادقہ۔ (مسکرا کر) ہاں اُمید تو ہے، خالہ اپنے وعدے کو نہ بھولیں، اماں اللہ بخشے کہا کرتی تھیں کہ صفدر کو میں نے تم کو دیا اور مہرالنسا میری ہے، اب سنتی ہوں عشرت ممانی بیگم نشاط کے لئے مہرالنسا کو مانگ رہی ہیں۔

زیب النسا۔ ہاں بہن تذکرہ تو کئی مرتبہ اُنھوں نے کیا، مگر اماں جان تو ابھی خاموش ہیں، جب بھی اُنھوں نے کہا، یہی جواب دیا، ابھی کیا جلدی ہے، گھر کی بات ہے، جب تعلیم سے فراغت ہو جائے گی دیکھا جائے گا، وہ بھی کیا کریں، صفدر سے زیادہ ان کو نشاط نہیں ہیں، لیکن بھائی کا بیٹا ہے، بھائی کے دل میں فرق پڑ جائے گا، اسلئے خاموش ہیں، دیکھو جس کے نصیب میں ہوگا ہو جائے گا، سب قسمت کے کھیل ہیں۔

مہرالنسا اور حسن افروز کو آتا دیکھکر دونوں چپ ہو گئیں۔

۱۶

سپہر آرا بیگم آج ابھی تک اپنے بستر پر دراز ہیں، گو کہ صبح کے نو بج چکے ہیں، پاس ثروت بیٹھی ہوئی نازک ہاتھوں سے ماں کا سر دبا رہی ہیں، اور اُن کی علالت سے پریشان ہیں۔

ثروت۔ امّاں بی آپ کا ماتھا تو بہت جل رہا ہے، ابّا جان سے کہتی ہوں کسی ڈاکٹر کو بلوائیں

سپہر آرا۔ نہیں بیٹی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی معمولی حرارت ہے، فکر نہ کرو۔

ثروت۔ معمولی بات بڑھ کر بعض اوقات خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے، حشمت! ذرا گلزار سے کہہ ابّا جان کو بُلا لائے۔

بیرسٹر صاحب آج کسی مقدمے کی فائل دیکھنے میں صبح چار بجے سے مصروف تھے، فوراً آگئے اور کہا کیوں بیگم طبیعت کیسی ہے، صبح تو صرف تم نے دردِ سر کی شکایت کی تھی۔

سپہر آرا۔ ہاں صاحب دردِ سر ہی اور بڑھ گیا ہے اور شاید اب حرارت بھی ہو گئی ہے۔

بیرسٹر صاحب۔ (ماتھے پر ہاتھ رکھ کر) اُف سر کس قدر جل رہا ہے، تم کو تو خاصا بخار ہے گلزار جا، جلد منشی سے کہہ ڈاکٹر حسین کو لے کر آئے۔

(بیوی سے مخاطب ہو کر) کل کس وقت تمہاری طبیعت بگڑی۔

سپہر آرا۔ فرخندہ کی وداع کے وقت سر میں ہلکا ہلکا درد تھا، میں نے سمجھا دو چار آنسو

آنکھوں سے نکلی اس لئے ہو گیا، وہ چار بجے وداع ہوئی، اور میں ادھر آئی۔ صادقہ کہتی بھی رہیں ذرا ٹھہر کر جایئے گا، مگر میں اس لئے چلی آئی اور یہاں آکر آپ کے سامنے لیٹ ہی گئی۔ کھانا بھی نہیں کھایا، رات تین بجے سے جاگ رہی ہوں، اور درد سر بڑھتا ہی جاتا ہے۔
بیرسٹر۔ ثروت ذرا لونڈر تو لے آؤ، وہ ڈال دیں شاید اس سے سکون ہو گرمی سے معلوم ہوتا ہے درد ہو گیا ہے۔
ثروت۔ لونڈر تو میں دو مرتبہ ڈال چکی ہوں۔
دربان فہمیدہ۔ ڈاکٹر صاحب آ گئے۔
ڈاکٹر صاحب کی آمد سنکر بیرسٹر صاحب باہر نکلے، اور خود ڈاکٹر کو ہمراہ لیکر آئے، تمام حال کہا، نبض دیکھکر ڈاکٹر نے کہدیا ملیریا ہے، انشاء اللہ جلد آرام ہو جائیگا، نسخہ لکھکر غذا وغیرہ کی ہدایت کر کے چلے گئے۔
بیرسٹر صاحب دس بجے کچہری سدھارے، ثروت آرا ماں کی دیکھ بھال کرتی رہیں، وقت پر اپنے ہاتھ سے دوا پلاتی، دودھ یخنی دیتی رہیں، مگر بخار کو جنبش نہ ہوئی، کبھی ایک سو تین کبھی ایک سو چار، اور ایک سو دو سے تو کم ہوتا ہی نہ تھا، بخار کے ساتھ غفلت ہذیان، متواتر ایک ہفتے تک جب یکساں حالت رہی تو ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر حکیم غلام نجف خاں کا علاج شروع کیا، اُنھوں نے موتی جھرہ تجویز کیا، چار روز انکا بھی علاج رہا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، تو بیرسٹر صاحب گھبرا گئے، پے در پے تین ڈاکٹروں کے علاج تبدیل کئے، اُن پر اور ثروت آرا پر جب سے سپہر آرا علیل ہوئی تھیں سونا حرام تھا، ثروت بیچاری کی آنکھوں کے گرد راتوں کو جاگنے سے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے، بیرسٹر صاحب نے اب ایک ہفتے سے کچہری جانا بھی چھوڑ دیا تھا، ہر وقت بیوی کی پٹی سے لگے بیٹھے رہتے مگر حکم خدا کو کون ٹال سکتا ہے، حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی تھی۔
بیگم صاحبہ اپنی سہیلی اور سمدھن کو دو مرتبہ دیکھنے آئیں، روز آدمی دریافت

خیریت کو آتا تھا، سپہر آرا کے بخار کو آج تیرھواں روز تھا، بخار حسب معمول ایک سو چار تھا، بیرسٹر صاحب نے ابھی ابھی ایک اور ڈاکٹر کو دکھلایا ہے، جس نے ٹائیفائڈ فیور تجویز کیا، دوا دی، دوا کی ایک خوراک ملتے ہی بخار میں کمی شروع ہوئی، اور جسم ایکدم بالکل ٹھنڈا ہوگیا سپہر آرا نے آنکھیں کھول دیں اور اُٹھنے کی خواہش ظاہر کی، ثروت آرا بیگم اور ملکہ بیگم نے سہارا دے کر اُٹھایا اور گاؤ تکیے کے سہارے سے بٹھایا، آہ یہ وہی سپہر آرا بیگم ہیں جن کا ارغوانی رنگ سیب سمرقند کو شرماتا تھا، اب بالکل ہلدی کی طرح زرد ہیں، جسم اتنے روز کی علالت سے سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے، مگر آج اُن میں غیر معمولی توانائی ہی، بیٹھنے کے بعد انھوں نے پہلے بیرسٹر صاحب سے کہا۔

صاحب مجھ سے حق خدمت ادا نہ ہو سکا، معاف کیجیے گا خدا کے سامنے روسیاہ نہ ہوں۔

بیرسٹر۔ (گھبرا کر) ہیں ہیں بیگم آج تو بفضل خدا تمہاری طبیعت اچھی ہے، یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔

سپہر آرا۔ صاحب میں چند گھڑیوں کی مہمان ہوں، میرے سانس کا نظام درست نہیں میرا دل اندر سے کوئی نوچ رہا ہے، دیکھو صاحب میری ثروت کا خیال رکھنا مجھے آپ کی بدولت کسی چیز کی حسرت نہ رہی، مگر ثروت کے بیاہ کی حسرت دل میں لئے جاتی ہوں، ایک طویل سانس لے کر، خیر شادی تو آپ دوسری ضرور کریں گے، مگر ثروت پر ہمیشہ چشم عنایت رہے، اب جو کچھ بھی ہوگی میرے بعد آپ کی شفقت ہوگی۔

بیرسٹر۔ بس کرو بیگم، زیادہ سننے کی تاب نہیں (آنکھوں میں آنسو بھر کر) تم جیسی فرشتہ خصلت بیوی کو کبھی میں بھول سکتا ہوں، جس کی بدولت دنیا میں جنت کا مزا آگیا۔

سپہر آرا۔ الحمد للہ آپ مجھ سے خوش ہیں، (ثروت کی جانب مخاطب ہو کر) جو زار و قطار رو رہی تھیں ایں ایں بیٹی ہوش میں آؤ، سدا کس کے ماں باپ جیتے ہیں خدا زندہ رکھے تمہارے باپ کو تم کو روتے ہوئے وہم نہیں آتا، دیکھو ثروت تم رونا نہیں، ورنہ میری روح بھی لرزے گی، میری چاند انسان کو صبر کرنا چاہیئے، تم لکھی پڑھی ہو میں چاہتی ہوں

کی سی باتیں کرتی ہو۔

جاؤ بیٹی ہاتھ کے اشارے سے بتا کر، اُس الماری میں سے ہاتھی دانت کی ایک صندوقچی جو خانے میں رکھی ہے، نکال لاؤ، کنجیاں سرہانے سے لے لو۔

ثروت روتی ہوئی اُٹھی اور صندوقچی لے کر ماں کے پاس آئی۔

سپہر آرا۔ پیاری ثروت اس صندوقچی کو تم بحفاظت اپنے پاس رکھو، اپنی شادی کے بعد فوراً اپنے دولہا کو دیدینا۔

ثروت سر جھکائے ہوئے اُٹھی اور صندوقچی ماں سے لے کر اپنی الماری میں رکھ آئی۔

سپہر آرا بیگم نے ملکہ بیگم سے کہا آپا ذرا میری ثروت کا خیال رکھنا بیرسٹر سے جو اُن کو سہارے سے بٹھائے ہوئے تھے کہا، صاحب جلدی لٹاؤ۔

ثروت نے گاؤتکیہ پیچھے سے ہٹا لیا اور بیرسٹر نے لٹا دیا۔

سپہر آرا نے آنکھیں بند کر لیں، کلمہ طیب پڑھنے لگیں، خوبصورت پیشانی پر پسینے کے قطرے شبنم کے مانند چمکنے لگے، عالم نزع شروع ہوا، کانوں کی لویں پھر گئیں، ناک کا بانسا ٹیڑھا ہوا، سانس جلد جلد چلنے لگا، ہاتھ پاؤں میں تشنج پیدا ہوا، ہچکیاں مسلسل آ رہی تھیں، ایک بھرپور جوانی کا عالم سکرات الامان، دیکھنے والوں کے دل پھٹے جاتے تھے، ہچکی آتی تھی، سر و سینہ تھا، ماتھے پہ موت کا پسینہ تھا۔

لو ایک ہچکی زور سے آئی، اور عالم سکوت طاری ہو گیا، روح عالم بالا کو سدھاری۔ جسدِ خاکی رہ گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ع جسدِ خاکی تھا غبارِ راہ منزل ہو گیا

ثروت آرا بیگم کو غش آگیا، بیرسٹر صاحب بیوی کے بے جان جسم پر گر پڑے۔

ملکہ بیگم اور حشمت وغیرہ بکا کرنے لگیں، احمد منزل اور اظہر محل آدمی گیا، احمد زماں بیگم کل ہی گھر گئیں تھیں، روتی پیٹتی اتریں، دیورانی جٹھانیوں میں بہت اتفاق تھا، سگی بہنوں جیسی محبت تھی، سپہر آرا اللہ بخشے غضب کی ملنسار اور ہنس مکھ تھیں، دو باتیں اگر جٹھانی کہہ بھی لیتیں تو ہنس کر ٹال دیتیں، ہمیشہ بڑی بہن کی طرح ادب کیا، احمد زماں بیگم اُن کا اخلاق ملنساری یاد کر رہی تھیں، اور دیواروں سے سر پھوڑ رہی تھیں، اظہر محل سے صادقہ زیب النسا بیگم صاحبہ سب آ گئے۔

بیگم صاحبہ۔ ابھی بہن ملکہ بیگم صبح ہی تو شمشاد دیکھ گئی ہی، کہنے لگی بیوی آج تو اللہ کا شکر ہے طبیعت بہت ٹھہری ہوئی ہے، میٹھی باتیں کر رہی ہیں۔

ملکہ بیگم۔ وہ تو آناً فاناً میں ختم ہو گئیں۔

احمد زماں بیگم۔ اسے وہ تو بہشتن تھیں، جوان موت اور ایسی آسان، ہائے سپہر آرا کے بعد زندگی کا لطف جاتا رہا۔

صادقہ۔ ارے لوگو کوئی ثروت آرا کی تو خبر لو، یہ کیسی دھڑ ادھڑی ہو رہی ہے، ان کو دوبارہ غش آ گیا۔

دوا۔ (روکر) ہائے یہ بچی کیسے جیے گی، ہائے بیوی تم چلی گئیں اور میری ثروت کو اکیلا چھوڑ گئیں۔ سب ثروت پر جھک گئے، کوئی لخلخہ لایا کسی نے تلوے سہلائے۔

ثروت نے ہوش میں آتے ہی، ہائے اماں بی، ارے اماں بی کہا اور ماں کے پاؤں سے منہ ملنے لگی۔

صادقہ۔ اے ہے، ثروت آرا بیگم، بہن کیوں اپنے کو ہلکان کر رہی ہو؟

شاہجہاں۔ بہن ذرا دل کو سنبھالو، رونا تو بیشک ہے، ماں ایسی چیز نہیں کہ جس کا نعم البدل پھر مل سکے، لیکن ٹھہر ٹھہر کے رؤو۔

بیگم صاحبہ۔ اے ہے میری دولہن، میری دولہن، میری چاند (گلے لگا کر) صبر کرو بیٹی

ہائے کس کو خبر تھی کہ اتنی جلد یہ مرنے والی ہیں، زیب النساء کے ہاں مسعود کے ہونے میں جب گئیں ہنسکر کہنے لگیں کہ بہن تم جیسی ساس ثروت کو ملی، اب تو مجھے اپنے مرنے کا غم بھی نہیں۔

صادقہ۔ واقعی خالہ جان مرحومہ کو گویا اپنی اس موت کی خبر تھی، جو یہ لفظ منہ سے نکلے۔

سب یہی باتیں کرتے رہے، تین بجے سہ پہر کے وقت سپہر آرا بیگم کا انتقال ہوا تھا نہلا دھلا کر کفنا کر رکھدیا، تمام رات عود و اگر سلگتا رہا، دو حافظ عورتیں قرآن خوانی کرتی رہیں، ثروت کو ہوش نہ تھا، مرغ بسمل کی طرح لوٹ رہی تھی، مگر مرنے کے بعد انسان کو کچھ خبر نہیں رہتی۔ وہی ثروت جس کے بال بیکا ہونے پر سپہر آرا بے چین ہوجاتی تھیں اب خاک میں لوٹ رہی تھی، اور ان کو خبر نہ تھی، صبح نو بجے جنازہ اُٹھایا گیا، ثروت اب روتے روتے بے جان ہوگئی تھی، اور بے ہوش پڑی تھی، بیرسٹر صاحب کو دو آدمی تھامے ہوئے تھے اور وہ سارے لرز رہے تھے، بیگم صاحبہ احمد زمانی بیگم، ملکہ بیگم کا روتے روتے بُرا حال تھا، مگر یہ سب مرنے والی کے لئے بیسود تھا۔

باغِ صنوبر میں جہاں اُن کے آباؤ اجداد دفن تھے، سپہر آرا بیگم کو بھی وہیں دفن کیا گیا اور اس چاند سی صورت پر سینکڑوں من مٹی ڈالدی گئی، جو سپہر آرا کل تک عالی شان دیوانوں، برقی روشنیوں، مخملی گدیلوں پر زندگی بسر کرتی تھیں اور ان نئے بڑے گھر کی زینت تھیں آج تنِ تنہا بسترِ خاک پر محوِ خواب تھیں، آہ یہ نیند ایسی گہری ہے کہ قیامت تک سوتی رہیں گی، دنیا اور دنیا کے سب جھگڑے فانی ہیں۔

دفن کر کے لوگ واپس آئے، مرد سب رخصت ہوئے، عورتیں سب پھولوں تک رہیں، دو وقت منوں کھانا پک کر اظہر محل سے گیا، پھر صادقہ، احمد زمانی بیگم کے میکے سے بھی کھانا آیا، تیسرے دن پھول ہوئے، پھولوں کے بعد بیگم صاحبہ، صادقہ وغیرہ اپنے

گھر گئیں، احمد زماں بیگم، ملکہ بیگم چہلم تک رہیں۔

سوا چہینہ بھی ہو گیا، مگر ثروت آرا کے بیقرار دل کو کسی طرح قرار نہ تھا، محبت کرنیوالی ماں کا حسین چہرہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا، دیوانوں کی طرح سر پھوڑتی اور روتی پیرسٹر صاحب بیٹی کے باعث رنج کا اظہار نہ کرتے، پھوپی، چچی، چچا ہر وقت گلے لگاتے مگر اُس کے غم میں کمی نہ تھی ناز دوں کا پلا دل کسی طرح نہ بہلتا تھا، کسی کام سے شوق نہ تھا اور نہ کسی بات میں دل لگتا تھا، جب دیکھو بت کی طرح ساکت بیٹھی ہے، بار و رہی ہے، کھانے پر بیٹھتی اور ماں کی پسند کی کوئی چیز سامنے آجاتی تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں ماں کے کمرے میں گھستی تو ہر چیز سے اُن کی خوشبو آتی، باغ میں جاتی تو اُن کے لگائے ہوئے پھول اُن کی یاد دلا دیتے۔ غرضکہ ہر جگہ سپہر آرا بیگم کی یاد اُس کے پیچھے رہتی۔ لیکن دل بہلنے کا سامان نہ تھا، ان دنوں دو کام تھے، قرآن پاک پڑھکر ماں کو بخشنا یا پھر ساکت بیٹھے رہنا۔

١٦

ظفر جنگ اس وقت کوٹھی کے مختصر مگر خوشنما باغیچے میں چہل قدمی کر رہے ہیں، اُن کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا لفافہ ہے، جس کو دیکھ کر وہ بار بار مسکراتے ہیں، آپ ہی آپ انگلیوں پر گن کر بس اب صفدر کے آنے میں تین روز باقی ہیں، اُف صفدر کی جدائی کے یہ چھ ماہ کس مشکل سے گذرے ہیں۔

کچھ خیال کر کے، یاد ش بخیر ثروت آرا، اُن کی خیر و خیریت بھی صفدر سے معلوم ہو گی، قدموں کی آہٹ کے ساتھ نظر اُٹھا کر، ادھر تھیوڈورا تم آ گئیں۔

آپ حیران نہ ہوں کہ تھیوڈورا کون ہے، پہلے ایک باب میں جس کا ذکر ہو چکا ہے میم صاحبہ کی پری جمال بھتیجی، مس جوزف یا تھیوڈورا ہی ماہوش ہے، یہ ایک بہت ہی حسین و جمیل ستر ہ سالہ حور منظر پری پیکر ہے، اس کا حُسن و جمال ہر نوجوان طبیعت کو بیقرار بنا دینے کے لئے کافی ہے وہ صحبتیں جس میں ہزار ہا پری جمال لڑکیاں اس میں تھیوڈورا کا حسین چہرہ سب کے حسن کو ماند کر دینے کے لئے کافی ہے، اسکی نظر فریب صورت جہاں ایک دفعہ نظر کے سامنے آ گئی پھر دل ہی میں جا کر ٹھہرتی ہے اور ہمیشہ دل ہی میں چٹکیاں لیتی ہے، اس کی نگاہیں جس میں ابھی دوشیزگی کی شرم اور نرمی ملی ہوئی ہے، نظر کے اُٹھتے ہی سیدھی کلیجے کے پار ہوتی ہیں اس کے سفید اور شفاف چہرے کے نیچے خون کا گلابی استر دیا ہوا ہے، جو شرم اور غضب کے لئے

دلی جذبات کے اوقات میں زیادہ جھلک اُٹھتا ہے، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، نازک اور گلاب کی پنکھڑی کے سے ہونٹ چھوٹا سا دہانہ اور اس کے اندر سے وقتاً فوقتاً دانتوں کا موتیوں کی طرح جھلک اُٹھنا یہ سب چیزیں اس کمال کے درجے کو پہونچی ہوئی ہیں کہ ایسی صورتیں بجز شعرا اور مصوروں کے خیال میں رہنے کے دنیا میں کم نظر آتی ہیں۔

اسی نازک ادا اور رحم روشن لڑکی کے مزاج میں قدرت نے تعلیم اور مسیحی آزادی کے باوجود شرم و حیا کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے، وہ اور اپنی مغربی بہنوں کی طرح بے باکانہ قہقہے لگانے کی عادی نہ تھی، ہاں اُس کے لب لعلیں پر حیا آفریں تبسم ہر وقت کھیلتا رہتا، جو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا، اُس کی گفتگو بہت دلکش اور حیا آمیز لہجے میں ہوتی۔

انہی خوبیوں کی بدولت ظفر کو تھیوڈورا سے دلی اُنس تھا، مگر ایسا ہی جیسے ایک بھائی کو بہن سے ہوتا ہے، تھیوڈورا بھی ظفر جنگ کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرتی، اور بہت خلوص سے پیش آتی۔

چونکہ وہ خود ایک پاکیزہ طبیعت لڑکی تھی، اُسے یہ دیکھکر خوشی ہوتی کہ اور نوجوانوں کی طرح بجائے تفریح طبع کے لئے دلچسپی لینے کے ظفر اُس سے بہت پر خلوص محبت رکھتا ہے۔ تھیوڈورا نے اس وقت بھی دل کش انداز میں ظفر کے قریب آکر کہا۔

پیارے بھائی ! آپ کے ہاتھ میں کس کا خط ہے جس کو پاکر آپ اس قدر مسرور ہیں۔

ظفر۔ (مسکراکر) میرے دوست صفدر کا، جن کا ذکر اکثر میں تم سے کرتا ہوں، تھیوڈورا تم اُن سے مل کر بہت خوش ہوگی۔

تھیوڈورا۔ کیا وہ بالکل آپ کی طرح ہیں ؟

ظفر۔ اُن کے مزاج میں تو شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، لطیفہ بازی میں ان کو کمال حاصل ہے، میں بھلا ایسا کہاں ہوں، وہ تو ایک منٹ قرار سے نہیں بیٹھ سکتے۔

تھیوڈورا۔ مجھے افسوس ہے کہ اُن سے ملے بغیر میں چلی جاؤں گی۔

ظفر۔ (متعجبانہ لہجے میں) کیوں آج صبح تک تو تم نے اس کی بابت کوئی خیال ظاہر نہیں کیا تھا۔
تھیوڈورا۔ ہاں ابھی جب میں ایلیس کے ہاں سے واپس آئی تو آنٹی نے مجھکو بھائی کی چٹھی دی۔ انھوں نے لکھا ہے کرسمس کی تعطیلوں میں اُن کی شادی ہے، مجھے دسمبر کی پندرہ تک کلکتے پہنچنا ہے۔
ظفر۔ (مسرت بھرے لہجے میں) پھر تو تم کو مبارک ہو، مگر تھیوڈورا میں تمہارے جانے سے تنہائی محسوس کروں گا۔
تھیوڈورا۔ مجھے بھی آپ کی پُرخلوص محبت بہت یاد آئے گی، میں کوشش کرونگی کہ آئندہ فروری میں ہی یہاں پھر آجاؤں۔
ظفر۔ ضرور آنا، ہاں یہ تو بتاؤ روانگی تمہاری کس دن ہے۔
تھیوڈورا۔ اٹھائیس نومبر کے جہاز سے روانہ ہوں گی۔
ظفر۔ اوہو صفدر کے آنے سے دو روز قبل تیس نومبر کو وہ لوگ یہاں پہنچ رہے ہیں۔
تھیوڈورا۔ کیا کروں، وقت کم ہے، پہلے مجھکو لکھنؤ جانا ہوگا، سامان وغیرہ لے کر کلکتے پہنچنا ہے، دوسرا جہاز دو دسمبر کو چھوٹے گا اور دیر ہو جائے گی۔
ظفر۔ وہ لوگ تو نومبر کی پندرہ کو پہونچ جاتے، مگر صفدر نے لکھا ہے ایک خاص وجہ سے رُک جانا پڑا، جو زبانی بتلاؤں گا، ہاں تو لندن کب جاؤگی؟
تھیوڈورا۔ پرسوں صبح، دو دن لندن میں ٹھہر کر۔ بھائی کی شادی کے لئے تحفہ لونگی اور اپنے لئے کپڑا خریدنا ہے، آپ میرے ساتھ چلیں نا؟
ظفر۔ ہاں ہاں میں تمہارے ساتھ چلوں گا، کیونکہ دو دن بعد پھر بھی جانا ہوگا، اس لئے بہتر ہے کہ تم کو پہنچا دوں اور اُن لوگوں کے آنے تک ٹھہرا رہوں، کالج میں خوش قسمتی سے پرسوں کی تو تعطیل ہے اور پھر اتوار ہے، تین دن کی چھٹی اور لیلوں گا۔
تھیوڈورا۔ اندر چلئے بھائی، یہاں اب سردی بھی ہوگئی ہے اور اندھیرا بھی۔

ظفر:۔ واقعی سردی تو اب میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔

ڈرائنگ روم میں آکر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئے، اور ٹھیوڈورا سے کہا اب تو تم جا رہی ہو آج کچھ سنا دو۔

ٹھیوڈورا نے پیانو پر نازک انگلیاں پھرائیں اور چند منٹ بعد اُس کی سُریلی آواز کمرے میں گونجنے لگی، رات کا وقت ایسی سریلی آواز اور پھر گیت سوز سے لبریز، ظفر کسی کے خیال میں بالکل محو ہو گئے، ٹھیوڈورا نے گیت ختم کر کے انگڑائی لیتے ہوئے حیرت سے ظفر کی طرف دیکھا جو ابھی تک بےحس و حرکت کرسی پر بت کی مانند بیٹھے تھے۔

ٹھیوڈورا:۔ بھائی خیر بیتا ہے؟

ظفر:۔ (آنکھیں کھول کر) ہاں ہاں تم اس قدر گھبرا کیوں گئیں؟

ٹھیوڈورا:۔ آپ کی طویل خاموشی سے۔

ظفر:۔ تمہارا دلکش نغمہ مجھ کو کیا ہر انسان کو بیخود بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

ٹھیوڈورا:۔ (شرمیلے انداز سے) واہ بھائی آپ بھی بنانے لگے۔

ظفر:۔ واہ ٹھیوڈورا، تم مجھ پر ایسا گمان کر سکتی ہو، سچ مچ میں اس وقت تمہارے راگ سے مسحور ہو گیا۔

ٹھیوڈورا:۔ (مسکرا کر) میں تو جادو کرنا جانتی ہی نہیں۔

ظفر:۔ پیاری ٹھیوڈورا اچھا گانا بھی جادو ہے جو انسان کو مسحور کر لیتا ہے۔

ٹھیوڈورا:۔ ایسا ہے اگر تو میں اب کبھی نہ گاؤں گی۔

ظفر:۔ تم کتنی شریر ہو، چھوٹی ٹھیوڈورا، (گھڑی دیکھ کر) کھانے کا وقت ہو گیا، دیکھو آنٹی کہاں ہیں؟

ٹھیوڈورا:۔ بہت بہتر کہتی ہوئی، دلفریب ادا سے چلی گئی۔

ظفر:۔ (دل میں) خدا خیر کرے، اچھا ہوا صفدر و نشاط کے آنے سے پہلے یہ جا رہی ہے

غضب کی دلکش صورت اور کافر ادائیں پائی ہیں، ان دونوں میں سے ضرور کوئی گرویدہ ہوجاتا، تھیوڈورا بہزار حسین سہی، (مسکرا کر) مگر میری ثروت کے تناسب اور ملاحت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

کھانے کے کمرے سے گھنٹی کی آواز آئی اور ظفر کھانے کے کمرے میں داخل ہوگئے۔

تیسرے دن صبح ہی ظفر اور تھیوڈورا لندن کی روانگی کے لئے اسباب درست کرکے دس بجے کی ٹرین سے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر تھیوڈورا اپنی ایک سہیلی کے ہاں ٹھہر گئیں۔ ظفر کو اُن کے ایک کلاس فیلو پکڑ کر لے گئے۔

دوسرا دن خرید و فروخت میں گزرا، ظفر نے تھیوڈورا کو ایک خوبصورت گاؤن کا کپڑا لیکر دیا، جس کو اُس نے بہزار حیل دحجت لیا، تیسرے دن صبح ریل میں بیٹھے اور بندرگاہ پہونچے، تھیوڈورا کو ظفر نے جہاز میں سوار کرایا اور جہاز نے لنگر اٹھایا، رخصت کے وقت تھیوڈورا کی آنکھوں میں آنسو آگئے، ظفر بھی افسردہ تھے، اتنے دن کے ساتھ رہنے کے بعد یہ جدائی شاق تھی، تھیوڈورا نے بھرائی ہوئی آواز میں گڈبائی کیا، تھوڑی دیر میں جہاز نے سیٹی دی اور رفتہ رفتہ چلنے لگا۔

جہاز کے نظر سے غائب ہونے کے بعد بھی ظفر جب تک شام نہ ہوگئی، سمندر کے کنارے ٹہلتے رہے، اس کے بعد ہوٹل میں دو دن کے لئے مقیم ہوگئے، تیس نومبر کی صبح کو ظفر ہلکا سا ناشتہ کرکے کپڑے پہن کر صبح ہی سے ہندوستان کے آنے والے جہاز کا انتظار کرنے لگے، ٹھیک گیارہ بجے جہاز بندرگاہ پر آ لگا، اور مسافر اُتر اُتر کے آنے لگے، ظفر گھبرائی ہوئی متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ ایکدم نظر فشاد پر پڑی اور دونوں معانقے کے لئے ہاتھ پھیلا کر بڑھے، صفدر بھی لپکے اور گرمجوشی سے ملنے کے بعد اسباب وغیرہ سنبھلوایا، ریل کا ٹکٹ لے کر تینوں ریل میں بیٹھے، ظفر نے نام بنام سب کی خیریت پوچھی، اور ریل کا سفر باتوں میں ختم ہوا۔ شام کو لندن کے ایک ہوٹل میں قیام کیا، دوسرے دن صبح لندن کی سیر ظفر جنگ

نے نشاط اور صفدر کو کرائی، اور سہ پہر کی ٹرین سے روانہ ہو کر کیمبرج شام کو پہونچ گئے۔

میم صاحبہ اور پروفیسر صاحب ان دونوں سے بخندہ پیشانی ملے، بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، میم صاحبہ شب کے کھانے کے اہتمام کے لئے اٹھ گئیں تو ظفر جنگ صفدر کو لے کر اپنے کمرے میں آئے اور کہنے لگے یہ تم اِدھر اُدھر کیوں دیکھ رہے ہو۔

صفدر۔ میاں تم نے ایک مس صاحبہ کا حال لکھا تھا اُن کو دیکھ رہا تھا، کہ کس دروازے سے نمودار ہوتی ہیں۔

ظفر۔ ہاں میں تم سے کہنا بھول گیا، مس جوزف اپنے بھائی کی شادی کیلئے ۲۰ نومبر کو ہندوستان گئیں، واقعی بہت شریف لڑکی ہے۔

صفدر۔ ہونہہ شرافت تو اس سے ظاہر ہے کہ ہم جیسے شریفوں سے بغیر ملے چل دیں، یہ کہیے کہ ہم سے ملانا منظور نہ تھا، اس لئے بھگا دیا، حضرت یہ کیا شرافت ہی، ایک بیوی ہندوستان میں موجود دوسری مس صاحبہ سے دوستی گانٹھی۔

ظفر۔ (ہنسکر) اب ایں ہوش میں آؤ، کیا بک رہے ہو، وہ تو میری بہن ہے،

صفدر۔ جی ہاں ایسی بہنیں بہت دیکھی ہیں۔

ظفر۔ معاذ اللہ تم کو یقین نہیں آتا۔

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

صفدر۔ اجی یہ چکمہ کسی اور کو دینا، قرآن کا جامہ پہنو جب بھی یقین نہ آئے، اگر کچھ بات نہ تھی تو ہم سے ملایا کیوں نہیں۔

ظفر۔ (ہنسکر) اس لئے کہ تم دیوانے نہ ہو جاؤ۔

صفدر۔ جی نہیں بندہ ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہے

نشاط۔ بغیر دیکھے تو آپ آپے سے باہر ہیں۔

صفدر۔ اوہو مینڈکی کو بھی زکام ہوا، ماشاء اللہ آپ بھی چہکنے لگے۔

ظفر۔ بھائی لڑو نہیں، بفیوٹو ورا تو پھر فروری میں آجائیں گی۔

صفدر۔ اگر یہ ہے تو خیر۔

ظفر۔ صفدر تم سے کئی بار میں نے خالہ سپہر آرا بیگم کی بابت پوچھا، ایک دفعہ ماں جان نے لکھا تھا وہ سخت علیل ہیں، پھر کچھ نہ لکھا، تار بیرسٹر صاحب کو خیریت کے لئے دیا تھا اُنھوں نے صرف شکریہ لکھا، مزاج کی کیفیت نہ لکھی۔

صفدر۔ سپہر آرا بیگم کا تو انتقال ہوئے بھی عرصہ ہوا، دو ماہ کے قریب ہو گئے۔

ظفر۔ (سر پکڑ کر) اُف اللہ آنکھوں سے زار و قطار آنسو جانے لگے، اور رکھلو گیر آدا نے کہا، آہ نہ معلوم ثروت کا غم میں کیا حال ہوگا، میں بدنصیب اتنی دور سے دلجوئی بھی تو نہیں کر سکتا۔

صفدر۔ ثروت بہن کو سنا ہے ماں کا بہت رنج ہے، ہنسنا بات کرنا تو گویا بھول گئی ہیں پر کیا کیا جائے، موت سے کسی کا بس نہیں چلتا۔

نشاط۔ بیچاری بیمار بھی تو کچھ زیادہ نہیں ہوئیں، صرف تیرہ روز بخار آیا، اور ختم ہو گئیں۔

ظفر۔ دیکھو روح کا تعلق ہے، اُن کے انتقال کی جو تاریخ تم کہتے ہو اُس کے دوسرے روز میں نے اُن کو بہت عمدہ لباس میں خواب میں دیکھا، بس اتنا کہا پیارے ظفر! میری ثروت دنیا میں تنہا ہے اُس کا خیال رکھنا۔

نشاط۔ بعض خواب تو بالکل صحیح ہوتے ہیں۔

ظفر۔ میرے خواب تو اکثر پیشین گوئی ہوتے ہیں، ہائے جب میں سوار ہوا تو کس طرح بیچاری نے گلے لگا کر پیشانی کو بوسہ دیا، ان کی ہنستی ہوئی حسین صورت سامنے آگئی۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب

موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

۱۸

دن کے پانچ بج چکے ہیں، ہلکی ہلکی گرمیاں ہیں، ہوا کے فراٹے دل و جگر میں خنکی بسائے دیتے ہیں، مغموم ثروت اس وقت قرآن شریف کی تلاوت کر رہی ہے۔ بڑی بڑی متوالی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں، آواز نہایت درد سے بھری ہوئی ہے، کچھ اس لب و لہجے سے قرآن پاک پڑھ رہی ہے کہ دل پر چوٹ لگتی ہے، لو اب قرآن مجید کو ادب سے چوم کر اس نے گردانا اور اپنی مرحومہ ماں کی مغفرت کی دعا بہت خشوع و خضوع سے کی، اُف کس قدر بے قراری سے رو رہی ہے، آہ دنیا تیری نیرنگیاں، یہ وہی ثروت ہے، جس کے لبوں پر ماں کی زندگی میں ہر وقت تبسم کھیلتا رہتا تھا، جس کی پیشانی ہمیشہ خندہ رہتی تھی، پاماں کے مرنے سے بالکل از خود رفتہ ہو گئی، دو تین ماہ تک تو عجب حالت رہی، ایسا سے دورہ روزانہ حرارت ہو جاتی تھی، بیچارے بیرسٹر صاحب کو ایک تو چاہتی بیوی کا غم، دوسرے اکلوتی بیٹی کی بیماری کا فکر، سخت پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے، خدا خدا کر کے دو ماہ سے ثروت کی طبیعت سنبھلی ہے، صحت ٹھیک ہوئی ہے، ماں کے مرنے کا رنج کم تو کیا ہوتا ہاں یہ ضرور ہے کہ جب بات تازہ ہوتی ہے زیادہ محسوس ہوتی ہے، رنج بے شک ہے نہیں مگر ہاں وہ اضطراب اب نہیں ہے، چہل، دل لگی، مذاق سے کوسوں دور اور کھیل کود سے اب بھی نفور تھی، گھنٹوں ساکت بیٹھی رہتی، پڑھائی پر دل نہ لگتا تھا، مس کلاک روز آتیں، پھر دل

بیٹھ کر سمجھاتیں، ثروت کا دل اُن کی باتوں جب بہت لگتا تھا، وہ بھی روزانہ دل بہلاتیں
بیرسٹر صاحب غریب اس ناگہانی مصیبت کے آجانے سے سخت متاثر تھے، بیوی کا رنج اُنکو
بہت تھا، اور نہ کیوں ہوتا، تعلیم یافتہ، سلیقہ شعار، حسین، محبت کرنے والی بیوی قسمت
والوں کو ملتی ہو، جتنا رنج کرتے بجا تھا، غرضکہ ایک سپہر آرا کے نہ ہونے سے خورشید لاج
میں اُلّو بول رہا تھا، بیرسٹر صاحب بیٹی کے اکیلے رہنے کے خیال سے ملکہ بیگم کو بلا بلا کر رکھتے
مگر کون روز روز اپنا گھر چھوڑ کر آتا ہے، پھر بھی ملکہ بیگم مہینے میں پندرہ روز خورشید لاج
رہتیں تو پندرہ دن اپنے گھر، قسمت کی خوبی دیکھئے خورشید زماں کے بڑے بھائی احمد زماں
کا دنیا سے دل ایسا چھوٹا اور سپہر آرا بیگم کی جوان موت نے اُن کے دل پر ایسا اثر کیا
اللہ والے ہمیشہ سے تھے، دل دنیا سے بالکل متنفر ہو گیا، اپنی تمام جائداد بھائی کے نام لکھکر
کہہ گئے کہ مجھکو ہزار روپے ماہوار بھیجا کرنا، بیوی کو ساتھ لے کر مکے کو ہجرت کر گئے، فرخندہ
اور شاہجہاں دونوں سہیلیاں اپنی اپنی سسرال میں آباد تھیں، اللہ اللہ خیر سلّا۔

آج بھی ملکہ بیگم آئی ہوئی تھیں، ثروت کی روتے روتے جب چیخ نکل گئی تو وہ آواز سن کر
دوڑی آئیں، حشمت بھی بھاگی۔

ملکہ بیگم نے آکر گلے لگایا، حشمت نے پانی لاکر دو گھونٹ پلائے، جب ذرا دل ٹھہرا۔

ملکہ بیگم۔ بیٹی اتنا کیوں روتی ہو، خدا باپ کو زندہ رکھے، ان کا دم غنیمت ہے، تم کو دونوں
وقت ملتے روتے وہم نہیں آتا۔

ثروت۔ (افسردہ لہجے میں) میں پھوپی جان ہزار دل کو سنبھالتی ہوں، نگوڑا دل کسی طرح
قابو میں نہیں آتا۔

ملکہ بیگم۔ نہیں بیٹی اس طرح دل نہ بھاری کیا کرو، دیکھو تمہاری وجہ سے بھائی کتنے اُداس
رہتے ہیں۔

ثروت۔ پھوپی اماں میں تو اُن کے سامنے حتی الامکان خوش رہتی ہوں۔ روتی نہیں۔

ملکہ بیگم۔ میری چاندا بھی تو تم بچہ ہو، مرد کا رنج بُرا ہوتا ہے، ہزار تم ہو، مگر بیوی کا آرام اولاد سے نہیں مل سکتا، پھر تم بھی اللہ رکھے پرائے گھر کا دھن ہو، دولہا خیر سے ولایت سے آئے اور تم اپنے گھر چلی جاؤ گی۔

ثروت نے شرم سے سر نیچا کر لیا۔

ملکہ بیگم جو عصر کا وضو کرنے کو اٹھ آئی تھیں، چلی گئیں۔

ثروت کچھ دیر تک تو پھوپی کے کہنے سے لندن کا جو خیال آ گیا تھا اس سے اُلجھتی رہی اس کے بعد حشمت سے جو قریب بیٹھی تھی کہا:

حشمت پھوپی اماں کے اس کہنے کا مطلب کیا تھا کہ میں بیوی جیسا آرام نہیں دے سکتی (بھولے پن سے) کیا میں ابا جان کے کھانے کا خیال نہیں رکھتی، اور اُنکو وقت پر کھانا چائے نہیں ملتا، (آہ سرد لے کر) ممکن ہے کہ ایسا ہو، کیونکہ اپنا دماغ ہی اب درست نہیں (رو کر) اماں ہی کیا گئیں دل کی دنیا اُجڑ گئی۔

حشمت۔ بیوی خدا کو مان کر دل سنبھالو، کیوں بدشگونی کرتی ہو، کیسے کیسے لفظ زبان سے نکالتی ہو، دل کی دنیا خدا نکردہ دُور پار دشمنوں کی اُجڑے، خدا دولہا میاں کو ساتھ خیر کے ولایت سے لائے۔

ثروت۔ (ڈر کر) اے ہے اللہ توبہ، معاف کیجو، خدا ساتھ خیر کے اُن کو لائے، توبہ لگیڑی زبان دماغ سب بیکار ہو گئے ہیں حشمت اب تو ہی بتا، کیا بات ہے، انھوں نے یہ کیوں کہا کہ بیوی جیسا آرام میں نہیں دے سکتی۔

حشمت۔ بیوی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی پھوپی اماں چاہتی ہیں کہ صاحب دوسری شادی کر لیں۔

ثروت۔ تو پھر منع کون کرتا ہے، بچو شی، میری اماں تو اب واپس آ نہیں سکتیں، جو میں اس کا رنج کروں۔

حشمت۔ اُن کا مطلب تو یہ تھا کہ آپ کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔
ثروت۔ (چونک کر) میری وجہ سے، میں تو خود ابا جان سے آج ہی کہوں گی کہ وہ شادی ضرور کریں، ہے تو یہ سچ کہ وہ پریشان رہتے ہیں، رات کو اکثر میری آنکھ کھلتی ہے تو اباجان کے کمرے میں روشنی نظر آتی ہے۔
حشمت۔ اور صاحب کا رنگ بھی بہت سنولا ہو گیا ہے۔
ثروت۔ مجھکو اپنے اباجان بہت عزیز ہیں، اب تک اس قدر بدحواس رہی کہ اس کا خیال نہیں آیا، اُن کی زندگی میرے لئے غنیمت ہے، خواہ اس وجہ سے مجھکو تکلیف پہونچے لیکن میں ضرور اباجان کو شادی کے لئے مجبور کروں گی، اور مجھکو تکلیف کیوں پہونچنے لگی، جب میں ادب و محبت سے پیش آؤں گی تو کوئی کیوں مجھ سے بُرا برتاؤ کرنے لگا۔
حشمت۔ اچھا بیگم اب تو نماز پڑھیئے، وقت بالکل تنگ رہ گیا ہے، خدا کے لئے اتنا نہ رویا کرو۔
ثروت۔ (زبردستی ہنسکر) اچھا اب نہ روؤں گی اور نماز پڑھنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
شب کو کھانے کے بعد اُس نے بیرسٹر صاحب سے کہا، اباجان، میں ایک بات کہوں گی آپ تو مان لیں گے۔
بیرسٹر۔ پیاری بیٹی کوئی بات ایسی ہے کہ جو تم کہو اور میں نہ مانوں۔
ثروت۔ بیشک اباجان آپ صحیح فرماتے ہیں، بہرحال آج تو آپ کو اقرار کرنا ہوگا۔
بیرسٹر۔ (جو بیٹی کو آج چونچال پاکر مسرور تھے) کہو پیاری ثروت جو تم کہوگی میں بدل وجان سب منظور کروں گا۔
ثروت۔ اباجان! میں آپ سے بصد ادب و عاجزی درخواست کرتی ہوں کہ آپ دوسری شادی کرلیں۔
بیرسٹر۔ (جن کو اس کا خیال بھی نہ تھا) ایک دم چونک پڑے اور انھوں نے حیرت سے

بیٹی کا منہ دیکھا۔

ثروت ۔ جس نے اس فقرے کو بہت ہمت کر کے ادا کیا تھا اب مصنوعی طور پر نیچی نظریں کئے مسکرا رہی تھی۔

بیرسٹر نے آہ سرد لیکر کہا، بیٹی تم کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا، میں افسوس ہے ایسا نہیں کر سکتا، تمہاری مرحومہ ماں کی سی بیوی نہ مجھے مل سکتی ہے نہ میں ایسے خیال کو دل میں جگہ دے سکتا ہوں۔

ثروت ۔ نہیں اباجان آپ میری خوشی ضرور پوری کریں، بیشک اماں بی مرحومہ کی خوبیاں دوسری میں نہیں آسکتیں، مگر وہ تو اب اس دنیا سے جاچکیں، ان کا خیال اب فضول ہے۔

بیرسٹر ۔ (جن کو اپنی مرحومہ بیوی کا خیال اس وقت بہت ستا رہا تھا) ثروت کیوں بچوں کی سی ہٹ کر رہی ہو، میں اب شادی نہ کروں گا۔

ثروت ۔ نہیں میرے اباجان آپ انکار کر کے مجھے ملول نہ کریں، میری خاطر میری خوشی کے لئے ہاں کر لیجئے۔

ملکہ بیگم ۔ (بھتیجی کے خیال کی تائید کرتے ہوئے) بھائی سچ تو ہے، تم ٹھہرے مرد ہر وقت ثروت پاس نہیں رہ سکتی۔ بات چیت ہے، دکھ بیماری ہے، ہر طرح کی بات انسان کے ساتھ ہے، اب میں ہوں تو گھر بار کو چھوڑ کر کس طرح آسکتی ہوں، کوئی اور چھوٹا بچہ ہوگا دل بہلے گا، اللہ رکھے ان کا بھی کچھ عرصہ بعد بیاہ ہو جائے گا، اپنے گھر بسانا ضروری ہے، خدا کرے اور اللہ بیٹا دے تو بیٹے کی بات اور ہے، بیچارے بڑے بھائی کے ہاں تو اولاد نہیں، تمہارے ہاں یہ ہیں تو پرائے گھر کا دھن، نام بیٹے سے چلتا ہے۔

بیرسٹر ۔ مگر بھلا میں وہ الفاظ بھول سکتا ہوں جو بیگم نے مرتے وقت کہے تھے صاحب "میری ثروت کا خیال رکھنا" اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ثروت ۔ میں خود جو آپ سے کہہ رہی ہوں، مجھے تکلیف کیوں ہونے لگی۔ جو بیچاری بھی آئیں گی مجھ کو کیا تکلیف دے سکتی ہیں، میں ادب اور خلوص سے پیش آؤں گی، تو وہ بھی

محبت کریں گی۔

ملکہ بیگم۔ اے ہاں جب لڑکی خود بار بار کہہ رہی ہے تو پھر کیا ہرج ہے۔

بیرسٹر۔ (لاپروائی سے) دیکھا جائے گا۔

ثروت۔ پھوپی جان آپ کل سے ہی لڑکیاں دیکھئے۔

بیرسٹر۔ ایسی جلدی کیا ہے۔

ملکہ بیگم۔ اللہ رکھے لڑکپن ہے، بس اب اس کی دھن لگ گئی، اچھا بیٹی میں کل ہی کہیں خیال کر دوں گی۔ اور خیال کی ضرورت کیا ہے، کنبے میں کئی جوان لڑکیاں بیٹھی ہیں، کہنے کی دیر ہے۔

بیرسٹر صاحب۔ میں کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنی نہیں چاہتا، بیوہ البتہ اگر ہو تو کروں گا، تاکہ ثروت کا وہ خیال رکھ سکے، کوئی کم سن دوشیزہ ایسا نہیں کر سکتی، مجھے اپنے لئے شادی کی اب ضرورت نہیں ہے، صرف ثروت کے لئے، ان کی خاطر اور انکی ضد سے مجبور ہو کر، ورنہ میرا تو دل بالکل نہیں چاہتا۔

ملکہ بیگم۔ اگر یہ بات ہے تو پرسوں میں میلاد شریف میں بریلی والی آپا کے ہاں گئی تھی، اُن کے ہاں ایک خوبصورت بیوی کو دیکھکر پوچھا، کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے ابھی آکر ہمسائے میں رہی ہیں، بیچاری بالکل جوان ہیں، کیا بتاؤں کیسی خوبصورت ہیں اور ہنس مکھ ایسی کہ ہر وقت مسکراتی رہتی ہیں، بھاوج مرحومہ تو خیر حور تھیں، لیکن سو دو سو میں یہ بھی ایک ہے، بچاری کا میاں تین برس ہوئے شادی کے ایک سال بعد ہی مر گیا، عمر کوئی مشکل سے بائیس برس کی ہوگی۔

بیرسٹر۔ یہاں کیسے آئیں؟

ملکہ بیگم۔ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ دہلی کی سیر کو آئی ہیں، اُن کی اماں کہہ رہی تھیں کہ کوئی شریف آدمی مل جائے تو دو بول پڑھا دوں، ایک سال بعد ہی بیوہ ہوگئی اُس نے

ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ میں کل ہی جاؤں گی۔
ثروت۔ ہاں ضرور جایئے۔
ملکہ بیگم۔ تم کو ثروت بہت پسند آئیں گی۔
بیرسٹر۔ (کرسی سے کھڑے ہو کر) آپا آپ بھی ثروت کے ساتھ ہو گئیں، ثروت کی پیشانی پر بوسہ دے کر باہر چلے گئے۔

ثروت کا دل گو رو رہا تھا، مگر وہ خوش تھی کہ اپنے باپ کے رنج میں کمی کرنے کی ترکیب وہ کر سکی، اور اس خیال سے مسرور ہو کر وہ چند لمحوں کے لئے ماں کے غم کو بھول گئی۔

۱۹

ظفر کو لندن آئے ڈیڑھ سال اور صفدر و نشاط کو تقریباً ایک سال ہو چکا ہے صفدر تو ظفر جنگ کے ساتھ ہی پروفیسر صاحب کے ہاں رہتے ہیں، ان کی پڑھائی کا صرفہ بھی نواب صاحب برداشت کرتے ہیں، رہے نشاط تو وہ گو رہتے کالج کے ہوسٹل میں ہیں، مگر برائے نام، جب دیکھو یہیں موجود، غرضکہ تینوں ایک جان دو قالب کا مضمون ہیں کھیل ہے تو ساتھ، پڑھائی ہے تو ساتھ تینوں لڑکے ماشاء اللہ ہونہار، ذہین، خوبصورت، لائق، عالی خاندان، ہر سوسائٹی میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں۔

ظفر کی متین سنجیدہ گفتگو علمی مباحثے، صفدر کے پاکیزہ مذاق اور لطیفے نشاط کے دلکش نغمے ہر ایک کو مسحور کر لیتے ہیں۔

نشاط گو ظفر جیسے خوبصورت نہیں، نہ صفدر جیسے چلبلے اور بذلہ سنج، تاہم شکل میں اتنی رعنائی اور گفتگو میں اتنی دلکشی ضرور ہے کہ پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، اور خاص طور پر قدرت نے آواز ایسی سحر کار دی ہے کہ کنگ آف سونگ کا خطاب اُنکے احباب اور کلاس فیلو اُن کو دے چکے ہیں، یہی نہیں بلکہ موسیقی کی نمائش میں جہاں ولایت کے اعلیٰ ماہران فن جمع تھے، نشاط سے صرف ایک پیرس کی نازنین ہی بازی لے جا سکی، اور دوسرے نمبر کا تمغہ نشاط کو دیا گیا، ٹینس کے زبردست کھلاڑی ہیں، وہ اور ظفر جنگ کیمبرج ٹیم کے مشہور

کھلاڑی ہیں اور نمایاں طور پر کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں۔

اچھے چال چلن اور پاکیزہ اخلاق کی بدولت بڑے بڑے لوگ ان لڑکوں سے محبت و تواضع سے پیش آتے تھے، اب بھی نشاط ٹیم کے ساتھ پیرس کھیلنے گئے ہوئے تھے، ظفر کو موسمی رد و بدل کے باعث حرارت ہو گئی تھی، اس لئے نہ جا سکے، صفدر اول تو ٹینس کے اچھے کھلاڑی نہیں دوسرے بھلا ظفر کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جاتے، اس وقت ظفر مسہری پر دراز ہیں، صفدر قریب ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، حسین و ماہوش تھیوڈورا بھی دوسری کرسی پر بیٹھی ہے، اُس کو ابھی آئے ہوئے دوسرا دن ہے، ماشاءاللہ غضب کا نکھار ہے، سُرخ رنگ کا گاؤن زیب تن ہے، ایسی ہی ٹوپی ہے، کانوں میں ایک ایک یاقوت کا بُندا ہے، دائیں ہاتھ میں سُرخ بلوری دو چوڑیاں ہیں، بائیں ہاتھ میں رسٹ واچ ہے، اس کافرادا کے حسن کو دیکھکر اس وقت بڑے بڑے زاہدانِ صد سالہ اپنی عبادت کو چھوڑ کر اس کا ہی کلمہ پڑھنے لگیں، تینوں بیٹھے ہوئے موسمی تغیر و تبدل کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔

صفدر۔ بھئی واہ یہاں ہر موسم میں نرالی بہار ہے۔

ظفر۔ ابھی کیا آئندہ ماہ میں دیکھنا کیا جوش لالہ و گل ہوتا ہے۔

تھیوڈورا۔ کیوں! پیارے بھائی آج تو آپ کی طبیعت درست ہے۔

ظفر۔ (مسکرا کر) پیاری تھیوڈورا جب تم جیسا تیماردار ہو تو بیماری کہاں رہ سکتی ہے۔

تھیوڈورا۔ واہ آپ تو مجھے بناتے ہیں، میں نے کیا تیمارداری کی، سچ کہتی ہوں، ہندوستان میں اتنے روز برابر آپ کو یاد کرتی رہی۔

ظفر۔ میں بھی تم کو بہت یاد کرتا تھا، صفدر کی طرف اشارہ کر کے اگر یہ نہ آجاتے تو یقیناً میں بہت پریشان رہتا، کیوں تھیوڈورا تم اُن سے مل کر خوش ہوئیں نا؟

تھیوڈورا۔ (مسکرا کر) کیوں نہیں یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں، آپ نے جتنی تعریف کی تھی اس سے کہیں زیادہ، مجھے ان کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔

ظفر۔ اور وہ دوسرے صاحب جو ٹیم کے ساتھ گئے ہوئے ہیں وہ گاتے بہت عمدہ ہیں، تم ہمیشہ مجھ سے گانے کی فرمائش کرتی تھیں، اب نشاط کا گانا سننا۔

تھیوڈورا۔ اچھا آپ سب صاحب اہی ہمہ صفت موصوف ہیں۔

صفدر۔ نہیں صاحب بندہ تو اس قابل نہیں، ہاں ان کی خواہ کتنی تعریف کیجئے۔

ظفر۔ کیوں آخر تم اتنے بیزار کیوں ہو؟

صفدر۔ (فارسی میں) اس لئے کہ میں مسوں سے تعریف کرانا نہیں چاہتا۔

ظفر۔ (مسکرا کر فارسی میں) تم بھی عجب آدمی ہو، گھڑی دیکھکر سات بج چکے، نشاط اب آتے ہی ہوں گے۔

صفدر۔ کیا کوئی اطلاع آئی ہے۔

ظفر۔ ہاں ابھی پروفیسر صاحب کہتے تھے، ذرا لائٹ کھول دو۔

صفدر۔ (لائٹ کھولتے ہوئے) بس تم موقعہ بے موقعہ حکم کرتے رہتے ہو، مجھکو خادم سمجھ رکھا ہے۔

ظفر۔ (مسکرا کر) جو بھی تم خیال کرو، قدم کی آہٹ سے نظر اٹھا کر، ہیلو نشاط آ گئے۔

نشاط۔ (معانقہ کرتے ہوئے) طبیعت اب کیسی ہے، مجھے تمہارا فکر رہا۔

ظفر۔ معمولی حرارت تھی، کمبخت جانے کے وقت ہی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ میرا خود خیال اور دل ٹیم کے ساتھ تھا، روزانہ اخبار دیکھتا رہتا تھا، دوست مبارک ہو کہ تمہاری بدولت ٹیم جیت گئی، ورنہ پیرس نے تو ہرانے میں کمی نہ کی تھی۔

نشاط۔ اُف کیا پوچھتے ہو، ایک سے زیادہ ایک تیز، اور اِدھر لے دے کر ایک ہیں اور چارلس اور ربین، بس سب بلا ہم تین کے سر آ پڑی، ورنہ اور سب تو جانگلو ہی ہیں۔ تمہارے نہ ہونے نے بہت کام خراب کر دیا تھا، بمشکل ہم نے سنبھالا ہے۔

صفدر۔ ایسے خوشی میں میاں صاحب آئے ہیں کہ ملنا بھی بھول گئے۔

نشاط۔ دوڑ کر صفدر سے لپٹ گیا، گرمجوش معانقے کے بعد جب دونوں جدا ہوئے تو

ظفر نے کہا دیکھو نشاط یہ ہیں میری بہن تھیوڈرا جوزف۔

نشاط نے خیال نہ کیا تھا کہ ہم تینوں کے علاوہ کوئی اور چوتھا بھی اس کمرے میں ہے ظفر کے کہنے سے تحیّر کے انداز میں نظر اُٹھائی تو مسہری کے دوسری جانب تھیوڈورا کی موہنی اور حسین صورت نظر آئی جس نے ایک شیک ہینڈ کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

نشاط نے بے اختیارانہ ہاتھ ملایا، مگر شکل دیکھتے ہی معاً ایک برقی رو اُن کے جسم میں دوڑ گئی اور بجائے مزاج پرسی کے وہ ایک مبہم آہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئے، اور ساکت و صامت اس حسن کی مورت کو نظر غور سے دیکھتے رہے۔

اس کا خیال بھی نہ رہا کہ یہ اجنبی دوشیزہ یا میرے دوست اس کی بابت کیا خیال کرینگے، ظفر نے یہ رنگ دیکھا اور سمجھ گئے دال میں کچھ کالا ہے، کہنے لگے ارے میاں خیر ہیت تو ہے۔

نشاط۔ (چونک کر) ہاں اس وقت مجھے کچھ چکر سا آگیا۔

صفدر۔ ہونھ چکرا گئے نا؟ دیکھ کر۔

نشاط۔ اچھا دوستو! اب رخصت، صبح ملیں گے، بغیر اسباب دیکھے ہوئے ہی ادھر چلا آیا (گھڑی دیکھکر) ڈنر ٹائم میں بھی اب بیس منٹ باقی ہیں، خدا حافظ اب صبح کالج ٹائم سے پہلے یا پھر کل شام کو ملیں گے۔

ظفر۔ (فارسی میں) کتنے بے تہذیب ہو مس جوزف کی مزاج پرسی بھی نہ کی، اپنے دل میں وہ کہے گی کہ ہندوستانی بھی بہت بے تہذیب ہوتے ہیں۔

نشاط۔ ارے ہاں میں بھول گیا، تھیوڈورا کی جانب سر کو قدرے خم کر کے معاف کیجئے مس جوزف میں اس وقت اپنے اضطرار سے کوئی اچھا آدمی ثابت نہ ہو سکا۔ آپ میرے اس رویّے سے ناراض تو نہیں ہو گئیں۔

تھیوڈورا۔ نہیں نہیں آپ کچھ خیال نہ کریں، میں اتنی مغرور نہیں کہ ذرا سی بات کا بُرا مان جاؤں، اس وقت آپ سفر سے آرہے ہیں اور قابلِ معافی ہیں۔

نشاط۔ شکریہ مس جوزف، مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی، قدرت نے اچھی صورت کے ساتھ فیاضی سے کام لیتے ہوئے آپ کو سیرت بھی بہت اچھی دی ہے، اور حسینوں کی طرح آپ کج خلق نہیں ہیں، (سر کو خم کر کے تبسم آفریں لہجے میں) کیا اجازت ہے؟

تھیوڈورا۔ ہاں جائیے آپ آرام کیجئے، میرے متعلق جو آپ نے اپنی رائے کا اظہار کیا اس کا شکریہ، یہ تو آپ کا اخلاق ہے، میں کس قابل ہوں۔

نشاط۔ گڈ نائٹ دوستو! کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

نشاط کے جانے کے بعد تھیوڈورا نے کہا، بھائی میں بھی اب صبح تک کیلئے آپ سے رخصت ہوتی ہوں، ایلیس نے کھانے پر بلایا ہے۔

ظفر۔ (انگلش میں) شب بخیر پیاری تھیوڈورا۔

تھیوڈورا۔ شب بخیر پیارے بھائی، شب بخیر صفدر صاحب، کہتے ہوئے چلدی۔

تھیوڈورا کے جانے کے بعد ظفر نے کہا غضب ہو گیا بھئی، ارے صفدر بولتے کیوں نہیں؟

صفدر۔ (بڑبڑاتے ہوئے) تمہارا کیا ہے، میاں جس رنگ میں خود ہو چاہتے ہو ویسے ہی سب ہو جائیں، جان کر بہن بنایا، اب کہتے ہیں غضب ہو گیا۔

ظفر۔ (مسکراتے ہوئے) تو گویا میں واہی تواہی ہوں۔

صفدر۔ اس میں شک کیا ہے؟ ایک صاحب تو اس عالم میں تھے، آج میاں نشاط بھی ہاتھ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں، اور نشاط کیا ہر شخص، اس کی صورت ہی اس بلا کی ہے، دیکھ کر فریفتہ ہو جائے گا، اگر آپ ہی ثروت کے مرید نہ ہو جاتے اور ربابہ دولت کا ڈر نہ ہوتا تو نہ معلوم کیا کرتے۔

ظفر۔ او ہو تجھے تمہارا کیا ڈر پڑا ہے۔

صفدر۔ (آنکھیں نکال کر) ہے کیسے نہیں۔

ظفر۔ مذاق چھوڑو صفدر اب ترکیب بتاؤ کیا ہو، نشاط کا رنگ بیرنگ سا ہے، پروفیسر صاحب اپنے دل میں کہیں گے کہ کیسے بد اخلاق لوگ ہیں۔

صفدر۔ وہی پرانی ترکیب اور مجرب نسخہ یعنی شادی، پروفیسر صاحب کیا کہیں گے ایسے ہی شرمیلے ہیں تو اپنی بھتیجی کو پردے میں بٹھایا ہوتا، ایسی ان میں کیا شاخ زعفران ہے، نشاط کیا چوڑ اچمار ہے جوان کو بیاہ کرتے لاج لگے گی، نواب زادہ، وجیہہ، خوش اخلاق، تعلیم یافتہ، اور کیا چاہیئے۔

ظفر۔ بھئی ذرا آہستہ بولو۔

صفدر۔ تمہارا کیلا ہے میاں ہمارا دل جل رہا ہے، آؤ ذرا باہر چہل قدمی کریں، سردی ابھی زیادہ تو نہ ہوگی، پلنگ پر پڑے پڑے دل گھبرا گیا۔

ظفر۔ (اور کوٹ پہنتے ہوئے) چلئے جناب۔

نشاط یہاں سے دل پر چوٹ کھائے نکلے تو تن بدن کا ہوش نہ تھا، کھانا بھی نہ کھایا بستر پر جا پڑے اور رات کا زیادہ حصہ آنسو بہاتے گزارا۔ لاکھ دل کو سمجھاتے تھے کہ یہ خیال ہٹ جائے، تاکہ اخلاق پر دھبہ نہ آئے، لیکن دل کسی سے صلاح کرکے نہیں آیا کرتا۔

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے!

صبح شب بیداری کے باعث جسم میں درد تھا، آنکھیں جل رہی تھیں، سر بوجھل تھا، اس حالت میں پڑھائی کیا خاک ہوتی، بیماری کا عذر کئے پڑے رہے، بریکفسٹ بھی اپنے کمرے میں ہی کھایا۔

شام کو ٹہلنے نکلے تو ایک عالم بے خبری میں خدا جانے کہاں سے کہاں جا نکلے ایک موٹر کے ہارن نے چونکا دیا تو دیکھا آفتاب اپنے آشیانے میں واپس جا چکا ہے اور شام

کا دھندلکا جا رہا ہے، واپس پھرے، کالج پہونچتے پہونچتے کھانے کا وقت ہو چکا تھا، بادلِ ناخواستہ میز پر جا بیٹھے، ان کی اس پریشان صورت اور وحشی انداز کو دیکھکر ہر کلاس فیلو نے مزاج پرسی کی اور سوالات کئے، کیا بیمار ہو، کوئی خانگی معاملہ ہے؟ کوئی خاص وجہ ہے؟ بیچارے نشاط ہر ایک سے درد سر کا عذر کرتے کرتے پریشان ہو گئے، کھانا ختم کرنا مشکل ہو گیا، جس طرح بنا کھانا ختم کیا اور پھر بستر پر آن پڑے، دل طائرِ نو گرفتارِ قفس کی طرح سینے میں تڑپ رہا تھا اور کسی پہلو قرار نہ تھا، یہ رات بھی وحشت میں گذری ذوق نے جو شب ہجر کا مضمون باندھا ہے، وہ سب نشاط کے لئے اسی رات کو صحیح تھا علی الصبح وہ کالج کے باغ میں گھاس پر آ کر بیٹھ گئے اور آہستہ سروں میں اس شعر کو ادا کرنے لگے۔

حاصلِ دل بکہ گویم عجب من غمے دارم
نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم

صفدر جو ان کی تلاش میں آئے تھے الاپ کی آواز سن کر ادھر پلٹ پڑے، وہ سر پر پہونچ گئے مگر نشاط گانے میں محو رہے، جب صفدر سامنے جا کر بیٹھ گئے تو نشاط نے ان کو وحشت زدہ نظروں سے دیکھا اور خاموش ہو گئے۔

صفدر۔ کیوں نشاط کیا معاملہ ہے مجھے تو تم کچھ بیمار معلوم ہوتے ہو۔

نشاط۔ نہیں تو میں بالکل اچھا ہوں۔

صفدر۔ خاک اچھے ہو، چہرے کا رنگ تو اڑا ہوا ہے۔

نشاط۔ اس مرتبہ کھیلنے میں کئی بار چوٹ لگی، تمام جسم میں درد سا رہتا ہے، شاید یہ وجہ ہو۔

صفدر۔ کھیل بیچارے کا نام کیوں بدنام کرتے ہو، وہاں سے تو خاصے بھلے چنگے آئے تھے، یہاں کی چوٹ کے بعد سے کہو تو ہاں ایک بات بھی ہے۔

نشاط۔ (ٹال کر) بھائی ظفر کہاں ہیں؟

صفدر۔ وہیں کوٹھی میں ہیں اور کہاں ہوتے۔
نشاط۔ تم کیسے یہاں آ گئے۔
صفدر۔ کیوں آپ کیا خدائی فوجدار ہیں، آ گئے ہمارے دل کی خوشی، تم تو دو دن سے جاکر پھرے بھی نہیں، ہم بھی نہ آتے، کل کالج ٹائم میں بھی نہیں ملے۔
نشاط۔ ہاں میرے سر میں اور جسم میں بہت درد تھا، اس لئے تمام دن بستر پر پڑا رہا
صفدر۔ ہم تو حضور کی مزاج پرسی کو سہ پہر میں حاضر ہوا تھا، لیکن سرکار کا کمرہ بند تھا، معلوم ہوا باہر تشریف لے گئے ہیں، شب کو پھر آتا لیکن نجفیہ ڈور کی ایک سہیلی کھانے پر مدعو تھیں، شام ہی سے نازل ہو گئی تھیں، میرا اور ظفر کا دماغ چاٹ رہی تھیں۔
نشاط۔ ہاں ذرا ہم ٹہلنے چلا گیا تھا۔
صفدر۔ پھر تم کو کھانے پر بلوانا چاہا تھا، لیکن کالج کے ڈنر کا ٹائم ہو گیا تھا اس لئے خاموش ہو جانا پڑا۔
نشاط۔ ہوں ٹھیک ہے۔
صفدر۔ کیا ٹھیک ہے، میاں یہ تمہارا انداز کیا ہے مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم مجنوں کے بھی قبلہ و کعبہ بن گئے ہو (گاتے ہوئے مسخرے پن سے)

تم وہ مجنوں ہو کہ مجنوں بھی تمہیں
لکھتا ہے القاب میں قبلہ و کعبہ!

نشاط کا دل بھرا ہوا تھا، صفدر کے اس طرح مذاق اڑانے پر آنکھوں کے ساغر ابل پڑے اور آنسو رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔
صفدر۔ رونے کی کیا بات ہے، اللہ مالک ہے، اگر ہم زندہ ہیں تو انشاءاللہ نجفیہ ڈور تمہاری ہے۔
نشاط۔ (آنسو پونچھ کر) نہیں صفدر یہ بات نہیں ہے، تم کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے

مجھ کو تو نہ معلوم کیا خیال آ گیا تھا۔

صفدر۔ چہ خوش، گویا ہم مسخرے ہیں، جو مذاق کرتے ہیں، اور تہمت تراشتے ہیں، ارے صاحب ہم تو اڑتے جانور کے پر گنتے ہیں، بندہ نواز آپ ہیں کس خیال میں واللہ اپنی حالت درست کرو، ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔

نشاط۔ درد بھرے لہجے میں۔

جا کر تو کھیل کسی دل ربا کے ساتھ
نہ چھیڑ چھاڑ کر دل درد آشنا کے ساتھ

صفدر۔ جناب بندے کو تو اس اعزاز سے معاف ہی رکھیں، کوئی دل ربا ہی نہیں جو کسی سے جا کر کھیلیں، یہ مشغلے آپ کو ہی مبارک رہیں۔

نشاط۔ (گھڑی دیکھ کر) اُف اب بریکفسٹ ٹائم میں نصف گھنٹہ باقی ہے، میں نے شیو کیا نہ غسل کیا، اچھا خدا حافظ، انشاء اللہ شام کو ملیں گے۔

صفدر۔ بہت بہتر۔

نشاط نے واپس آ کر غسل کیا۔ بریکفسٹ کھا کر لکچر سننے کی تیاری کرنے لگے شام کو چائے کے بعد انھوں نے پروفیسر صاحب کی کوٹھی کا راستہ لیا، لیکن ظفر کا کمرہ بند پا کر وہ کوٹھی کے دوسرے حصے میں گئے، سامنے برآمدے میں ماہوش نھیوڈورا کرو شیاسے لیس بنانے میں مشغول تھی، ایک ساتھ دونوں کی نظریں اٹھیں، اور تھیوڈورا بولتے کہا آئیے آئیے مسٹر نشاط۔

نشاط۔ (شیک ہینڈ کرتے ہوئے) کیا آپ کو معلوم ہے، ظفر و صفدر کہاں گئے ہیں، تھیوڈورا۔ ابھی ابھی ان کو چارلس پکڑ کر لے گئے ہیں، بلا صفدر صاحب نے کہا بھی کہ نشاط آتے ہوں گے، انھوں نے نہ مانا، کہا ابھی آ جائیں گے، کہیں ٹہلنے گئے ہیں۔

نشاط۔ اور آنٹی پروفیسر صاحب کہاں ہیں؟

تھیوڈورا۔ آنٹی زکام ہو جانے کے باعث اپنے بیڈ روم میں ہیں اور انکل ابھی کالج کرکیٹ میچ کی مشق دیکھنے چلے گئے ہیں۔ (کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھئے) اس دن کے بعد آپ کو دیکھا ہی نہیں۔

نشاط اپنی پری جمال محبوبہ کو تنہا پا کر بیٹھ گئے، تاکہ کچھ دیر اس کے دلفریب حسن اور دلکش باتوں کا لطف اٹھائیں۔

تھیوڈورا۔ (نشاط سے، جو دزدیدہ نظروں سے اس گلشن حسن کی گلچینی کر رہا تھا) مسٹر نشاط میں نے سنا ہے آپ فن موسیقی کے ماہر ہیں، کیا آپ مجھے بھی گانا سنائیں گے۔

نشاط۔ مس جوزفٹ ہاں میں کچھ گانا جانتا ہوں لیکن ایسا ماہر نہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے، ظفر محض محبت کی بنا پر اس قدر تعریف کرتے ہیں۔

تھیوڈورا۔ خیر اس کا اندازہ تو بعد میں ہوگا، پہلے آپ سنائیں تو۔

نشاط۔ آپ کے حکم کی تعمیل بسر و چشم۔

تھیوڈورا۔ تو چلئے ڈرائنگ روم میں چلیں۔

نشاط۔ (اٹھتے ہوئے) بہت بہتر۔ ڈرائنگ روم میں آکر وہ پیانو کے قریب جا بیٹھے، اور تھیوڈورا بھی قریب کی ایک نازک مخملی کرسی پر بیٹھ گئی۔

نشاط نے پردوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا، کیا گاؤں، آپ اردو سمجھیں گی نہیں اور مجھ کو اردو گا کر لطف آتا ہے۔

تھیوڈورا۔ نہیں میں اردو بخوبی سمجھ لیتی ہوں جب میں چھوٹی تھی تو میری آیا ہندوستانی تھی، میرے والد ہندوستانی رجمنٹ میں کرنل تھے، زیادہ ہندوستان میں رہی ہوں اب بھائی بھی ہندوستانی کمپنی میں بڑے ہو کر میں نے اپنے شوق سے چند کتابیں اردو کی پڑھی ہیں، اردو کتابیں میں پڑھ لیتی ہوں اور ٹوٹا پھوٹا لکھ بھی سکتی ہوں۔

نشاط نے حیرت سے تھیوڈورا کی گفتگو کو سنا، جو بالکل فصیح اردو بول رہی تھی

اور پھر کہا ماشاء اللہ آپ تو خوبیوں کا مجسمہ ہیں، آپ کے منھ سے اردو کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے، در اصل اردو کی خوبیاں نسوانی لہجے میں دوگنی ہوجاتی ہیں، آپ بولتی ہیں یا جادو کرتی ہیں۔

نجبو ڈورا۔ (شوخی کے انداز سے) جی بس میں اپنی تعریف نہیں سنتی، آپ شروع کیجئے۔

نشاط۔ بہت بہتر، سر وں کو تیز کر کے اپنے مخصوص سحر آفریں انداز سے، نجبو ڈورا کو دیکھتے ہوئے غالب کی مشہور غزل الاپنے لگے۔

اک نو بہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے
کرتے ہیں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

یہ پوری غزل انھوں نے دل کش انداز سے ادا کی اور چونکہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے ان کو صاف کرنے کے لئے پیالو نے ہاتھ اٹھایا۔

نجبو ڈورا۔ واہ نشاط صاحب آپ تو کہتے تھے میں اچھا گانا نہیں جانتا، خدایا آپ کا گانا ہے یا جادو، روح تک کھینچ لیتے ہیں، ایں آپ رو کیوں رہے ہیں؟

نشاط۔ اپنے گانے سے میں خود اس وقت متاثر ہوگیا (مسکرا کر) آپ خیال نہ فرمائیں۔

نجبو ڈورا۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو مجھ کو ایک ہندی گیت سنائیں، مجھ کو وہ بہت پسند ہیں۔

نشاط۔ ہندی گیت واقعی بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں، لیکن تنہا میں اچھی طرح ادا نہ کر سکوں گا، اگر آپ میرا ساتھ دیں تو بیشک آپ کو سناؤں گا۔

نجبو ڈورا۔ واہ میں گانا کیا جانوں۔

نشاط۔ آپ اور گانا نہ جانیں، جس کی باتوں میں بھی موسیقی کا مزا آتا ہے۔

نجبو ڈورا۔ نشاط صاحب آپ بنانے بہت اچھی بھلا یہ بھی کوئی بات ہے

نشاط۔ اب آپ خفا ہو گئیں، جلنے دیجئے، اب کچھ نہ کہوں گا۔

چند منٹ سکوت رہا، اور نشاط نے کہا اجازت ہے اب جانے کی۔

تھیوڈورا۔ آپ گانا جب تک نہ سنائیں گے جانے نہ پائیں گے۔

نشاط۔ زہے قسمت گانے کی بدولت یہاں سے جانا نہ ملے گا، جب تو اور بھی نہ جاؤں گا۔

تھیوڈورا۔ (ادائے دلفریب سے مسکرا کر) آپ کتنے شریر ہیں، سنا دیجئے نا؟

نشاط۔ شرط یہی ہے آپ بھی ساتھ دیجئے۔

تھیوڈورا۔ اچھا میں کوشش کروں گی۔

نشاط۔ تو بندہ بھی تعمیل حکم کرے گا۔

آواز نکالتے ہوئے، کہئے،

تم میرے ہو ساجن، تم میرے

تھیوڈورا کی مرتعش پیاری آواز گونج اٹھی۔

تم میرے ہو ساجن، تم میرے

جوانی نغمہ اور حسن گویا شراب برس رہی تھی، دو پر شباب ہستیوں کی شیریں آواز، ایسا معلوم ہوتا تھا کیوپڈ و سائکی نے پھر دنیا میں قدم رکھا، نشاط اپنی محبوبہ کے ساتھ مل کر گانے سے کیا محسوس کر رہے تھے، یہ چیز لفظوں میں نہیں سما سکتی، گا رہے تھے اور گائے جا رہے تھے، جھوم رہے تھے اور وجد کر رہے تھے، اس سے قبل کبھی انھوں نے ایسا نہ گایا تھا۔ یہ ہنگامہ بپا تھا کہ صفدر، ظفر اور چارلس آئے، دلکش نغمے کی آوازیں کانوں میں تیرنے لگیں۔

صفدر۔ اوہو معاملہ بڑھ گیا ہے سنتے ہو میاں ظفر یہ کیا ہو رہا ہے۔

چارلس۔ اردو سے ناواقف کہنے لگے، او اردو میں کیا کہتا ہے۔

ظفر۔ جی وہ ایک پرائیویٹ بات تھی؛ یہ کہہ کر ان کو رخصت کر کے دونوں ڈرائنگ روم

کی جانب آئے۔

صفدر۔ (آگے بڑھکر) میں آسکتا ہوں؟

نشاط تو اس وقت اس قدر محو تھے کہ سنا ہی نہیں، جھبوڈورا نے البتہ سن لیا اور کہا تشریف لائیے نہ صفدر صاحب.

صفدر کے شرارت بھرے چہرے کو دیکھکر نشاط خاموش ہوگیا.

صفدر۔ اجی حضرت یہ کیا، تانسین بنے ہوئے ہو، ہمارے آتے ہی خاموش ہوگئے، اگر آنا ناگوار ہوا تو چلے جاتے ہیں۔ یہ ساری گفتگو فارسی میں تھی، اس لئے جھبوڈورا نہیں سمجھیں.

نشاط سر جھکا کر خاموش ہوگئے.

جھبوڈورا۔ (ظفر سے) بھائی یہ آپ کے دوست تو غضب کا گاتے ہیں، میں ان کا گانا کبھی نہیں بھول سکتی.

ظفر۔ (مسکراکر) ہاں یہ تو کنگ آف سونگ ہیں، پر پیاری جھبوڈورا تم بھی تو ہندی گانوں کی ماہر نکلیں، میں نے دور سے تمہاری رسیلی آواز سنی، کتنا اچھا گاتی ہو.

نشاط۔ بھائی ظفر چلئے، اپنے کمرے میں چلیں.

صفدر۔ تو یہاں کون آپ کو کاٹ رہا ہے، کیا پرائیوٹ معاملہ ہے.

نشاط۔ اس وقت بہت جھینپ رہے تھے کھڑے ہوگئے کہنے لگے اچھا تو پھر کل ملوں گا.

ظفر۔ اے اب وحشت کیا ہے، ادھر بیٹھو، کہاں چلے؟

نشاط۔ تو پھر آپ دونوں میرے ساتھ ہی چلئے نہ.

ظفر کا ہاتھ پکڑکر اٹھالیا، جھبوڈورا سے گڈ نائٹ کہہ کر نکلے، ظفر و صفدر بھی ہمراہ گئے، کالج کے اور چند لڑکے بھی مل گئے، اس لئے میاں صفدر کو نشاط کے بنانے کا موقعہ نہ ملا، کھانے کے وقت واپس آگئے، جھبوڈورا سے ملنے کے بعد نشاط کی وحشت قدرے کم تھی.

دوسرے تیسرے روز ملنا ہو جاتا تھا، رفتہ رفتہ ملاقاتیں طویل ہو رہی تھیں نشاط تو خیر پہلے ہی دن سے اسیر دام محبت ہو چکے تھے، پر اب بھیو ڈورا بھی محسوس کر رہی تھی کہ نشاط سے اس کے دل کو غیر معمولی لگاؤ ہے، لیکن ابھی تک دونوں جانب سے پوری احتیاط کے ساتھ پردہ داری کی جا رہی تھی، مگر کب تک، یہ راز حافظ شیرازی کے قول کے مطابق دو محبت بھرے دلوں کے لئے راز تھا۔

دگرنہ عاشق و معشوق راز دار آنند

پینگیں بڑھتے دو ماہ ہو چکے تھے، نشاط جو آج موسمی کیفیات سے متاثر تھے پروفیسر صاحب کی کوٹھی آئے، ظفر و صفی کو نہ پایا، واپس جا رہے تھے کہ راستے میں بھیو ڈورا ملی جو اپنی کسی سہیلی کو پہنچا کر گھر واپس آ رہی تھی، نشاط محبوبہ کو آتے دیکھکر ٹھٹھک گئے، انگلش قاعدے کے مطابق باڈی کے گھر پہنچانے کے لئے ساتھ ہو لئے، کوٹھی پہنچکر کہنے لگے اجازت ہے جاؤں؟

بھیو ڈورا۔ کیا کسی دوست سے ملنے جا رہے ہیں۔

نشاط۔ افسوس ہے میرا کوئی دوست نہیں ہے۔

بھیو ڈورا۔ لیکن میں بھی آپ کی دوست نہیں ہوں؟

نشاط۔ بھلا میں اس قابل کہاں کہ آپ سے دوستی کر سکوں، آپ کی نوازش ہے جو بات کہہ لیتی ہیں۔

بھیو ڈورا۔ کیوں، آپ سوسائٹی میں کتنے مشہور ہیں، پھر بھی خدا کی ناشکری کرتے ہیں دوستی کے قابل کیوں نہیں ہیں؟

نشاط۔ (آہ سرد لے کر) بھیو ڈورا اب اس قصے کو جانے دو، معاف کرنا میں نے تمہارا نام آج بے تکلفی سے لیا ہے۔

بھیو ڈورا۔ مضائقہ نہیں، ہم آپس میں دوست ہیں، نام لینے سے کیا حرج ہے، لیکن آپ افسردہ کیوں رہتے ہیں بتلایئے؟

نشاط۔ یہ پوچھ کر کیا کرو گی؟ ٹھیوڈورا میری قسمت میں یہی لکھا ہے۔
ٹھیوڈورا۔ یہ کیا معمہ ہے، بتلایئے تو۔
نشاط۔ اگر میں بتاؤں گا تو آپ مجھ سے بات بھی نہیں کریں گی، اور بدترین انسان خیال کریں گی۔
ٹھیوڈورا۔ واہ تو آپ مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے جو ایسا کہتے ہیں۔
نشاط۔ تو پھر تھیوڈورا میری افسردگی کا باعث تم ہی ہو۔
ٹھیوڈورا۔ (حیرت سے) میں، میں نے آپ کو افسردہ کس طرح سے کیا ہے۔
نشاط۔ آہ تم نے نہیں ٹھیوڈورا، تمہاری اداؤں نے تمہاری حسین صورت نے میرا سب کچھ لے لیا، مجھے بالکل لوٹ لیا، آہ میں کتنا برا ہوں، یہ باتیں مجھے کہنی نہ چاہئیں تھیں، مگر خیر تم نے اصرار کیا اور میں اس راز کو چھپا نہ سکا۔
ٹھیوڈورا۔ (نیچی نظر کرکے) نشاط تمہارا خیال غلط ہے، میں اس بازی میں نقصان سے ہاری ہوں، میرا نازک دل تمہارے قبضے میں ہے۔
نشاط۔ (مسرت بھرے لہجے میں) واللہ میں ایسا خوش نصیب ہوں، کیا یہ سچ ہے مجھے اپنے کانوں پر اعتماد نہیں۔
ٹھیوڈورا۔ یہ سب صحیح ہے، میں تم کو اپنا دل دے چکی ہوں۔
نشاط۔ پیاری تھیوڈورا آہ تم کتنی دل کش، کتنی پیاری اور مہربان ہو (اس کا سفید نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) اب یہ خوبصورت ہاتھ میرا نا؟
ٹھیوڈورا۔ ہاں پیارے تمہارے دلکش نغموں نے میری روح کو تاروں پر کھینچ لیا۔ تم نے مجھے موہ لیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھ پر جادو کر دیا (بھولے پن سے) سچ بتاؤ کیا تم جادوگر ہو۔
نشاط۔ نہیں ڈارلنگ، سچی محبت بھی ایک جادو ہے۔

تھیوڈورا۔ اب میں تمہاری ہوں نشاط، تمہارے بغیر مجھے یہ وسیع دنیا بیکار نظر آتی ہے، لیکن اب تم بیوفائی نہ کرنا۔

نشاط۔ سب سے بیگانہ ہوئے دوست آشنا سا تیرا: جو پیر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

ایسی پیاری صورت پر فریفتہ ہونے کے بعد کون بدنصیب ہوگا جو اور خیال کریگا، یہ کہتے ہوتے اپنے ہاتھ سے الماس کی بیش قیمت انگشتری نکال کر تھیوڈورا کو پہنادی اور ہاتھ کو فرط محبت سے چوم لیا

تھیوڈورا نے سرخ گلاب کا پھول اپنی ٹوپی سے نکال کر نشاط کے کوٹ میں لگادیا اور کہا اچھا شب بخیر پیارے۔

نشاط نے محبت سے ہاتھ دبایا اور کمرے سے نکل گیا۔

آیا اس وقت وہ رنجیدہ افسردہ تھا، چلا مسرت و خوشی کا خزانہ لئے ہوئے، ابھی وہ کوٹھی سے نکلا ہی تھا کہ ظفر و صفدر آتے نظر پڑے، پروفیسر صاحب بھی ساتھ تھے، ظفر تو مع پروفیسر صاحب کے سلام کرتے ہوئے اندر چلے گئے، صفدر ٹھٹک گئے اور کہا میاں کیا معاملہ ہے، بڑے خوش نظر آرہے ہو

نشاط۔ کیوں بتائیں نہیں بتلاتے۔

صفدر۔ نہ بتاؤ ہم کو خود معلوم ہو جائے گا۔

نشاط۔ بات یوں ہے کہ ہماری منگنی تمہاری بہن تھیوڈورا سے ہوگئی۔

صفدر۔ تو پھر خدا ہم کو مبارک کرے، لیکن یہ منگنی کیسی، دونوں نے بہت رسم تو کی نہیں، اوپر والوں کو خبر بھی نہیں۔

نشاط۔ ہشت ہم یہ نہیں جانتے۔

صفدر۔ (ہلکا سا طمانچہ نشاط کے مار کے) ہم کو سلام کرو، بڑے سالے ہیں۔

نشاط۔ بہت اچھا حضور مودبانہ، تین تسلیمات کرکے ہنستے ہوئے چل دیئے۔

۲۰

سیاہ اور اودی گھٹائیں، دلوں کی سیاہ کوٹھڑی کو تاریک کرتی ہیں۔ دوڑ رہی ہیں بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک نے دلوں کو ہلا دیا ہے، قمری مہینے کی آخری تاریخیں ہیں، سیاہ اور ڈراونی رات اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہے، اس وقت ہوا کے ایک بیباک جھونکے نے بیرسٹر صاحب کے بیڈ روم کے مشرقی دروازے کے پٹ سے پٹ کھول دیئے، ہوا نے نہایت جرات اور عجلت سے بیرسٹر صاحب کی نئی ناز آفریں بیوی ناز بیگم کے سر کا آنچل شانے پر سے نیچے گرا دیا۔

ناز بیگم یعنی بیرسٹر صاحب کی نئی بیوی وہی لکھنؤ کی بیگم ہیں جن کا پہلے کسی باب میں ملکہ بیگم نے ذکر کیا تھا، ہفتے کے اندر ہی اندر ان کا عقد بیرسٹر صاحب سے ہو گیا تھا، اب اس بات کو بھی چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے، ناز بیگم کی ماں بادشاہ بیگم بھی ان کے ساتھ ہی آئی تھیں انھوں نے کہہ دیا تھا میری بچی اکلوتی ہے، میں اس کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی، ناز بیگم کے حسن کا بیان ہمارے بس کی بات نہیں لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اس کے سیاہ بل کھائے ہوئے لانبے بال، شاندار اونچی پیشانی، اس کی دراز ابروئیں، بڑی بڑی سیاہ غلافی آنکھیں، ستواں ناک، انار کے دانے جیسی بتیسی، پھول کے سے رخسار، لانبی صراحی دار گردن، آفتابی چہرہ مناسب قد، سڈول اور گدرانہ بدن، اگر سب سے نہیں تو ہزاروں سے بہتر تھا اگر اس کی

تمام بناوٹ چہرے میں کوئی عیب تھا تو یہ اُس کا دہانہ قدرے بڑا تھا، جو ہنستے وقت ذرا بد نما لگتا ۔

مگر اتنی خوبیوں کے ہوتے اگر یہ نقص تھا تو اس کو کون دیکھتا ہے، لیکن اس کی حرکات سکنات دل کی بے جگری اور خونخواری کا پتہ دیتی تھیں، جہاں وہ حسن کاملہ کی مالکہ تھی وہاں وہ شعلۂ حسن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی پتھر کا نہیں بلکہ آگ کا دل رکھتی تھی، اگر ایک طرف اُس کا حُسن عالم سوز سخت سے سخت دل کو موہ لینے کے لئے کافی تھا، تو دوسری طرف اُس کے سخت دل کو کسی متنفس کو گزند پہونچانے میں باک نہ تھا، اس کے نازک جسم میں بہت کرخت دل تھا، اور دلکش اندازوں میں شقاوت قلبی پوشیدہ تھی، پڑھی لکھی بالکل نہ تھی، اور جہالت نے ہی شاید اس کو تیرہ باطن کر دیا تھا، بیرسٹر صاحب کو آڑا پاجامہ پسند نہ تھا لیکن نازبیگم کو غرارے سے چڑ تھی، وہ زیادہ تر گھر میں آڑا پاجامہ ہی پہنتی ہاں البتہ باہر آنے جانے میں ساڑی پہن لیتی تھی، چنانچہ اس وقت بھی نازبیگم سبز ساٹن کا چست اُریب پاجامہ پہنے ہوئے ہیں، ہلکے گلابی سلک کا کرتہ ہے اور ایسی ہی جارجٹ کا دوپٹہ ہے، جس پر خوب چوڑا لچکا لگا ہوا ہے، ہاتھوں میں ایک ایک مرصع کڑا اور سنگ ستارے کی چوڑیاں ہیں، کانوں میں یاقوت کی مچھلیاں ہیں، گلے میں جڑاؤ مالا ہے، پاؤں میں گجراتی وضع کی نازک طلائی پازیب پڑی ہوئی ہے، چونکہ ابھی نئی دلہن ہیں، پھر شوقین طبیعت، پھولوں کے زیور سے لدی ہوئی ہیں، تمام کمرہ پھولوں اور عطر کی تیز خوشبو سے طبلۂ عطار بنا ہوا ہے ۔

بیرسٹر صاحب اپنے معمولی نائٹ گون میں ہیں، لیکن خلاف عادت ان کے گلے میں بھی پھولوں کا کنٹھا ہے، جو اپنی نئی محبوب بیگم کی خاطر پہن لیا ہے، بیرسٹر صاحب کو نازبیگم کی دلکش صورت بہت پسند آئی تھی، نازبیگم نے دلفریب انداز سے بیچارے سیدھے سادھے بیرسٹر صاحب کو بالکل موہ لیا ہے، وہ اپنی بہن کے مشکور ہیں، جو ایسی حسن کی

دلہوی سے شادی کرادی، بیرسٹر صاحب بیگم کو تقریباً وہ بھلا چکے ہیں، اس وقت بھی خلوت میں ناز بیگم حسب معمول عشوۂ دلبرانہ سے کام لے رہی ہیں۔

ناز بیگم۔ (ایک ادا سے) تم جھوٹ جانو گے اگر میں یہ کہوں کہ ثروت مجھ کو ایسی ہی پیاری ہے جیسے اپنے پیٹ کی اولاد ہوتی ہے۔

بیرسٹر۔ (مسکرا کر) مجھ کو ثروت کی جانب سے فکر تھا کہ نہ جانے سوتیلی ماں آئیگی تو کیسی ہوگی اس کا خیال رکھے گی یا نہیں، لیکن خدا کا شکر ہے تم کو پاکر یہ خلش مٹ گئی، تم مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھتی ہو، مگر بیگم اب بھی اکثر میں اس کو افسردہ پاتا ہوں۔

ناز بیگم۔ تم جانو لاڈلی بچی ہے، ماں کا غم دل سے ہٹتے ہی ہٹے گا، دوسرے سہیلی بھی کوئی نہیں ہے، سنتی ہوں فرخندہ جو بہت گہری سہیلی تھیں ان کی شادی ہوگئی ہے، اکیلی گھبراتی ہے، میں برابر کی نہیں جو ہر وقت بات چیت کروں، برابر کا کوئی ہو تو ثروت کا دل بہلے، مجھے خود اس کا خیال ہے، لے ہاں خوب یاد آیا، میرا بھتیجا جانی صاحب لکھنؤ میں ہی، اس بیچارے کی ماں چھوٹا چھوڑ مری تھی، بھائی نے دوسری شادی کر لی، اس سے بے خبر ہوگئے میں نے ہی پالا پرورش کیا، آنکھوں میں آنسو بھر گئے، اب بیچارہ مجھ ماں سے جدا ہے۔

بیرسٹر۔ ایں ایں بیگم یہ آنسو کیسے؟ میں نے کیا منع کیا تھا، کل ہی لکھ کر اپنے بھتیجے کو بلا لو، مجھے تو معلوم نہ تھا تم نے ذکر ہی نہیں کیا۔

ناز بیگم۔ تمہاری بغیر اجازت کیسے بلاتی، پالے کی محبت ہے میں نے خیال کیا وہ یہاں آجائیگا تو ساتھی ہو جائیگا، ثروت کا بھی دل بہلے گا اور تم کو بھی اس کی دو روٹیاں بھاری نہ ہونگیں

بیرسٹر۔ توبہ بیگم کیسی باتیں کرتی ہو۔

ناز بیگم۔ دیکھو گے تو خوش ہوگے، اللہ قسم ایسا لڑکا ہے کہ آج کل کے زمانے کی لڑکیاں بھی اس پر قربان۔

بیرسٹر۔ (مسہری پر دراز ہو کر) صبح ہی خط لکھ دینا بلانے کا۔

ناز بیگم ۔ (لعبدانہ انداز انگڑائی لیتے ہوئے) انشاءاللہ۔
بیرسٹر ۔ (غنودگی آمیز لہجے میں) میں تم سے کہنا بھول گیا، کل میرے ایک دوست صبح علیگڈھ سے آرہے ہیں، ان کے ہمراہ دو آدمی اور بھی ہوں گے، کھانا پکوا لینا۔
ناز بیگم ۔ سب ہو جائے گا مطمئن رہو، یہ کہتے ہوئے ناز بیگم نے کیواڑ بند کرلئے ہم بھی اپنے خیال کو دوسری جانب منعطف کرتے ہیں۔

صبح کا سہانا وقت ہے، ثروت آرا خواب ناز سے بیدار ہو کر نہ معلوم کس خیال میں ابھی بستر پر ہی اینڈ رہی ہیں۔

بال چاندسی پیشانی پر بکھر گئے ہیں، سر سہہ سہہ کر اور بھی بہار دے رہا ہے حشمت کے متعدد تقاضوں سے اٹھیں، مگر کھوئی ہوئی سی منہ دھو کر چائے پی اور رسالہ عصمت کے لئے مضمون لکھنے لگیں، بمشکل دو صفحے لکھے ہوں گے، کہ حشمت نے آکر کہا بیگم کچھ اور بھی خبر سنی۔
ثروت ۔ کیا؟
حشمت ۔ وہ جانی صاحب آرہے ہیں۔
ثروت ۔ کون جانی صاحب؟ کیا اول فول بکتی ہے، لیکہ دماغ خراب کردیا۔
حشمت ۔ بڑی بیگم کی لونڈی نگہت کہہ رہی تھی (بادشاہ بیگم کو سب بڑی بیگم کہتے تھے)
ثروت ۔ تو آخر ہیں یہ کون بلا، کچھ بتلائے گی بھی۔
حشمت ۔ آپ کی دولھن بھابی کے بھتیجے، اور وہ آپ کا دل بہلانے آرہے ہیں۔
ثروت ۔ چل دور ہو، میرا دل وہ کیوں بہلانے لگے۔
حشمت ۔ اوئی بیوی مجھ کو کیا خبر جو سنا کہہ دیا۔
ثروت ۔ آخر یہ تشریف آوری کب ہے؟
حشمت ۔ سنا ہے آج شام کو ہی آجائیں گے۔
ثروت ۔ اونھ آنے دو، ہم کو کیا، نہ معلوم کیوں میرا دل ان دنوں افسردہ رہتا ہی

دولہن بھابی بچاری بہت تواضع سے پیش آتی ہیں، لیکن امّاں بی کو اکثر خواب میں رنجیدہ دیکھتی ہوں، نہ معلوم کیا بات ہے؟

حشمت۔ اے بیگم خواب خیال ہے، اللہ ہمارے دولہا میاں کو جلد لائے جو ہم یہاں سے چلتے بنیں، دو سال تو ہو گئے اگلے مہینے ہیں، اب دو سال اور ہیں، بیوی کے بعد سے اس گھر میں دل نہیں لگتا۔

ثروت۔ نہ معلوم کیوں دل اتنا گھبراتا ہے، ذرا گاڑی لگوا، بھابی رشید دولہن پاس جاؤں، دل بہل جائے گا۔

حشمت۔ بہت بہتر، کہتی ہوئی چل دی۔

ثروت نے حشمت کے ذکر کرنے سے ظفر جنگ کا خیال آگیا تھا، اس لئے لاکٹ سے تصویر نکال کر دیکھی، اُس کو ایسا معلوم ہوا گویا ظفر جنگ نے اپنی محبت بھری نظریں اُس کے حسین چہرے پر جما دی ہیں، اس لئے شرما کر تصویر لاکٹ میں بند کر دی اور پھر جلدی سادے ریشم کی آسمانی ساری بے پروائی سے جسم کے گرد لپیٹ کر ناز بیگم پاس جا کر کہا دولہن بھابی میں پھوپی امّاں کے ہاں جا رہی ہوں، دل گھبرا رہا ہے۔

ناز بیگم۔ جاؤ، لیکن ذرا جلدی آنا، میرا خیال لگا رہے گا۔

ثروت۔ جی شام تک آجاؤں گی۔

ناز بیگم۔ بھئی ماشاءاللہ کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔ حشمت ذرا ثروت سے نظر اتار دے، بادشاہ بیگم سے، دیکھئے امّاں میری ثروت کیسی اچھی لگ رہی ہے۔

بادشاہ بیگم۔ پھر تم اماں کی بیٹی جو ہو۔

ثروت دونوں کو آداب کر کے بمع حشمت کے گاڑی میں جا بیٹھی، اور پھول کی منڈی رشید منزل کو چلنے کا حکم دیا۔

گاڑی آن واحد میں جا پہونچی، اور ثروت آرا بیگم اندر داخل ہوئیں، پھوپی کو

سلام کرکے بھاوج کے پاس چلی گئیں، اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، سہ پہر کو رشید دولہن کی چھوٹی بہن نسیمہ بیگم بھی آگئیں، جو ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی، باتوں میں شام ہوگئی بمشکل شام کے بعد رشیدہ دولہن نے جانے کی اجازت دی، ثروت گاڑی سے اُتر کر سیدھی ناز بیگم پاس آئی، مگر اُن کے پاس ایک جوان کو بیٹھے دیکھ کر جھجکی۔

بادشاہ بیگم۔ آجاؤ بیٹا کوئی غیر نہیں ہے، یہ تمہارے بھائی جانی صاحب ہیں۔

جانی صاحب نے کرسی سے اُٹھ کر لکھنوی انداز میں سلام کیا۔

ثروت سلام کا جواب دیکر جانے لگی تو ناز بیگم نے کہا اے کہاں جاتی ہو ثروت آؤ بیٹھو۔

ثروت جی مغرب کی نماز کا وقت بہت تنگ رہ گیا ہے، نماز کے بعد آؤں گی کہتی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔

حشمت۔ اوئی بیگم یہ مرد‌ا تو مجھکو بدمعاش معلوم ہوتا ہے، کیسی بری نظروں سے آپ کو گھور رہا تھا۔

ثروت تجھکو تو عادت ہے، ہر ایک کو بُرا کہنے کی، مجھ کو کسی سے کیا۔ کوئی نیک معاش ہو یا بدمعاش۔

حشمت اے ہے لکھنؤ میں سب ایسا ہی لباس پہنتے ہیں، اطلس کی اچکن بھنڈ بلوں کی سی ٹوپی، پان ایسا کھا یا ہو کہ باچھوں سے نکل رہا ہو، عجیب حلیہ ہے چوروں کی طرح ہر ایک کو دیکھ رہے ہیں جیسے بالکل وحشی ہوتے ہیں، سچ کہوں مجھکو تو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

ثروت۔ (وضو کرتے ہوئے) تو کیا تجھکو پیام اُس نے دیا ہے، جو تو پسند ناپسند کر رہی ہے۔

حشمت۔ تو جب ہی تجھ پر کیوں جھنجھلاتی ہو۔

ثروت۔ تو جا اول فول بکتی ہے۔

حشمت۔ میں تو الیسوں سے پیچانے میں لوٹا نہ رکھواؤں۔
ثروت۔ چل معزنہ چاٹ، نماز پڑھنے دے، تو تو شیطان کی خالہ ہی، نماز نہ روزہ ہر وقت ایک ایک کی بدی روتی پھرتی ہے۔
حشمت۔ (جانماز بچھاتے ہوئے) خیر خدا بڑا بخشنے والا ہے، آپ میری فکر نہ کریں،

ثروت نے مسکرا کر نیت باندھ لی اور نماز میں مصروف ہو گئیں۔

۲۱

ظفر جنگ کو کیمبرج میں پڑھتے ہوئے اب تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اُن کی غیر معمولی ذکاوت اور ذہانت پر اُن کے کلاس فیلو حیران اور اُستاد نازاں ہیں، دماغ قدرت نے ایسا عطا کیا ہے کہ کیسا ہی مشکل مضمون ہو طبیعت کہیں رکتی ہی نہیں، ہمیشہ فرسٹ آتے ہیں، صفدر اور نشاط بھی کافی ذہین ہیں، ہر سال کامیابی کیساتھ امتحان پاس کر رہے ہیں۔

تھیوڈورا اور نشاط کی منگنی کی خبر پروفیسر صاحب اور اُنکی میم صاحبہ کو ہو چکی ہے، پروفیسر صاحب تو ایک غیر متعصب انسان تھے، دوسرے واقف تھے کہ نشاط نواب زادہ تعلیم یافتہ صحیح النسب اور امیر باپ کا بیٹا ہے، اسلئے اُنکو اس سے مسرت ہوئی اور اُنکی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ میں تھیوڈورا کو اُسکے انتخاب پر مبارکباد دیتا ہوں، اُس نے ایک ایسے شخص کو پسند کیا ہے، جو ہمیشہ اُس کو راحت سے رکھ سکے گا۔

میم صاحبہ البتہ غیر مذہب ہونیکی وجہ سے تھوڑی افسردہ رہیں، مگر پروفیسر صاحب کے سمجھانے سے یہ ملال چند روز بعد ہی رفع ہو گیا، تھیوڈورا اس عرصے میں تین ماہ کیلئے ہندوستان بھی گئی تھی، اور اپنے بھائی کو اس منگنی کی خبر دیدی تھی، اُسکا بھائی کپتان جیرف ہندوستانی خفیہ پولیس کا مشہور سراغرساں اور بہت ہوشیار انسان تھا، ہندوستان ہو

کے مزاج مرنج ہونیسے واقف تھا، وہ بھی یہ سنکر خوش ہوا، اور تھیوڈورا شاداں فرحاں پھر ولایت واپس آئی، نشاط نے یہ تین ماہ بہت اضطراب میں گذارے تھے، نشاط ہر اُس سوسائٹی کا جہاں معزز حسین لیڈیز ہوتی ہیں، روح رواں سمجھا جاتا ہے اسکے نغمے اس کے باکیف راگ مردہ سے مردہ دل میں ایک روح پھونک دیتے ہیں، تھیوڈورا کی سہیلیاں اُس کی خوش قسمتی پر رشک کرتی ہیں، کہ ایسا اچھا چاہنے والا شوہر ملا، حسین تھیوڈورا فخریہ طور سے ہر ایک سہیلی سے کہتی ہے کہ اللہ کرے تمکو بھی میرا جیسا قدر کرنے والا شوہر ملے جس کے جواب میں مخاطب مسکرا کر آمین کہتی۔

نشاط کو بھی اپنے حلقہ احباب میں بڑے درجے کا خوش نصیب سمجھا جاتا ہی، ایسی پریجمال مریم صفت محبوبہ ملی ہے غرضکہ ان دونوں کی زندگی کا یہ دور نہایت خوشی اور انتہائی بیفکری میں گزر رہا تھا، پڑھائی کے بعد جو وقت ملتا، نشاط پری جمال محبوبہ کی نازبرداری میں صرف کرتے، تعطیلوں میں دونوں ساتھ جاتے۔

اس سال بھی گرمی کی تعطیلوں میں یورپ کے سرسبز خطے سوئزرلینڈ میں جو آجکل کثرت گل کے باعث کف گل فروش بنا ہوا ہے، نشاط و تھیوڈورا آئے ہوئے ہیں ظفر و صفدر بھی یہیں آئے ہیں، اور اپنے ایک کلاس فیلو مسٹر چارلس کے ہاں مقیم ہیں، نشاط تھیوڈورا کے ساتھ اُسکی خالہ مسز ولیم کے ساتھ قیام پذیر ہیں، اسوقت شام کے چھ بج چکے ہیں، تھیوڈورا اور نشاط کوٹھی کے ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں کرسیوں پر نیم دراز ہیں، تھیوڈورا گہرے نیلے رنگ کا قیمتی ساٹن کا گاؤن زیب تن کئے ہوئے ہے جسمیں اس کی گوری گوری گردن بیاض سحر کے مانند جھلک رہی ہے، سیاہ لانبے بالوں کا جوڑا بندھا ہوا ہی جس پر ایک گلاب کا بڑا سا پھول بہار دے رہا ہی، داہنے خوبصورت ہاتھ کی انگلی میں منگنی کی انگشتری کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہی، ہاتھ کی جنبش کے ساتھ

انگشتری کے بیش قیمت نگینے چمک کر نظروں کو خیرہ کیے دیتے ہیں۔
تھیوڈورا۔ پیارے اب ہماری منگنی کو پورے دو سال ہو گئے۔
نشاط۔ ہاں میری پیاری آج گویا ہماری منگنی کی سالگرہ کا روز ہے، مجھے تم کو کچھ تحفہ دینا ہے، اور اس کا مجھے پہلے خیال تھا۔
تھیوڈورا۔ واہ ظاہری تحفے سے کیا ہوتا ہے، کوئی ایسی چیز دو جو ان سب سے زیادہ بیش قیمت ہو۔
نشاط۔ میری پیاری دل تو پہلی ہی نگاہ میں تم کو نذر کر چکا، ایک جان ہے تو وہ بھی تمہاری ملکیت ہے، تم اسکی مالک ہو، پھر میرے پاس کیا رہا جو تم کو نذر کروں۔
تھیوڈورا۔ (مسکرا کر) اللہ آپ کی شاعرانہ گفتگو، بھلا میں بیچاری کیا جواب دوں۔
نشاط نے میز کی دراز کھول کر گوہر بے بہا کی وہ لڑی تھیوڈورا کی خوبصورت گردن میں ڈال دی۔
تھیوڈورا نے کہا شکریہ پیارے اس بیش بہا تحفے کا، یہ ہماری محبت کے دوامی عہد کی یادگار کا تحفہ ہے۔
نشاط۔ ہاں میری پیاری تم کو پا کر میں کتنا خوش ہوں۔
تھیوڈورا۔ کیا مجھ سے بھی زیادہ؟
نشاط۔ کیوں پیاری آئندہ دسمبر میں ہم ایک دوسرے کے ہو جائیں گے نا؟
تھیوڈورا۔ تو کیا اب ہم ایک دوسرے کے نہیں ہیں۔
نشاط۔ (تھیوڈورا کے سیاہ بالوں سے کھیلتے ہوئے) تم میرا مطلب نہیں سمجھیں، یعنی ہماری شادی ہو جائے گی اور محبت کے عہد پر دوامی مہر ثبت ہو جائے گی۔
تھیوڈورا نے شرما کر گردن جھکا لی، اور نشاط نے اپنی محبوبہ کی اس ادائے شرم سے

متاثر ہو کر اس کے خوبصورت بالوں کو جن سے ابتک کھیل رہا تھا چوم لیا۔
تھیوڈورا۔ واہ نشاط مان جاؤ، میرے تمام بال خراب کر دیئے۔
نشاط۔ تو کیا یہ بکھرے ہوئے بال بڑے لگ رہے ہیں، ذرا آئینہ لیکر ان بکھرے بالوں کو دیکھو تو تمہارے کہنے کی تصدیق ہو جائے گی۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں!

تھیوڈورا۔ (مسکرا کر) مجھے آپ کی یہ شاعری ایک آنکھ نہیں بھاتی، ہاں بھائی ظفر کی پڑھائی میں کتنے دن اور ہیں۔
نشاط۔ اُن کی پڑھائی کا اب ایک سال اور باقی ہے، اور صفدر اس مرتبہ فیل ہو گئے، ورنہ میری اور صفدر کی پڑھائی تو تین سال کی تھی، اس لئے شادی کے بعد ہمیں چھ ماہ یہیں گزارنے پڑیں گے، سب ساتھ ہی چلیں گے۔
تھیوڈورا۔ صفدر تو پرکالۂ آتش ہیں، بیرسٹری انھوں نے اپنی طبیعت کے موافق کی، جب تقریر کرنے کھڑے ہوں گے مخالف کو بھاگتے ہی بن پڑے گی۔
نشاط۔ ہاں خوب یاد آیا، تم غسل کر رہی تھیں جب ظفر کا ٹیلیفون آیا تھا کہا تھا تھیوڈورا اور تم رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھاؤ۔
تھیوڈورا۔ تو میں آنٹی سے کہدوں، پھر مجھے فلورا سے بھی ملنا ہے، اُس سے ملتے ہوئے چلیں گے، یہ کہتی ہوئی کمرے سے چل دی۔
نشاط نے ذرا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اور فیشن ایبل نوجوانوں کی طرح اپنی ٹائی درست کی، بالوں کو سنوارا، اور اپنے کو ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ تھیوڈورا واپس آگئی۔

نھبوڈورا۔ اللہ اللہ یہ خودنمائی، آپ نے تو عورتوں کو بھی مات کر دیا۔
نشاط ۔تھوڑی دیر کو یہی سمجھ لو کہ تم نشاط ہو اور میں نھبوڈورا ہماری طرح تم ہماری ناز برداری کرو۔
نھبوڈورا۔ جی معاف کیجئے۔
نشاط ۔(کار کا پٹ کھولتے ہوئے) آپ کے کہنے کی تائید کی۔
نھبوڈورا۔ ڈرائیو کرتی رہی، نشاط پاس بیٹھ گئے، پہلے نھبوڈورا اپنی ایک سہیلی فلورا سے ملنے گئی، وہاں ایک گھنٹے ٹھہر کر، یہ دونوں ظفر و صفدر پاس پہونچے کار کا ہارن سن کر ظفر اور اُن کے یورپین میزبان مسٹر چارلس لینے کے لئے آئے، نشاط نے مسٹر چارلس سے شیک ہینڈ کیا، ظفر نے نھبوڈورا کو ہاتھ دے کر اُتارا، اور نشاط کے ایک دھپ رسید کرکے کہا یہ نصف گھنٹے لیٹ کیوں رہے، میں نے تو سات بجے بلایا تھا، اب ساڑھے سات ہیں، کیا کوئی خاص وجہ تھی؟۔
نشاط ۔ معاف کرنا بھائی میں بھول گیا تھا، پھر اپنی ایک سہیلی سے اُن کو ضرور ملنا تھا اس لئے دیر ہو گئی۔
ظفر ۔کیوں بہن نھبوڈورا تم بھی بھول گئیں، یہ تو خیر معذور ہیں، خود اپنے کو بھی بھول چکے ہیں، ایسے گم گشتہ انسان سے شکوہ محض فضول ہے۔
نھبوڈورا۔(نیچی نظر کرکے) بھائی جان جب آپ کا فون گیا میں غسل کر رہی تھی، مجھ سے تو نشاط نے جب کہا فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی، البتہ مجھے اپنی سہیلی سے ملنا ضرور تھا۔ اُس سے آج ملنے کا وعدہ کیا تھا، اس لئے تھوڑی دیر ہو گئی۔
چارلس ۔(قہقہہ لگا کر) ظفر ہمارے دوست نشاط جتنا بھی سب کو بھولیں بجا ہے، مس جوزف کا حسنِ دلفریب ہے ہی ایسا۔

نشاط۔ (بات کاٹ کر) صفدر کہاں ہیں؟

ظفر۔ کچھ نہ پوچھو، آج سہ پہر سے بستر پر آراستہ ہیں، روتے ہیں شعر پڑھتے ہیں یہ تماشہ دکھانے کو تم کو بلایا ہے۔

نشاط۔ الٰہی خیر ہو، چلو (ظفر آگے بڑھتے ہوئے، ادھر آؤ سب کمرے میں داخل ہوئے۔

نشاط۔ (صفدر سے جو پلنگ پر سر بزانو بیٹھے تھے) کہیے بھائی صفدر خیریت ہے؟

صفدر۔ جواب ندارد۔

ظفر۔ ارے میاں صفدر شانہ ہلا کر۔ نشاط کیا پوچھتے ہیں۔

صفدر۔ کون ہے، کیا ہے؟

نشاط۔ (دوبارہ) سرکار کا مزاج کیسا ہے؟

صفدر۔ مجھ اس ادا سے آپ نے پوچھا مرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

نشاط۔ اے میاں بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو؟

صفدر۔ کیا بتائیں بھائی۔

ظفر۔ بھائی ہمارا فرض پوچھنا ہے اور تم کو بتانا ہوگا ـــ بتلاؤ کیا بات ہے دل کا بھید تو دو۔

صفدر۔ آج پہلو میں ہمارے دلِ ناشاد نہیں
کسکو دے آئے کہاں بھول گئے یاد نہیں

نشاط۔ بھئی تم تو نظم میں گفتگو کرتے ہو اور وہ بھی ابہام میں آخر یہ ابہام کی کونسی قسم ہے، ملّا ظہوری کے بعد شاید تمہارا درجہ ہے، وہ کون ایسی ماہرو ہے جس نے تم جیسے چلتے پرزہ پر اپنا منتر پھیر دیا۔

صفدر۔ نہ دل پہلو میں نہ جگر سینے میں، جب سے پہلو میں وہ بتِ سفاک نہیں
چارلس۔ تو وہ مس جو زف سے بھی زیادہ حسین ہے۔
صفدر۔ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک
تھیوڈورا۔ (مسکراکر) بتلایئے بھی بھائی وہ کون سی حسین و نازنین ہے جس کا جادو آپ پر چل گیا۔
ظفر۔ ہاں ہاں بھئی جلد بتلاؤ، ہم کو تو دیکھنے کا اشتیاق ہوگیا، تھیوڈورا سے بھی زیادہ حسین ہے تو پھر کوئی دنیا کی ہستی نہ ہوگی، آسمانی مخلوق ہوگی۔
تھیوڈورا۔ تو بہ بھائی جان میں بھی کوئی خوبصورت ہوں، آپ چونکہ مجھے عزیز رکھتے ہیں، اس لئے دنیا بھر سے زیادہ مجھکو خوبصورت سمجھتے ہیں، صفدر صاحب کی محبوبہ واقعی حسین و خوش جمال ہونگی۔
نشاط۔ بتلاؤ دوست، ہم جان پر کھیل کے آپ کی محبوبہ سے آپ کو ملانے کی کوشش کریں گے۔
صفدر۔ آہ سرد لیکر۔

اک کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا!
معلوم نہ تھا ہم کو پھنسانا دل کا!

ظفر۔ تم کو میرے سر کی قسم جلد بتلاؤ، دو گھنٹے دماغ مارتے ہو گئے، مگر تم کسی طرح نہیں بتلاتے۔
صفدر۔ ہائے ہائے۔

تجھے بھی میں بتا سکتا ہوں اپنا حال اے ہمدم
مگر ڈر ہے کوئی پردہ نشیں رسوا نہ ہو جائے

نشاط۔ تو وہ کیا کوئی پردہ نشیں ہے۔

صفدر۔ ایک قلابازی لگا کر۔

صد حیف! وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بت عربدہ جو کی!

نشاط۔ استغفراللہ، بتاؤ گے بھی اس شاعری سے تو ملجانے سے رہی۔
صفدر۔ چشم نرگس زلف سنبل قد سرو سا ہے چال متوالی شباب آنے کو ہے
ظفر۔ بھئی حلیہ تو معلوم ہو گیا مگر پتہ بھی تو معلوم ہو
صفدر۔ غضب ہے اُس بت کافر پہ اپنا دم نکلتا ہے
بیابان یوت جس کے کوچے سے ہر دم نکلتا ہے
نشاط۔ بھائی ظفر کل صبح چوراہے پر کھڑے ہو جانا جس طرف سے نابوت آئے اُس طرف اُن کی محبوبہ کو تلاش کرنا۔
چارلس قہقہہ لگا کر خوب خوب۔
صفدر۔ (بگڑ کر) نکلو نامعقولو یہاں سے، ہماری جان پر بن رہی ہے تم سب کو مذاق سوجھ رہا ہے۔
نشاط۔ شکر کہ آپ نظم سے نثر میں تو آئے۔
ظفر۔ لعنت مذاق کرنے والے پر، تم تو خود ہی مسخرے بن رہے ہو، شعر پڑھ رہے ہو مفصل نہیں بتاتے۔
صفدر۔ جھوم کر۔

چال میں انداز محشر اور فتنے بات میں
اک نرالی بات ہے اُن کی تو ہر اک بات میں

نشاط۔ اتنے پتے تو بتلا رہے ہیں اب بھی بھائی تم نہیں سمجھے۔
ظفر۔ میری تو سمجھ خاک بھی کام نہیں کرتی، یہ پہیلیاں بھی اپنی سمجھ سے باہر ہیں، ان کا

عشق میری نوجان کا عذاب ہو گیا، پوچھتے پوچھتے دماغ خالی ہو گیا، مگر یہ اللہ کا بندہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

صفدر۔ ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نا یافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

نشاط۔ تو یہ کہئے کہ آپ فنا فی المعشوق ہو گئے۔

صفدر۔ دریں چہ شک

نشاط۔ تو کیا فکر ہے، آپ کو تو دہلی سے سبق تھا کہ شادی کرنے جا رہا ہوں شادی ہو جائے گی۔ ایسی وہ کونسی مہوش ہو گی جو تم جیسے ظریف الطبع ہر دل عزیز، بذلہ سنج انسان کو قبول نہ کرے گی۔

صفدر۔ چلو نظر مت لگاؤ، تم اور ظفر دونوں بد نظر ہو، میری محبوبہ کو نظر لگائی تو دیدے پھوڑ دوں گا۔

ظفر۔ بتلاؤ تو سہی وہ ہیں کون نیک بخت، ہمیں آنکھیں پھوڑوانی بھی منظور ہیں۔

صفدر۔ (ادھر اُدھر دیکھکر) کوئی غیر نہ سن لے۔

نشاط۔ یا اللہ وہ کون نازک دماغ ہے جس کا اتنا خوف غالب ہے۔

ظفر۔ بتاؤ بھی صفدر میرے تو سر میں بھی درد ہو گیا۔

صفدر۔ معاف کیجئے، بندے نے تو آپ کو تکلیف نہیں دی کہ آپ دریافت کریں، آپ کا اجارہ ہے، نہیں بتلاتے۔

نشاط۔ نہیں بھئی بتلاؤ اور ضرور بتلاؤ۔

صفدر۔ وہی ماہوش جسکو کل ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا، وہی شعلہ رو جو پاس والی میز پر بیٹھی تھی، وہی غنچہ دہن، پری جمال، ہنستی خصال، حور طلعت، خورشید صورت، مہ لقا، نازک ادا، سرو ناز، بصد ناز و انداز جو سامنے جلوہ گر تھی، میرے دل کی مالکہ اور محبوبہ وہی ہے۔

ظفر۔ (قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے) وہ کمبخت موٹی گریہہ منظر بڑھیا، سبحان اللہ
صفدر خوب سب کو دیوانہ بنایا، شاباش ہے تم کو۔
نشاط۔ واہ صفدر خوب تم بھی مسخرے ہو۔
صفدر۔ بڑھیا ہے تو کیا، روپے والی تو بہت ہے، جانتے ہوٹل کی مالک ہے۔
ظفر۔ سن لیا ان کا عشق۔
نشاط۔ پھر بھلا بیچاری تجھوڈورا اس کی برابری کیوں کر کر سکتی ہیں۔
صفدر۔ بیشک بیشک ہائے میری موٹی میم صاحب
ظفر۔ بھئی بیقرار نہ ہو، کل ہی گرجا میں جا کر تمہاری شادی کرا دیں گے۔
صفدر۔ (گھگیا کر) ہاں بھئی خدا تمہارا بھلا کرے۔
سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
ظفر۔ چلو بھئی کھانا کھائیں کافی دیر ہو گئی، ان کی باتوں نے خوب دیوانہ بنایا۔
صفدر۔ واہ، کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔
چارلس۔ چلو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔
صفدر۔ سنیں تمہاری جو ایسی باتیں کہاں ہے اتنا دماغ ہمکو
صنم کی باتوں میں پھنس رہے ہیں نہیں ہے اتنو فراغ ہمکو
ظفر۔ (ہاتھ پکڑ کر) چلو بس اب مسخرہ پن ختم کرو۔ دیکھو بیچاری تھیوڈورا بھی تمہاری وجہ سے اتنی دیر پریشان ہوئیں۔
صفدر۔ تو ہم کیا کریں تم کو اس کا خیال ہو کہ تمہاری بہن ہیں، یا میاں نشاط کو جن کی منگیتر ہیں، مجھکو اور چارلس کو اس سے کیا تعلق۔
چارلس۔ جی نہیں بندہ اس بے تہذیبی میں آپ کا شریک نہیں ہوتا۔
صفدر۔ بس تو جاؤ میاں تم سب باتہذیب ہم بے تہذیب، ہم تو نہیں کھائیں گے۔

چارلس۔ بھئی میرا مطلب یہ نہ تھا۔
ظفر۔ (ہاتھ گھسیٹ کر) اُٹھو میاں، خدا کیلئے اب تو چلو خوب سب کو تم نے پریشان کر لیا۔
صفدر۔ خیر تم سب کی زبردستی ہی، میرا دل مطلق کھانے کو نہیں چاہتا، تم سب دوست چندہ کر کے ہماری شادی کرا دینا۔
ظفر۔ صبح تو ہونے دو، ابھی سے جان کھا گئے۔
صفدر۔ کیسے نہ کھائیں، تمہاری شادی ہو گئی، نشاط بھی منگنی کر بیٹھے، ہم ہی لنڈورے رہ گئے، ہم اپنی ہونی ٹیچر صاحب سے شادی رچائیں گے۔
چارلس۔ تو کیا ٹیچر صاحبہ نے منظور کر لیا ہے۔
صفدر۔ وہ نہ کہیں ہم کو تو دل کا حال معلوم ہے۔
عشق اول در دل معشوق پیدا میشود
نشاط۔ اللہ غنی آپ کا عشق اور اس کا جذبہ۔
صفدر۔ اور کیا کوئی آپ کی طرح ٹٹ پونجیا عشق ہمارا نہیں ہے۔
سب کھانے کی میز پر جا بیٹھے۔ کھانے کے دوران میں بھی صفدر سے گرما گرم فقرے چلتے رہے اور سب دوست اُن کی باتوں کا لطف لیکر ہنستے رہے۔

۲۲

شام کا وقت ہے، آفتاب غروب ہو چکا ہے، آسمان پر شفق کے نکلنے سے روشنی باقی ہے۔

ثروت آرا اپنے پائیں باغ میں سبز گھاس پر بیٹھی ہوئی چھوٹی بہن مہ پارہ سے کھیلنے میں مصروف ہیں، ننھی مہ پارہ چھ ماہ کا عرصہ ہوا ناز بیگم کے بطن سے تولد ہوئی ہے، ناز بیگم کو بیٹے کی حسرت تھی، مگر خلاف توقع گنڈے تعویذوں پر بھی بجائے لڑکے کے لڑکی ہوئی تو یہ کہنا ہی پڑا کہ یہ لڑکی بھی، بیٹوں کی طرح ہے۔

ثروت آرا اپنی سوتیلی بہن کو بہت عزیز رکھتی ہے، گھنٹوں اسکے ساتھ کھیلتی ہے، منھ دھلاتی، لباس پہناتی ہے، مہ پارہ بھی ایسی ہل گئی ہے کہ اتنا ہو یا ماں سب سے زیادہ کھل کر ثروت کے پاس آتی ہے، مہ پارہ کو قدرت نے صورت ماں سے بھی زیادہ دلکش عطا کی ہے، ایک حسین گڑیا ہے، ثروت آرا کی افسردگی بھی اب بہت کم ہے، اسوقت بھی اُس کے لبِ لعلیں پر تبسم کھیل رہا ہے، اور بہن سے کھیلنے میں ساری کا آنچل سر سے سرک کر شانے پر آپڑا ہے، پاس ہی حشمت بیٹھی ہوئی ہے۔

ثروت۔ کیوں مہ پارہ تجھے پھینکدوں۔

مہ پارہ۔ آغوں۔

ثروت کھکھلا ہنس پڑی، اور مہ پارہ کو بھینچ کر گلے لگا یا۔
مہ پارہ نے جیسے شیر خوار بچّوں کا قاعدہ ہے ثروت کے بال پکڑ کر منھ میں لے جانے کی کوشش کی۔
ثروت۔ ارے چھوڑ تو یہ ابھی سے اتنی شریر ہے، حشمت نے دوڑ کر بال مہ پارہ کی مٹھی سے نکالے۔
ثروت۔ اُف سارے بال نوچ لئے، یہ کہہ کر مہ پارہ کو زمین پر بٹھا کر بال درست کرنے لگی، مہ پارہ رونے لگی۔
ثروت۔ حشمت جا مہ پارہ کو انّا کو دے آ، اب اُس کے دودھ کا وقت ہے، اس لئے کھسیانی ہو رہی ہے۔
حشمت۔ (مہ پارہ کو گود میں لے کر) آپ بیگم اندر نہیں چلتیں، یہاں تو اب اندھیرا ہو چلا ہے۔
ثروت آرا۔ نہیں اب چاند نکل آئے گا، اندر گرمی ہو رہی ہے، یہاں اچھی ہوا آ رہی ہے۔ آج مارچ کی پچیس تاریخ ہے، ابھی سے خاصی گرمی معلوم ہوتی ہے۔
حشمت بچّی کو لیکر چلی گئی اور ثروت آرا جوہی کے پھولوں کا ہار بنانے اور دھیمے سروں میں گنگنانے لگی، اُس کا حُسن جانسوز جو ماں کے غم میں ذرا ماند ہو گیا تھا اب پھر چمک گیا ہے، آبی رنگ کی ساری سے چاند سا چہرہ چمک رہا ہے، حسین پیشانی پر بکھرے ہوئے بال اور ہی بہار دے رہے ہیں، اور وہ ایک ادائے دلفریب سے جوہی کا ہار بنانے میں منہمک ہے۔
جوتے کی آواز سن کر اُس نے ساری سنبھالی اور نگاہ اُٹھا کر دیکھا جانی صاحب آتے نظر پڑے۔
سنبھل کر بیٹھتے ہوئے ثروت نے کہا ایں بھائی آپ ادھر کیسے آئے۔

جانی صاحب۔ (ثروت کے بالکل قریب بیٹھکر) کیوں ثروت آرا تمکو میرا آنا ناگوار ہوا۔
ثروت۔ (سر جھکاکر) جی نہیں یہ نہیں، مگر یہاں بالکل تنہائی ہے اور اکیلے میں کسی سے بھی ملنا پسند نہیں کرتی، بہتر ہے میری تنہائی میں آپ مخل نہ ہوں۔
جانی صاحب۔ کسی سے کیا مطلب، تم تو میری بہن ہو۔
ثروت۔ (لاپروایانہ انداز سے) لیکن دنیا افسوس ہے آپکو ایسا نہیں سمجھ سکتی، مانا کہ دولہن بھابی کے باعث ہمارے تعلقات عزیزانہ ہیں، تاہم واقعی دنیا کی نظروں میں بالکل غیر ہیں، ایسا موقعہ ہرگز نہیں دینا چاہیئے کہ دنیا والے کچھ کہیں۔
جانی صاحب۔ دنیا تو بکتی ہے، ہم کو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔
ثروت۔ (کھڑے ہوکر) بیشک آپ مرد ہیں، آپ کو پرواہ نہ ہوگی، مجھکو تو ہے۔
جانی صاحب۔ اب اس کہاں چلیں؟
ثروت۔ اندر جارہی ہوں، یہاں اب ٹھنڈ ہوچلی ہے۔
جانی صاحب۔ میں دیکھتا ہوں ثروت تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔
ثروت۔ آپ کا یہ خیال تو بالکل غلط ہے، مجھے آپ سے نفرت کرنے کی کیا ضرورت ہے، میرا مزاج ہی ایسا واقع ہوا ہے۔
جانی صاحب۔ میں تم کو یہ کتاب دینے آیا تھا، تم کو پڑھنے کا شوق ہے، یہ بہت اچھی مثنوی ہے۔
ثروت۔ کیا مثنوی گلزارِ نسیم ہے، وہ میرے پاس موجود ہے، شکریہ۔
جانی صاحب۔ نہیں جی، شوق کی لکھی ہوئی مثنوی زہرِ عشق جو چھاپنی بند کردی گئی ہے، میں نے یہ نسخہ بہت تلاش سے حاصل کیا تھا، اس میں عاشق معشوق کے راز و نیاز اور محبت کا سچا فوٹو کھینچا گیا ہے۔
جانی صاحب اپنی قابلیت جتانے کو یہ لایعنی گفتگو کر رہے تھے اور ثروت شرم

سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئے تو پسینہ پیشانی سے پونچھتے ہوئے کہا، افسوس ہے آپ کو شریف لڑکیوں سے بات کرنے کی تہذیب نہیں، بھلا ایسی مخرب الاخلاق کتابیں پڑھنے کے لائق ہیں، میرے کانوں نے اس قسم کی باتیں اس سے قبل نہیں سنیں، جو آپ بلا تکلف فرما رہے ہیں، یہ کہہ کر وہ جانے لگی۔

جانی صاحب۔ (ہاتھ پکڑ کر) سنو تو پیاری ثروت۔

ثروت۔ (سختی سے ہاتھ جھٹک کر) الگ ہٹئے، آپ بہت بے شرم ہیں، اس قابل نہیں کہ شریف لڑکیاں آپ کے ساتھ بات کر سکیں، مجھے دولھن بھابی کا لحاظ ہے ورنہ آپ یہاں کی حدوں میں بھی گھسنے نہیں پاتے، آئندہ مجھ سے کلام نہ کریں، یہ کہتی ہوں، جا رہی، قدم اٹھا کر اندر چل دی۔

جانی صاحب کی بے تہذیبی کا بہت برا اُس پر اثر ہوا، ثروت جیسی پاکیزہ خیال کی لڑکی نے بھلا کاہے کو ایسے ناگوار لفظ سنے تھے، احساسِ شرم سے دل بھر آیا اور خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

حشمت کو ناز بیگم نے کام میں اٹکا لیا تھا، فارغ ہو کر آئی تو پہلے باغ میں ثروت کو دیکھا، وہاں نہ پا کر کمرے میں آئی تو روتے پا کر پریشان ہو گئی، گھبرا کر کہا، خیر تو ہے بیگم

ثروت۔ (سسکی لے کر) اب تو اللہ مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔

حشمت۔ اے ہے بوی کیسا منہ بھر کے کوستی ہو، آپ کے دشمن بیری مریں۔

ثروت۔ ایسی بے عزتی زندگی سے تو مر جانا ہزار درجے بہتر ہے۔

حشمت۔ کچھ معلوم بھی ہو کیا بات ہے، میرے پیٹ میں تو ہول اُٹھ رہے ہیں۔

ثروت۔ (جانی صاحب کی ساری تقریر دوہرا کر) یہ ہوا۔

حشمت۔ بوی میں نے تو پہلے ہی دن کہا تھا کہ یہ بد معاش ہے، آپ نے کہا تجھے

برائی کرنے کی عادت ہے۔
ثروت۔ مجھ کو کیا خبر کوئی کیسا ہے
حشمت۔ بس اب آپ اُن کے سامنے نہ جایا کریں۔
ثروت۔ پہلے ہی کب میرا دل چاہتا تھا لیکن دلہن بھابی کے لحاظ سے سامنے ہو گئی تھی کہ سوتیل پن کا خیال نہ کریں، اب تو ہرگز بھی سامنے نہ جاؤں گی۔
حشمت۔ بیوی تم جان صاحب کو کہتی ہو مجھ کو تمہاری دولہن بھابی پر بھی شبہ ہے جیسا تمہارا خیال ہے وہ بیچ دل سے تم کو نہیں چاہتیں بلکہ فریب کرتی ہیں، نہ جانے کیا باتیں گھنٹوں جان صاحب بڑی بیگم اور وہ کیا کرتی ہیں، ضرور اس کی تہہ میں کوئی گہرا بھید ہے
ثروت۔ مجھے دل کا حال کیا معلوم، بظاہر تو وہ بہت محبت کا برتاؤ کرتی ہیں، جیسا کوئی کرے گا ویسا پائے گا، میں بدقسمت ہوں نہ میری اماں بی مرتیں نہ یہ آفت، بہرحال خدا کا شکر ہے۔
حشمت۔ بیوی وہی سب کا مالک ہے، اپنی رحمت سے وہ بیڑا پار کرے گا، مگر لطف یہ ہے کہ جانی صاحب اپنے کو بہت حسین اور لائق سمجھتی ہیں، مگر آئینہ ہے گھنٹوں آئینے کے سامنے بنا کرتی ہیں، سب آدمیوں پر صاحب سے زیادہ حکم کرتی ہیں، مجال ہے کہ ان کے کسی کام کو ذرا دیر ہو جائے، روز دوست احباب جمع رہتے ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں، خوب اودھم رہتا ہے۔
ثروت نہ معلوم اباجان کو کیا ہو گیا ہے۔ کچھ نہیں کہتے..... دیکھو اماں بی گھر کا خرچ پانچ سو روپیہ میں کس خوش اسلوبی سے چلاتی تھیں، باقی ہر ماہ جمع ہوتا رہتا تھا ان کی کفایت شعاری کا نتیجہ ہے جو آج بینک میں چالیس ہزار موجود ہے۔ گھر کا سارا سامان لیا ہے جو چاہتیں جتنا خرچ کرتیں، اباجان تو روپیہ ہاتھ میں لا کر دیا کرتے تھے، اب اباجان ہزار روپیہ ماہوار دیتے ہیں، جب بھی وہ خوش اسلوبی نہیں، افسوس ہوتا ہے اباجان کے

گاڑھے پسینے کی کمائی اس طرح اللے تللے کرکے لٹائی جارہی ہے

حشمت۔ نہ معلوم کیا جادو کر دیا ہے، صاحب بالکل بدل گئے ہیں، بیوی کا تو اللہ بخشے نام تک نہیں لیتے، کہاں اتنے عاشق زار تھے اور پہلے جیسا اب آپ کا خیال بھی اُن کو نہیں رہا ہے۔

ثروت۔ خیر اُن کا نہ چاہنا اور کسی کا چاہنا برابر ہے، وہ زندہ رہیں، ماں باپ دنیا کی وہ نعمت ہیں جن کا جواب ممکن نہیں۔

حشمت۔ ہاں بیوی، خدا صاحب کو سلامت رکھے، ہمارے دولہا میاں، ولایت سے آجائیں، یہ چند دن کی بات ہے، آپ دل پر میل نہ لائیں۔

ثروت۔ ارے واہ ری دیوانی۔

دو ا۔ بیوی تم کو صاحب بلا رہے ہیں۔

ثروت نے منہ پر سرد پانی کے چھینٹے دے کر تولئے سے منہ پونچھا، بال درست کرکے ساری سنبھالتی ہوئی باپ کے پاس چلی گئی۔

۲۳

صبح کا سہانا وقت ہے، بہار کا موسم ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے ہیں، نسیمِ سحر کس انداز سے گلگشتِ چمن کر رہی ہے، آہی قدرانِ سرو مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے، شاخیں وجد میں جھوم جھوم کر سبزۂ نو دمیدہ کے بوسے لینے کا ارادہ رکھتی ہیں اور رک جاتی ہیں، عندلیبانِ گلشن نے نغمہ سرائی سے سب کو مست بنا رکھا ہے، ہر تختۂ مرغزار رشکِ فردوس بن رہا ہے، گلہائے رنگا رنگ سے دنیا ایک خوشرنگ چمن بن گئی، کلیاں خوشی سے چٹکی جاتی ہیں، تاکہ کسی گل اندام ماہرو کی زینت بننے کا موقع کھل کر نصیب ہو، نشاط کامیابی کے ساتھ انجینئرنگ میں پاس ہوئے ہیں اور اس کامیابی کے تین ماہ بعد ہی لندن میں آ کر کرسمس کے ایام میں انھوں نے شادی رچا دی، نشاط بمع ظفر و صفدر کے ایک عالیشان ہوٹل میں فروکش ہیں، ٹھیوڈورا مع پروفیسر صاحب میم صاحبہ اور اپنی خالہ زاد بہن الگزنڈرا اور پیاری سہیلی ہیلیس کے، ایک دلکشا کوٹھی میں مقیم ہیں، نشاط کے عزیز دوست بھی جو اس تقریبِ سعید پر مدعو کئے گئے ہیں، گذشتہ شب آ چکے ہیں، صبح ہی سے وہ احباب بھی جو لندن میں رہتے تھے آن دھمکے، صفدر کے پُر مذاق لطیفوں سے بزمِ احباب کشتِ زعفران بن رہی ہے، تھیوڈورا ایک ہفتے سے نشاط کے سامنے نہیں آتی

اور یہ شرم مشرقی تھا، جسے ہم سب بہت زیادہ خیال کر رہے ہیں، ہر کیفیت کے بعد نشاط نے فاختئی رنگ کا قیمتی سوٹ زیب تن کیا، صفدر و ظفر کے کہنے کے مطابق سر پر بجائے ٹوپی کے ہلکے موتیا رنگ کا سہرا باندھا، صفدر نے کوٹ کے کاج میں خوبصورت گلاب کا بڑا پھول لگا دیا، گلے میں ایک بڑا اور موٹا چمبیلیوں کا ہار پہنا دیا۔

صفدر و ظفر نے بھی قیمتی سوٹ زیب تن کئے، اور ٹھیک دس بجے سب گھر سے روانہ ہوتے، دولہا کے ساتھ کار میں دائیں بائیں ظفر و صفدر بیٹھے اور باقی احباب چار کاروں میں بیٹھکر یہ جلوس روانہ ہوا، چند ہی منٹ لگے۔ لندن کے بڑے گرجا کے عظیم الشان دروازے پر کاریں جا کر ٹھہر گئیں۔

ان کی کاریں ابھی آکر ٹھہری تھیں کہ دولہن والوں کی کاریں بھی سامنے سے آتی نظر پڑیں، دولہن کی کار بہت خوبی سے پھولوں سے سجائی گئی تھی، اس کا لباس بھی آج عجیب قسم کا تھا، سفید ساٹن کا بہت لانبا گون تھا جس پر جا بجا مصنوعی پھول ستارے لگے ہوئے تھے، سر پر پھولوں کا خوشنما تاج تھا اور منھ پر باریک سفید نیٹ کی نقاب پڑی ہوئی تھی، جس میں سے اس کا پیارا حسین چہرہ جھلکتا ہوا بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

پھول سے رخساروں پر حیا کی سرخی اور بھی بہار دے رہی تھی، کانوں میں الماس نگار آویزے تھے، ایک ہاتھ میں یاقوت کی چار چوڑیاں تھیں، دوسرے میں مرصع گھڑی گلوئے مصفا میں موتیوں کی مالا اور یاقوت کا خوبصورت نیکلس پڑا تھا اور یہ تمام لباس پر پھولوں کو اس طرح آراستہ کیا گیا تھا کہ مجسم بہار کی دیوی معلوم ہوتی تھی یہ پیاری صورت متناسب جسم زیور و لباس ایسا معلوم ہوتا تھا حور جنت اتر آئی ہے دائیں بائیں اس کی خالہ زاد بہن الگزنڈرا اور پیاری سہیلی مس ایلس گاڈون کو سنبھالے آرہی تھیں جن کے سہارے خراماں خراماں ایک شاہانہ وقار کے انداز سے وہ سر جھکائے چل رہی تھی پیچھے پروفیسر صاحب مع دیگر لوگوں کے آرہے تھے، پوری شان کے ساتھ یہ گروہ

گرجا میں داخل ہوا، بہت سے آس پاس کے لوگ شادی کا تماشہ دیکھنے جمع ہو چکے تھے مقدس پادری نے مسیحی طریقے کے بموجب نکاح خوانی شروع کی، اور اپنے مؤثر انداز میں مخصوص الفاظ کہے، جن کا اعادہ یہاں کچھ دلچسپی کا باعث نہیں ہو سکتا، اس لئے فضول ہے، نکاح کی رسم کے بعد دولہا دولہن قربان گاہ کے سامنے جھکے، اور پادری نے دونوں کو برکت دی، اور ٹھنڈا پانی چھڑکا، عیسائیوں کے عقیدے میں ٹھنڈا پانی چھڑکنے سے مطلب ہے کہ یہ جوڑا ہمیشہ خوش رہے، اس رسم کے ختم ہوتے ہی باجے بجنے لگے دولہا کے دوستوں نے دولہا کو بڑھکر مبارکباد دی۔

گرجا کے صحن میں آکر شادی کا بڑا کیک کاٹ کر تقسیم کیا گیا، اور اس میں رکھا ہوا چھلا میاں صفدر کے حصہ میں آیا، خوب اُچھلے کودے، اور کہا قربان جاؤں اللہ میاں کے اب میری شادی کے دن بھی قریب آگئے، ان کے اس بے تکے فقرے پر سب ہنس پڑے۔

دولہا مع دولہن کے عجلت کے ساتھ کار کی طرف بڑھے، تھیوڈورا کی سہیلیوں نے پرانی جوتیاں اور چاول جو اپنے ساتھ لائی تھیں، دولہا پر مارنے شروع کئے، خصوصاً الگزنڈرا جو بہت شوخ تھی تاک تاک کر مارتی۔

نشاط کو کار تک پہونچنا مشکل ہو گیا، کار میں بیٹھکر بعجلت انھوں نے ہنڈل گھمایا اور کار کو سرعت سے چھوڑ دیا، ان کے سب دوست بھی ساتھ ہی چل دیئے، ہوٹل میں پہنچکر اسلامی طریقے کے موافق نکاح ہوا۔ مولانا صاحب نے ایجاب و قبول کرایا، اور صفدر و ظفر گواہ بنے اور بعوض بیس ہزار زرمہر کے تھیوڈورا کا نکاح نشاط سے ہو گیا، چھوارے اسلامی قاعدے کے مطابق لٹائے گئے اور نشاط نے تھیوڈورا کے چہرے سے نقاب جو اب مسز نشاط تھیں الٹ دی۔

ہم بھی اب آئندہ تھیوڈورا کو مسز نشاط کہیں گے۔

شب کو اعلیٰ پیمانے پر سب دوستوں کو اور دولہن والوں کو نشاط نے ڈنر دیا

نھیوڈ ورا اس وقت عباسی رنگ کی بھاری بنارسی ساری میں ایک خوشرنگ پھول معلوم ہو رہی تھی اور نشاط اپنی خوش قسمتی پر آج بہت نازاں تھے

ڈنر کے بعد چند مسوں نے گایا، ظفر و صفدر نے سہرے سنائے، پھر سب کی درخواست پر خود نشاط نے بھی دو انگلش گیت گلئے اور ظفر کے اصرار پر انھوں نے حافظ کی مشہور غزل گائی.

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا
مرا در منزل جاناں چہ امن عیش چوں ہر دم — جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا
شب تاریک و موج و بیم گرداب چنیں حائل — کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

ظفر اس غزل کو سن کر کہیں اور ہی پہونچ گئے، ختم ہونے پر بھی خاموش رہے.

صفدر۔ لو بھئی برہمن کا معاملہ ہے، کیوں بے نشاط اپنی شادی کی خوشی میں اوروں کو مارے ڈالتا ہے، تانسین کا باوا بنا پھرتا ہے، آخر بتاؤ کہ ان حضرت کو کیونکر سنبھالوں.

نشاط۔ بھائی خدا کے لئے زبان سنبھالو، یہی غنیمت ہے کہ تمہاری گفتگو یہ لوگ سمجھ نہیں سکتے.

ظفر، صفدر کی بے تکی ہانک پر بے اختیار ہنس پڑے.

صفدر۔ (اچھل کر) بندہ نواز فرمائیے تو مراقبہ کر آئیے، خدا اپنے بندوں پر کیا کیا رحمتیں نازل فرمائے گا.

ظفر۔ (مسکرا کر) خیر اور بندوں کے لئے تو جو چاہے وہ رحمت نازل کرے، مگر تم کو تو خدا نے کہہ دیا ہے نہایت بدصورت بیوی دے گا.

صفدر۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں اس قابل کہاں، مجھے کسی کی خوبصورتی لیکر کیا کرنی ہے، خوبصورت ہو یا بدصورت، موٹی ہو دبلی، جوان ہو یا بڑھیا، روپے والی ہونی چاہئے.

نشاط۔ بس فیصلہ ہو گیا، کہہ کر وہ سب ہنس دئے.

انگریز محض انجان، سوائے چارلس کے کوئی بھی نہ سمجھتا تھا، سب بیٹھے منہ تکتے رہے، بارہ بجے تک انہی خوش گپیوں میں وقت گزرا، پھر سب دولہا دلہن کا جام صحت پی کر رخصت ہوئے۔

نشاط ہنی مون کے لئے شب کو دو بجے کی ٹرین سے پیرس چل دیئے، ظفر و صفدر بھی اسٹیشن تک پہونچانے گئے، بھوڈو را کو جہیز میں بھائی نے پانچ ہزار نقد، طلائی چوڑیاں الماس کے بندے دئے تھے، پروفیسر صاحب نے سنگھار کا سامان اور ضروری لباس ایک ہزار نقد دیا، ظفر نے زمرد و یاقوت کا مرصع بریسلٹ دیا تھا۔ صفدر نے نیلم و الماس کی انگشتری، نشاط نے لباس عروسی مع ایک یاقوت کے مرصع سیٹ کے اور دو سارھیوں کے دیا، اور دولہا کے دوستوں، دولہن کے رشتہ داروں اور دوستوں نے اتنے تحائف دئے کہ ایک پورا کمرہ چاندی کے ڈنر سیٹ، اور قیمتی کار آمد تحفوں سے جگمگا رہا تھا۔

پندرہ دن کے لئے یہ دونوں ہنی مون کے لئے سدھارے، صفدر اور ظفر جنگ ایک ہفتے لندن رہے، تعطیل ختم ہونے پر دونوں کیمبرج واپس آئے، صفدر کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی، مگر ظفر کے باعث اُن کو چھ ماہ اور رکنا پڑا، ظفر جنگ کامیابی کے ساتھ علم کے زینے طے کر رہے تھے، ثروت آرا بیگم کی یاد گاہ بگاہ اُن کو اس مصروفیت اور اس ہنگامہ پرور فضا میں بھی بہت پریشان کر دیتی تھی، اور ہمیشہ اُن کی کوشش ہوتی کہ جلد از جلد تعلیمی سلسلہ ختم کر کے ہندوستان پہونچ جائیں، امید انسان سے بہت کچھ کرا دیتی ہے اسی اُمید کے سہارے ظفر جنگ بھی علم کی کڑیاں خوشی خوشی جھیل رہے تھے۔

کالج کے تمام طلبا میں ظفر جنگ کی ذہانت، قابلیت کو اعلیٰ مانا جا چکا تھا، اُن کے علمی مباحثے اور تقاریر، جو کالج میں وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے تھے، بہت دلکش و پُر اثر ہوتے تھے، انگلش لب و لہجہ اتنا پیارا تھا کہ جس پر انگریز بھی رشک کرتے تھے طبیعت تھی کہ دریا کہیں رکنے کا نام نہیں لیتی تھی ان کی متانت و سنجیدگی شکل و صورت اتنی باوقار تھی کہ ہر کہ و مہ

کو مرعوب کرلیتی تھی، کئی بڑی انگلش علمی و ادبی کتابوں کا ترجمہ اردو میں کر چکے تھے، غرضکہ وہ ہندوستان کے بہت بڑے اسکالر مانے جاتے تھے، اور پروفیسر صاحب کو اپنے لائق شاگرد پر بہت ناز تھا۔

۲۴

غروب ہوتے ہوئے آفتاب نے دامانِ شفق میں آگ لگا کر کسی سوختہ جگر کی آتشِ ہجراں کا نمونہ پیش کر دیا۔ بادِ نسیم کے سرد جھونکے خستہ دلوں کے لئے کس قدر فرحت بخش ہیں۔

ثروت آرا بیگم باغ والے برآمدے میں آرام کرسی پر نیم دراز اپنی سہیلی فرخندہ بیگم کا انتظار کر رہی ہیں، جو ابھی دو تین دن ہوئے سسرال سے آئی ہیں، انتظار سے اکتا کر انھوں نے ایک رسالہ ہاتھ میں لے لیا، جس کو بے دلی سے دیکھ رہی ہیں، قدم کی آہٹ پر بار بار نگاہ اٹھ جاتی ہے، ابھی انھوں نے دو تین ورق ہی پلٹے تھے کہ فرخندہ نسیم بہار کے ہلکے جھونکوں کی طرح اٹھکھیلیاں کرتی، زعفرانی ساڑی زیب تن کئے داخل ہوئیں اور ثروت آرا بیگم نے دوڑ کر بہت پُرجوش انداز میں اپنی بچھڑی ہوئی سہیلی سے معانقہ کیا، دیر تک بغلگیری کے بعد دونوں جب علیحدہ ہوئیں، تو فرخندہ نے کہا، ابی ثروت بہن تم کو دن بدن کیا ہوتا جاتا ہے۔

ثروت۔ (مسکرا کر) کیوں کیا ہوا؟

فرخندہ۔ ذرا آئینے میں شکل دیکھو، رنگ کیسا سنولا رہا ہے، آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں، اور منھ کتنا سا نکل آیا ہے، گذشتہ مرتبہ جب میں نے دیکھا تھا، پہلے جیسی تو جب بھی نہ تھیں مگر خیر یہ حالت بھی نہ تھی۔

حشمت۔ بوی ہر وقت کا فکر، رات دن کا سوچ، مجھ کو تو ان کی جان کا فکر ہے۔
فرخندہ۔ کیوں، فکر کس بات کا، خیر تو ہے؟
حشمت۔ جس دن سے ان ہی نوبلی بیگم صاحبہ کا دورہ دورہ ہوا ہے شگوفے آئے دن کھلتے رہتے ہیں، ان کے بن، اقبال بھتیجے کی بدولت ہر وقت دل جلتا ہی، سوا بدمعاش بری نظروں سے گھورتا ہے۔
فرخندہ۔ جان صاحب تو چھٹا ہوا بدمعاش ہے، بھائی جان کہتے ہیں جوا وہ کھیلتا ہے، شراب وہ پیتا ہے۔
حشمت۔ بوبیوی ان گنوں کی تو ہم کو خبر نہ تھی، شراب پینے کی وجہ سے آنکھیں چڑھی رہتی ہیں، مگر صاحب کے سامنے ایسا بھولا بھالا بنتا ہے جیسے یہ کچھ جانتا ہی نہیں، ان کی اماں جان کہتی ہیں خدا ایسا بھولا لڑکا دنیا زمانے کو دے، بچارہ کچھ جانتا ہی نہیں۔
فرخندہ۔ واقعی جب تو بہن ثروت کی پریشانی بجا ہے، لیکن یہ تھوڑے دن کی بات ہے۔
ثروت۔ (بات ٹال کر) خیر کچھ ہو گا بھی، بہن فرخندہ اب کے تم پورے سوا برس پیچھے آئی ہو، کتنے دن رہو گی۔
فرخندہ۔ بہن اتفاق ہی ایسا ہوا، آنے کو تیار بیٹھی تھی کہ ستوانسی لڑکی ہو گئی، تین ماہ کی بڑی بھری، وہ وہ حالت اس لڑکی کے ہونے کے بعد ہوئی کہ الٰہی توبہ، کوئی خلصے ڈیڑھ مہینے تو ایسی حالت رہی کہ بچنے کی بھی امید نہ تھی، وہ بیچاری بچی ہوئی بھی اور اللہ کے ہاں بھی سدھاری، مجھے خبر نہ ہوئی، اپنی بیماری میں ایسی مبتلا تھی، دنوں سرسامی کیفیت رہی۔
پلنگ سے اٹھنے کے بعد بھی مہینوں میں جا کر اتنی سکت ہوئی تھی کہ اٹھ کے چند قدم چل سکوں، حالانکہ اب چھ ماہ ہو چکے ہیں، صحت پائے ہوتے، مگر یہ حالت کہ چلنے میں اب بھی کبھی کبھی چکر آ جاتا ہے۔

ثروت۔ توبہ، خدا نے بچالیا، تمہاری حالت کے جو خط آتے تھے تو میرے اوسان خطا ہوتے تھے، اماں بی کے مرنے کے بعد سے دل ایسا کمزور ہو گیا ہے کہ خدانکردہ کسی کا پتّہ ابھی کھڑکا ہوتا ہے تو بس میرے دم پر بن جاتی ہے، تم مجھ کو کہہ رہی تھیں اپنی حالت تو دیکھو رنگ زرد ہے، خون کا نام نہیں، بال سارے اتر گئے، کیسے لمبے بال تھے۔

فرخندہ۔ میری تو وجہ ہے کہ اتنی سخت بیماری اٹھائی، ایک کچا بچہ اور کئی پورے برابر ہیں۔

ثروت۔ بہن بے وجہ تو میں بھی دبلی نہیں ہو رہی ہوں، جان صاحب کی بدولت ناک میں دم ہے، ہر وقت عزت و آبرو کا ڈر رہتا ہے۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) خدا یہ تین ماہ آسان کرے، بھابی جان کہہ رہی تھیں کہ ظفر جنگ کے آنے میں تین ماہ اور باقی ہیں۔

حشمت۔ ہاں صادقہ بیگم کو تو سب خبر رہتی ہے۔

ثروت۔ صفدر بھی آرہے ہیں کیا؟

فرخندہ۔ ظفر جنگ کے ہمراہ ہی نشاط و صفدر بھی آئیں گے، نشاط اور صفدر کی پڑھائی تو ختم بھی ہو گئی، مگر ظفر جنگ کی وجہ سے ٹھہرے رہے، اے ہاں نشاط کی شادی بھی تو ہو گئی۔

ثروت آرا۔ اے سچ کہو، کس سے ہوئی، کب ہوئی؟

فرخندہ۔ جن پروفیسر کے ہاں ظفر بھائی ٹھہرے ہیں ان کی میم صاحبہ کی بھتیجی سے صفدر نے تعریف لکھی ہے کہ بہت خوبصورت لڑکی ہے، شادی ہوئے بھی تین مہینے ہو گئے، بھابی جان کو صفدر نے تاکید لکھ دی تھی کہ اور کسی کو خبر نہ ہو، بس آپا زہرہ اور بھابی جان کو معلوم ہے۔

حشمت۔ ہم نے تو سنا تھا کہ نشاط میاں کی مہرالنسا بیگم سے ہو گی۔

فرخندہ۔ ہاں، نواب عشرت علی خاں، عشرت زمانی بیگم کا خیال تھا، مگر صاحبزادے

نے وہاں خود ہی کر لیا، لطف یہ کہ اماں باوا کو خبر بھی نہیں، بیماری کے بہانے تلہ پر تین ہزار روپیہ منگوایا تھا، اب جب آئیں گے تو بڑا لطف آئے گا، ہیں صفدر خوش نصیب، ورنہ اظہر نانی بیگم بھائی کی وجہ سے مجبور رہتیں، حالانکہ عزیز تو وہ نشاط سے زیادہ صفدر کو ہی رکھتی ہیں، لیکن بھائی سے کچھ نہ کہہ سکتیں، اب مہرالنسا کا صفدر سے ہو جائے گا، بھابی جان تو نشاط کے شادی کرنے سے بہت خوش ہیں، آپا نازبو بھی مسرور رہیں۔

حشمت۔ زیب النسا بیگم سسرال سے کب آئیں؟ ابھی کوئی پندرہ دن ہوتے تو اماں خیر سلا کے لئے گئی تھیں، جب تو وہ آئی نہیں تھیں۔

فرخندہ۔ ہاں اُن کو ابھی آئے نواں دن ہے، پرسوں لڑکی ہوئی ہے، اُن کے ہاں بھابی جان کل تھوڑی دیر کو آئی تھیں، آج پھر صبح سے اظہر محل گئی ہوئی ہیں۔

حشمت۔ ایلو یہاں کسی کو خبر بھی نہیں، بیوی بیچاری دوسرے تیسرے دن آدمی بھیجتی رہتی تھیں ان کو کیا غرض جو بھیجیں، اماں اپنی خوشی مہینے میں دو تین مرتبہ ہو آتی ہیں۔

فرخندہ۔ نازبیگم ہیں کہاں گھر میں تو سناٹا ہے۔

ثروت آرا۔ اس وقت بمع اپنے صاحبزادے اور والدہ صاحبہ کے تفریح کو گئی ہیں مجھ سے بہت اصرار کیا، لیکن میں نے کہا، اس وقت میں نے فرخندہ بہن کو بلایا ہے، اس لئے نہیں جا سکتی آپ تشریف لے جائیں۔

ثروت آرا۔ بہن تم نے لکھا تھا کہ میں ہارمونیم بجانا سیکھ رہی ہوں، کچھ سناؤ تو۔

فرخندہ۔ اے ابھی سال بھر تو ہوا سیکھتے ہوئے، اُس میں اتنے دن بیماری کی بدولت چھوٹا رہا۔ ایسا آتا کیا ہے جو سناؤں۔

ثروت۔ خیر جو کچھ بھی آیا ہے سنا دو، یہاں کون سا مجمع ہے جو تم کو شرم آتی ہے۔

فرخندہ۔ تمہاری خوشی سر آنکھوں پر۔
ثروت۔ جا حشمت ڈرائنگ روم سے ہارمونیم اٹھالا۔
حشمت۔ اُوئی اتنا بھاری مجھ سے نہ اُٹھے گا۔
ثروت۔ گلزار سے کہہ وہ لے آئے گا۔
ہارمونیم آگیا اور فرخندہ نے دلکش سروں میں غالب کی یہ غزل شروع کی۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رُلائے کیوں

غزل ختم کرکے جب وہ خاموش ہوئی تو ثروت نے کہا واہ بہن تم تو کہتی تھیں ابھی کچھ آتا ہی نہیں، کتنا اچھا بجاتی ہو۔ اب کوئی اور چیز سناؤ۔
حشمت۔ بوا کوئی ٹھمری کی چیز سناؤ۔
ثروت۔ بس اس کو تو ان فضول لغویات کا شوق ہے۔
حشمت۔ بوا جیسی عقل ویسی ہی پسند ہے۔
فرخندہ۔ وحشمت تمہاری ہی خوشی سہی، ہارمونیم پر انگلیاں زور سے مار کر، شروع کیجیے ہیں۔

سنو ریلے، ہمری نا ہیں بنی رے

فرخندہ گاتی رہی اور حشمت نرت کرتی رہی حشمت ایسے ایسے منہ بنا رہی تھی، کہ ثروت آرا خوشی کے مارے لوٹی جا رہی تھیں، اس گیت کے ختم ہونے پر۔ فرخندہ نے ثروت کی فرمائش پر ایک فارسی غزل شروع کی، ابھی انھوں نے دو شعر گائے تھے کہ نازنین بیگم بادشاہ بیگم آتی نظر پڑیں، اور فرخندہ بیگم گانا بند کرکے آداب کے لئے جھک گئیں۔
بادشاہ بیگم۔ جیتی رہو، بوڑھ سہاگن ہو، بیٹھو بیٹی۔
نازنین بیگم۔ فرخندہ کیا گا رہی تھیں، بہت اچھی چیز تھی، ہمیں بھی سناؤ۔
فرخندہ۔ جی ایک فارسی غزل تھی۔

بادشاہ بیگم۔ ماشاء اللہ تمہاری آواز بہت اچھی ہے، سناؤ بیٹی تو، ہاؤ نہیں۔

فرخندہ نے اصرار سے مجبور ہو کر غزل پھر گائی، پھر ناز بیگم کی فرمائش پر ایک ملہار گایا، اور جلسے سے ہاتھ اٹھا لیا، باتیں ہونے لگیں۔

ناز بیگم۔ تمہاری بھاوج تو اچھی ہیں، بہت دن سے نہیں آئیں۔

فرخندہ۔ جی ہاں اچھی ہیں، لیکن چھوٹے بچے کی طبیعت دو ماہ خراب رہی، اب خدا خدا کر کے کوئی ایک ماہ سے ٹھیک ہے۔

بادشاہ بیگم۔ چھوٹا بچہ وہی نا جس کا چلہ نہا کر مہ پارہ کے دودھ چھٹنے آئی تھی۔

ثروت۔ جی ہاں وہی۔

ناز بیگم۔ اب تو وہ پانچ مہینے کا ہو گا، اور کے بچے ہیں۔

فرخندہ۔ جی پہلونٹی کی لڑکی ہے، پھر ایک لڑکا ہے، دوسرا لڑکا یہ ہے، تین بچے ہیں، مہ پارہ کو گود میں لے کر یہ دو سال کی ہو گئیں۔

ناز بیگم۔ دودھ تو ہم نے ڈیڑھ برس کی تھی جب ہی چھڑا دیا تھا، انا کو اس کی بہ تاں ہو گیا تھا، ڈاکٹر نے کہا دودھ اس کا بہت مضر ہے، ابھی مدار کا مہینہ ہے شب برات کے چاند میں یہ ہوئی تھی، شب برات میں دو سال کی ہو گی، انا کی بیماری سے واقعی بچی کا جی ہمیشہ اکتا رہتا تھا، اب جس دن سے دودھ چھٹا ہے، ماشاء اللہ اس کی صحت درست ہو گئی ہے

فرخندہ۔ آپ نے اپنا دودھ کیوں نہ دیا؟ اپنے دودھ سے اچھا کسی کا دودھ نہیں۔

بادشاہ بیگم۔ ارے بیوی ان کے دودھ تھا ہی کہاں، اس لئے تو انا رکھی تھی، دودھ نہ ملنے کے باعث لاغر ہوئی جا رہی تھی۔

ثروت۔ دلہن بھابی مہ پارہ کے ہاتھ کس قدر خوبصورت ہیں، کرتا اس کو بار یک پہنا رکھا ہے، ابھی اتنی گہری نہیں ہے، شام کو خاصی ٹھنڈ ہوتی ہے۔

نازبیگم۔ بیٹی تم نے اللہ رکھے اب کچھ دن سے، اس کا خیال چھوڑ دیا ہے، انا جو جی چاہتا ہے کرتی ہے۔

ثروت۔ ہاں میں نے آج کپڑے نکال کر نہیں دئے، ورنہ روز تو میں خود دیتی ہوں۔

نازبیگم۔ اے بیٹی فرخندہ بیگم کچھ اور سناؤ۔

فرخندہ۔ مجھے عذر نہ تھا، لیکن بہت کافی دیر سے گا رہی تھی، اس لئے اب گلے میں خراش سی ہو رہی ہے۔

نازبیگم۔ گانا تو میرا جان صاحب بھی بہت اچھا ہے، ایسی آواز ہے جیسے کوئل کوکتی ہو، ستار بھی بہت اچھا بجاتا ہے، ثروت سے بہت کہا سیکھ لو۔ مگر یہ نہیں سنتیں، ہر وقت بس یہ ہیں اور ان کا کمرہ، نگوڑی کتابیں یا تصویر کشی سے شوق ہے۔

فرخندہ۔ ہاں ثروت بہن کو کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا۔

بادشاہ بیگم۔ بیٹی زیادہ پڑھنے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے، اب ان کو دیکھ لو ہر وقت پڑھتے رہنے سے آنکھوں کے نیچے کیسے سیاہ حلقے ہو گئے ہیں۔

ثروت۔ (مسکرا کر) نہیں نانی جان یہ کتب بینی سے نہیں ہیں، میں تو ہمیشہ سے ہی پڑھتی ہوں، یہ محض اس لئے ہوتے ہیں کہ میری طبیعت ان دنوں کچھ مضمحل رہتی ہے رات کو نیند اچھی طرح نہیں آتی۔

بادشاہ بیگم۔ ہاں بیٹی جو تم کہو سچ ہے، آج کل کی لڑکیاں ہم بڑی بوڑھیوں کو کب خاطر میں لاتی ہیں۔

گلزار۔ حضور بیگم صاحبہ، صاحب تشریف لے آتے ہیں، آپ کو بلا رہے ہیں۔

نازبیگم۔ (کھڑے ہو کر) کدھر ہیں۔

گلزار۔ حضور باغ میں ہیں وہیں آپ کو بلاتے ہیں۔

نازبیگم۔ میں اُدھر جاتی ہوں، اماں تم رہ بارہ کو اپنے سامنے کھچڑی کھلوا دینا

اتا زیادہ ٹھسا دے گی۔
بادشاہ بیگم۔ اچھا، گلنار مہ پارہ کو ادھر لے آ۔
ان دونوں کے جانے کے بعد ثروت نے مسکرا کر کہا، ضرور بی جانی صاحب سے ستار سیکھوں گی۔
فرخندہ۔ واقعی یہ دونوں ماں بیٹیاں پکی کٹنیاں معلوم ہوتی ہیں۔
حشمت۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا، کہہ رہی تھیں اگر حشمت ثروت آرا کے پاس سے الگ ہو جائے تو یہ ٹھیک ہو جائیں، یہ بہت بہکاتی ہے، اس لئے دونوں مجھ پر تیز رہتی ہیں۔
فرخندہ۔ ہاں اس وقت ماں بیٹیاں طنزیہ رنگ میں گفتگو کر رہی تھیں۔
ثروت۔ یہ تو معمولی بات ہے، اب تم ہی بتاؤ اس ماحول میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں، آؤ اندر چلیں، اب یہاں ٹھنڈ محسوس ہو رہی ہے۔

۲۵

سینٹ کیتھرائن کالج کا بڑا ہال طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، آج کالج میں بہت پُرزور مباحثہ ہے جس کے مقابلے کے لئے آکسفورڈ کے دو بہت ہونہار اور ذہین طالبعلم آئے ہوئے ہیں، اور سینٹ کیتھرائن سے اس مقابلے کے لئے ظفر جنگ اور ایک اور یورپین ذہین طالب علم چنے گئے ہیں، چونکہ موضوع دلچسپ ہے اور مقابلہ دو مشہور درسگاہوں کے ہونہار طلبا کا ہے، اس لئے سب کو ہی اشتیاق ہے، ٹھیک دس بجے مباحثہ شروع ہوا، ظفر کی تقریر گویا گوہر آبدار تھی، جو رشتہ سا ساک میں پروئی جا رہی تھی یا گلہائے تازہ جو اپنی خوشبو لوگوں کے دماغوں میں بسا رہی تھی، روانی اس بلا کی تھی کہ کہیں مطلق اٹکنا نہ تھی اور بیانے فصاحت تھا کہ لہریں لے رہا تھا، مخالفوں کو زبان ہلانے کی جرات بھی نہ تھی، کچھ یونہی سے جوابات کے بعد اب اُن پر بھی اور حاضرین کی طرح سکوت طاری تھا، اور بجائے مقابلے کی کوشش کے وہ اس سحر کار انداز بیان پر مفتون ہو رہے تھے، مخالف و موافق ہر ایک کے منہ پر تحسین کے الفاظ تھے، یہ مباحثہ پورے ایک گھنٹے جاری رہا، اور آخر کار ظفر جنگ ہی سب پر غالب رہے، آکسفورڈ والوں کو اس مقابلے میں شکست ہوئی۔

ان کی بحث ختم ہوتے ہی کالج کے طلبا نے خوشی کے نعروں اور تالیوں سے

کالج سر پر اٹھا لیا، کہیں پندرہ بیس منٹ بعد سکون ہوا، ظفر جنگ کو پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا گیا اور ہر ایک نے مبارکباد دی، ظفر شاداں و فرحاں اپنی قیام گاہ پر واپس آئے، کمرے میں داخل ہو کر صفدر سے جو بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہا صفدر افسوس ہے آج تم نہ گئے بڑا لطف رہا، بیچارے آکسفورڈ والے اس مقابلے میں بری طرح ہارے، مجھکو اس مقابلے میں جیت جانے کے باعث کالج کی جانب سے پرنسپل صاحب نے یہ طلائی تمغہ دیا۔

صفدر۔ (لاپروائی سے) خدا مبارک کرے۔

ظفر۔ خیر ہے، اس وقت کیا درد سر زیادہ ہے، رنگ تمہارا زرد ہو رہا ہے۔

صفدر۔ نہیں درد تو اب بہت کم ہے، وہ تو اسی وقت اتنا تھا کہ سر اٹھانے کے قابل نہ تھا، نشاط کہاں رہ گئے؟

ظفر۔ نشاط، چارلس سے باتیں کر رہے تھے، میں تمہارے خیال سے جلد ہی چلا آیا۔

صفدر۔ (سرد مہری سے) عنایت، مہربانی۔

ظفر۔ خیریت تو ہے، کیا بات ہے بتلاؤ؟

صفدر۔ ایک خط ہے جو میرے سرہانے ہے اس کو پڑھ لو۔

ظفر نے انتہائی اضطراب میں خط کھولا، خط پڑھتے پڑھتے اُن کا رنگ متغیر ہونے لگا، ہونٹ شدت جذبات سے کپکپانے لگے، اور آخر اُن کے منہ سے نکلا ارے یہ تو غضب ہو گیا، آخر کار خط انھوں نے تپائی پر رکھ دیا اور خود آرام کرسی پر گر پڑے سگار سلگا کر کش پر کش لینے لگے، دس منٹ تک مطلق سکوت رہا، اس کے بعد ظفر نے سلسلہ سکوت توڑا، اور کہا صفدر یہ خط تم کو کب ملا؟

صفدر۔ ابھی صبح کی ڈاک سے۔

ظفر۔ پہلے تو باجی صادقہ نے لکھا نہ تھا کہ بیرسٹر صاحب نے دوسری شادی کر لی ہے۔

صفدر۔ مجھی پڑھ تو لیا کہ اس کا لکھنا پہلے بے سود تھا، ان باتوں کی خبر نہ تھی، یہ تو

فرخندہ کے آنے سے حال کھلا ہے۔
ظفر۔ آہ ثروت آج کل کس قدر فکرمند رہتی ہے۔ کاش کہ میں اڑ کے پہونچ سکتا۔
صفدر۔ میاں اگر جب ہی وداع ہو جاتی، جھگڑا تھا نہ قصہ، صاحب میم صاحب دونوں ولایت آجاتے، ہنی مون ولایت میں مناتا۔
ظفر۔ تم کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے، بھلا ہندوستانی اگلے زمانے کے لوگ ابا جان ضرور اس کو گوارا کرتے کہ بہو کو لندن بھیج دیتے۔
صفدر۔ جاہل عورتوں میں مکر کتنا ہوتا ہے، ثروت کی سوتیلی ماں بس مکر کی گانٹھ معلوم ہوتی ہے۔
ظفر۔ اور یہ جانی صاحب کون حضرت ہیں جو ثروت کی پریشانی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔
صفدر۔ ارے میاں وہی قصہ زلیخا زن بود یا مرد، نازبیگم کے بھتیجے ہیں۔
ظفر۔ نازبیگم کون؟
صفدر۔ اونہہ مغز کے کیڑے چاٹ گئے، ثروت آرا بیگم کی سوتیلی ماں کا نام نازبیگم ہے۔
ظفر۔ ہاں بھئی دماغ درست نہیں۔
صفدر۔ تو خط پر نظر ثانی کرو۔

ظفر نے دوبارہ خط پڑھا اور پھر کہا، ہاں اب سمجھ میں آیا ہے، بس اب امتحان میں ڈیڑھ ماہ باقی ہے، پھر نتیجے کا انتظار ایک ماہ کے قریب کرنا ہے، خدا یہ دن آسانی سے گزار دے، مجھے یہاں ایک ایک پل اب بھاری ہے۔
صفدر۔ تو یہ تمہارے خسر صاحب کا بھی تو خط آیا ہے۔
ظفر۔ (بیرسٹر صاحب کا خط سرسری نظر سے دیکھکر) معلوم ہوتا ہے یہ حضرت بہت خوش ہیں، لفظ لفظ سے شادمانی ٹپکی پڑتی ہے۔
صفدر۔ نازبیگم حسین بھی ہے اور عشوہ غمزے میں طاق بھی، کیوں نہ خوش ہونگے۔

ظفر۔ اچھا میں ذرا اس کا جواب لکھدوں اور باجی صادقہ کو بھی خط لکھدوں باجی کو لکھوں گا کہ میرے آنے تک فرخندہ کو سسرال نہ جانے دیں، تاکہ ثروت کا دل ذرا بہلا رہے، اور زیادہ پریشانی نہ ہو۔

صفدر۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔

ظفر۔ تم آرام کرو۔ میں لائبریری میں جاتا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے ظفر دوسرے کمرے میں چلے گئے، یہاں انھوں نے خط لکھے اور پھر کوٹھی کے مختصر باغ میں گھاس پر بیٹھکر، ثروت آرا کے نغموں سے دل بہلانے لگے اس وقت ظفر جنگ اپنی محبوبہ کی یاد میں بالکل کھوئے ہوئے تھے اور پیار محبوب بری طرح دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، خوبصورت نیلگوں آنکھیں تاثرات کے باعث آنسوؤں سے لبریز تھیں، جلد ہی سنبھلکر انھوں نے آنسو رومال میں جذب کئے اور دل بہلانے کے خاطر، زرد گلاب کے پھولوں کی شاخوں سے کانٹے توڑنے لگے۔

تھوڑی دیر کی خالہ زاد بہن مس الگزنڈرا بھی ٹہلتی ہوئی باغیچے میں آنکلی، یہ ایک حسین چنچل اٹھارہ سالہ دوشیزہ تھی، اس کو یورپ کی آزاد سوسائٹی نے ایسی شوخیاں سکھادی تھیں کہ ہر وقت بے چین رہتی تھی، اس کا چلبلا پن ایسا ایک چلتا ہوا جادو تھا کہ جس کا کوئی علاج نہ تھا، وہ کسی وقت بھی قرار سے نہ بیٹھتی تھی، سوسائٹی میں اس کی ہنسی اتنی ہی ضروری تھی جتنی بارش کی فصل کے لئے، ظفر کو تنہا اور افسردہ پاکر وہ قریب آئی، شیک ہینڈ کیلئے اپنا نازک خوبصورت ہاتھ دلربایانہ ناز سے بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہیلو مسٹر ظفر کیا سوچ رہے ہیں؟

ظفر۔ جو اس کی آمد سے بے خبر اپنے شغل میں مصروف تھا، چونک کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ بھی نہیں، ان پھولوں کے کانٹے توڑ رہا ہوں۔

الگزنڈرا۔ آپ یہ زحمت کس لئے برداشت کر رہے ہیں؟

ظفر۔ (مسکراتے ہوئے) اس لئے کہ آپ جیسی حسین خواتین کے نازک ہاتھوں میں یہ کانٹے نہ چبھیں۔
الگزنڈرا۔ (ہلکا قہقہہ لگا کر) یہ فلسفہ خوب ہے، اور ایک زرد گلاب کا پھول ظفر جنگ کے کوٹ میں لگا دیا۔
ظفر۔ (سر کو خم کرتے) اس عزت افزائی کا شکریہ!
الگزنڈرا۔ دیکھئے مسٹر ظفر اس وقت کا منظر کتنا دلفریب ہے، شفق نیلگوں آسمان پر کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔
ظفر۔ (بیساختہ آہ سرد بھر کر) ہاں خوش نصیبوں کے لئے یہ سب مناظر دلچسپ ہیں۔
الگزنڈرا۔ (تعجب کے لہجے میں) تو کیا آپ خوش نصیب نہیں ہیں؟
ظفر۔ (جو بے اختیارانہ طور پر یہ جملے کہہ گئے تھے، تلافی کرتے ہوئے) میرا مطلب یہ ہے کہ وطن سے دور ہو کر ان چیزوں کا لطف نہیں آتا۔
الگزنڈرا۔ اچھا تو آپ کو ہندوستان بہت یاد آتا ہے۔
ظفر۔ جناب مجھے ہندوستان یاد آتا ہے اور مجھ کو کیا ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے۔
الگزنڈرا۔ یہ تو محض آپ کا خیال ہی، نشاط تو ہندوستان کو بالکل یاد نہیں کرتے۔
ظفر۔ ہاں وہ خوش نصیب ہیں، اُن کو حسین نیک عفت بیوی مل گئی ہے، یہاں وہاں سے زیادہ دلچسپیاں ان کے لئے ہیں: پھر کیوں یاد کریں۔
الگزنڈرا۔ تو پھر آپ بھی ایسے ہی خوش نصیب کیوں نہیں بن جاتے؟
ظفر۔ مجھ کو بھلا کون مس پسند کرے گی۔
الگزنڈرا۔ (ایک ادائے دلستاں سے مسکرا کر) کیوں آپ میں برائی کیا ہے؟ آپ نشاط سے زیادہ قابل حسین اور ذہین ہیں، البتہ نشاط کا گانا قابل تعریف ہے۔
ظفر۔ تو مجھے تو نشاط جیسا گانا نہیں آتا، کہ اپنے نغمے سے مسکرا کر کیوپڈ کی طرح تیر برساؤ

اور کسی حسین کا دل موہ لوں۔
الگزنڈرا۔ صرف گانا ہی اچھا آنا کامیابی کی دلیل نہیں ہے، آپ کو تو یونیورسٹی قابل فخر مانتی ہے، آپ کی ذہانت آپ کی قابلیت، آپ کے بانہ اخلاق ایسی چیز ہیں، کہ ہر معزز سے معزز اور حسین دوشیزہ آپ کو اپنا شوہر تسلیم کرنے کو قابل فخر سمجھے گی۔
ظفر۔ نہیں مس مجھے بناؤ نہیں، تمہارا یہ خیال غلط ہے، بھلا مجھکو کون پسند کریگا۔
الگزنڈرا۔ (شوخی سے) میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں، (ظفر کے شانے پر ہاتھ رکھکر) سب سے پہلے میں اپنے کو پیش کرتی ہوں، میں اپنا فخر سمجھوں گی، میری نظر میں آپ سے بہتر شخص دنیا میں نہیں ہے، اگر یھیوڈورا کو اپنے شوہر کے گلنے پر ناز ہے تو مجھ کو آپ کی علمیت اور ذہانت و وجاہت، اتنی چیزوں پہ ناز ہوگا۔
ظفر۔ (سنجیدگی سے) مگر مجھے افسوس ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم جیسی پریجمال نازک ادا دوشیزہ کا شوہر بن سکوں۔
الگزنڈرا۔ (تعجب سے) کیوں؟
ظفر جنگ۔ اس لیے کہ میں شادی شدہ ہوں۔
الگزنڈرا۔ (جو یہ سن کر زرد ہوگئی تھی) حیرت سے شادی شدہ! آپ ابھی تو بالکل نوجوان ہیں، شادی بھی ہوگئی۔
ظفر۔ میری پیاری مس الگزنڈرا اس کا تعجب نہ کرو، ہمارے ہاں کمسنی میں شادیاں ہو جاتی ہیں، میری شادی کو اب چار سال ہو جائیں گے، لندن آنے سے دو ماہ قبل ہوئی تھی۔
الگزنڈرا۔ اُف، میرے خدا کیا آپ کی بیوی بہت حسین ہیں؟
ظفر۔ ہمارے ہاں جب تک وداع نہ ہو دیکھنے کا رواج نہیں ہے، لیکن میں نے اتفاق سے اپنی بیوی کو شادی سے قبل ہی دیکھا تھا، وہ بہت ہی حسین ہیں۔

الگزنڈرا۔ (خفیف ہو کر) مجھے معاف کیجیے معلوم نہ تھا کہ آپ شادی شدہ ہیں۔ نیوڈون نے تو مجھ کو نہیں بتایا، آہ وہ خاتون کیسی خوش نصیب ہے، جس کے آپ شوہر ہیں۔

ظفر۔ مس مجھے شرمندہ نہ کرو۔ (الگزنڈرا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر) ایں تم رو رہی ہو، کیا میں نے کوئی بے ڈھنگا لفظ بولا، جس سے تمہارے نازک دل کو صدمہ پہونچا۔

الگزنڈرا۔ (رقت آمیز لہجے میں) نہیں مسٹر ظفر میرے بھولے دل کو سخت دھوکا ہوا، ہاتھوں سے منہ چھپا کر۔ آہ۔ آہ!

ظفر۔ (گھبرا کر) خدارا دل سنبھالو، خدا تم کو لائق حسین شوہر دے، میں کس قابل ہوں۔

الگزنڈرا۔ آہ بار بار میرا دل نہ دکھائیے۔

ظفر۔ معاف کرو مجھے لیڈیز سے گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔

الگزنڈرا۔ نہیں یہ صرف میرا اپنا قصور ہے، اب اس قصور کی پاداش میں تمام عمر شادی نہ کروں گی۔

ظفر۔ کیوں؟

الگزنڈرا۔ اگر کرتی تو آپ سے، اب تمام عمر آپ کے نام کی پرستش کرونگی۔

ظفر۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھ کمبخت کے باعث ایک حسین و بھولی دوشیزہ کے دل کو گزند پہونچا، اس کی جو سزا تجویز کرو، میں بخوشی قبول کروں گا، کاش کہ میں اس کی تلافی کر سکتا، پر اب میں خود اپنے اختیار میں نہیں ہوں اور عہد شکنی شرافت کے خلاف ہے۔

الگزنڈرا۔ میرے معزز دوست آپ قابل قدر انسان ہیں، آپ اس معاملہ

میں بے قصور ہیں، قصور میرا ہے، میں ہی سزا بھگتوں گی، یہ کہتے ہوئے وہ افسردہ چال سے چل دی۔

ظفر اس مغموم ماہوش حسینہ کو دیکھتے رہے، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی، پھر ایک آہ سرد لیکر سر نیچے جھکا لیا۔

اس تازہ واقعہ نے ایسا پریشان کیا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، کوئی دیکھ نہ لے اس خیال سے جلدی سے کمرے میں گھس گئے۔

۲۶

صبح کا وقت ہوا، مرغانِ خوش الحان نے حمدِ خالقِ لایزال میں لب وا کئے۔ لیلائے شب کا پردہ خورشید کی بیباک کرنوں نے پارہ پارہ کر دیا مسجدوں میں صدائے اللہ اکبر گونج اٹھی، جس نے اہلِ عالم کو بارگاہِ ایزدی میں سر جھکانے کا پیغام دیا۔

ثروت آرا بیگم نے بھی نماز اور تلاوت قرآن پاک کے بعد مختصر سا ناشتہ کیا اور کچھ کمروشیا سے کام بناتی ہوئی مع حشمت کے باغ میں چلی گئیں۔

ددا کو حکم دیا کہ گاڑی لے کر جائیں اور ابھی ان کی پیاری سہیلی فرخندہ بیگم کو لیکر آئیں، ایک پرچۂ حریری پر بہت کچھ شوق ملاقات لکھ دیا، ابھی آفتاب نے دریچۂ مشرق سے منھ نکالا تھا کہ بی فرخندہ بیگم یہ کہتی ہوئی باغ میں داخل ہوئیں۔

کہاں ہو ثروت؟ اللہ جانتا ہے تمہاری دولنے چلنے کی پیالی بھی ہنی مشکل کر دی

ثروت۔ مسکراتے ہوئے، معانقہ کرکے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

فرخندہ۔ واہ بھئی اچھی رہی صبح ہی صبح کون سا کام تھا۔

ثروت۔ واہ، بی معلوم ہوتا ہے رات کو کھری پر سوئی ہو جو لڑتی ہوئی آئیں۔

فرخندہ۔ بوی بتو ہوش کی دوا کرو، ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔ رات کو گیارہ بجے تو وہ سوار ہوئے، کوئی ایک بجے کے قریب سوئی، صبح ہی تمہاری دوا جانازل ہوئیں۔

ثروت۔ تم تو شادی کیا ہوئی کہ گئی گذری ہوئیں، یہاں آئے ہوئے تم کو تین ماہ ہوئے، اس تین مہینے میں کل چھ دفعہ آئی ہو، دو دفعہ تو برائے نام آئیں، سارے دن کے لئے، ہاں چار دفعہ کا احسان بندی کے سر آنکھوں پر کہ دو دو دن رہ گئیں۔

فرخندہ۔ سال سسرال کے ہو جانے کے بعد آدمی کو چھٹکارا نہیں ملتا، اللہ جانتا ہے یہ دن کیسی مصیبت سے گزرے، خدا کو معلوم ہے مگر اُن کی وجہ سے نہ آسکی، وہ تو خیر مگر جیٹھ بھی آئے ہوئے تھے اُن کا خیال تھا، پھر بھی دو گھنٹے کے لئے ہو ہی گئی۔

ثروت۔ خیر اب یاد رہے، چار دن تک آپ کو جانا نہ ملے گا۔

فرخندہ۔ ہاں بوا غریب کی جورو سب کی بھابی۔

ثروت۔ ہنس کر اوئی اللہ رکھے میاں جاگیردار ہیں، پھر بھی غریب ہو تو خدا کی مرضی

فرخندہ۔ بہن میرے نام حکمنامہ آیا ہے کہ دلہن تمہارا دل بہلانے کو رہوں۔

ثروت۔ وہ کس نے حکم دیا۔

فرخندہ۔ تمہارے نوشاہ صاحب نے، پرسوں ہی تو بھائی جان پاس خط آیا ہے کہ جب تک میں آؤں فرخندہ بہن کو آپ نہ جانے دیں، وہ چھوڑتے تھوڑی تھے، جب بھائی ظفر کے خط کا حوالہ دیا تو خاموش ہو گئے، وہ لینے ہی آئے تھے، بھائی ظفر کا لحاظ کیا، کلاس فیلو ہیں چھوڑ گئے۔

ثروت۔ اُونہہ، تم کو تو ایک بات کی رٹ لگ جاتی ہے، ہم کو کسی سے کیا مطلب

فرخندہ۔ (ہنس کر) اوئی وہ کسی کیوں ہو گئے، اللہ رکھے دولہا ہیں۔

حشمت۔ بوی اللہ جانتا ہے، وہ ان کے نام پر اپنی جان قربان کرتے ہیں

اور یہ یونہی باتیں کرتی ہیں۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) وہ تو خیر دولہا ہیں، لیکن ان کی شکل ہی ایسی ہے کہ ہر ایک جان و ایمان قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

ثروت۔ (مسکرا کر) ذرا زبان سنبھالو۔

فرخندہ۔ مبارک ہو حشمت، تیرے دولہا میاں آئندہ ماہ میں آجائیں گے۔

حشمت۔ (نلچ کر) مبارک ہو مبارک۔

ثروت۔ بہن ایک تو وہ دیوانی ہے اور تم دیوانہ بنا دیتی ہو، کیا فائدہ ان اول جلول باتوں سے۔

فرخندہ۔ بہن ہم اول جلول جو ہوئے، تمہارے لئے مہذب کیسے ہو جائیں۔

ثروت۔ (بات ٹال کر) شاہجہاں بہن بھی پرسوں میرٹھ سے آگئیں۔

فرخندہ۔ ہاں ہاں میں نے دلشاد سے سنا تھا، لڑکی ہوئی ہے، چلہ نہا کر آئی ہیں، یہاں نہیں آئیں۔

ثروت۔ کل دوا کو بھیجا تھا، بچی کو بخار ہے اور نزلہ بھی شدت سے ہو رہا ہے کہلا بھیجا کہ بہن آنے کو جی چاہتا ہے لیکن اس لئے نہیں آسکتی اس کا جی اچھا ہو جائیگا تو آؤنگی۔

فرخندہ۔ ننھے بچوں کے ساتھ بھی قضیے رہتے ہیں

ثروت۔ ہاں اُس مس کا حال بھی صفدر نے کچھ لکھا۔

فرخندہ۔ کس مس کا؟

ثروت۔ وہی جس سے نشاط کی شادی ہوئی ہے۔

فرخندہ۔ صفدر بھائی کا خط ہی بہت روز سے نہیں آیا، البتہ ظفر بھائی کے خط ہر ہفتے آرہے ہیں، جب سے اُن کو معلوم ہوا ہے کہ تمہاری سوتیلی ماں ہیں وہ بہت پریشان ہیں۔ ہاں نشاط کا خط کل زیبو آپا کہہ رہی تھیں آیا تھا، لکھا تھا بھائی

ظفر آکسفورڈ اور کیمبرج کے مقابلۂ مباحثہ میں اوّل رہے، اور طلائی تمغہ دیا گیا مٹھائی کھلاؤ اس بات پر کیسی خوشخبری سنائی ہے۔

ثروت۔ واہ میں کیا جانوں۔

فرخندہ۔ (منھ بنا کر) ذرا سچ کہنا دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں، بڑی بیچاری بھولی۔

ثروت۔ بھئی اللہ ...... فرخندہ مان جاؤ، کیوں شرارت کر رہی ہو۔

گلزار۔ حضور آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔

ثروت۔ بہن فرخندہ میں ابھی آتی ہوں، اتنے تم یہ رسالہ پڑھیے، حشمت بہن کے پاس رہنا۔

فرخندہ۔ ہاں ہاں جاؤ، میرا بھی آداب کہہ دینا۔

ثروت۔ ...... گھبرانا نہیں، میں ابھی آتی ہوں یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

بیرسٹر صاحب، اس وقت بیوی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ثروت نے ادب سے باپ کو آداب کیا، نازنیگم بادشاہ بیگم کو بھی آداب کیا، اور جانی صاحب کو بھی سلام کیا۔ جو ایک کونے میں مؤدب نظریں جھکائے بھیگی بلّی بنے بیٹھے تھے، جواب میں جانی صاحب نے بھی سلام کیا اور ثروت باپ کے پاس بیٹھ گئی۔

بیرسٹر۔ کہاں تھیں ثروت؟

ثروت۔ ابّا جان فرخندہ بہن آئی ہیں، ان سے باغ میں باتیں کر رہی تھی۔

بیرسٹر۔ ڈاکٹر رفیق کی بہن؟

ثروت۔ جی ہاں۔

بیرسٹر۔ تو ہماری بھی دعا کہہ دینا، بہت اچھی لڑکی ہے۔

ثروت۔ ابّا جان بہن فرخندہ نے بھی آپ کو آداب کہہ دیا تھا۔

گلزار نے صبح کی ڈاک پیش کی، بیرسٹر نے سب سے قبل ایک خوشنما لفافے کو جلدی سے کھولا اور اس خط کو پڑھتے ہی اُن کا رنگ فرطِ مسرت سے سرخ ہوگیا۔

ناز بیگم۔ اے کس کا خط ہے؟

بیرسٹر۔ (مسکرا کر) ظفر جنگ کا۔

بادشاہ بیگم۔ اے اللہ رکھے ثروت کے دولہا کب آرہے ہیں؟

بیرسٹر۔ لکھا ہے اگلے مہینے کی آخر تاریخوں میں سوار ہوں گے، امتحان تو دیدیا ہے۔ نتیجے کا انتظار ہے۔

ناز بیگم۔ خدا بخیریت لائے اور وہ دن ہو کہ ثروت کا دولہا مجھکو آکر سلام کہے۔

بیرسٹر۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جیسا میں چاہتا تھا ثروت کو لائق شوہر ملا، ہندوستانی طلبا میں ظفر کا درجہ سب سے اول ہے، اور سینٹ کیتھرائن کالج کو ظفر جنگ کی ذہانت، قابلیت پر فخر ہے۔

بادشاہ بیگم۔ اے سنا ہے ان کے ساتھ جو دو لڑکے اور گئے تھے، اُن میں سے ایک نے شادی کرلی۔

بیرسٹر۔ ہاں ڈاکٹر رفیق کہتے تھے، عشرت علی خاں کے لڑکے نشاط نے شادی کرلی ہے، لڑکی خوبصورت اور اچھی ہے۔

ناز بیگم۔ ولایت کی عورتیں بہت بری ہوتی ہیں، اُڑ کے لپٹتی ہیں۔

بیرسٹر۔ بُری تو نہیں ہوتیں البتہ آزاد ہیں۔

ناز بیگم۔ یہ آزادی بھی کس کام کی۔

بیرسٹر۔ بیگم اپنے اپنے ملک کی رسم ہے۔

ظفر جنگ کو دیکھکر تم بہت خوش ہوگی، بہت ہی خوش رو اور شرمیلا لڑکا ہے آج کل کے لڑکوں کی طرح بیباک نہیں ہے۔

نازنہ بیگم۔ کیا میری ثروت سے بھی زیادہ خوبصورت ہے؟
بیرسٹر۔ میری نظر میں تو ثروت سے بھی زیادہ بھلا لگتا ہے۔
بادشاہ بیگم۔ خدا وہ دن لائے تو انشاءاللہ دیکھ ہی لیں گے۔
بیرسٹر۔ (جان صاحب کی جانب مخاطب ہو کر) ہاں میں نے کل تمہارے پاس لطیف بیگ، امیر احمد، شمشاد حسین کو دیکھا، یہ تینوں اول درجے کے آوارہ گرد اور شہدے ہیں۔ سوسائٹی میں اُن کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے خصوصاً شمشاد حسین کے نام سے تو تمام دہلی والے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں پہلے درجے کا بدمعاش ہے کئی شریف بہو بیٹیوں کو اغوا کر چکا ہے، شراب خور جوئے باز ہے میں ایسے بیہودہ اشخاص کا اپنے گھر میں آنا اور تم سے ملنا پسند نہیں کرتا، اگر آئندہ ان لوگوں کو یہاں دیکھا تو کوٹھی کے احاطے سے نکلوا دوں گا۔
جان صاحب۔ نیچی نظروں سے اور ملائم لہجے میں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ وہ اس قسم کے لوگ ہیں، آئندہ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔
بادشاہ بیگم۔ لے وہ بھولا بھالا بچہ، کسی کے گنوں کی کیا خبر۔
بیرسٹر۔ اتنا بھولا ہونا بھی بُرا ہے۔
نازنہ بیگم۔ ہاں ہاں ضرور سمجھاؤ، آج کل کے زمانے میں ایسا سیدھا پن کس کام کا ہوشیار رہنا چاہیئے۔
بادشاہ بیگم۔ واہ تم بھی بچے کے پیچھے پڑ گئیں، وہ دلی کے بدمعاشوں کو کیا جانے، بھونرے میں پلا ہے۔
بیرسٹر صاحب کا غصہ نازنہ بیگم کی چاپلوسی سے فرو ہو چکا تھا کہنے لگے میرا مطلب یہ ہے کہ آئندہ خیال رکھیں اور ان لوگوں سے نہ ملیں، ڈاکٹر رفیق احمد کے چھوٹے بھائی شفیق احمد اور رشید کے سالے محمد نسیم دونوں بہت اچھے لڑکے ہیں، اُن سے

ان کو ملایا ہے، ان سے ملیں، ان کو بلائیں، ان کے پاس جائیں، کون منع کرتا ہے۔

بیرسٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے، ثروت بھی باپ کے جاتے ہی اپنی سہیلی فرخندہ کے پاس چلی گئیں۔

جانی صاحب اس وقت ثروت کے سامنے بہت ہی خفیف ہوئے، ظفر جنگ کی تعریف سے پہلے ہی جلے ہوئے تھے، سیدھے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

جانی صاحب کی تعلیمی قابلیت تو مڈل فیل ہونے تک محدود تھی، مگر تھا چالاک لڑکا، بیس سال عمر میں بدمعاشوں کے کان کاٹتا تھا، دہلی آئے ہوئے اب اسے تین سال ہو گئے تھے، اس عرصے میں اپنی انگلش قابلیت اس نے اتنی بڑھالی تھی کہ اگر اچھی نہیں تو خیر خاصی انگلش بول لیتا تھا، فارسی اور اردو کے سینکڑوں شعر بر موقع اور وقت کے اس کو ازبر تھے، ثروت کی نظروں میں قابلیت کا سکہ جمانے کے لئے ہر وقت انگلش اخبار یا ناول ہاتھ میں لئے رہتا، سی سے انگلش قابلیت کو نمایاں ترقی ہوئی تھی، لکھنؤ کے لباس کی بجائے سوٹ بوٹ، تمام لوازمات فیشن سے مزین رہتا، بیرسٹر صاحب کی صحبت، مہذب سوسائٹی میں ہر وقت رہنے کی بدولت انگلش معاشرت سے بھی واقفیت ہو گئی تھی، شکل بھی کچھ بری نہ تھی، رنگ گورا تھا، مگر نقشے کے تناسب میں بجائے مردانہ رعنائی کے نسوانی نزاکت تھی، ہلکے ہلکے چیچک کے داغ چہرے پر بھلے لگتے تھے، گانا بھی خوب تھا، بیرسٹر صاحب کے سامنے بالکل شرمیلا اور بھولا بنا رہتا، جیسے بالکل سیدھا ہے، بیرسٹر صاحب کے ہر ادنیٰ حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا، اس لئے وہ اچھا نیک سمجھ کر ایک حد تک عزیز رکھتے تھے، ناز بیگم ہر وقت جانی صاحب کے سیدھے پن کی تعریفیں کیا کرتیں اور بیرسٹر صاحب کو اس کا پورا پورا یقین تھا، لیکن بیرسٹر صاحب کے کچہری جانے کے بعد جانی صاحب کے بدمعاش دوست جمع ہوتے اور خوب ہلڑ ہوتا، جن کو

بیرسٹر صاحب نے اتفاقیہ کچہری سے جلد آجانے پر دیکھ لیا اور جانی صاحب کی خوب سرزنش کی اور بادشاہ بیگم کی آئیں بائیں شائیں باتوں سے بات رفع دفع ہو گئی۔

بیرسٹر صاحب کے جانے کے بعد جانی صاحب کے احباب مقررہ وقت پر آنے لگے اور ان کو افسردہ دیکھ کر کہنے لگے ارے بھئی کیا بات ہے؟

جان صاحب۔ دوستو! کل بیرسٹر صاحب جلدی آ گئے تھے، اور تم سب کو انھوں نے جاتے دیکھا تھا، آج مجھ پر بہت خفا ہوئے کہ تم ایسے لوگوں سے نہ ملا کرو، یہ آوارہ گرد ہیں، آئندہ سے اگر میں نے دیکھا تو کوٹھی سے نکلوا دوں گا۔

لطیف بیگ۔ بس میاں اتنی سی بات کا کیا فکر۔

جان صاحب۔ نہیں آئندہ ماہ میں وہ کمبخت میرا رقیب ظفر بھی آ رہا ہے، یہ فکر بھی بہت ہے۔

شمشاد حسین۔ تو پھر کیا بات ہے۔

جان صاحب۔ یارو کوئی ترکیب سوچو، کیا کارروائی ہو جو یہاں پہونچنے سے قبل ظفر کا پتہ کٹ جائے۔

امیر احمد۔ یہاں تو اب ہم کھل کر آ بھی نہیں سکتے، ترکیب کیا بتائیں، میرے مکان کے پاس ایک کمرہ بہت اچھا ہے، بارہ روپے ماہوار کرلے پر دے لو، مزے سے دو تین گھنٹے وہاں رہو، ہم سب آزادی سے ملیں گے۔

لطیف۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

جان صاحب۔ خیر اس کا تو فکر نہیں تم کمرہ مجھے آج دکھا دینا لے لیا جائے گا لیکن ظفر کی بابت کوئی ترکیب کرو۔

شمشاد حسین۔ ارے بھئی ابھی تو بہت دن ہیں، گھبرائے کیوں جاتے ہو، یار ہم لوگوں کے آگے یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔

امیر احمد۔ دو دن کا کام ہے دو دن کا۔
شمشاد حسین۔ وہ ترکیب چلی ہو کہ بچہ ان حالوں میں بھی گھسنے نہ پائیں گے۔
لطیف بیگ۔ یہ بتلاؤ اب اُن کا کیا حال ہے؟
جان صاحب۔ کس کا؟
لطیف بیگ۔ ارے بھئی تمہاری) ثروت آرا بیگم کا۔
جان صاحب۔ وہ تو ان دنوں بہت ناراض ہیں، بات بھی نہیں کرتیں بہت کم سامنے آتی ہیں۔
شمشاد حسین۔ خیر تم بھی خبر نہ لو، اور خاموش تماشہ دیکھو، کیسا پانسہ پلٹتا ہے، دیکھنا تم سے ہی انشاء اللہ شادی نہ کرائی ہو تو نام بدل ڈالنا۔
امیر احمد۔ ارے یار کھانا تو منگاؤ، پیٹ میں چوہے قلا بازیاں لگا رہے ہیں۔
جان صاحب۔ (ملازم کو آواز دے کر) ارے شمسو کھانا لا۔
کھانا آیا اور جان صاحب بمع اپنے بدمعاش دوستوں کے مرغن لذیذ کھانے پر مشغول ہو گئے۔

۲۷

پانچ بجے کا عمل ہے آفتاب عالمتاب کی سنہری کرنیں دریائے ٹیمس پر اس طرح پڑ رہی ہیں جیسے کوئی کمسن حسین پانی پر دامن اٹھا کر چل رہا ہو۔

ظفر اس وقت نیلا سوٹ زیب تن کئے دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہے ہیں اُن کو امتحان دیتے ہوئے ایک ہفتہ ہوا، نتیجہ، انتظار کے لئے ایک ماہ ٹھہرنا ہے اب مع صفدر، نشاط، مسز نشاط کے دو روز ہوئے وہ لندن آئے ہیں، مگر اس وقت وہ تنہا ہی ٹہل رہے ہیں، خیالات خدا جانے کہاں ہیں، نگاہیں دور اُفق پر جمی ہوئی ہیں، ٹہلتے ٹہلتے تھک کر ایک بنچ پر بیٹھ گئے، شانے پر کچھ بوجھ معلوم ہوا تو مڑ کر دیکھا، صفدر کو پا کر کہا۔

او ہو صفدر تم آ گئے، نشاط کہاں ہیں؟

صفدر۔ وہ تو چارلس کے ساتھ کچھ خرید و فروخت کے لئے چل دیئے، تم کو کیا وحشت سوجھی جو ایک دم سے بغیر کہے سنے ادھر آ گئے۔

ظفر۔ کچھ نہیں یونہی دل گھبرا رہا تھا۔

صفدر۔ نہیں سوچتے سوچتے تم پاگل ہو جانا چاہتے ہو، اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی پاگل بنانا چاہتے ہو۔

ظفر۔ (مسکرا کر) وہ کون لوگ ہیں؟
صفدر۔ وہ ہم ہیں۔
ظفر۔ کیا کروں دل سے مجبور ہوں، بعض اوقات بہت گھبراتا ہے۔
صفدر۔ اجی آپ کا دل نہ ہوا ٹٹ پونجئے پھیری والے کا مال ہو گیا۔
ظفر۔ واہ یہ استعارہ تو آج تک کسی شاعر کو بھی نہ سوجھا ہوگا۔
صفدر۔ ہاں کل تم کیا کہہ رہے تھے، چارلس کے آجانے سے رک گئے تھے۔
ظفر۔ مجھے یاد نہیں، نہ جانے کیا ذکر تھا، کچھ یاد دلاؤ۔
صفدر۔ اُونھ ایسے نواب صاحب ہیں کہ کوئی بات یاد نہیں رہتی، یہی الگزنڈرا کی بابت جب میں تم سے پوچھ رہا تھا۔
ظفر۔ ہاں وہ اُس دن جب تمہاری طبیعت خراب تھی اور باجی کا خط آیا تھا میں پریشان باغیچے میں بیٹھا تھا، الگزنڈرا اچانک آگئی، مجھے پریشان پاکر اس کا سبب پوچھا، میں نے نہ جانے کیا اول جلول باتیں کیں کہ الگزنڈرا سمجھی کہ میں اس کا ہی خیال رکھتا ہوں اور فوراً اُس نے کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے، میرا یہ سن کر بوکھلا گیا اور جمیع الارکان ٹالنے کی کوشش تمام واقعہ سنا کر کی، لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ میں شادی شدہ ہوں تو سخت افسردہ ہو گئی اور کہہ دیا کہ میں بھی اب تمام عمر شادی نہ کروں گی اسی روز سے وہ مغموم رہتی ہے، تم بتاؤ صفدر، میں بھلا کیا کر سکتا تھا۔
صفدر۔ ہونہہ یہاں بھی گل کھلائے میاں صاحب آپ نے، میں تو پہلے ہی خیال کرتا تھا کہ تم سا رنگین طبع انسان اور خاموش بیٹھے، آخر کو رنگ لائے نا؟ بیچاری الگزنڈرا جیسی زندہ دل لڑکی کو ایسا مغموم کر دیا، کتنی شوخ اور چلبلی تھی، یہ کیا کہا کہ میں تلافی نہیں کر سکتا، کیوں نہیں کر سکتے؟
ظفر۔ وہ کس طرح؟

صفدر۔ یعنی الگزنڈر لسٹ بھی شادی کرلو۔
ظفر۔ اب اب ہوش میں آؤ میری شادی ہو چکی، پھر اب شادی کس طرح کرسکتا ہوں؟
صفدر۔ کیوں، مسلمانوں میں چار جائز ہیں، پھر کیا حرج ہے، اور پھر تم سا حسین انسان ساتھ ہی نواب زادہ، ال ارجی، ابھی تو ابتدا ہے، نہ جانے کتنی ناہوش کافرائیں میرے دوست تمہاری ان حسین آنکھوں کے پریم ساگر میں غوطے لگائیں گی۔
ظفر۔ یارب یہ کیا لن ترانی ہے، خاموش رہو صفدر، تم کو ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے۔
صفدر۔ کافر ہو جو مذاق کرتا ہو، میں تو صلاح نیک دے رہا ہوں۔
ظفر۔ تو تم کرلو نا۔
صفدر۔ بندہ ایسے غم الگ پالتا ہے، ان کافرادائں پر بندہ نہیں ریجھتا۔
ظفر۔ خوب آپ ایک سے بھی آزاد رہیں اور مجھ کو دو کی صلاح دیتے ہیں۔
صفدر۔ اگر تمہاری طرح میں بھی حسین ہوتا تو یقیناً ہر ایک کا دل رکھتا، پر ہم پر کوئی عاشق ہی نہ ہو تو کیا کریں، اور پھر بندہ بھی کوئی خالی نہیں، اہل وفا کا ہوتا ہے ایک ہی دل ربا۔
ظفر۔ (مسکرا کر) وہ کون دل ربا ہے، وہی مولی شمیم صاحب۔
صفدر۔ اجی توبہ کرو، مجھ کو تو عشق ہے ایک پردہ نشین سا۔
ظفر۔ آخر وہ کون ہیں؟
صفدر۔ ظفر کا منہ ہاتھ سے اونچا کرکے وہ یہ ہے۔
ظفر۔ تم بھی مسخرے ہو (ہنستے ہوتے) میں پردہ نشین کب ہوں، نہ میں عورت ہوں۔
صفدر۔ خدا مالک ہے کوئی تمہاری ہم شبیہہ اس دنیا میں مل جائے گی تو شادی کرلیں گے، ورنہ بیچاری الگزنڈرا کی طرح ہم بھی تم پر جوگ رمائے بیٹھے رہیں گے۔
ظفر۔ خوب، اللہ کرے زور طبیعت اور زیادہ

صفدر۔ کم بخت! یہ الگزنڈرا بھی میری رقیب پیدا ہو گئی۔
ظفر۔ الگزنڈرا غریب نے تمہاری کیا رقابت کی۔
صفدر۔ یہی کہ تم پر عاشق ہو گئی، عجیب دل پھینک عورت ہے۔
ظفر۔ بھئی خدا را عشق عشق مت چلا کرو، میں بد نام ہو جاؤں گا۔
صفدر۔ اب کیا فائدہ ہے، اروک تھام کرنے سے پہلے انجام کیوں نہ سوچا۔
ظفر۔ استغفراللہ مذاق سے باز آؤ۔
صفدر۔ تو کوئی یہاں آپ کی سسرال کا بیٹھا ہے جو سن لے گا۔
ظفر۔ سسرال کا کیا ذکر ہے، مگر اس طرح میں سوسائٹی میں بد نام ہو جاؤں گا۔
صفدر۔ جی ہاں کچھ نشاط ذلیل ہوئے ہوں گے جو آپ ہو جائیں گے، سوسائٹی خود ہی ذلیل ہے۔
نشاط۔ (جو مع بیوی کے قریب آ گئے تھے) کیوں جناب بندے کا کیا ذکر ہے۔
صفدر۔ یا اللہ بچائیو، کس قدر شیطان ہے، یعنی آپ کون دو میں تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا، جب تم اور تمہاری میم صاحب باتیں کرتی ہیں تو ہم جانتے ہیں، جو تم دخل در معقولات دینے کے لئے نازل ہو گئے۔
نشاط۔ (حیران ہو کر) لیکن آپ کی میم صاحب کہاں ہیں؟ جو لگے بڑ مارنے۔
مسز نشاط۔ صفدر بھائی قصور معاف، تخلیہ بھی نہیں ہے، میدان میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں، ورنہ میں اور نشاط کبھی آنے کی جرات نہ کرتے۔
صفدر۔ اجی بہن صاحبہ آپ ہمارے معاملے میں دخل نہ دیں۔
نشاط۔ (ادھر اُدھر دیکھ کر) یہاں قریب کوئی لیڈی ہے بھی نہیں، یا ہم اندھے ہیں، کیا وہ میم صاحبہ بغیر سرمۂ سلیمانی کے نظر نہیں آ سکتیں۔
صفدر۔ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، یہ نہیں دیکھتے کو رونق افروز ہے۔

نشاط۔ یہ تو بھائی ظفر ہیں۔
صفدر۔ بس ہماری میم صاحبہ بھی ہیں۔
نشاط۔ (قہقہہ لگاکر) یہ آج معلوم ہوا۔
ظفر۔ صفدر بیہودہ بکواس بند کرو، اب شام ہوگئی ہے، پروفیسر گارستانے ڈنر پر بلایا ہے، نشاط یاد ہے یا نہیں، لباس تبدیل کرنا ہے، کارڈ تو تم لائے ہوگے۔
نشاط۔ ہاں ہاں چلو، گھر پر شاید کوئی ملنے والا نہ آگیا ہو۔
سب روانہ ہوگئے۔

انہی دلچسپیوں میں دس روز لندن میں گزارے، پھر یہ سب پندرہ دن کے لئے پیرس گئے اور اپنے فرانسیسی کلاس فیلو دوستوں کے مہمان رہے، وہاں سے واپسی پر سوئٹزرلینڈ کا رخ کیا، یہاں مسز نشاط اور مسٹر نشاط اپنی خالہ مسز ولیم کے مہمان رہے، ظفر و صفدر چارلس کے ہاں ٹھہرے۔

ایک ہفتے قیام کے بعد واپسی کی تیاری کرنے لگے، الگزنڈرا نے اپنی ماں مسز ولیم سے بہت اصرار کے بعد اجازت مانگی کہ نھیو ڈورا کے ساتھ ہندوستان کچھ عرصے کے لئے چلی جاؤں، یہاں ان دنوں میرا دل گھبراتا ہے، ماں بیٹی کی افسردہ خاطری سے پریشان تھیں، اس لئے اجازت دیدی اور الگزنڈرا نے بھی چلنے کی تیاری شروع کردی۔

ظفر سب کچھ دیکھتے سنتے اور سمجھتے کہ میرے ہی خاطر الگزنڈرا وطن چھوڑ کر کالے کوسوں جارہی ہے، مگر خاموش رہتے، اکثر الگزنڈرا کی مغموم حسین صورت انھیں گھنٹوں متاثر رکھتی، الگزنڈرا سے حتی الامکان وہ دور رہتے، لیکن جب گفتگو ہوجاتا تو نہایت نرمی اور ملاطفت سے گفتگو کرتے، لیکن یہ گفتگو موسمی موضوع یا اور کسی خشک موضوع پر ہوتی، محبت کا ایک لفظ بھی ان کے درمیان نہ ہوتا، الگزنڈرا خود اب بہت متین اور سنجیدہ ہوگئی تھی، گھنٹوں ساکت رہتی۔

نتیجہ نکلنے سے چار دن قبل ظفر بمع اپنے ساتھیوں کے کیمبرج واپس آ گئے اور پوری پارٹی پروفیسر صاحب کی مہمان ہوئی، پروفیسر صاحب اور ان کی میم صاحبہ نے میزبان کے فرائض بخندہ پیشانی انجام دیے، ظفر اب ایک ایک دن گن رہے تھے، جہاز میں سیٹ وغیرہ کا انتظام ہو چکا تھا، اور اب نتیجے کا بےچینی سے انتظار تھا۔

۲۸

رات کے دس بج چکے ہیں، اسی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یاس و حسرت خیز سناٹے کا عالم چھا رہا ہے، دن بھر کے تھکے ماندے لوگ رات کی نیند سے ہم آغوش ہیں شاہ و گدا بے خبر سو رہے ہیں، ہاں سیاہ کار لوگ اس اندھیری رات سے فائدہ لے کر اپنے پوشیدہ مقامات سے نکل چکے ہیں۔

ناز بیگم مع اپنی والدہ اور جانی صاحب کے کسی خفیہ مشورہ میں مصروف ہیں، سنبل دروازے سے لگی کھڑی ہے کہ کوئی ان کی باتیں نہ سن پائے۔

بیرسٹر صاحب ایک مقدمے کی پیروی کے لئے دو روز ہوئے الہ آباد گئے ہیں، ایسی کیا اہم بات ہے جس کے لئے اتنا اہتمام ہے، ہم اپنے خیال کو ادھر جولاں کرتے ہیں آپ بھی سنئے۔

ناز بیگم۔ پھر تم نے اپنے دوستوں سے اس کی بابت مشورہ کیا تھا۔

جان صاحب۔ ہاں انھوں نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے، چونکہ ان لوگوں کو یہاں آنا ٹھیک نہ تھا اس لئے میں نے کمرہ امیر احمد کے مکان کے قریب کرائے پر لے لیا ہے۔

ناز بیگم۔ یہ بہت اچھا کیا، اس دن وہ بہت بگڑ رہے تھے اور تو اماں کے کہنے

سے بات رفع دفع ہوئی۔

بادشاہ بیگم۔ (انگلیوں پر گن کر) ابو خط آئے بھی مہینہ ہو گیا، اب کوئی چار، پانچ دن میں ظفر وہاں سے چل دے گا، اس کے آنے کے بعد پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔

جانی صاحب۔ ترکیب مجھے شمشاد حسین نے کل ہی بتلائی ہے مگر بغیر دس ہزار روپیہ کے یہ کام ہونا مشکل ہے۔

ناز بیگم۔ کیا ترکیب ہے میں بھی سنوں۔

جان صاحب۔ نے کان میں کچھ کہا، جس کو سن کر ناز بیگم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انھوں نے مسرت بھرے لہجے سے کہا بھئی ترکیب خوب ہے، شمشاد حسین بہت عقلمند ہے

جان صاحب۔ جب ہی تو میں نے دوستی گانٹھی ہے، کہتا ہے اُس کام کے لئے پانچ ہزار روپیہ میں لوں گا، ڈھائی ڈھائی ہزار لطیف بیگ اور امیر احمد کو دیا جائے گا۔

ناز بیگم۔ یہی کام بھی تو مشکل ہی، جان جوکھوں کا، اگر اصلیت معلوم ہو جائے تو پھر کتنا بڑا جرم ہے، اور پھر دس ہزار خرچ کر کے اتنا کچھ ملے گا، بس اس کام کے لئے جان تک فروخت کرنے کو تیار ہوں، روپے کی کیا پرواہ ہے۔

بادشاہ بیگم۔ اگر تمہارے میاں کو خبر ہو گئی اس دھوکے کی تو کیا ہو گا۔

ناز بیگم۔ یہی مجھ کو ڈر ہے، خدا یہ کام کرا دے، جب بات ہے۔

جان صاحب۔ جی نہیں آپ شمشاد حسین کو نہیں جانتیں، چھٹا ہوا اگر گا ہے، تمام دلی کے بدمعاشوں کا استاد ہے ایسے ایسے کرتب اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں دوسرے واقعات کچھ ایسے آ کر پڑ گئے ہیں کہ خاطر خواہ رنگ آمیزی ہو گی، اور بیرسٹر صاحب ایسے ناراض ظفر سے ہوں گے کہ نام سننا بھی گوارا نہ کریں گے۔

بادشاہ بیگم۔ کیا کیا ہمیں بھی تو سناؤ۔

جان صاحب۔ لطیف بیگ کے خالو نواب اظہر جنگ کے منشی ہیں، ظفر جنگ

کا جو خط آتا ہے وہ نواب صاحب اُن سے ہی سنتے ہیں، اور جواب بھی وہی لکھتے ہیں لطیف بیگ ظفر جنگ کے دو خط اپنے خالو کے بکس سے اڑا لائے ہیں، بس اُس سے ہمارا بہت کچھ کام بن گیا، نیز ایک عورت صادقہ کے ہاں نوکر ہے وہ ہماری جاسوس ہے تاکہ صفدر کے جو خط آئیں اس کی بابت معلومات حاصل کر سکوں۔

چنانچہ تازہ ترین اطلاع ہے کہ نشاط نے جس لڑکی سے شادی کی ہے، اس کی خالہ زاد بہن بھی ہندوستان کی سیر کے لئے ساتھ آرہی ہے، بس اس سے بہت کچھ کام بن سکتا ہے۔

نازہ بیگم۔ خوب (ہنس کر) جس دن اللہ میاں مجھ کو تمہارا سہرا سب دلخواہ دکھائیگا تو پوری مسرت اس دن ہوگی۔

جانی صاحب نے مصنوعی شرم سے گردن جھکالی، بادشاہ بیگم نے چٹاچٹ بلائیں لیں۔

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد، نازہ بیگم نے کہا ڈر اس کا ہے کہ یہ لڑکی آج کل کے زمانے کی ہے کہیں انکار نہ کر دے۔

بادشاہ بیگم۔ ہاں بوا سانجھا کان گناہگار ہیں، دونوں کی پسند کی شادی ہے۔
نازہ بیگم۔ بھئی میری سوکن بیٹی کی کیسی تھیں، اُنھیں کی پسند سے یہ نسبت ہوئی، بیٹی کو لیجا کر خود پسند کرایا، یہ تو سیدھے ہیں، جو بیوی نے کہا کیا۔
بادشاہ بیگم۔ سیدھی تو ثروت بھی ہے، وہ علامہ حشمت بہت چالاک ہے وہ سکھاتی پڑھاتی رہتی ہے۔
بادشاہ بیگم۔ بڑی آفت کی پرکالہ ہے۔
جانی صاحب۔ اے ہاں یہ جو فرخندہ روز روز آتی ہیں اُن کے آنے کا بھی حال کھل گیا، یہ بھی انہی حضرت کی کارستانی ہے، انھوں نے لکھا ہے میرے آنے تک

دہلی رہو، یہ سب نصیبن نے بتلایا۔
نازبیگم۔ نصیبن کون؟
جان صاحب۔ وہی عورت جو صادقہ کے ہاں نوکر ہے۔
نازبیگم۔ خیر فرخندہ کا آنا بھی بند کرائیں گی۔
بادشاہ بیگم۔ مگر جان صاحب تم پہلے سے بھی زیادہ سیدھے شرمیلے بیرسٹر کے سامنے بنے رہا کرو۔
نازبیگم۔ اور ثروت کی بھی پہلے سے زیادہ خاطر کیا کرو۔ مگر ادب و تہذیب کے ساتھ، پہلا طریقہ غلط تھا، خیر اس میں میری غلطی تھی۔
جان صاحب۔ بہت بہتر۔
بادشاہ بیگم۔ ذرا ان شاہ صاحب کے پاس بھی جانا کہ منھ بند کرنے کا تعویذ دیا ہے۔
نازبیگم۔ ہاں ہاں کل ہی جانا، الائچیاں پڑھی ہوئی ختم ہو چکی ہیں وہ بھی پڑھوا تے لانا۔
جان صاحب۔ انشاء اللہ کل ہی تعمیل حکم کروں گا۔
نازبیگم۔ ہاں البشری چپراسی صاحب کی ناک کا بال ہے اس کو خوب انعام دیا کرو
جانی صاحب۔ یہ ترکیب تو میں بہت دن سے چل رہا ہوں، البشری میرے ساتھ مل گیا ہے، بیرسٹر صاحب سے اب وہ وقت پاکر میری سادگی اور نیکی کی تعریف کرتا رہتا ہے
نازبیگم۔ ہاں اس کا ہی اثر ہے کہ وہ کہہ رہے تھے واقعی جان صاحب بالکل سیدھا لڑکا ہے، آج کل کے لڑکوں کی طرح چالاک نہیں ہے۔
جانی صاحب۔ اب آپ آرام کریں (گھڑی دیکھ کر) بارہ بجنے کے قریب ہیں۔
نازبیگم۔ ہاں اب سوتی ہوں، مگر میں نے سنا ہے صفدر بہت چالاک ہے، کہیں وہ کچھ فساد نہ کرے۔
جان صاحب۔ شمشاد جبین جیسے گرگوں کے سامنے، صفدر بیچارہ ہے کیا مال،

رکھے ہوں تو روپیہ ابھی دیجیے، تاکہ صبح ہی سے کارروائی شروع ہو جائے، وقت کم رہ گیا ہے۔

نازبیگم نے الماری کی دراز کھولی اور نوٹوں کے بنڈل گن کر جان صاحب کے حوالے کئے اور کچھ چپکے چپکے باتیں کیں، جن کو ہم نہیں سمجھ سکے۔

جان صاحب نے جواب میں سر ہلا کر باہر کا رخ کیا، اپنے کمرے میں پہنچ کر نوٹ انھوں نے الماری کھول کر اس کے چور خانے میں رکھے۔ اور پلنگ پر لیٹ کر اپنے مستقبل کے سبز باغ دیکھتے دیکھتے سو گیا۔

۲۹

مارچ کا مہینہ موسم بہار کا آغاز ہے، ہر نئی کونپل نیا لباس پہن رہی ہے ہر باغ و گلستاں کی بو دماغ کو معطر کر رہی ہے، ہر چمن و گلشن میں دماغ کو فرحت بخشنے والی بادِ خوش مشام چل رہی ہے۔ وہ درخت جو بادِ خزاں سے مرجھا چکے تھے، اب از سرِ نو بہار کی خوشی کی آمد میں سرسبز و شاداب ہو رہے ہیں، تمام صحنِ چمن رنگا رنگ کے پھولوں سے رشکِ جناں بنا ہوا ہے، بادِ صبا کے مست جھونکوں سے ہری بھری شاخوں کا جھومنا ایک عجیب کیفیت رکھتا ہے، عندلیبانِ خوش نوا موسمی کیفیات سے متاثر ہو کر صانعِ حقیقی کی ثنا خوانی میں نوا سنج ہیں۔

ظفر جنگ خدا کے فضل سے تمام ہندوستانی طلباء کے درمیان آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں فرسٹ آئے ہیں، آج اُس کی خوشی میں ایک عظیم الشان ڈنر ظفر جنگ نے اپنے دوستوں کو دیا ہے، اُن کا خوبصورت چہرہ بشاشت کے نور سے چمک رہا ہے صفدر اس خوشی سے پھولے نہیں سماتے، پروفیسر صاحب بار بار اپنے لائق شاگرد کو تحسین و آفرین کرتے ہیں، نشاط بھی مسرت کا اظہار بہت فراخ دلی سے کر رہے ہیں، شب کے آٹھ بجنے والے ہیں، چاند کی ہلکی روشنی ضیا پاشیاں کر رہی ہے ظفر جنگ جو سیاہ سوٹ میں بہت ہی حسین اور شاندار معلوم ہو رہے ہیں، مہمانوں

کے خیر مقدم کے لئے برآمدے میں بیٹھے ہیں، دوستان موافق یعنی صفدر، نشاط، چارلس پاس ہیں، ہندوستان کی روانگی کا ذکر ہے، صفدر کے چٹکلے چل رہے ہیں۔

صفدر۔ ظفر آج تو تم پر چاند بھی صدقے ہو رہا ہے۔

ظفر۔ خاموش رہو بھائی۔

صفدر۔ کیوں کیا کسی کا ڈر ہے (کان میں آہستہ سے) الگزنڈرا بیچاری نے سچ تمہاری محبت کا اقرار کیا، میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔

نشاط۔ ہم بھی سنیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

صفدر۔ پھر وہی بے تکی ہانک، آپ دخل در معقولات دینے والے کون؟

ظفر۔ دیکھو اب اور لوگ آنے والے ہیں، ذرا سنجیدہ ہو۔

صفدر۔ یہ سنجیدگی ہمارے بس کی چیز نہیں ہے۔

چارلس۔ جواب خاصی اچھی اردو بولتا تھا، صفدر کے سر پر ہمیشہ شوخی سوار رہتی ہے۔

صفدر۔ کون تمہارے سر پر گدھی سوار رہتی ہے، سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے چارلس بیچارہ خفیف ہو گیا۔

صفدر کچھ اور کہنا چاہتے تھے، الگزنڈرا اور تھیوڈورا کو آتا دیکھ کر خاموش ہو گئے، دونوں پری جمال خواتین اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا ماہتاب و آفتاب ہیں، تھیوڈورا آج ہلکے آسمانی رنگ کے لباس میں تھی، اور الگزنڈرا سیاہ ملبوس زیب بر کئے ہوئے تھی جو اس کی سفید رنگت پر بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا، دونوں حسین مہ جبیں تھیں مگر دونوں کے حالات بالکل مختلف، ایک خوشی اور مسرت میں چور، دوسری شکستہ دل رنجور، ایک شگفتہ اور شادماں، دوسری رنجیدہ و نالاں، ایک کے پاس مسرت و خوشی کا خزانہ دوسری کا دل کسی کا دیوانہ، دونوں شیک ہینڈ کر کے بیٹھ گئیں۔

صفدر۔ (الگزنڈرا سے) کہئے مس ولیم کتنے دن ہندوستان میں قیام کا ارادہ ہے۔

الگزنڈرا۔ (افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ) ابھی کہہ نہیں سکتی، شاید میں وہیں رہائش پسند کروں اور یہاں نہ آؤں۔

ظفر۔ (گھبرا کر) کیوں؟

الگزنڈرا۔ (سنجیدگی سے) سنا ہے وہاں لڑکیوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی جاتی، میرا ارادہ ہے شریف خاندانی لڑکیوں کے لئے ایک اسکول کھولوں اور وہاں لڑکیوں کو تعلیم دوں تاکہ وہ اپنی زندگی اچھی طرح بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔

صفدر۔ یہ خیال تو آپ کا قابل قدر ہے، مگر آپ تو ابھی بالکل کمسن ہیں، پہلے شادی تو کیجئے، پھر قوم و ملک کی اصلاح کے لئے بہت وقت ہے۔

ظفر۔ (بات کاٹ کر) تم کس قدر بیہودہ سوال کرتے ہو، کیا اسکول شادی میں حارج ہوگا۔

الگزنڈرا۔ (مبہم آواز میں) صفدر صاحب کا خیال درست ہے، میں شادی کا ارادہ نہیں رکھتی، اپنی زندگی اپنی ہندوستانی بہنوں کی اصلاح کے خاطر وقف کر دوں گی۔

تھیوڈورا۔ کیوں الگزنڈرا کیا بات ہے، ان دنوں تمہارے خیال عجیب و غریب ہوگئے ہیں، کہیں دشمنوں کی طبیعت تو خراب نہیں ہے۔

الگزنڈرا۔ ایک دبی ہوئی آہ کے ساتھ، تھیوڈورا مجھے کوئی مرض نہیں ہے، میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں، دل دنیا سے اب متنفر ہوگیا ہے، اور اس دنیا کی سب چیزیں، فانی معلوم ہوتی ہیں، پھر کس لئے انسان دل لگائے (ظفر کی جانب مخاطب ہو کر) آپ یقین ہے مجھے مدد دیں گے، اور اپنی خاندانی لڑکیوں کو میرے اسکول میں داخل کریں گے۔

ظفر جنگ۔ بھلا آپ اتنی بڑی اصلاح کریں گی، اور میں ساتھ نہ دوں گا۔

نشاط۔ لیکن بہن الگزنڈرا اس کا کیا علاج کہ ہم سب تمہاری صحت کی جانب سے مطمئن نہیں ہیں، کہیں کسی دماغی دورے کا تو اثر نہیں ہے جو تم مضمحل ہو، تم جیسی حسین و باہوش شادی کیوں نہ کرے، یہ مردوں پر آخر کیا ظلم ہے۔

الگزنڈرا۔ (مسکرا کر) میں تو حسین نہیں ہوں، آپ کی بیوی البتہ ماشاء اللہ پری وش ہیں۔

تھیوڈورا۔ واہ مجھکو بناتی ہو، تم مجھ سے کیا کم ہو۔

الگزنڈرا۔ مگر قسمت تو تمہاری جیسی نہیں ہے۔

تھیوڈورا۔ کیوں قسمت میں کیا خرابی ہو گئی۔

الگزنڈرا۔ اپنے اس بے ساختہ فقرے پر شرما گئی تھی، کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی آؤ تھیوڈورا ذرا کھانے کی میز دیکھیں کیسی لگی ہے، دونوں چلی گئیں، نشاط بھی چلا گیا۔

صفدر۔ (ظفر کی پشت ٹھونک کر) خوب اُلّو بنایا بیچاری کو۔

ظفر۔ جو الگزنڈرا کی اس وقت کی گفتگو سے اتنے متاثر تھے کہ عرق ندامت سے تر ہو رہے تھے کہنے لگے مان جاؤ صفدر، اس وقت میں جان سے عاجز ہو رہا ہوں

صفدر۔ ہونہہ یہ رعب کسی اور پر جمانا۔

ظفر دو نوجوان جنٹلمینوں کو آتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے، اب تو تانتا بندھ گیا، ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ڈنر شروع ہوا۔ کالج کے تمام پروفیسر اور ظفر کے کلاس فیلو دوست تقریباً سو سوا سو معزز مہمان تھے، کھانے کی میز وہیں بلور اور خالص چینی کے برتنوں سے رنگ گلزار بنی ہوئی تھی، انواع اقسام کے انگلش اور فرنچ کھانے پیش کئے جا رہے تھے، جن کو بہت خوشی سے مہمان کھا رہے تھے، کھانے کے بعد کافی کا دور چلنے لگا، مہمانوں کو نشاط نے اپنے سحر آفریں نغمہ سے محظوظ کیا۔

اُن کے بعد چند اور لیڈیز نے انگلش گیت الاپے، مگر ہندوستانیوں کو اپنے گیت

زیادہ بھلے لگتے ہیں، صفدر کے اصرار سے بھبوڈورا اور الگزنڈرا پیانو پاس جا بیٹھیں نشاط نے پیانو بجایا اور دونوں خوش گلو نازنینوں نے ایک ساتھ داغ کی یہ غزل الاپی۔

سازِ یہ کینہ ساز کیا جانیں ناز والے نیاز کیا جانیں

اللہ اللہ وہ سہانا وقت، وہ دلکش سرباریک آواز سب سے زیادہ دونوں کی دلکش بھولی بھالی صورتوں نے سامعین پر بہت اثر کیا، جو سمجھے وہ بھی جو نہ سمجھے وہ بھی سب نے تحسین و آفریں کے نعرے بلند کئے۔

بھبوڈورا تو اردو جانتی تھی، اردو بیشتر غزلیات نشاط سے سیکھ لی تھیں بہت اچھا گاتی تھی، مگر کمال تو الگزنڈرا نے کیا کہ شوق طبیعت سے صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں کافی اردو سیکھ لی، کہیں اگر لغزش ہوئی بھبوڈورا نے سنبھال لیا، سب نے تعریف کی، مگر ظفر گم سم بیٹھے رہے، اس سحر آفریں نغمہ سرائی پر انکی روح وجد کر رہی تھی، زبان سے تعریف کی ضرورت نہ تھی، آخر وہ سنبھلے اور نشاط سے غالب کی غزل گانے کی فرمائش کی۔

نشاط۔ میں کوئی ڈوم نہیں ہوں کہ گاؤں اور آپ نہیں، پہلے آپ گائیے۔

ظفر۔ مجھے زکام کی تخریب ہو رہی ہے، معاف کرو

کئی نوجوان۔ نہیں نہیں آپ کا عذر قابل پذیرائی نہیں ہم ضرور سنیں گے۔

ظفر نے انگلش کا ایک گیت الاپا، جس سے سب بہت محظوظ ہوئے

نشاط نے مسکرا کر ظفر کی طرف دیکھتے ہوئے غالب کی یہ غزل شروع کی۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

نشاط گاتے رہے اور زیر و بم کے ساتھ سامعین کی روح وجد کرتی رہی، یہاں تک کہ آخری شعر گئے ہیں۔ وہ کھڑے ہو گئے اور سامعین نے دل کھول کر داد دی۔

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے ایک مختصر تقریر کی جسمیں ظفر جنگ کی ذہانت اور خوبیوں کا بہت اچھے الفاظ میں اعتراف کیا، پھر صفدر اور نشاط کی بھی تعریف کی، پروفیسر صاحب کے بیٹھ جانے ظفر جنگ اٹھے، اور انھوں نے کہا جو کچھ میں نے کیا، اور آج میں فخر سے سر بلند کرنے کے قابل ہوا، یہ سب میرے لائق اور شفیق استاد کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے، نیز اُن کی بیگم صاحبہ کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے شفقت مادرانہ میرے ساتھ برتی، اور نیک دل بیگم ہمیشہ میرے آرام و راحت کے لئے اپنی آسائش کی پرواہ نہ کرکے تکلیف اٹھاتی رہیں۔

ان کی تقریر ختم کرنے پر جام صحت سب نے پیا اور کہا خدا کرے تم پھر نیک نامی کے ساتھ یہاں آؤ، شب کے ایک بجے سب رخصت ہوئے، دوسرا تمام دن ملنے ملانے میں گذرا، تیسرے دن صبح ہی سامانِ سفر درست کیا، اور دس بجے کیمبرج کی علمی سرزمین کو ظفر جنگ نے جہاں ان کا علمی پودا بڑھکر ایک تناور درخت ہوا، خیرباد کہا، پروفیسر صاحب اور ان کی میم صاحبہ لندن پہونچانے کے لئے ساتھ آئے تھے۔

دو روز ہوٹل میں قیام کیا اور یہ دو دن تحائف خریدنے اور دوستوں سے ملنے میں گزرے، تیسرے دن صبح ریل میں سوار ہوئے اور دوستوں کے ایک جم غفیر نے ان کو الوداع کہا، رومال ہلتے اور گڈ بائی کا شور ہوتا رہا، جن کے جواب میں یہ تینوں بھی رومال ہلاتے رہے، ریل سے اترکے یہ لوگ جہاز میں بیٹھے، پانچ بجے شام کو جہاز نے لنگر اٹھایا، پروفیسر صاحب اور اُن کی میم صاحبہ نے بہت ہی محبت سے کئی کئی مرتبہ ظفر کی خوبصورت پیشانی کو بوسہ دیا، اور آبدیدہ الگ ہوئے، بھیوڈورا بھی اس وقت چشم پُرنم تھی، ظفر، صفدر، نشاط سب ہی افسردہ تھے، مگر الگزنڈرا کی حالت بالکل ابتر تھی، آنکھوں سے مسلسل اشک جاری تھے، جن کو بار بار رومال میں جاذب کرتی تھی، گورا گورا چہرہ کثرت گریہ سے

سرخ ہوگیا تھا، ماں سے بغلگیر ہوکر بمشکل دل کو سنبھال کر الگ ہوئی، جہاز نے مہیب سیٹی سے سب کو خبردار کیا، ملنے والے جلد جلد علیحدہ ہوکر کشتیوں میں بیٹھ کر ساحل پر لوٹ گئے اور یہ سب تختۂ جہاز پر دور ہوتے ہوئے ساحل کو حسرت سے دیکھنے لگے، رفتہ رفتہ بندرگاہ دور ہوتی گئی، لندن کے دلکش مناظر آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئے، چونکہ اب اندھیرا ہو چکا تھا، اس لئے یہ لوگ بھی نشستگاہ میں آکر تاش کھیلنے لگے۔

۳۰

گرمی کا آغاز ہے، ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے گزر رہے ہیں دن کا تہائی حصّہ گزر چکا ہے، برآمدے میں چوکوں پر چاندنی کا مُصفّا فرش ہے اُس پر سوزنی بچھی ہوئی ہے، بسنت پر گاؤ تکیہ لگا ہوا ہے، ناز بیگم بصد ناز و ادا گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی ہیں، بسنتی ساٹن کا چُست اُریب پاجامہ ہے، فالسائی آب رواں کا کرتا ایسا ہی کامدانی کیا ہوا دوپٹہ شانوں پر پڑا ہے، کانوں میں پھولوں کی بالیاں ہاتھوں میں گجرے غرضکہ پھولوں سے عروس نو کی طرح لدی ہوئی ہیں، سامنے چاندی کا پاندان کھلا ہوا ہے، پان بنا رہی ہیں، قریب ہی بادشاہ بیگم بیٹھی چھالیا کاٹ رہی ہیں، ثروت بھی ایک طرف بیٹھی ہوئی ہیں، شاہجہان بیگم سے جو ابھی آئی ہیں باتیں ہو رہی ہیں۔

ناز بیگم۔ خیر بیٹی بارے آج ایک اٹھوارے کے بعد تم نے شکل تو دکھائی۔

شاہجہاں۔ ممانی جان کیا کروں جب دن سے آئی ننھی بچی ہی اچھی نہ تھی، ثروت بہن تو ہر دوسرے تیسرے روز دوا کو بھیجتی رہتی تھیں، پر اس مرتبہ ایسی دہلی آئی کہ کہیں بھی نہیں گئی، پہلے نزلہ کھانسی تھا پھر اس زور کا مغلی دکھ ہوا کہ اللہ کی پناہ بیچاری اماں بھی اس بچی کی وجہ سے کئی رات جاگیں، اب خدا خدا کر کے ایک ہفتے سے ٹھیک ہوئی ہے

بادشاہ بیگم۔ اب اللہ رکھے کتنے مہینے کی ہوگئی۔

شاہجہاں۔ مدار ایک، میراجی دو، خواجہ معین الدین تین، رجب چار۔ یہ شب برات کا مہینہ ہے، پانچویں میں اب لگی ہے۔

نازنہ بیگم۔ بچاری دبلی بہت ہے۔ میری مہ پارہ تو چار مہینے کی ایسی تھی کہ گھٹنے پر بٹھا لیتی تھی، اس کی گردن تو ابھی بالکل نہیں ٹھہری۔

ثروت۔ بہن شاہجہاں تم بھی بہت دبلی ہو رہی ہو۔

شاہجہاں۔ بہن پورے بیس دن اس کے ہونے کے بعد بخار آتا رہا چلّے میں، سوائے سوپ ساگودانے اور توسٹ کے کچھ بھی نہیں ملا، ایسی طبیعت خراب رہی۔

نازنہ بیگم۔ تم بچی کو گلیسکو پلاؤ۔ مہ پارہ کو تو چلّے کے بعد لگا دیا تھا، ماشاءاللہ دن بدن اچھی ہوتی چلی گئی، اب بھی وہ اللہ رکھے دو سال کی ہو گئی ہے، مگر وہی دے رہی ہوں، بڑی اچھی چیز ہے۔

شاہجہاں۔ جی ہاں ارادہ تھا دینے کا، یہاں آکر بیمار ہی ہوگئی، اب دس پندرہ دن بعد لگا دوں گی۔ بہن ثروت ذرا فرخندہ بیگم کو میرے یہاں آنے کی اطلاع کرا دو دوا کو بھیجو ابھی لے کر آئیں گی۔

ثروت۔ (مسکرا کر) وہ پرسوں ہی دو روز رہ کر گئی ہیں، تمہارے آنے کی سن کر آئیں گی ضرور۔ مگر سینکڑوں فضیحتے تمہارے ساتھ میرے بھی ہوں گے۔

شاہجہاں۔ اونہہ کرنے دو، میں بھی جواب دے لوں گی (دوا سے مخاطب ہو کر) اے بی دوا فرخندہ بیگم کے یہاں جاؤ، ان سے میرا اسلام کہہ دینا، اور کہنا میرا آنا سن کر چل گئیں جو چلی گئیں، اب آؤ تو مزا ہے

ثروت۔ اور میری جانب سے بھی کہہ دینا کہ ایسے وقت کہاں ملتے ہیں جو سب یکجا ہوں ضرور ضرور آؤ۔

شاہجہاں۔ اللہ کے آنے میں ہے کیا، بال بچے دار، البتہ قبری بن جاتے ہیں ہیں ہی پہلے بالکل آزاد تھی، اس مرتبہ قید ہوں، گھڑی ہو گئیں۔

ثروت۔ اے بہن کہاں جا رہی ہو؟

شاہجہاں۔ اسے ممتانہ کو اُدھر سلا آؤں، پھر تمہارے ساتھ باغ میں چلوں گی۔

ناز بیگم۔ کمرے میں نہ سلانا، اُدھر برآمدے میں فرانوں ہو لیے، وہیں سلا دو،

بادشاہ بیگم۔ سنبل او سنبل، ایک پلنگڑی بچے کے لئے اُدھر برآمدے میں بچھا دے۔

سنبل بہت اچھا کہتی ہوئی دوڑی اور شاہجہاں اپنی ننھی بچی کو سلانے چلی گئیں۔

ثروت بھی اُن کے ساتھ جانے کو اٹھیں، مگر باپ کو آتا دیکھ کر ٹھہر گئیں، بیرسٹر صاحب کی صورت سے اس وقت غصے اور رنج کے آثار نمایاں تھے، آنکھیں سرخ تھیں، ہونٹ کانپ رہے تھے، وفورِ جذبات سے تمام بدن میں ارتعاش تھا، پیشانی کی نسیں اُبھری ہوئی تھیں، سانس کی تیز آمد و رفت بتلا رہی تھی کہ وہ سخت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہیں۔

اس حالت کو دیکھ کر ثروت تو سہم گئی، ہاتھ میں نیلے رنگ کا لفافہ تھا، دور سے ہی ثروت نے پہچان لیا کہ ظفر کا لفافہ ہے۔ اُس کو معاً یہ خیال ہوا کہ خدانخواستہ ظفر کے متعلق کوئی پریشان کن خبر ہے، اس خیال سے ثروت کے سناٹے نکل گئے، اور وہ دم بخود بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

ناز بیگم نے بیرسٹر سے پوچھا اے خیر تو ہے، تم پریشان کیوں ہو یہ کس کا خط ہے؟

بیرسٹر صاحب۔ (جن کی آنکھوں سے اب آنسو نکل رہے تھے) آہ سخت دھوکا ہوا، خدا سمجھے ظفر تم سے خدا سمجھے۔

ناز بیگم۔ اوئی کیا بڑ بڑا رہے ہو، معلوم بھی تو ہو یہ کس کا خط ہے؟ بات کیا ہے۔

بیرسٹر۔ (کانپ کر) اجی اُسی نالائق ناشدنی ظفر کا۔

نازبیگم۔ ایں ایں کیا کہہ رہے ہو، ثروت کے دولہا کا خط ہے۔

اس فقرے پر بیرسٹر صاحب سارے کانپ گئے اور انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا ایسا نہ کہو۔

نازبیگم۔ (حیران ہو کر) یہ کیوں؟

بیرسٹر۔ آہ بیگم میں لٹ گیا (رقت آمیز لہجے میں)، آہ میری بچّی ثروت کی قدر اس نالائق ظفر نے نہ جانی۔

نازبیگم۔ یا اللہ معلوم تو ہو، یہ کیا معاملہ ہے؟ اس خط میں ایسا کیا لکھا ہے جو تم برافروختہ ہو رہے ہو۔

بیرسٹر۔ آہ مجھ میں طاقت نہیں کہ پھر اس کا اعادہ کروں اور اپنی آنکھوں سے اس ناہنجار کی یہ لغو تحریر دیکھوں۔

جانی صاحب سے جونہی نظر گئے پاس مؤدبانہ انداز سے سر خم کئے کھڑے تھے، بیٹا تم پڑھو، اردو میں ہی ہے۔

جان صاحب نے خط لیکر باآواز بلند پڑھا۔

مکرمی تسلیم!

میں اس امر کو آپ کے ذہن نشین کرانے کیلئے مجبور ہوں، کہ میں نے یہاں ایک خوبصورت اور معزز مس سے شادی کر لی ہے اور اس کو دو ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔

گو کہ آپ میرے اس فعل سے خوش نہ ہوں گے، مگر میں نے دل سے مجبور ہو کر ایسا کیا، آپ کی صاحبزادی ثروت آرا بیگم سے شادی کرنا میری ذاتی خواہش نہ تھی بلکہ میرے والدین کی خوشی تھی، جسکو میں نے ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق تسلیم کر لیا تھا۔ اب لندن کی روشن اور آزاد فضا

میں اتنے سال رہ کر خیالات کا بدل جانا تعجب انگیز نہیں ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بیوی تسلیم کروں جسکی صورت، مزاج اور عادات سے پہلے سے واقفیت نہ ہو، اسی لئے یہاں میں نے اپنی پسند کے مطابق شادی کرلی ہے

اب آپ سے بصد ادب درخواست کرتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں جب سے اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیں، میں ان کو اپنی بہن سمجھتا ہوں، یہ خط میں اپنی روانگی سے کچھ روز قبل اس لئے لکھ رہا ہوں تاکہ آپ کو میرے ہندوستان پہونچنے سے پہلے مل جائے، آئندہ جو تار خط میری جانب سے آپ کو موصول ہو اس کو میری جانب سے تصور نہ فرمائیں میرے دوست صفدر میری جانب سے دیدیتے ہیں، اس سے پیشتر کے خطوط بھی صفدر کی زبردستیوں کا نتیجہ ہیں۔

میں ہندوستان میں ہی اس شادی سے زیادہ خوش نہ تھا لیکن وہاں کی مقتدر فضا نے زبان ہلانے کی جرأت نہ دی لیکن اس فضا میں رہ کر افسوس ہوگا اگر میں غلامانہ ذہنیت رکھوں، ہندوستان پہونچکر ممکن ہے والدین کی ناراضی کا خیال مجھکو پھر مجبور کردے اور میں پھر اُن کی خوشی کے لئے دوبارہ غلطی کرنے پر آمادہ ہو جاؤں، اس لئے میں آپ کو دوستانہ صلاح دیتا ہوں کہ اپنی صاحبزادی کا عقد میرے پہونچنے سے قبل کسی اور سے کردیں، زرمہر ہندوستان پہونچ کر میں جلد از جلد ادا کردوں گا، میری اس گستاخانہ تحریر سے اُمید ہے آپ سخت برہم ہونگے واجب جان کر عرض کیا۔ آخر میں ادب سے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام
آپ کا خیر اندیش۔ ظفر

ثروت جو بالکل مبہوت بیٹھی خط سن رہی تھی، خط کے ختم ہوتے ہی دفعتہً غم سے ایک چیخ مار کر غش کھا کے گر پڑی، حشمت پیچھے کھڑی تھی، اُس نے سنبھال لیا ورنہ چوکوں سے نیچے ہی جاتی، ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے، جسم اکڑ گیا، بیرسٹر صاحب یہ دیکھ کر گھبرا گئے، خط کو وہیں پھینکا، جلدی سے بیٹی سے لپٹ کر رونے لگے، اب تک انھوں نے بمشکل ضبط کیا تھا، ناز بیگم اور بادشاہ بیگم دھڑادھڑ پیٹنے لگیں۔

بادشاہ بیگم۔ (سینے پر دو ہتڑ مار کر) اُس جوانا مرگ کا جنازہ نکلے جس نے میری بچی کا یہ حال کر دیا، ارے لوگو یہ بھی کہیں غضب دیکھا ہے، بوڑھ کر یہ انعام دیا، اُس موئی فرنگن کو تخت رنڈاپا بنا نصیب ہو۔

ناز بیگم۔ اے اُس کو ڈال او چھلتے ہیں، میری بچی کا کیا حال ہو گیا، اے میری ثروت آنکھیں تو کھول ہائے ہائے اسے وہاں قربان کر کے پھینک دوں جہاں میری بچی کی دائی نے ہاتھ دھوئے تھے۔

جانی صاحب بار بار آنکھوں کو رومال لگا رہے تھے۔

فرخندہ۔ (جو بلائی ہوئی آئی تھیں، شاہجہاں بیگم سے) اے بہن خیر ہے، یہ کیا ہوا؟

شاہجہاں۔ بہن مجھے کیا خبر، ابھی چند منٹ ہوئے جب میں ممتاز کو سلانے ادھر آئی سُنا ہے کوئی خط آیا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔

ددا۔ بسورتی ہوئی آئیں اور کہا اللہ کرے وہ بھی ناشاد مرے، جس نے میری بچی کا دل دکھایا ہے۔

فرخندہ۔ اے بتاؤ ددا کیا ہوا؟ یہ ماجرا کیا ہے؟

ددا۔ (رو کر) بیوی ظفر جنگ نے طلاق لکھ کر بھیجی ہے۔

فرخندہ۔ اے ددا ہوش کی خبر لو، ظفر ایسا نہیں کر سکتے۔

ددا۔ بیوی خدا تمہارے منہ کا کہنا کرے۔

شاہجہاں۔ جان صاحب کو ہٹاؤ تو ہم بھی جائیں۔
دوا۔ ان کو تو ابھی صاحب نے ڈاکٹر کو لینے بھیج دیا۔
شاہجہاں۔ فرخندہ تمہارا تو ماموں جان سے پردہ ہے۔
فرخندہ۔ نہیں میں بیرسٹر صاحب کے سامنے اگلی دفعہ ہو گئی ہوں۔
شاہجہاں۔ اچھا تو آؤ، یہ کہتی ہوئی دونوں اُدھر گئیں، بیرسٹر صاحب کو دونوں نے آداب کیا اور ثروت آرا بیگم کے پاس جن کو اب پلنگڑی پر لٹا دیا تھا دونوں بیٹھ گئیں ثروت ابتک بالکل بیہوش تھیں، بازو کس کر باندھے، لیونڈر چہرہ کا، منھ پر سرد پانی کے چھینٹے دئے، نازہ بیگم، بادشاہ بیگم برابر بول رہی تھیں، اور ساتھ ہی روتی بھی جاتیں، اُن کو فرخندہ اور شاہجہاں نے بمشکل چپ کرایا۔

ثروت کو خدا خدا کرکے پاؤ گھنٹے بعد ہوش آیا، غضب کی نقاہت تھی، اشارے سے فرخندہ کو سلام کیا اور آنکھوں سے آنسو جانے لگے۔
فرخندہ۔ بہن دل سنبھالو، وقت آدمی پر پڑتا ہے، اللہ ہر طرح انسان کو آزماتا ہے، تم تو عقلمند ہو۔
بیرسٹر۔ بیٹی خدا کا شکر کرو، اس نااہل کو تمہاری قدر نہ تھی، اُس سے پیچھا چھوٹا۔
شاہجہاں۔ ماموں جان آخر رنج تو اس کا ان کو ہونا ہی چاہئے، یہ بات ہی ایسی ہے۔
فرخندہ۔ (ثروت کے کان میں) اپنے کمرے میں چلو گی؟
ثروت۔ (آہستہ سے) ہاں۔
فرخندہ۔ خالو جان، ثروت بہن اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہیں۔
بیرسٹر۔ ہاں ہاں بڑی خوشی سے جائیں، تم ان کا دل بہلاؤ، اچھا ہوا جو تم اور شاہجہاں یہاں ہو۔
نازہ بیگم۔ ثروت بیٹی کیسی طبیعت ہے؟

فرخندہ۔ گھبرائیں نہیں، بہن اب اچھی ہیں

شاہجہاں اور فرخندہ کے سہارے سے ثروت اپنے کمرے میں چلی گئیں اور حشمت سے فرخندہ نے کہا دروازہ بند کر دے، نصیبن ماما دروازے سے لگی کھڑی تھی، اُس سے کہا تم کیا پہرے دار ہو، باہر بیٹھو، نصیبن بادل ناخواستہ چلی گئی، حشمت نے دروازہ بند کر دیا۔

فرخندہ نے آہستہ سے کہا، تم کو کیسے یقین آگیا کہ ظفر ایسا لکھیں گے، جو تمہاری صورت کے عاشق زار ہیں اور پھر خالو جان کو تو معلوم نہیں، لیکن تم تو جانتی ہو کہ یہ شادی جبین ظفر بھائی کی پسند کے مطابق ہے، کل ہی صفدر بھائی کا خط آیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ ظفر کو ہم سب سے زیادہ ہندوستان پہونچنے کی خوشی ہے اور دن گن رہے ہیں۔ اگر یہ بھی یقین نہیں تو میں بھائی صاحب سے کہوں گی، پروفیسر صاحب سے تار دیکر پوچھ لیں کہ انھوں نے وہاں شادی تو نہیں کی۔

شاہجہاں۔ ہاں ہاں یہ ترکیب خوب ہے۔

شاہجہاں۔ بہن اس وقت اس ہنگامے کی خبر تو ڈاکٹر صاحب کو کر دو۔

فرخندہ نے فوراً ایک طویل خط ڈاکٹر رفیق اپنے بھائی کو لکھا اور دوا کو دیا کہ اُن کو پہنچوا دیں۔

خط جانے کے بعد فرخندہ نے دریافت کیا خط انگلش میں ہے یا اُردو میں۔

ثروت۔ اُردو میں ہے۔

فرخندہ۔ اس سے قبل کبھی اردو میں آیا ہے۔

ثروت۔ نہیں یہ اردو کا پہلا خط ہے (آہ سرد بھر کر) اور شاید آخری بھی۔

فرخندہ۔ اے بہن ہوش میں آؤ کیسی باتیں کرتی ہو، یہ جعل ہے، ظفر غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی، ان کے دشمنوں کی سازش ہے۔

شاہجہاں۔ ہاں بہن تمہارا خیال صحیح ہے۔

ثروت کی طبیعت فرخندہ اور شاہجہاں کے سمجھانے سے سنبھلی، اُمید کی کرن دور سے اُن کو اپنی جھلک دکھانے لگی۔

ڈاکٹر رفیق بہن کا خط پاکر سیدھے بیرسٹر صاحب پاس آئے، بیرسٹر صاحب پر اس تحریر کا سخت اثر تھا اور تنہائی میں وہ افسردہ بیٹھے تھے، ڈاکٹر صاحب کو آتا دیکھ کر اُبل پڑے، علیک سلیک بھی نہ کی، کہنے لگے اچھا ہوا آپ خود آگئے، میں بلوانے والا تھا، یہ نسبت آپ کی تحریک پر ہوئی، میری لڑکی کی قسمت پھوٹ گئی، مجھے دھوکا ہوا اور اس کا نتیجہ آج دیکھ لیا۔

ڈاکٹر صاحب۔ ایں ایں بھائی کیا بات ہے، میں واللہ بالکل نہیں سمجھا۔

بیرسٹر (خط میز پر پھینک کر) اس خط کو پڑھ لیجئے، پھر سب سمجھ جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب خط پڑھکر سکتے میں آگئے، خط بالکل ایسا جیسے ظفر کی تحریر تھی، لیکن مضمون قابل اعتماد نہیں، وہی انداز وہی سوادِ خط، اگر خط پر یقین کرتے ہیں، تو ظفر جنگ کے لئے ایسا خیال کرنا بھی سراسر حماقت ہے، اُن کو بری سمجھتے ہیں تو پھر یہ خط کس کا ہے، مہر دیکھی بالکل درست، اسی شش و پنج میں مبتلا کہ کیا کہیں، بہت دیر کے سکوت کے بعد انھوں نے یہ کہا، میں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا، مگر ظفر جنگ کی یہ تحریر ہے اس کا یقین بھی نہیں آسکتا، ایسا خط اور ظفر جنگ لکھیں گے، جن کی نیک چلنی، ذہانت، قابلیت اور سعادت مندی کی دھوم تمام ہندوستانی طلبا میں ہے، جن پر کالج کو ناز ہے، اس سے قبل اس قسم کی کوئی افواہ بھی نہیں سنی گئی، شادی تو بڑی چیز ہے، کسی مس سے تو ان کی گہری دوستی بھی نہیں ہی، تھیٹر، ڈورا کو البتہ وہ عزیز رکھتے تھے تو وہ آپ کو معلوم ہی ہے، کہ اب نشاط کی بیوی ہے، یہ خط گہری سازش

کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے اس کی تہہ میں کوئی راز ہے، میں آج ہی پروفیسر صاحب کو تار
دے کر پوچھتا ہوں، اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

بیرسٹر صاحب۔ پروفیسر صاحب کیا بتائیں گے، ظفر کے ہمزاد تھے یہ خط نہیں لکھا
کوئی اس طرح نہیں بنا سکتا، قابلیت تو اس سے ہی معلوم ہے کہ اس طرح خط دے
مارا، آپ کوئی مزید تفتیش نہ کریں، جو رسوائی ذلت قسمت میں لکھی تھی میری ہو چکی،
اب زیادہ برداشت کی مجھے تاب نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب۔ تو پندرہ دن بعد ظفر جنگ خود ہی یہاں پہونچ جائیں گے، آج
جہاز میں بیٹھے اُن کو چار روز ہو چکے، سب حال معلوم ہو جائے گا۔

بیرسٹر۔ یہ پیش بندی تو وہ پہلے ہی کر چکا کہ والدین کے زور دینے پر مجبور ہو جاؤں گا
مجھے دوستانہ صلاح دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب۔ تو نواب صاحب کو اس واقعے کی اطلاع کر دوں۔

بیرسٹر۔ جی نہیں مجھے اب کسی سے صلاح کرنے کی اس امر میں ضرورت نہیں، ایک
دفعہ غلطی کر چکا، اچھا ہوا آپ آ گئے، میں آپ کے گوش گزار کئے دیتا ہوں کہ نواب
صاحب میرے گھر تشریف نہ لائیں، ویسے وہ میرے بزرگ ہیں، لیکن اس معاملے
کے متعلق میں اب گفتگو کرنا نہیں چاہتا، آپ میرے دوست ہیں، مگر آپ بھی اگر
آئندہ سے اس ناشدنی کا نام لیں گے تو قطع تعلق پر مجبور رہوں گا، اگر کوئی نہیں
ملے گا کنوئیں میں دھکا دے دوں گا، مگر ظفر جنگ سے اب ثروت کی شادی ہونا ممکن
نہیں، اس بدبخت نے مجھے اور میری بھولی بھالی بچی کو سخت صدمہ پہونچایا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے یہ اس وقت غصّے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو بیٹھے
ہیں، کچھ دیر معذرت رسمی طور پر کر کے رخصت ہوئے۔

۳۱

ماہ اپریل کی سہانی صبح ہے، پرندوں نے کسی کی آمد پر مبارکبادی ترانے گانے شروع کر دیئے، شاہ مشرق اپنی سانولی معشوقہ کی تلاش میں ہر طرف بیتابی سے دیکھتا ہوا دریچئے مشرق سے باہر نکلا۔

چھوٹے چھوٹے پودے نسیم سحری کی ترغیب سے پاس سے گزرنے والوں کو جھک جھک کر سلام کرنے لگے، آفتاب کی سنہری کرنیں درختوں کی کونپلوں سے کسی کے ارمان کی طرح ایسی آہستہ نکلیں کہ ایک عالم کو خوشنما بنا دیا، نیچرل خوبصورتی کے یہ منظر دلوں کو بیتاب کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اظہر محل کے خوشنما وسیع باغ پر آج اور بھی نکھار ہے، تمام باغ موسمی مغربی شرقی پھولوں سے لدا ہوا ہے، نہال بار آور جھوم رہے ہیں، محل کے عالی شان پھاٹک پر ہنرمند مالی نے پھولوں کی محراب بنائی ہے، محل کے سامنے کی سڑک سے اندر تک دو رستہ لال سبز جھنڈیاں لگی ہوئی ہیں، نوبت بج رہی ہے، محل کے اندر مہمان بیویوں کی باتوں کی بدولت کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

آہا یہ ظفر جنگ کے خیر مقدم کی تیاریاں ہیں، صبح سے ہی سب عزیز و احباب ہار پھول لے کر اسٹیشن پہونچ گئے، نواب صاحب اپنے پیارے بیٹے کو لینے مع نواب

خسرو جنگ اور رفیق احمد کے بمبئی گئے تھے، ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے بمبئی میل چھک چھک کرتا آپہونچا۔ اسٹیشن پہونچنے تک ریل کی رفتار دھیمی ہوئی اور پلیٹ فارم پر آکر رک گئی،

ظفر جنگ کے نیچے قدم رکھتے ہی سب عزیزوں نے پھول پھینکے، ہاروں سے لاد دیا ان کو اس قدر پھول لوگوں نے برسائے کہ کثرتِ گل سے پلیٹ فارم لعت گلفروش بن گیا، بینڈ نے مبارکبادی نغمہ الاپا، ایک گروہ ہر ایک اشتیاقِ دید میں گرا پڑتا تھا، ظفر و صفدر نشاط ہر ایک سے معانقہ کر رہے تھے، الگزنڈرا اور ہیٹھیوڈورا مشرقی محبت و خلوص کا یہ منظر حیرت سے الگ کھڑی دیکھ رہی تھیں، خدا خدا کر کے ذرا جوش و خروش کم ہوا تو ظفر نے ہیتھیوڈورا اور الگزنڈرا کا سب سے تعارف کرایا، نشاط باپ کی وجہ سے شرم سے الگ سر جھکائے کھڑے رہے۔

نواب عشرت علی خاں اب تک اس واقعہ سے لاعلم تھے اور خوش خوش بیٹے کو لینے آئے تھے، اب بیٹے کے پہلو میں ایک مغربی کافر ادا کو دیکھ کر غصے اور شرم سے ان کا منھ سرخ ہو گیا، اُن کی بہو اور ہزاروں کے مجمع میں منھ کھولے اطمینان سے کھڑی تھی، جن کے ہاں دس سال کا بچہ بھی نہ جا سکتا تھا آج ان کے خاندانی وقار کو سخت صدمہ پہونچا تھا، جتنا خفا ہونے بجا تھا، وہ تو یہیں بکھر جاتے، لیکن ڈاکٹر رفیق احمد وغیرہ نے بمشکل اُن کو روکا، اور ہیتھیوڈورا کو یہ رنگ دیکھ کر ظفر جنگ نے اپنی کار میں بٹھالا، اور سب اظہر محل روانہ ہوئے، یہاں ماں بہنیں ڈیوڑھی سے لگی انتظار کر رہی تھیں، ظفر جنگ نے پہلے ماں کے قدم چومے، انھوں نے گلے لگا کر بلائیں لیں، پھر ممانی، خالہ سب بزرگ بیبیوں کو آداب کیا، بہنوں سے گلے ملے میراثنوں نے لہک لہک کر گانا شروع کیا، سب نے تیل ماش اتارا، پنجھاور کی، یہ سب خوشی اسے ہے، لیکن سب کے چہروں پر ایک انتشار سے ہے، دوپہر تک ملنے والوں کا ہنگامہ رہا، کھانے کے بعد سب مہمان رخصت ہوئے، نشاط بھی باپ کے ساتھ گئے

تھیوڈورا اور الگزنڈرا اپنے بھائی کپتان جوزف کے پاس سے چلی گئیں۔

صادقہ زچہ خانے میں تھیں لڑکا ہوا تھا، اُن سے ملنے ظفر سہ پہر میں گئے۔

ظفر۔ باجی صادقہ آپ تو خوب بیٹھیں۔

صادقہ۔ میاں میں کیا اپنی خوشی سے بیٹھی ہوں، اگر بیس دن بھی ہو جاتے تو پھر محل میں تم مجھکو موجود پاتے اور میں تو اب جانے کو تیار تھی، تمہارے بہنوئی نے نہ جانے دیا۔

ظفر۔ خیر یہ تو مذاق تھا ہم ہی آپ سے آکر مل لئے، وہ ہماری خورشید کہاں ہیں۔

صادقہ۔ پڑھ رہی ہیں، ارے گلچمن جا خورشید بی بی کو بلا لا۔

صفدر۔ (صادقہ کے بڑے لڑکے کو گود میں لے کر) ادھر آؤ شمیم یہ بھی ماموں جان ہیں آداب عرض کرو۔

ظفر۔ (شمیم کو پیار کر کے) اچھا یہ وہی صاحب ہیں جو ہمارے جانے کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، کہو میاں شمیم تم بھی پڑھتے ہو۔

شمیم۔ (تتلا کر) ہاں ماموں جان میں تو بوت پلتا ہوں۔

ظفر۔ (مسکرا کر) بھئی واہ تم تو خوب فارسی بولتے ہو۔
(چھوٹے بچے کو لے کر) اور ان کا کیا نام ہے؟

صادقہ۔ نسیم احمد

صفدر۔ یہ تو بالکل بھائی صاحب کی صورت ہے۔

صادقہ۔ نشاط کہاں ہیں؟

صفدر۔ اجی وہ اپنے جھگڑوں میں پھر رہے ہیں، بیگم صاحبہ کو لے تو آئے اب ان کے قبلہ والد صاحب بہو کو گھر میں لے جانا نہیں چاہتے، نشاط کی نہایت بُری خوب خبر لی، شادی کرنے کا اب مزا آرہا ہے، بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔

ڈاکٹر رفیق احمد۔ سُنا ہے اپنی سبزی منڈی والی کوٹھی میں نشاط بیوی کو لے جائینگے۔
نواب عشرت علی خاں گھر میں بہو کو نہیں بلاتے، بہت ناراض ہیں۔
ظفر جنگ۔ میں ماموں جان کو سمجھاؤں گا یہ کیا لغویت ہے، شادی اپنی خوشی کی چیز ہے اور پھر وہ بھی کوئی چوڑی چماری نہیں، شریف زادی ہے، اتنا ذلیل کرنے سے کیا فائدہ، آخر تو اُن کے بیٹے کی بیوی ہے، اور اب بہو ہے۔
ڈاکٹر۔ پرانے خیال کے آدمی ہیں، یکایک اس آفت کے آجانے سے گھبرا گئے۔
صادقہ۔ (مسکرا کر) چلو ہمارے لئے تو آسانی ہے۔
صفدر۔ باجی کیا آسانی ہے؟
صادقہ۔ تم پوچھنے والے کون، کوئی ایسی بات ہی جو تم کو نہیں بتلائی جا سکتی۔
ڈاکٹر رفیق احمد۔ تھیوڈورا واقعی بہت حسین لڑکی ہے، صبح ہلکی کاسنی ساڑی غضب کی کھب رہی تھی اور پھر اور مسوں کی طرح بیباک بھی نہیں ہے، نیچی نظر سے بات کرتی ہے، نشاط کی پسند ہے تو قابل داد، مغربی لڑکی ہے، لیکن ادائیں سب مشرقی ہیں، اس کی خالہ زاد بہن بھی بہت حسین ہے، لیکن بیچاری کچھ پریشان سی معلوم ہوتی ہے۔
صادقہ۔ یہ الگزنڈرا کیوں ساتھ آئی ہیں؟
صفدر۔ (مسکرا کر) اسکا سبب اپنے بھائی ظفر سے پوچھئے یہ اُن کے رازدار ہیں۔
ظفر۔ (بگڑ کر) واہ صفدر یہ کیا مذاق ہے، میں کیوں کسی کا رازدار ہونے لگا۔
صفدر۔ ارے صاحب کسی سے کیا غرض، مس الگزنڈرا کے تو آپ رازدار ہیں۔
ظفر۔ پھر وہی مذاق، ارے بھائی کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔
صفدر۔ جی بجا فرمایا سرکار نے ع

من خوب می شناسم پیران پارسا را

ہے شرط کہ بیرسٹر صاحب سے حال کہہ دوں۔

صادقہ۔ فضول مت بکو صفدر، وہ پہلے ہی برافروختہ ہو رہے ہیں۔
ظفر۔ (گھبرا کر) کیوں؟ بمبئی بھی وہ نہ گئے، یہاں بھی ملنے نہ آئے، مجھے خود ہی کا خیال تھا
ڈاکٹر رفیق احمد۔ بیرسٹر صاحب واقعی سخت ناراض ہیں، تمہارے کسی دشمن نے جعلی خط بھیجا ہے، اُسے پاکر اُن کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔
ظفر۔ (پریشان ہوکر) یا اللہ وہ کون ایسا دشمنِ جان تھا جس نے یہ خط بھیجا۔ اُس خط کا مضمون تو بتایئے کیا تھا۔
ڈاکٹر رفیق۔ (ایک کاغذ نکال کر) اُس خط کی نقل میرے پاس ہے، دیکھو مضمون اس خط کا ہر با احساس انسان کو غصہ دلانے کے لئے کافی ہے، اور حیرت یہ کہ خط کا ہر لفظ اور شان خط بالکل تمہاری ہے۔

ظفر نے جلدی سے کاغذ اُٹھا لیا، جوں جوں وہ خط پڑھتے گئے اضطراب طاری ہوتا گیا، خط ختم کرکے بے اختیار اُن کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور رکتی ہوئی آواز سے کہا، اُف فریب دھوکا، ہائے میں اور یہ خط لکھوں، اس کے مضمون سے میرا دل شق ہوا جاتا ہے۔
صفدر نے خط دیکھا اور کہا یہ انہی حضرت جالی صاحب کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔
ڈاکٹر رفیق۔ لیکن بھئی وہ تو بیوقوف سا لڑکا ہے، میں کئی مرتبہ بیرسٹر صاحب کے یہاں اس سے ملا ہوں، اسلم سے اکثر ملتا ہے، بات بھی کرنی نہیں آتی۔
صفدر۔ جی دیکھنے میں جو اتنے بھولے ہوتے ہیں وہی مار آستین نکلتے ہیں، خیر چلیے، میں اور آپ بیرسٹر صاحب پاس چلیں اور یہ غلط فہمی اُن کی دور کر دیں۔
ظفر۔ او میرے خدا یہ کیا مصیبت آ گئی۔
ڈاکٹر رفیق۔ گھبراؤ نہیں، سب خیر ہے، اُس دن اُن کو غصہ بہت تھا، دوبارہ جب گیا تو وہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے، اب میں اور صفدر آسانی سے اُن کو راہِ راست پر لے آئینگے۔

صفدر۔ لیکن میرا نام تو پہلے ہی ظالم نے لکھدیا ہے کہ میں ہی زبردستی کرتا ہوں، خیر صاحب جو ہو سو ہو اللہ کا نام لیکر جاتے ہیں، ظفر بھائی تم یہیں بیٹھے رہو ابھی آتے ہیں۔

ظفر۔ ہاں ہاں میں اتنی دیر باجی سے باتیں کر دونگا، خدا کرے یہ معاملہ سلجھ جائے اگر میری ضرورت ہو تو ٹیلیفون کر کے بلا لینا۔

ڈاکٹر صاحب و صفدر چلے گئے، ظفر صادقہ سے باتیں کرتے رہے، لیکن دل پر سخت اضطراب تھا، کبھی بیٹھ جاتے، کبھی ٹہلنے لگتے۔

صفدر اور ڈاکٹر صاحب پاؤ گھنٹے بعد واپس آگئے اور کہا بیرسٹر صاحب پرسوں سے الہ آباد گئے ہوئے ہیں چودہ تاریخ کو واپس آئیں گے۔

ظفر۔ اُف چودہ ۱۴ میں ابھی چھ ۶ دن ہیں۔

ڈاکٹر رفیق۔ ظفر جناب اتنا نہ گھبراؤ، سب معاملہ درست ہو جائے گا، تھوڑے دن کی پریشانی ہے۔

ظفر۔ (سرد آہ لے کر) بجا ہے بھائی صاحب، مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا جھگڑا پڑیگا، باجی آداب، پھر حاضر ہوں گا۔

ڈاکٹر رفیق۔ ایں ایں ذرا تو ٹھہرو، چائے پی کر جانا۔

ظفر۔ اس وقت معاف کیجئے، لوگ ابھی ملنے کو آ رہے ہیں، اماں جان انتظار کر رہی ہونگیں، پھر انشاء اللہ کسی دن حاضر ہوں گا، آؤ صفدر۔

محل پہونچتے ہی وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہے، اندر سے ماں نے بلا بھیجا۔ پریشان صورت دیکھ کر کہا خیر ہے کیوں بیٹا ایسے کیوں پریشان ہو؟ ظفر کے آنسو نکل پڑے اور بیگم صاحبہ نے گھبرا کر پوچھا، ایں ایں کیا بات ہے صفدر کچھ تو بتاؤ۔

صفدر۔ جی بیرسٹر صاحب کو جو جعلی خط ملا ہے ان کی جانب سے اُس کی بابت سنکر پریشان ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ (چشم پُرآب ہوکر) نہ سپہر آرا مرتیں نہ یہ رنگ ہوتے، ثروت غریب کو سوتیلی ماں نے ہر طریقے سے ستا رکھا ہے، ایسی چال باز ہے میاں کو بالکل اپنے قبضے میں کرلیا ہے، ثروت جیسی بیٹی کو بھی اُس مکارہ کے سامنے بھول گئے۔

زیب النساء۔ فرخندہ کہتی تھیں جب سے یہ قصہ ہوا ہے ثروت آرا ہر وقت افسردہ رہتی ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ اور جانی صاحب سنا ہے ہر جگہ کہتا پھرتا ہے اب ثروت آرا سے میری شادی ہوگی۔

صفدر۔ جی ہاں وہ ہیں بھی اسی قابل، دیکھئے کیسا اس نالائق کو ٹھیک بناتا ہوں، اتنا بڑا دھوکا بدمعاش نے دیا ہے۔

ظفر۔ حیرت ہے، بیرسٹر صاحب تعلیم یافتہ، بیدار مغز ہوکر کیسے ایک جاہل عورت کی چال میں آگئے۔

بیگم صاحبہ۔ وہ تو اتنے دام فریب میں پھنسے کہ جو ناچ وہ چاہتی ہیں ناچتے ہیں!

ظفر۔ آپ یا اباجان بھی خورشید لاج گئے تھے۔

بیگم صاحبہ۔ میں جاکر کیا اُس شہدن کے منہ لگتی، تمہارے باپ بیرسٹر صاحب کے پاس گئے تھے، لیکن اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے اب آپ کے کہنے پر اعتماد نہیں ہے، آپ کے صاحبزادے کی تجربہ آگئی ہے، معاف کیجئے، میں آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرسکتا۔

ظفر۔ (جس کا رنگ غصے سے سُرخ ہوگیا تھا) خوب وہ میری بیوی کو رکھ کس طرح سکتے ہیں، اگر خوشی سے وداع نہ کریں گے، جس طرح بن پڑیگا

لاؤں گا۔

صفدر۔ ابھی اگر ہم سلامت ہیں تو جان پہ کھیل کے ثروت آرا بیگم کو لائیں گے، اور ریحان صاحب کو مزا چکھائیں گے، اُٹھو بھائی ظفر منہ دھوؤ لباس تبدیل کرو، خواہ مخواہ پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔

ظفر اُٹھے اور سست قدم ڈالتے ہوئے کمرے میں چلے گئے، صفدر نے بہت کہہ سن کر ظفر کا لباس تبدیل کرایا، چائے کے بعد نشاط کے ہاں ظفر جنگ کو چھوڑا اور کہا میں ذرا حضرت جانی صاحب کی زیارت کر آؤں۔

ظفر۔ (دھیمی آواز سے) جاؤ خدا حافظ۔

۳۲

دوپہر کا وقت ہے، آفتاب اپنی انتہائی بلندی پر پہونچ چکا ہے، دھوپ اگرچہ کچھ زیادہ تیز نہیں، لیکن قدرت کی معجز نمائیوں سے متاثر ہو کر نغمہ سرائی کرنے والے پرندے اپنے گھونسلوں میں ساکت وصامت بیٹھے ہیں، بیرسٹر صاحب اس وقت اپنی ناز آفریں بیگم سے محو گفتگو ہیں، جو مکلّف لباس زیب تن کئے ایک مسہری پر دراز ہیں۔

ناز بیگم۔ اے، ہے اللہ جانتا ہے یہ دن ایسے مشکل سے کٹے ہیں کہ بس کیا بتاؤں؟

بیرسٹر۔ (ہنس کر) یہی حالت میری تھی، مگر مجبور تھا، مقدمہ ایسا تھا، گیا چار دن کو لگ گئے دس روز۔

ناز بیگم۔ (اٹھلا کر) اب آپ اس طرح جانے نہ پائیں گے، میرا اس دنیا میں کون بیٹھا ہے، ایک بیچاری اماں کا دم ہے، یا جانی صاحب، تو وہ لڑکا ذات ہے، ہر وقت میرے گھٹنے سے کیسا لگا بیٹھا رہے۔

بیرسٹر۔ کیوں مہ پارہ اور ثروت جو ہیں۔

ناز بیگم۔ مہ پارہ تو ابھی بچہ ہے، ہاں اللہ رکھے ثروت ہیں، لیکن وہ تو مجھے اب اپنا دشمن خیال کرتی ہیں۔

بیرسٹر۔ (تعجب سے) دشمن!
نازبیگم۔ ہاں!
بیرسٹر صاحب۔ کیوں؟
نازبیگم۔ یہی خط والے معاملہ میں۔
بیرسٹر صاحب۔ تو کیا ظفر کو تم نے ظفر کو سکھادیا تھا۔
نازبیگم۔ ہاں اُن کا خیال ہے یہ میری سازش تھی، ظفر نے لکھا ہی نہیں، بھلا میں چار دیواری کی بیٹھنے والی یہ باتیں کیا جانوں (آنکھوں میں آنسو بھر گئے) خدا کی شان مجھے مکار کہا جاتا ہے اور ایسی ایسی تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔
بیرسٹر۔ کس نے تم کو مکار کہا، کیا ثروت نے؟
نازبیگم۔ نہیں وہ بچی تو بہت بھولی ہے، خدا بھلا کرے جس نے کہا اور ثروت کو میری جانب سے بدگمان کیا۔
بیرسٹر۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ ثروت کی تربیت ایسی نہیں ہے جو تمہاری شان میں ایسے الفاظ کہے، لیکن یہ بتاؤ وہ کون ہے جس نے یہ کہا۔
نازبیگم۔ فرخندہ نے کہا۔
بیرسٹر صاحب۔ لیکن فرخندہ تو بڑی اچھی لڑکی ہے، لڑکپن سے ثروت کے ساتھ کھیلتی رہی ہے، مہذب اور نیک طبیعت ہے۔
نازبیگم۔ (بیقراری سے روکر) تو میں جھوٹ بولتی ہوں؟
بیرسٹر۔ ہائیں ہائیں روتی کیوں ہو؟ میں نے تو یہ کہا تھا پہلے تو ایسی نہ تھی۔
نازبیگم۔ تم کیا جانو، بہت گھنّی ہے، ثروت کو وہی سکھاتی ہے، اسی وجہ سے ثروت رنجیدہ رہتی ہیں، اظہر محل کی جھوٹی سچی خبریں لاکر دیتی ہے، ہر وقت ظفر کا ذکر کرتی رہتی ہے۔
بیرسٹر صاحب۔ خیر میں اس کا مناسب انتظام کروں گا، تم پریشان نہ ہو، یہ

رونے کی کیا بات تھی، اظہر محل سے یہاں کوئی نہیں آیا؟
نازبیگم۔ ڈاکٹر رفیق احمد اور صفدر نے دہلیز کی مٹی لے ڈالی، پرسوں ہی صفدر آئے تھے۔
بیرسٹر۔ خود ظفر جنگ نہیں آیا؟
نازبیگم۔ نہیں وہ تو نہیں آیا۔ (دبی زبان سے) میں نے سنا ہے دو فرنگنیں ساتھ آئی ہیں، ایک تو نشاط کی بیوی ہے، دوسری اس کی بہن، مگر دونوں ایسی ہیں جیسے شورے کی پتلیاں۔
بیرسٹر صاحب۔ تم نے کس سے سنا؟
نازبیگم۔ اے یہ ڈپٹی صاحب کی بیوی کی بہن کا گھر تو عشرت محل کے قریب ہے، وہ اپنی بہن کے ہاں گئیں تو دونوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔
بیرسٹر صاحب۔ سنا تو میں نے بھی ہے، لیکن دوسری تو صرف سیر کے لئے ہندوستان اپنی خالہ زاد بہن کے ساتھ آئی ہیں
نازبیگم۔ اے یہ سب جعل ہے، ماں باپ کی وجہ سے ظفر نے چھپایا ہے عشرت علی خاں ہی نشاط پر بہت بگڑے تھے، خدا خدا کر کے سب کے سمجھانے سے مانے ہیں اور بہو کو گھر میں پرسوں بلایا ہے، سنا ہے کہ اب عشرت زمانی بیگم میلاد شریف کریں گی، اور سب کو بلا کر بہو کو دکھائیں گی، ظفر جنگ بھی موقع کے منتظر ہیں، یہاں ہو جائیگا تو گھول دیں گے۔
بیرسٹر۔ توبہ کرو، کیا میں ایسا پاگل ہوں، صریحاً طلاق لکھکر بھیجدی، اب میں اس کافر کو اپنی بیٹی دوں گا؟
نازبیگم۔ تو کہیں اور کر دو، جو یہ قصہ جائے۔
بیرسٹر۔ کیا کروں کوئی لڑکا اب ایسا نظر نہیں آتا، جو شروت کا جوڑ ہو، دہلی میں خاندانی لوگ زیادہ تر نواب اظہر جنگ کے ملنے والے ہیں، یہاں تو آن سے

مخاصمت مول لینا کوئی بھی پسند نہ کرے گا، باہر کہیں تلاش کرنا پڑیگا، لکھنؤ کا سفر اس غرض سے کروںگا، وہاں کنبے میں غالباً کوئی لڑکا حسب مرضی مل جائے گا۔

ناز بیگم۔ اگر برا نہ مانو تو جانی صاحب میں کیا برائی ہے۔

بیرسٹر۔ (سوچتے ہوئے) کوئی خاص برائی تو نہیں، بہت سیدھا لڑکا ہے، لیکن تعلیم کم ہے۔

ناز بیگم۔ اے تعلیم یافتہ کا لیکر کیا کرنا ہے، آپ ابھی ہوشیار نہیں ہوئے۔

بیرسٹر۔ کہتی تو تم سچ ہو، ایک صاحب نے کیا اچھا سلوک کیا جو اور تعلیم یافتہ دیکھوں،

ناز بیگم۔ پھر میرا بچہ خدا نکردہ جاہل مطلق بھی نہیں ہے، اُردو فارسی تو تم ہی کہتے ہو اچھی آتی ہے انگریزی بھی اب خاصی آگئی ہے، برس دو برس میں اور ترقی کرے گا،

بیرسٹر۔ ہاں یہ ٹھیک ہے، روٹی کی خدا کے فضل سے کمی نہیں، اگر چین سے ملیں دس کو کھلا کر کھا سکتے ہیں، اچھا ابھی تو گرمی زیادہ ہے، ثروت بھی ان دنوں تازہ صدمہ ہونے کے باعث افسردہ رہتی ہے، انشاءاللہ دو ماہ بعد اچھا موسم ہونے پر جانی صاحب ثروت کا عقد کر دوں گا، مگر ثروت کے رنجیدہ رہنے کا تم خیال نہ کرو، بچی ہے، اس نے کبھی ایسے واقعات کب دیکھے تھے، اس لئے افسردہ رہتی ہے،

ناز بیگم۔ اللہ جانتا ہے، میں تو ثروت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں، لیکن وہ آج کل مجھکو اپنا دشمن تصور کرتی ہیں۔

بیرسٹر۔ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائے گی، ابھی اسکی عمر ہی کیا ہے، جو معاملات سمجھ سکے۔

ناز بیگم۔ ہاں تو کہیں صفدر کے کہنے میں نہ آجانا، سنا ہے وہ بہت چرب زبان اور چلتا پرزہ ہے۔

بیرسٹر۔ تم نے بھی مجھے بچہ سمجھ رکھا ہے، صاف جواب دیدوں گا، ہاں ظفر دہلی میں ہیں یا انبالہ، سُنا ہے تقرر تو اُن کا انبالے ہوا ہے۔

ناز بیگم۔ ابھی تو یہیں ہیں۔

گلزار۔ حضور، ڈاکٹر صاحب اور صفدر صاحب آئے ہیں، آپ کو بلاتے ہیں۔
بیرسٹر صاحب۔ اچھا سلام دو، میں ابھی آتا ہوں۔
ناز بیگم۔ دیکھا وہ آپہونچے کہیں اُن کے کہنے میں نہ آجانا، کبھی گھینے سینے میں آکر میری ثروت کو جھونک دو۔
بیرسٹر۔ (کھڑے ہو کر) واقعی تم مجھے احمق سمجھتی ہو۔
بیرسٹر کو آتا دیکھ کر صفدر اور ڈاکٹر صاحب کھڑے ہو گئے، شیک ہینڈ کے بعد پہلے بیرسٹر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی مزاج پرسی کی، پھر صفدر کی جانب مخاطب ہو کر کہا، کہئے صفدر صاحب آپ کب تشریف لائے؟
صفدر۔ بھائی ظفر جنگ نے اپنے آنے کی اطلاع آپ کو تار سے دی تھی، کیا آپ کو وہ تار نہیں ملا؟ ہمیں تعجب تھا کہ آپ بمبئی تو دیکر دہلی میں بھی نہ ملے۔
بیرسٹر صاحب۔ ہاں مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے خیر مقدم کے لئے نہ جا سکا اپنے پیشے کی مصروفیت کے باعث معذور رہا، (طنز یہ طور پر مسکرا کر) آپ کوئی تحفہ نہیں لائے۔
صفدر۔ جی تحفہ تو صرف نشاط لائے ہیں، میں اور ظفر تو صرف اپنی جان لائے ہیں۔
بیرسٹر۔ صفدر صاحب غلط بیانی سے کام نہ لیجئے، ظفر جنگ کا تحریری ثبوت اس کا شاہد ہے کہ وہاں وہ ایک خوبصورت مس سے شادی کر چکے ہیں۔
صفدر۔ جی ہاں آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے میں حاضر ہوا ہوں، وہ خط بھائی ظفر کے کسی سخت دشمن کی سازش کا نتیجہ ہے، آپ اس کو محض فریب سمجھئے، اور زیادہ وقعت نہ دیجئے، بھائی ظفر آپ کے سامنے آکر تردید کر دیں گے کہ جو اُنکی تحریر نہیں ہے، میں سمجھ گیا آپ گہری سازش کا شکار ہوئے ہیں، بہر حال آپ عجلت نہ فرمائیں، جلد معاملہ طشت از بام ہو جائیگا، اور وہ مکار جس نے آپکو اتنا بڑا دھوکا دیا ہے اپنے کیفر کردار کو پہونچے گا۔

بیرسٹر صاحب۔ معاف رکھیے، میں آپ کی باتوں میں نہیں آسکتا، خط کا ہر لفظ اور تحریر سب ظفر جنگ کی ہے، اور کوئی اس طرح خط نہیں لکھ سکتا، اور پھر کیمبرج کی مہر کون یہاں بنا سکتا تھا، فرض کیجیے خط کی نقل بھی اتار لی تو مہر کس طرح کیمبرج کی یہاں آگئی، میں آپ کے کہنے کا کیسے یقین کر لوں۔

صفدر۔ میرے محترم غور تو کیجیے، یہ شادی کوئی زبردستی کا سودا نہ تھی، ان دونوں گھروں میں یہ تقریب بہت آرزو اور خوشدلی کے ساتھ عمل میں آئی تھی، ظفر جنگ ثروت آرا بیگم کو بہت عزیز رکھتے ہیں، اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کروں گاڑی والے حادثے کے بعد ہی وہ مس ثروت آرا کے حسن سے مسحور ہو چکے تھے، سوچیے اور ذرا ٹھنڈے دل سے سمجھیے، معاملہ کچھ اور ہے، زیادہ عرض نہیں کر سکتا، کسی گھر کے بھیدی نے یہ جال بچھایا ہے۔

بیرسٹر۔ صفدر میاں اب میں صاف کہنے پر مجبور ہوں کہ خواہ اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، ظفر جنگ سے ثروت آرا کی شادی اب نہیں ہو سکتی، نواب صاحب خود تشریف لائے تھے، مجھے رنج ہے کہ اتنے بڑے بزرگ کے سامنے مجھے جواب دینا پڑا، وہ سخت آزردہ ہو کر گئے، اور اس کا مجھے بہت احساس ہوا، لیکن میں یہ کیسے گوارا کرتا کہ اس تحریر کو پانے کے بعد اپنی بیٹی کو جھونک دیتا۔

صفدر۔ دیکھیے آپ فیصلہ کرنے میں پھر جلدی کر رہے ہیں، میں مکرر عرض کرتا ہوں اس معاملہ پر غور کریں۔

بیرسٹر۔ میں نے بہت غور کر لیا، ہرگز اب میرا فیصلہ بدل نہیں سکتا، دوستانہ طور پر آپ شوق سے میرے غریب خانے پر تشریف لائیں، لیکن اس رنجدہ ذکر کو اب درمیان میں نہ لائیں، میں آئندہ اس کے متعلق کچھ بھی سننا پسند نہ کروں گا۔

صفدر۔ بہت بہتر جو آپ کی مرضی، لیکن دیکھیے نتیجے میں آپ کو پشیمانی ہوگی آپ

بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔
بیرسٹر۔ دیکھا جائے گا۔
ڈاکٹر رفیق۔ جناب بیرسٹر صاحب افسوس ہے آپ کچھ سننے کے لئے آمادہ نہیں اس لئے ہم دونوں جاتے ہیں، یہ کہکر دونوں بہت مکدر سلام کر کے نکل گئے۔
بیرسٹر صاحب نے اندر آکر ساری گفتگو اپنی چہیتی بیوی کے سامنے دوہرائی ناز بیگم یہ سنکر بہت خوش ہوئیں کہ اب معاملہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا، اور اب انھوں نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔
پھر بیرسٹر صاحب ثروت کے کمرے میں آئے، ثروت اسوقت ایک انگلش ناول بظاہر ہاتھ میں لئے ہوئے تھیں، لیکن دراصل اُن کا دل مستقبل کی فکر کی وجہ سے ڈوبا جا رہا تھا، اور وہ تخیل میں غرق بیٹھی تھیں، باپ کے قدم کی آہٹ پا کر چونک گئیں، اور تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئیں۔
بیرسٹر نے کہا بیٹی تم پریشان نہ رہا کرو، سینکڑوں معاملے انسان کو پیش آتے ہیں۔
ثروت۔ نہیں ابا جان یہ آپ کا خیال ہے، میں تو خوش ہوں۔
بیرسٹر۔ لیکن تمہاری دولہن بھابی کہہ رہی تھیں کہ تم اُن سے ان دنوں رنجیدہ رہتی ہو۔
ثروت۔ (گھبرا کر) نہیں تو ابا جان میں تو اُن سے ناراض نہیں ہوں، البتہ ان دنوں گرمی کے سبب میری طبیعت مضمحل رہتی ہے، تو زیادہ بات ہی کسی سے بھی نہیں کرتی، فرخندہ بھی آتی ہیں تو بیچاری وہی باتیں کرتی رہتی ہیں میں تو خاموش رہتی ہوں، کچھ ایسی کمزوری محسوس ہوتی ہے کہ بولنے کو دل نہیں چاہتا۔
بیرسٹر صاحب۔ خیر آئندہ تم کوشش کر کے اپنی دولہن بھابی سے بولنا اور کمزوری کی شکایت ہے تو میں کل ہی ڈاکٹر کو بلا کر دکھاؤں گا۔
ثروت۔ نہیں ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، میں مفرح قلب ادویہ کا استعمال کر رہی ہوں۔

بیرسٹر۔ ثروت تم کو رنج تو ہوگا، لیکن میں نہیں چاہتا کہ فرخندہ سے تم ملو۔
ثروت۔ (حیران ہو کر) کیوں ابّا جان میں کس لئے فرخندہ بہن سے نہ ملوں؟
بیرسٹر۔ اس لئے کہ فرخندہ کی بھاوج اور اظہر محل والوں سے بہت بیگانگت کے تعلقات ہیں، فرخندہ بھی بھاوج کی وجہ سے وہاں کی ہوا خواہ ہیں، اس ناگوار واقعے کے بعد ان لوگوں سے ملنا ٹھیک نہیں ہے۔
ثروت۔ (رنجیدہ لہجے سے) آپ کا حکم بسر و چشم۔
بیرسٹر نے بیٹی کی خوبصورت پیشانی کا بوسہ لیا اور کمرے سے نکل گئے، ثروت آرا کو اس تازہ واقعے کی بدولت اور صدمہ پہونچا اور اس کی ہچکی بندھ گئی، بہت دیر تک وہ روتی رہی، آخر نیند نے اس بے ماں کی معصوم لڑکی پر رحم کیا، اور اس کی آنکھ لگ گئی، آہ بدنصیب ثروت! جس کی تیوری پر بل آنے سے ماں بے چین ہو جاتی تھی، آج سوتیلی ماں کے مظالم کا شکار ہو کر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔

۲۳

ظفر جنگ، ڈاکٹر رفیق احمد اور صفدر کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے،
ان دونوں نے آتے ہی بیرسٹر صاحب کی دکھی تقریر اور جواب صاف سنا دیا، فرطِ
الم سے ظفر جنگ چکرا کر گر پڑے، سارے محل میں کہرام مچ گیا۔
نواب صاحب اکلوتے بیٹے کے لئے گھبرائے ہوئے تھے، بیگم صاحبہ بدحواس تھیں،
صدمے کے آثار سے جا رہے تھے، خدا خدا کر کے ظفر نے ایک گھنٹے بعد آنکھ
کھولی، ڈاکٹر حکیم سب جمع تھے، سب کی جان میں جان آئی لیکن اس صدمے کے
باعث ظفر جنگ کو بخار ہو گیا، اور یہ بخار ایسا ہوا کہ باوجود سول سرجن صاحب کی ہدایات کے
مطابق دوا غذا دینے کے ٹس سے مس نہ ہوا، ہلکی ہلکی حرارت ہر وقت رہتی، اور دوپہر
میں تو ایک سو چار تک نوبت پہونچ جاتی، ایک ہفتہ اس طرح گزر گیا، بیکار نوکر چاکر
اور عزیزوں کی تیمارداری پر اعتماد نہ کرتے ہوئے دو نرسیں سول سرجن صاحب نے
مقرر کر دیا جو ہر دو گھنٹے بعد ٹمپریچر لیکر چارٹ لکھتیں، دوا غذا سب وقت پر دیتیں
خود صاحب بہادر دو وقت آکر دیکھتے، کئی دوائیں تبدیل کر چکے تھے، اپنے عزیز دوست
کے اکلوتے بیٹے کی علالت سے سخت پریشان تھے۔ لیکن قدرت سے لڑنا انسان کا کام

نہیں، اس تمام غور و نگہداشت کے باوجود مرض میں ذرہ برابر کمی نہ تھی، علاج کے علاوہ اوپری تدابیر بھی کی جا رہی تھیں، بیگم صاحبہ نے سینکڑوں روپے صدقے سبیلوں، نذر نیازوں کی نذر کر دیئے، روز بکرا اتارا جاتا، دونوں وقت بھوکوں کو کھانا کھلا کر صحت کی دعا منگوائی جاتی، نواب اظہر جنگ کی بنوائی ہوئی مسجد میں نمازی پنجوقتہ نماز کے بعد صحت سلامتی کی دعائیں کرتے، سورۂ بقر کا عمل بھی اب تین دن سے شروع کر دیا گیا تھا، بہنیں پریشان، ماں دیوانی، باپ گھبرائے ہوئے تھے، صفدر تو جس دن سے ظفر جنگ علیل ہوئے ہنسنا ہی بھول گئے، کجا وہ ہنسی کہ تمام دن کشتِ زعفران بنے رہتے، یا اب پہروں گم سُم رہتے، اگر ظفر نے آنکھ کھول دی تو اُنکے لبوں پر بھی مسکراہٹ آگئی ورنہ خاموش، تیمارداری میں منہمک رہتے، دوست ہو تو ایسا ہو، شب و روز یکساں اس اللہ کے بندے پر گذرتے اور پٹی نہ چھوڑتا۔

ظفر کی یہ حالت تھی کہ نقاہت کے باعث ہر وقت عالم غشی طاری رہتا، ارغوانی رنگ زعفرانی ہو گیا، اور گداز جسم سوکھ کر ڈھانچ رہ گیا۔

نوجی روز سول سرجن صاحب نے ٹائیفائڈ فیور تجویز کیا، اور کہا گھبرانے کی بات نہیں، اس کی میعاد اکیس روز ہے، گن گن کر اکیسواں دن بھی آیا، اور واقعی صبح ہی سے بخار بھی اُتر گیا، سب طرف مبارک سلامت ہوئی اور سب کے اوسان درست ہوئے، مگر اکیس روز کی علالت نے بلا کا ضعف پیدا کر دیا تھا، بخار اُترنے کے بعد بھی ایک ہفتے تک یہ عالم رہا کہ ظفر آنکھیں بند کئے لیٹے رہتے، چکن سوپ تیتر کا شوربہ بارلی واٹر ساگو دانا زود ہضم غذائیں پھلوں کے عرق دیئے جا رہے تھے، کہیں دس روز بعد اس قابل ہوئے کہ پلنگ سے اُٹھ کر چند قدم چل سکیں وہ بھی کسی کے سہارے سے خود ابھی لڑکھڑاتے تھے جس روز ظفر نے پلنگ سے نیچے قدم رکھا اور غسل صحت ہوا ماں نے ایک سو ایک روپے نچھاور کئے، ڈھائی سو بھوکوں کو کھانا کھلایا یتیم خانے

ہیں کھانا بھیجا، تیل ماش مٹھائی کے کونڈے سب اعزہ نے دیئے، غسلِ صحت کا میلاد شریف ہوا، اور سب نے اللہ کا شکر کیا کہ ظفر جنگ کو دوبارہ زندگی ملی۔

صفدر نے کہا واہ حضرت آپ نے تو سب کی جان ہی نکال لی، اس طرح کو ثروت آرا بیگم ملنے سے رہیں، مرد بنو اور تدبیر و حوصلے سے کام لو۔

ظفر۔ نے ایک آہ بھر کے کہا، آہ صفدر اب اُمید منقطع ہو گئی، روزِ حشر ملنا ہوگا۔

صفدر۔ جی ہاں کیا کہنے ہیں، آپ تو ولی اللہ ہیں، بس رانڈوں کی طرح رونا آتا ہو اتنے دن ولایت رہ کر بھاڑ جھونکا ہو، ہم سلامت ہیں تو ثروت کو لیکر آئیں گے۔

ظفر۔ خدا تمہارے منھ کا کہنا صحیح کرے، مگر صفدر کس طرح لا سکتے ہو؟

صفدر۔ تمہاری بیماری نے حواس باختہ کر دیئے اور کچھ بھی نہ ہو سکا، تمہاری جان کے لالے تھے، شادی بیاہ کس کو یاد تھا، اور تم نے بیمار پڑ کر معاملہ خراب کر دیا۔ پورا مہینہ صاف اسی جھگڑے میں گزر گیا، اب عنایت سے اور رنگ نہ لانا، مجھے جا کر حالات معلوم کرنے دو۔

ظفر۔ میں تو اب ایک ہفتے بعد کام پر جاؤں گا، ان قصوں کے باعث جس روز سے آیا ہوں کام اچھی طرح نہ کر سکا، اور اب اتنے دن بیماری کے نہیں کہاں گذرنے۔

صفدر۔ ضرور جایئے، سدھاریئے، تاکہ بندہ اطمینان سے یہاں کارگزاری کرے۔

ظفر۔ ابھی جا کر خبر تو لاؤ کہ وہاں کیا خبریں ہیں۔

صفدر۔ بہت اچھا سرکار ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے چل دیئے، ظفر چونکہ ابھی تک کمزور تھے، اتنی گفتگو سے تھک گئے اور پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں، برقی پنکھے کی ہوا اور خس کی ٹٹی نے دماغ کو فرحت پہونچائی اور کچھ دیر کیلئے جوانی کی نیند نے ظفر کو دنیا و مافیہا سے بیخبر کر دیا۔ ابھی وہ نیند کے مزے لے رہے تھے، جو صفدر نے شانہ ہلا کر جگا دیا۔

ظفر۔ ایں تم اتنی جلد واپس آ گئے، میں نہ جانے کب تک سویا۔
صفدر۔ (گھڑی دیکھکر) میں دس بجے یہاں سے گیا تھا، اب ساڑھے گیارہ بجا چاہتے ہیں، تم خاصے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوئے ہو۔
ظفر۔ اُف اتنی دیر، مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سویا تھا (جمائی لیکر) خیر وہاں کے حالات سناؤ۔
صفدر۔ ہم نے وہی پرانی ترکیب چلی، حشمت کو کہلا بھیجا کہ تمہارے بھائی رحمت علی آئے ہیں، وہ بھی بڑی ہوشیار لڑکی ہے فوراً آئی، اور الگ لیجا کر اُس نے جو باتیں کیں اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ نازنہ بیگم نے بیرسٹر صاحب کو خوب اُلّو بنا رکھا ہے، ثروت آرا بیگم کی شادی اب جاوید صاحب سے ہونی قرار پائی ہے، ثروت بہن غریب کو افکار نے بہت مضمحل کر دیا ہے، تمہاری علالت کی خبر اُس پر طرہ ہوئی، منہ پر مہر خاموشی لگی ہوئی ہے لیکن دل میں سوز نہاں بھڑک رہا ہے۔ گھٹ گھٹ کر صحت خراب ہو رہی ہے، ہر وقت سر میں درد رہتا ہے، دوسرے تیسرے دن حرارت ہو جاتی ہے، بھوک بالکل بند ہے، بیخوابی کی شکایت ہے۔
بیرسٹر آجکل ثروت بہن کی علالت سے ذرا پریشان ہیں، اور تبدیل آب و ہوا کے لئے بیٹی کو لیکر مسوری جا رہے ہیں، نازنہ بیگم یہیں رہیں گی، بیرسٹر صاحب کے بھانجے رشید احمد بمع اپنی بیوی کے مسوری ہیں، اُنکے ساتھ ثروت آرا بیگم کا قیام ہوگا۔
بیرسٹر صاحب ایک ہفتے بعد واپس آ جائیں گے، ثروت آرا بیگم پاس دوا اور حشمت رہیں گی، دو ماہ وہاں گزار کر اگست کے شروع میں ثروت آرا بیگم دہلی آئینگی اور یہاں آتے ہی شادی ہو جائے گی۔
ظفر۔ پھر مسوری روانگی کب ہے؟
صفدر۔ آج پیر ہے نا؟ جمعرات کی روانگی ہے۔
ظفر۔ پھر تم نے کیا کہا؟
صفدر۔ (مسکرا کر) میں نے کہا حشمت کہدینا بہن آپ کا اللہ بیلی، ایک مجذوب ہے

پالا پڑا ہے، جو رونا جھینکنا جانتا ہے، لیکن تدبیر کچھ نہیں کرتا، ایسے دیوانے کا غم کیا، بیچارہ جانی صاحب انسان تو ہے، دیکھو کس ترکیب سے چھپا مارا ہے، عاشقانِ صادق ایسے ہی ہوتے ہیں نہ کہ ایسے جو بس بسورا کریں، اور بیمار پڑ جائیں اور کچھ بھی نہ کر سکیں۔

ظفر۔ صفدر یہ مذاق کا وقت نہیں ہے، بتاؤ سچ کیا کہا تم نے؟

صفدر۔ ہونھ، یہ رعب کسی اور پر جمانا، بڑے بیچارے بنے پوچھنے والے آئے، جاؤ "رانی روٹھے گی اپنا سہاگ لے گی"

ظفر۔ (عاجزانہ لہجے سے) از برائے خدا صفدر بتاؤ بھی، تم دیکھتے نہیں ہو! میری حالت کس قدر پریشان ہو رہی ہے۔

صفدر۔ بس اب یہ انداز شروع کر دیئے، اُف رے لڑکے تیری چالاکی۔ خیبر جناب نو رادیانِ رنگیں بیان یوں نقل کرتے ہیں (گاتے ہوئے)

ایک تھا لڑکا ایک تھی لڑکی، لڑکا تھا ؛ بھولا بھالا سیدھا سادھا

ظفر۔ (صفدر کے مونھ پر ہاتھ رکھ کر) یہ کیا لغویت ہے، میں یہ فضولیات نہیں سنتا، یہ کیا ایکٹنگ کر رہے ہو، میں تو صرف یہ پوچھتا ہوں تم کیا کہہ کر آئے۔

صفدر۔ اچھا یہ پوچھتے ہو، پہلے سے کیوں نہ سمجھایا، میں نے صاف کہہ دیا کہ بہن جی چاہے تمہارا جو کرو، اس آزاد زمانے میں ہر شخص اپنے قول و فعل کا مختار اور آزاد ہے، اگر تم کو جانی صاحب مل گئے، ہم کو امانی خانم مل جائیں گی۔

ظفر۔ (بگڑ کر) جاؤ صفدر میرے کمرے سے نکل جاؤ، میں زیادہ لغویات سننا نہیں چاہتا، میں مر رہا ہوں، تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔

صفدر۔ ہائے میں صدقے، مریں تمہارے دشمن بھری، یہ ننھا سا جی نہ گھبراؤ میں کہہ آیا ہوں کہ بہن گھبراؤ مت، ہم سلامت ہیں تو جانی صاحب جیسوں کو چکی پسوا دیں گے، اور وہ تمہارے ظفر اچھے خاصے ہیں، تم اپنے جی کو ہلکان نہ کرو۔

ذرا یونہی ایک بیرن کی نظر لگ گئی تھی تو جی انخاسا ہو گیا تھا۔ اب تو میرا اچھا ہے تم کاہے کو اپنے جی کو روگ لگاتی ہو، وہ ترکیب کی ہو کہ بیرسٹر صاحب کو یاد رہے، مسوری میں انشاء اللہ ہم ضرور ملیں گے، اور ایک اور بات کہدی ہے۔

ظفر۔ کیا کہا؟

صفدر۔ تم ناراض ہو گئے، خیر لو سن ہی لو، میں نے کہا ارے بہن تمہارے ظفر صاحب ہر دلعزیز، فیاض نفس اور بڑے رنگین طبع، مرنجان مرنج انسان واقع ہوئے ہیں، ولایت سے ایک مس صاحبہ کو بھی لگا لائے ہیں، کبھی بعد میں مجھے الزام نہ دینا یہ بات تو برحق ہی، کہ وہ مس ان کے ہی کارن جوگن بن کے نکلی ہے۔

ظفر۔ (سر پر ہاتھ مار کر) صفدر تم سے خدا سمجھے، ہائے سچ تم نے کہیں کہہ تو نہیں دیا۔

صفدر۔ میری بلا کو کیا غرض جو جھوٹ بولوں، جو بات تھی کہہ دی۔

ظفر۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) ہائے صفدر تم بھی میرے دشمن ہو گئے۔

صفدر۔ (قہقہہ لگا کر) واللہ تم تو بالکل مجذوب ہو گئے ہو، بھلا یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔

ظفر۔ تم جانتے ہو ان دنوں میری کیا حالت ہو رہی ہے۔ (آہ سرد لے کر)

باغ پا کے خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ ہر شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

صفدر۔ اللہ کرے زورِ طبیعت اور زیادہ، ہاں تو شاعر صاحب اب کھانا منگوایا جائے یا آپ گھر میں تشریف لے چلیں گے۔

ظفر۔ کھانا یہیں منگوا لو، اس وقت اندر جانے کی ہمت نہیں ہوتی، اور میرا ایک خط کل ثروت آرا کو پہونچا دینا۔

صفدر۔ بہت بہتر، آج خط لکھ رکھو، کل بندہ حشمت کو دے آئے گا۔

خدمتگار نے کھانا میز پر لگنے کی اطلاع دی اور یہ دونوں دوسرے کمرے میں کھانے کے لئے چلے گئے

۳۴

نشاط سے نواب عشرت علیخاں دنوں ناراض رہے، ظفر جنگ نے اور ڈاکٹر رفیق احمد وغیرہ نے سمجھایا تو نواب عشرت علیخاں نے ایک ماہ بعد بہو کو گھر میں بلایا، عشرت زمانی بیگم بھی برداشتہ خاطر تھیں، لیکن اب مجبوری تھی اور بہو کو تمام کنبے والوں سے ملانا منظور تھا، اس لئے میلاد شریف کر کے تمام کنبے کی بیگمات اور ملنے والیوں کو بلایا، آج عشرت محل مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ہر رنگ، ہر رتبے اور حیثیت کی مہمان بیویوں سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، سامنے اندر کے بڑے دالان میں کارچوبی مسند پر، بھبوڈ و راعروسانہ لباس میں قدرے گھونگٹ نکالے سر کو خم کئے ہوئے زیور سے گوندنی کی طرح لدی ہوئی بیٹھی تھی، اہاہا آج تو ماشاءاللہ غضب کا نکھار ہے، سُرخ کارچوبی لسم لس دوپٹہ، ایسی ہی جاکٹ، بڑے پائنچوں کا زربفت کا تلواں پیجامہ، اس لباس اور زیور میں وہ ایک مغل شاہزادی معلوم ہو رہی ہے۔

اُس کے اردگرد نوجوان لڑکیوں کا جھرمٹ ہے جنمیں سب سے زیادہ نمایاں نشاط کی خالہ زاد بہن ستارہ ہے، یہ بڑی شوخ چنچل دوشیزہ ہے، کبھی یہاں کبھی وہاں حسین صورت پر شرارت و شادابی کا نور، گلابی جوڑا کھبا جا رہا ہے۔ انگریز نڈرا بھی آج سپید بنارسی ساری میں ہے اور ہندوستانی محفل کو حیرت سے دیکھ رہی ہیں۔

تمام بیگمات کل سے جمع ہیں، ساری رات رتجگا ہوا، گلگلے تلے گئے، صبح سویرے صحنک پر بیوی کی نیاز ہوئی، دولہن نے ساتھ سہاگنوں کے ساتھ نیاز چکھی ۔

صبح دس بجے سے میلاد شریف شروع ہوا، اُستانی جی بیچاری بڈھی پھونس، بھلا اس غل غپاڑے میں ان ستر برس کی بڑھیا کی آواز کون سنتا ہے، وہ پڑھ رہی تھیں، یہاں بڑی بوڑھیاں... جوان لڑکیوں اور آجکل کے زمانے پر نکتہ چینی کر رہی تھیں تو نوجوان لڑکیاں اپنی ہنسی دل لگی اور ٹھٹول بازی میں مصروف تھیں، باہر کے دالان میں میلاد شریف ہو رہا تھا، اور بڑی بوڑھی بیگمات اُستانی جی کے اردگرد جمع تھیں، لڑکیوں کا جمگھٹا اندر تھا، نوجوان پارٹی کی سرغنہ بی ستارہ شمع محفل بنی چمک رہی تھیں، کوئی ایسا نہ تھا جس پر شریر ستارہ پھبتیاں نہ پھینک رہی ہو خصوصاً ایک بوڑھی بیگم جن کا نام تو خیر جو کچھ ہوگا ہوگا، لیکن اب اُنکا عرفِ عام تو گوری چچی تھا اور ہر ایک اُنکو یہی کہتا تھا، شریر ستارہ کی توجہ کا خاص مرکز تھیں اور لطف یہ کہ چچی یہ سمجھتی تھیں کہ ستارہ آجکل کے زمانے والیوں جیسی نہیں ہے، بالکل سیدھی اور بہت اچھی لڑکی ہے، گوری چچی ایک ساٹھ سالہ دقیانوسی خیالات اور آجکل کے فیشن کی دشمن خاتون تھیں، ان کا کام یہ تھا کہ ہر محفل اور شادی میں آجکل کے زمانے پر لعنت ملامت کریں، لڑکیوں کو برا بھلا کہیں اور پوری توجہ سے اپنا اصلاحی کام جاری رکھیں ۔

اس تقریب میں ابھی تک گوری چچی کے قدم نہ آئے تھے اور ہر ایک کو انکا اشتیاق تھا، کیونکہ شہر کی وہ کوئی محفل نہ تھی جہاں گوری چچی مدعو نہ ہوتیں، اور کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جہاں وہ نہ جاتی ہوں ۔

ستارہ اپنی خوش مذاقیوں میں مصروف تھیں، ایک سہانی صورت والی لڑکی کہ جس کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال کی ہوگی کٹے ہوئے بالوں اور خوبصورت عینک سے عین مین یوروپین مس معلوم ہوتی تھی، ستارہ نے چٹکی لے کر کہا ارے بیر سٹر والی تو

کہاں رہ گئی تھی جو اب آئی ہے، (ان کے منگیتر بار کے لئے لندن گئے ہوئے تھے) اور ستارہ نے ان کو بھی مشہور کر دیا تھا۔
بیرسٹر والی۔ (مسکرا کر) میں کل ہی آجاتی، لیکن زکام لشدت تھا یہ ہیں تمہاری بھاوج مسز نشاط۔
ستارہ۔ ہاں آں بیچاری کی قسمت اُس دیوانے کیساتھ پھوٹی تھی، اور بیچاری آرا کو دیکھو، آنجہانی ہو جوانی ہی اور غضب خدا کا وہ بھی ہوئے باغبان کے ساتھ۔
بیرسٹر والی۔ (گھبرا کر) اے سچ کہو، باغبان کے ساتھ۔
مہرالنسا۔ واہ بہن تم بھی کچھ احمق ہو ستارہ کی عادت سے واقف نہیں ہو، آرا کے منگیتر فن باغبانی پر کتاب لکھ رہے ہیں، اس لئے ستارہ باغبان کہہ رہی ہے۔
بیرسٹر والی۔ اُوئی توبہ میں تو گھبرا گئی تھی۔
ستارہ بھلا کب چین سے بیٹھنے والی تھی، چھلاوے کی مانند غائب ہو گئی تھوڑی دیر میں ایک سانولی سلونی صورت والی لڑکی کو دھکیلتی اور گدگدیاں کرتی یہ کہتی داخل ہوئی، ذرا ان نئی نویلی شرمیلی بیگم کو دیکھو وہاں بڑی بوڑھی بنی اپنی ساس کے پہلو میں جلوہ افروز تھیں، ابھی بیاہ کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں، اور لڑکی اِترا گئی، جیسے ان بیگم صاحبہ کے کوئی لال توڑ لیتا۔
مہرالنسا۔ ارے بہن سلیمہ تم بھی اس نامعقول کے پھندے میں پھنس گئیں۔
سلیمہ۔ (ہنس کر) میں تو اٹھ کر خود ہی ادھر آرہی تھی کہ یہ پہونچ گئیں اور زبردستی گھسیٹ لائیں۔
ستارہ نے اب الگزنڈرا کی جانب رُخ کیا، کہنے لگی کیوں بہن تم اپنا بیاہ کب رچاؤ گی، دیکھو بیوفائی نہ کرنا، اگر ولایت میں بیاہ کرو تو مجھکو ضرور بلانا۔
الگزنڈرا۔ (مسکرا کر) مگر بہن میں تو شادی کروں گی نہیں
ستارہ۔ اے خیر ہے، یہ کیا ظلم ہے، ایسی پیاری صورت، ایسی دلکش شکل، نگوڑے بہتیرے دیوانے ہو جائیں گے، ایسا غضب نہ کرنا۔

الگزنڈرا۔ پیاری ستارہ تم بہت شوخ ہو، میں ارادہ کر چکی ہوں اپنی بہنوں کے لئے اپنی زندگی وقف کر دوں گی، شادی نہیں کروں گی۔

ستارہ۔ کاش تم ہندوستان میں ہوتیں تو پھر لطف رہتا۔

الگزنڈرا۔ کیا لطف رہتا؟

ستارہ۔ کوئی تمہاری صلاح پوچھتا نہ مرضی، بس جب تمہارے اماں باوا کا جی چاہتا منڈیا پکڑ کے ہلا دیتے اور جی چاہتا جس سے بیاہ کر دیتے، تم بھی روتی دھوتی رخصت ہو جاتیں، کتنی نہ ٹھیک ترکیب؟

الگزنڈرا۔ یہ تو ایک ظلم ہوا اور یہ تو بہت بُری رسم ہے، ایسی شادی شادی نہیں کہی جا سکتی۔

ستارہ۔ اے بی یہ شرم ہے شرم! نکاح اسی کا نام ہے، اب تم چاہو تو میں پوچھوں یہاں کون کون اپنی شادی میں بولا تھا، سوائے ان بیرسٹر والی مس صاحبہ کے پہلے اس آرا سے ہی پوچھو، یہ اپنے باغبان سے ملی ہے یا نہیں۔

مہر النسا۔ بچکی پڑے ستارہ تم پر، کیا بیہودگی ہے کچھ تو لحاظ کرو۔

الگزنڈرا۔ مجھے ان کو دیکھ دیکھ کر صفدر صاحب یاد آرہے ہیں انکی بہن معلوم ہوتی ہیں۔

مہر النسا۔ (مسکرا کر) ہاں یہ اور صفدر بھائی دودھ شریک ہیں، جس انا نے پہلے صفدر بھائی کو دودھ پلایا اُس نے ان کو بعد میں پلایا، اگر یہ قصہ نہ ہوتا تو خاصی طرح اُن سے صفدر بھائی کی شادی ہو جاتی، دونوں ایک مزاج کے ہیں اس انا کے دودھ کا بھی اثر ہے۔

ستارہ۔ میرا تو خود ہی اپنے بھائی سے ملنے کو دل چاہتا ہے، مگر یہ بڑی بوڑھیاں کھا جائینگی خیر اُنکا بیاہ ہو جائے، بھاوج میری آجائے تو انشاءاللہ سامنے ہو جاؤں گی

مہر النسا۔ یا تمہاری شادی ہو جائے تو جب بھی ہو جاؤ گی۔

ستارہ ۔ حشمت لڑکی، ہمیں بیوقوف بناتی ہے (ٹھیوڈورا سے) اے بھابی جان آج تو آپ ایسی گم سُم ہیں کہ ہندوستانی دولہنوں کو بھی مات کیا۔
ٹھیوڈورا ۔ (دھیمی آواز سے) ستارہ بہن آپ کی باتیں سن رہی ہوں، کیا بولوں۔
ایک لڑکی نے آکر خبر سنائی گوری چچی آگئیں اور ستارہ نے جلد بجا جلدی اپنے بالوں کے خم مٹاکر سیدھے کئے، دوپٹہ بڑا سنبھال کر اوڑھا، بھولی صورت بناکر چچی کے استقبال کو چلی، اور چچی کو صحن میں ہی جالیا، بڑے جھک کر چچی کو سلام کیا انھوں نے بہت طول طویل دعائیں دیں۔
ستارہ ۔ چچی آپ کل سے کیوں تشریف نہیں لائیں۔
چچی ۔ بیٹی کل احمد مرزا کی بیٹی کی شادی تھی، وہاں گئی تھی، آج کل مارے بلادوں کے ناک میں دم ہے، سارے شہر نے اسی برسات میں بیاہ کرنے کی ٹھان لی ہے، روز کہیں نہ کہیں کا بلاوا لئے نائن سر پر سوار ہوتی ہے، جہاں نہ جاؤں وہی بُرا مان جائے۔
چچی بولتی ہوئی دالان میں داخل ہوئیں، ستارہ ہاں میں ہاں ملاتی رہی
بڑی بوڑھیوں سے ملنے ملانے کے بعد چچی نے پوچھا دولہن کہاں ہے؟ فرنگن ہے نا؟
ستارہ ۔ جی ہاں چچی اصل نسل میم ہے، وہ دیکھئے اندر دالان میں دولہن بیٹھی ہیں اور ان کے قریب آرا، مہر النسا، زینت، زبیدہ، ماہ لقا، قمر جہاں سب بیٹھی ہیں، آپکے سلام کو ایک بھی نہیں آئی ۔۔۔ دولہن تو خیر ہے ہی فرنگن، مگر یہ سب اپنے کو پوری میم سمجھتی ہیں۔
چچی ۔ ہاں بیٹی آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے، تجھ جیسی نیک گھر کی بیٹیاں بزرگوں کا ادب کرنے والی کم ہیں۔
ستارہ ۔ چچی پھر اندر چلیئے نہ آپ دولہن کو دیکھنے۔
چچی اٹھکر اندر چلیں، پیچھے ستارہ نقلیں کرتی منھ بناتی، پنجوں کے بل ناچتی چلی۔
لڑکیاں یہ تماشہ دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ گئیں، چچی کے اداب کو کوئی نہ اٹھی ہنسی

کے مارے سب لوٹن کبوتر بن گئیں، اب تو چچی کے غصّے کا پارہ پوری ڈگری پر پہونچ گیا، اور انھوں نے کہا، پھٹکار اس زمانے پر اور آجکل کی نئی تہذیب پر، چولہے میں جائے یہ فیشن اور بھاڑ میں جائے تعلیم، نہ بڑوں کا ادب رہا، نہ چھوٹوں کا لحاظ، کتنی بے شرم لڑکیاں ہیں، کیا میرے منہ پر کچھ لال لگے ہیں جو ہنسی کے مارے لوٹ گئیں
اللہ غنی ایک ہم تھے، جہاں کسی بڑی بوڑھی کو دیکھا شرما گئے، ایک یہ ہیں کہ ٹھی ٹھی کر رہی ہیں، بے غیرتیں بے حیائیں، نہ زمانے کی شرم نہ دنیا کا لحاظ، ماں باپوں کا نام روشن کر رہی ہیں۔

جتنا چچی لیکچر دیتیں لڑکیاں اور زیادہ ہنستیں، آخر چچی بگڑ کر چلی گئیں اور ستارہ نے خوب تالیاں بجائیں، انہی چہلوں میں کھانے کا وقت ہو گیا، بڑے سرخ دسترخوان اندر باہر بچھا دئے گئے، ستارہ گوری چچی کے پاس مؤدب دسترخوان پر بیٹھی، ہر ایک چیز چچی کے سامنے پیش کی جاتی تھی، اور چچی دعائیں ستارہ کو دے رہی تھیں، آلو کے سالن کا گرما گرم پیالہ جان کر ستارہ نے چچی کے ہاتھ میں دے دیا، چچی نے گھبرا کر جو پیالہ چھوڑا، تھوڑا سا سالن چھلک کر چچی کے نئے سفید براق کپڑوں پر گر پڑا، ستارہ نے جھٹ کھانا چھوڑ بھولا منہ بنا کر چچی سے معافی مانگی، زینت اور آرا سامنے بیٹھی تھیں، شامت جو آئی ہنسنے لگیں، بس چچی تو بگڑ گئیں اور وہ صلواتیں سنائیں کہ سارا گھر سر پر اٹھا لیا، ستارہ نیچی نظریں کئے کھانا کھاتی رہی، ظالم کے منہ پر ہنسی نام کو نہ تھی، یہی سوانگ شام تک رہا، اس کے بعد مہمان رخصت ہوئے۔

۳۵

نواب زادہ رشید احمد اپنی ذاتی عالی شان کوٹھی رشید لاج میں فروکش ہیں، ایک ہفتہ سے بیرسٹر صاحب بمع ثروت آرا بیگم کے بہب مہمان ہیں، ثروت آرا کی صحت پر مسوری کی جانفزا ہواؤں نے اور دلکش سبزہ زار نے بہت اچھا اثر کیا ہے، غذا جو بہت کم رہ گئی تھی اب معمول کے مطابق ہو گئی ہے، دوران سر کی شکایت بھی جاتی رہی، رنگ پر سرخی آچلی ہے، رشید دولہن اور شاہجہاں بیگم کے ساتھ وقت اچھا گزرتا ہے۔ بیرسٹر صاحب بیٹی کی صحت کی جانب سے مطمئن ہو کر دو دن ہوئے دہلی جا چکے ہیں۔

ثروت آرا ظفر جنگ کا خط پا کر اب قدرے مطمئن ہیں، گو کہ فکر اُن کو اب بھی ہے مگر وہ حالت نہیں ہے، جو اب سے دو ماہ رہی، روزانہ دو تین میل چہل قدمی کرتی ہیں آج بھی حسبِ معمول اُنھوں نے کوٹ پہنا، چھتری ہاتھ میں لی، دَدا اور حشمت کو ساتھ لیکر چہل قدمی کے لئے نکل گئیں، رشید دولہن کو زکام تھا، اس لئے نہ گئیں۔ شاہجہاں بیگم اپنی نند کے ہاں گئی ہوئی تھیں، صرف ثروت آرا ہی اپنی دَدا اور حشمت کے ساتھ ٹہلتی ہوئی نکل گئیں، اب آفتاب قریب غروب تھا اور ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں کہساروں پر پڑتی ہوئی بہت دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔

ثروت آرا ایک عالمِ محویت میں چلی جا رہی تھیں، جو حشمت کے اس فقرے نے

چونکا دیا، ایں کون صفدر میاں، آپ یہاں کب آئے؟
صفدر۔ (جواب قریب آگئے تھے) مجھے تو آئے آج تیسرا روز ہے۔
ثروت آرا نے سیاہ نقاب جو تنہائی پاکر رُخ روشن سے سرکا لی تھی درست کرلی جس میں سے اُن کا حسین چہرہ قدرے جھلک رہا تھا۔
صفدر نے سر کو قدرے خم کرکے کہا، تسلیم بہن۔
ثروت۔ نے شرمیلے انداز سے بہت آہستہ جواب دیا اور ٹھہر گئی۔
صفدر۔ بہن صاحبہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو ادھر گذرگاہ سے ہٹ کر اس شیڈ میں آجائیں۔ مجھے کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔
ثروت نے کوئی جواب نہیں دیا اور آہستہ قدم صفدر کے ساتھ شیڈ کی جانب چلی، حشمت اور دوا بھی ساتھ ہوئیں۔
شیڈ میں پہونچ کر صفدر نے ثروت آرا کے بیٹھ جانے پر کہا، یقین ہے آپ میری اس جسارت کو معاف کریں گی کہ راستے میں اس طرح روکا، لیکن کیا کیا جائے واقعات ہی ایسے آپڑے ہیں، مجبوری ہے۔
حشمت۔ میاں یہ پہلے بتایئے کہ دولہا میاں کیسے ہیں؟
صفدر۔ ظفر بھائی خدا کا شکر ہے اب بالکل اچھے ہیں ان کے انبالے جانے کے بعد میں اِدھر آیا ہوں۔
ثروت آرا ظفر کا نام سنکر شرما گئی اور سر جھکا لیا۔
صفدر نے نرم دھیمے لہجے میں کہا، بہن میں نے اس ایک ہفتے میں جو معلومات حاصل کیں اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ جان صاحب کے ہی کرتوت ہیں اور انھوں نے ہی اپنے بدمعاش دوستوں کی مدد سے یہ جال پھیلایا ہے۔
جانی صاحب کے ہمراہ شمشاد حسین شہر کا مشہور بدمعاش اور بچھڑا ہوا گرگا ملا

ہوا ہے، اس لئے یہ خوفناک سازش کامیاب ہوئی، خیر انشاء اللہ دیکھئے بہت جلد معاملہ طشت ازبام ہوجائیگا، اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہوکر رہیگا ـــ خاموشی سے تماشہ دیکھئے، عین وقت پر انشاء اللہ اس بدمعاش کو زک دوں گا۔

آپ نہایت صبر و سکون سے کام لیں اور جانی صاحب، نازبیگم کی تمام لغویات کو برداشت کریں، قبل از وقت کچھ کرنے سے کام بگڑ جائے گا، بدمعاش ہوشیار ہوجائیں گے، اتنا بڑا کام کرکے وہ بےفکر نہیں ہیں، میرے پیچھے جانی صاحب نے جاسوس لگا رکھے ہیں، آپ اپنا دل مضبوط رکھیں، اور حوصلہ نہ ہاریں، پھر انشاء اللہ فتح ہے، ہماری جان تک اگر اس کوشش میں کام آئے تو پرواہ نہیں ہے آپ فکر نہ کریں۔

میں آپ کو صرف اطمینان دلانے اور حالات سنانے کی غرض سے مسوری حاضر ہوا تھا، کل ہی دہلی چلا جاؤنگا، اور وہاں جاتے ہی اس جال کے شکستہ کرنیکے ذرائع بہم پہونچاؤنگا، اچھا خدا حافظ، کھڑے ہوکر انھوں نے سر کو ذرا سے خم کیا اور باہر نکل گئے۔

صفدر کے جانے کے بعد ثروت آرا بھی گھر واپس آئیں۔

صفدر کی اس گفتگو سے گونہ تسلی ہوئی، لیکن پھر بھی دل کو دھڑکا لگا ہوا تھا مسوری کی رنگین فضا دلکش ماحول، تفریحات، ٹی پارٹیز کی مصروفیت نے ثروت کی صحت پر بہت اچھا اثر کیا، شاہجہاں تو خیر یہاں تھیں ہی، فرخندہ بھی اتفاق سے یہاں آئی ہوئی تھیں، بچھڑی ہیلی سے مل کر ثروت آرا کو بہت مسرت ہوئی۔

یہ دو ماہ دن عید رات شب برات گذرے، رشید احمد بہت خیال بہن کا رکھتے، کھیل تماشے ملنا جلنا یونہی وقت گزرتا، ماشاء اللہ ثروت کا حسن جہانسوز پھر چمک اٹھا حسین چہرہ پھر شاداب ہوگیا، ارغوانی رنگ پھر گلاب و یاسمن کو شرمانے لگا۔

آئی وہ مضمحل ناتواں نحیف و نزار تھیں، اب چاق و چوبند ہوکر چلیں، اور یہ پورا قافلہ پچیس جولائی کی شام کو دہلی پہونچ گیا، ثروت آرا کو تندرست و خوش دیکھکر

بیرسٹر صاحب بہت مسرور ہوئے، ناز بیگم بھی خوشی سے پھولوں نہ سماتی تھیں کہ اب ثروت پہلے کی طرح رنجیدہ اور خاموش نہ تھیں، بات بھی کرتیں اور ہنستی بھی، جانی صاحب کا تو پوچھنا کیا، ان دنوں مارے خوشی کے ان کے پاؤں زمین کو نہ لگتے تھے۔

ثروت کے آتے ہی ناز بیگم نے خوب دھوم سے ثروت کے صحت پانیکا میلاد شریف کیا، مٹھائی بانٹی اور اس ضمن میں اسکا اعلان ہو گیا کہ جانی صاحب سے ثروت آرا بیگم کی نسبت قرار پا گئی، اور انشاء اللہ ستائیس اگست مطابق ۵ رجب المرجب کو عقد ہوگا، ثروت آرا کا جہیز، سپہر آرا اللہ بخشے تیار کرا گئی تھیں، کمی کس بات کی تھی۔ بہت جوڑے تیار رکھے تھے، پھر بھی اوپر کا سامان اور جوڑے ناز بیگم نے تیار کرانے شروع کر دئے، گھر پر کارچوب والے درزی، مغلانیاں، رات دن مارا مار سی رہے تھے، ملکہ بیگم شاہجہاں بیگم، رشیدہ دلہن سب روز آتیں اور سینے سلانے کے متعلق رائے زنی ہوتی، غرضکہ بہت زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں، دو طرفہ کام بیرسٹر صاحب کے سر تھا، دولہا دلہن دونوں کے لئے سامان ہو رہا تھا، ناز بیگم کو اندنوں مارے مصروفیت کے سنگھار کا بھی ہوش نہ تھا۔

کہاں دن میں چار مرتبہ سر گوندھا جاتا، لباس تبدیل کرتیں اب ایک مرتبہ سر گوندھنے کا وقت بھی مشکل سے ملتا، بزاز گیا جوہری آیا، اس سے فرصت ملی برتنوں والے کی آمد کا اعلان ہوا، سونے کا وقت تھا نہ کھانے کا، دن کا کھانا دو تین بجے رات کو دس گیارہ بجے۔

ان خوشیوں میں مصروف ہو کر ناز بیگم اور جانی صاحب ظفر جنگ کی خلش کو بھی بالکل بھول گئے تھے، اور ہر خطرے سے بے خوف مگن تھے۔

۳۶

جولائی کی دوپہر ہے گرمی کی شدت کا شباب ہے، آفتاب کی بیباک کرنیں کسی بوالہوس کی للچائی ہوئی نظروں کی طرح اہلِ عالم کو گھور رہی ہیں، جانی صاحب مع اپنے دوستوں کے امیر احمد کے مکان کے قریب جو کمرہ لیا ہے اس میں تشریف رکھتے ہیں، کمرے میں چاندنی کا فرش ہے، صدر میں قالین ہے، گاؤ تکیہ لگا ہوا ہے، دروازوں پر خس کے پردے لگے ہوئے ہیں، برقی پنکھا چل رہا ہے، گاؤ تکیہ سے سہارا لئے جانی صاحب نیم دراز ہیں، دائیں بائیں امیر احمد اور شمشاد حسین بیٹھے ہیں۔

شمشاد حسین۔ نواب صاحب مٹھائی کھلوائیے، اب تو بیاہ میں ایک ماہ رہ گیا۔

جانی صاحب۔ مٹھائی کی کیا کمی، بیاہ ہو جانے دو، مٹھائی بہت۔

امیر احمد۔ یار شمشاد حسین کام تو نے غضب کا کیا۔

جانی صاحب۔ واقعی میں تو ان کا تمام عمر احسان مند رہوں گا۔

شمشاد حسین۔ (دانت نکال کر) ابھی یہ کام تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

امیر احمد۔ نہ معلوم آج لطیف بیگ کہاں رہ گئے۔

جانی صاحب۔ اجیوں کی پینک میں کہیں پڑے ہوں گے۔ پردے کو جنبش ہوئی، لطیف بیگ مع ایک اور جوان شخص کے کمرے میں داخل ہوئے۔

جانی صاحب۔ نے جینی کو گھورتے ہوئے کہا بھئی لطیف بڑی دیر لگائی کہاں رم رہے تھے،
لطیف بیگ۔ گرمی غضب کی پڑ رہی ہے، کھانا کھاتے ہی نکلنے کو دل نہ چاہا،
ذرا لوٹ پوٹ کر آیا ہوں۔
جانی صاحب۔ (جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کی تعریف؟
لطیف بیگ۔ نواب صاحب یہ ہماری خوش قسمتی ہو کہ ہمارے پرانے دوست مل گئے،
آپکا نام مرزا منن ہے، آپ بڑے کام کے آدمی ہیں، بس ایسا ہی سمجھئے جیسا شمشاد حسین
اور امیر احمد۔
جانی صاحب۔ (مصافحہ کرتے ہوئے) خوب، آپ کا دولت کدہ کہاں ہے؟
مرزا منن۔ (جو ایک سیاہ فام اور لانبی مونچھوں والا جوان تھا) بندہ رہنے والا
تو رامپور کا ہے، مگر دو سال سے دہلی میں کاروبار کر رکھا ہے۔
جانی صاحب۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟
مرزا منن۔ پولیس کے جوانوں کو دھوکا دینا میرا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، سکّہ و
نوٹ آسانی سے بنا لیتا ہوں، شہر میں اغوا کی وارداتیں جو ہوتی ہیں ان میں اکثر
میرا ہاتھ ہوتا ہے۔
جانی صاحب۔ خوب، آپ تو بہت کام کے آدمی ہیں۔
مرزا منن۔ آپ کی عنایت ہے بندہ کس قابل ہے۔
امیر احمد۔ بھئی واللہ یہ تو بہت کام آئیں گے۔
شمشاد حسین۔ بیشک بیشک
جانی صاحب۔ بھائی مرزا مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، میں آپ کے
ایسے دوست کے ملنے پر فخر کرتا ہوں۔
مرزا منن۔ یہ آپ کا حسنِ ظن ہے، جس کام کو کر سکونگا بسر و چشم کروں گا، کوئی

خدمت میرے لائق تجویز فرمایئے۔
جانی صاحب۔ بھئی لطیف جو معاملہ زیر غور ہے وہ تم ان کو سمجھا دو۔
لطیف بیگ۔ بھائی مرزا ہمارے نواب صاحب جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس کا نکاح ہو چکا ہی، بیرسٹر یعنی لڑکی کے والد کو تو جعلی خط کے ذریعہ ذہن نشین کرادیا کہ ظفر جنگ یعنی اُس نوجوان نے جس سے نکاح ہوا تھا طلاق لندن سے لکھکر بھیجدی ہے اور بیرسٹر صاحب کو اس پر پورا پورا یقین ہی، مگر ظفر جنگ کا جواب اناب اس لڑکی کی ثروت آرا سے شادی کرنے پر اڑا ہوا ہے، کھٹکا ہی، مبادا کوئی فساد کرے۔
مرزا من۔ ظفر کون؟ یہی نواب اظہر جنگ کا لڑکا جو حال میں لندن سے آیا ہے۔
امیر احمد۔ ہاں ہاں وہ ہی۔
جانی صاحب۔ خیر ظفر کا اتنا ڈر نہیں، لیکن ظفر کا ایک دوست صفدر ہی، وہ بہت چالاک ہی، وہ میرا جانی دشمن ہو رہا ہے، ذرا سا بھید ملنے پر کسر اُٹھا نہ رکھے گا۔
مرزا من۔ (مونچھیں مروڑ کر) اجی نواب صاحب آپ بے فکر رہیں، میں سمجھ لوں گا
خدمت گار کو آتے دیکھکر سب چپ ہو گئے۔
جانی صاحب۔ شمسو کیا ہے؟
شمسو۔ حضور ایک عورت آئی ہی، اپنا نام نصیبا بتاتی ہی اور آپکے پاس آنا چاہتی ہے۔
جانی صاحب۔ ہوں بھیجدو۔
ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے جس کے ہر انداز سے مکاری ٹپکی پڑتی تھی، کمرہ میں داخل ہو کر فراشی سلام کیا۔
جانی صاحب۔ (سلام کا جواب دیتے ہوئے) نصیبا بیٹھ جاؤ۔ کیوں خیر ہے؟ اس وقت کیسے آئیں؟
نصیبا (دہلیز کے قریب بیٹھ کر) میاں آج صادقہ بیگم نے مجھ کو علیحدہ کر دیا۔

جانی صاحب۔ (گھبرا کر) کیوں؟

نصیباً۔ آپ کی ہدایت کے موافق جب وہ اپنے بھائی صفدر صاحب سے باتیں کرتی تھیں تو میں کسی نہ کسی بہانے سے سننے کے لئے جا کھڑی ہوتی تھی، دو تین مرتبہ تو صفدر میاں نے جھڑک کر ہٹا دیا، جاؤ اپنا کام کرو، یہاں کیا سنتی ہو، آج جب میں بے غیرتی سے پھر باتیں سننے کے لئے جا کھڑی ہوئی تو صفدر میاں نے کہا یہ عورت جاسوس معلوم ہوتی ہے، باجی اسے نکال دیجئے، چنانچہ صادقہ بیگم نے مجھے فوراً علیحدہ کر دیا، میں نے بہت ہاتھ جوڑے، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی۔

جانی صاحب۔ دیکھا حضرات آپ نے صفدر کی چالاکی۔

لطیف بیگ۔ ہمارے دوست مرزا منّن صفدر کا مقابلہ کریں گے۔

مرزا منّن۔ انشاء اللہ

امیر احمد۔ کوئی تازہ خبر بھی نصیباً تم کو ملی؟

نصیباً۔ میاں وہ سب اکثر فارسی یا انگریزی میں باتیں کرتے ہیں، میں کیا خاک سمجھتی۔

شمشاد حسین۔ صفدر کے ساتھ ایک ایسے انسان کو لگانا چاہیے جو انگریزی اور فارسی میں مہارت رکھتا ہو، ورنہ واقعی وہ ضرور کوئی فتنہ برپا کرے گا۔

امیر احمد۔ میں اور لطیف بیگ تو بالکل انگریزی نہیں جانتے۔

شمشاد حسین۔ اور میری قابلیت بھی شُد بُد تک محدود ہے۔

جانی صاحب۔ (مرزا منّن سے) اور آپ؟

مرزا منّن۔ انگریزی خدا کے فضل سے بخوبی لکھ پڑھ اور بول سکتا ہوں، فارسی بھی تھوڑی سیکھی تھی اور کارروائی کے مطابق آتی ہے۔

جانی صاحب۔ تو بس آپ مہربانی سے صفدر کی نگرانی کریں اور ان کی نقل و حرکت کی خبر مجھے پہونچائیں۔

مرزا منن۔ بہتر، میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا، لیکن جناب نواب صاحب یہ کام اہم ہے، اس کا معاوضہ آپ کیا دیں گے؟

جانی صاحب۔ ایک راہ کی بات تو ہے ہی جو آپ فرمائیں۔

مرزا منن۔ سات سو۔

جانی صاحب۔ یہ رقم زیادہ ہے پانچسو سہی۔

مرزا منن۔ آپ کی خاطر منظور کئے لیتا ہوں، حالانکہ کاوش اس کام میں بہت ہے میں کل ہی کارروائی شروع کر دوں گا اور پھر مجھ کی خبر آپ کو دوں گا۔

جانی صاحب۔ (نصیبا سے) لو یہ پانچ روپے اور تم جاؤ۔

شمشاد حسین۔ بھائی نواب صاحب ایک ایسی حسین خوبصورت طوائف یہاں آئی ہے کہ بس کیا بیان کروں، کل شام کو میں جا رہی سے نکلا تو وہ اپنے کوٹھے پر گا رہی تھی، بس بے اختیار دل کھنچ گیا، اوپر گیا تو ناچ جی نے بہت خاطر تواضع کی عمر بھی کوئی پندرہ سولہ کی ہوگی، جوبن تو بس پھٹا ہی پڑتا ہے، گلا بھی غضب کا پایا ہے۔

جانی صاحب۔ کیا نام ہے اور کہاں کی ہے؟

شمشاد حسین۔ مراد آباد کی ہے قمرن جان نام ہے۔

امیر احمد۔ بھائی نواب صاحب مجرا کرا ہی ڈالو۔

لطیف بیگ۔ ہاں ہاں آج ہی، پھر شادی کے سلسلے آسے ساعی دے دیں گے پہلے ایک مرتبہ سن لینا چاہیے۔

جانی صاحب۔ آج نہیں کل سہی۔

امیر احمد۔ کیوں آج کوئی کیا خاص بات ہے؟

جانی صاحب۔ بیرسٹر صاحب نے آج کھانے پہ چند دوستوں کو بلایا ہے میرا وہاں رہنا لازمی ہے۔ دوسرے میں آجکل باہر زیادہ رہنا نہیں چاہتا، ان کی نظروں میں اعتبار قایم کرنا ضروری ہے۔

شمشاد حسین۔ اچھا میں کل کے لئے کہدوں گا۔
جانی صاحب۔ نصف غضب کے مجمع کا کیا ہو گا۔
شمشاد حسین پچاس۔
جانی صاحب۔ زیادہ تو نہیں ہیں، آپ سب صاحبان کھانا بھی کل میرے ساتھ کھائیں۔

سب۔ بہت بہتر۔
امیر احمد۔ ثروت آرا بیگم مسوری سے آگئیں؟
جانی صاحب۔ ابھی اُن کے آنے میں دس روز باقی ہیں۔
لطیف بیگ۔ لیکن اب صحت ان کی کیسی ہے؟
جانی صاحب۔ بیرسٹر صاحب کہتے تھے وہاں جاکر طبیعت بالکل اچھی ہوگئی ہے خط دولہن بھابی کے پاس جو آتے ہیں انہیں بھی وہ یہی لکھتی ہیں کہ میری صحت اب بالکل اچھی ہے۔
شمشاد حسین۔ ابی سب ٹھیک ہوجائیں گی۔
جانی صاحب۔ نہیں بھئی اپنی ذات سے اب بھی وہ سیدھی، فرخندہ سکھاتی رہتی تھیں۔ (گھڑی دیکھکر) میں ایک بجے آیا تھا اب چار بجا چاہتے ہیں چلنا چاہیئے۔
امیر احمد تھوڑی دیر اور بیٹھیے۔
جانی صاحب۔ بیرسٹر صاحب کے ساتھ ٹینس کھیلنے ساڑھے چار بجے جانا ہوتا ہے اس لئے ٹھہرنا ممکن نہیں۔
(شیروانی پہن کر) اچھا دوستو خدا حافظ۔
سب نے سلام کو ہاتھ اُٹھائے، اور جانی صاحب رخصت ہو کر فٹن میں چلدئے اور سب بھی ان کے جانے کے بعد فرار گردد ہوگئے۔

۳۷

خیبر روڈ پر دائیں ہاتھ کی طرف نیلے رنگ کی کوٹھی ہے، اس میں مسٹر جوزف مشہور سراغ رساں کپتان خفیہ پولیس رہتے ہیں۔

مسٹر جوزف سینتیس سالہ تیکھے خط وخال کے خوشرو اور بلا کے ذہین انگریز ہیں۔ بڑی بڑی آنکھوں سے ذکاوت ٹپکی پڑتی ہے، اس وقت کپتان صاحب اپنے آفس میں لکھنے میں منہمک ہیں، برآمدے میں چپراسی ٹہل رہا ہے، ایک کار آکر رُکی صفدر نے بمعہ ایک نوجوان شخص کے کار سے اُتر کر چپراسی کو ٹکٹ دیا، اُس نے فوراً ہی آکر کہا جائیے، صاحب سلام دیتے ہیں، صفدر چلمن اُٹھا کر کمرہ میں داخل ہو گیا۔

کپتان جوزف۔ (شیک ہینڈ کرتے ہوئے، انگلش میں) کہیئے خیریت ہے؟

صفدر۔ انگلش میں خیریت کہاں، اگر خیریت ہوتی (مسکراکر) تو پھر آپ کے پاس میرا کیا کام تھا۔

کپتان۔ (قہقہہ لگاکر) خوب، فرمایئے کیا معاملہ ہے؟

صفدر۔ (دوسرے جوان کی طرف اشارہ کر کے) ظہور احمد آپ کو سب بتلائیگا۔

کپتان۔ ویل ظہور احمد کیا ہے؟

ظہور احمد۔ حضور بیٹھ جائیں تو عرض کروں۔

کپتان ۔ (بیٹھتے ہوئے) کہو کہو۔

ظہور احمد ۔ حضور میں نے جانی صاحب کے ایک دوست لطیف بیگ سے راہ و رسم نکالی ہے، اور پھر صفدر صاحب سے روپیہ لے کر تین چار سو روپیہ کے تحائف اُن کو دیئے، لطیف بیگ سے میں نے صرف یہ کہا کہ جانی صاحب کے کام میں حصہ لینے سے مجھکو بہت کچھ مل جائے گا، اس لئے مجھے بھی اپنا دوست بنا کر لے چلو، جو جانی صاحب مجھکو دیں گے اُس کا نصف میں تم کو دوں گا، لطیف بیگ اس لالچ میں مجھے اپنا دوست بنا کر لے گیا، جانی صاحب بمعہ اپنے دوستوں کے غپ شپ اُڑا رہے تھے، شمشاد حسین جو شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے اور جس کو دو مرتبہ قید ہو چکی ہے جانی صاحب کا دوست ہے، اور در اصل یہ خوفناک سازش اس کے ہی مکر کا نتیجہ ہے، جانی صاحب اور اُن کے بدمعاش دوست پہلے تو مجھے دیکھکر خاموش ہو گئے، لیکن جب لطیف بیگ نے یقین دلایا کہ یہ میرے دوست ہیں بہت کام کے آدمی ہیں تو جانی صاحب کھلے، میں نے خوب باتیں ملائیں، اب صفدر صاحب کی حرکات و سکنات پر میرا یقین ہوا ہے۔

صفدر ۔ بہت معقول۔

ظہور احمد ۔ ہاں آپ کے ہاں کوئی عورت رضیہ تھی جس کو آپ نے نکال دیا، وہ جانی صاحب کے یہاں کی جاسوس تھی۔

صفدر ۔ میرا خیال صحیح نکلا، مجھے اُس پر شک تھا۔

ظہور احمد ۔ پرسوں شب میں جو مشورہ ہوا ہے وہ بہت خوفناک ہے اور اس پر عمل بھی کیا جا چکا ہے، شمشاد حسین بھیس بدل کر کل ظفر صاحب پاس ملازم ہو چکا ہے۔

صفدر ۔ ملازم کب؟

ظہور احمد۔ آپ حیران نہ ہوں، کوئی بیوقوف سا ملازم نظیر نام کا رکھا گیا ہے۔
صفدر۔ ہاں گذشتہ شب کو ایک مشعلچی اسی نام کا رکھا گیا ہے، اُن کا پرانا مشعلچی بیمار ہو گیا، ایک ماہ کے لئے عبوضی پر گیا ہے۔
ظہور احمد۔ پرانا مشعلچی بیمار نہیں ہوا، اُس کو رشوت دی گئی ہے، کہ بیماری کے بہانے سے چھٹی لے لے، اور اپنی عبوضی شمشاد حسین کو دیدے، جو نظیر احمد کے نام سے یہ پارٹ کر رہا ہے۔
صفدر۔ تو کیا ظفر کی حرکات کی نگرانی کے لئے شمشاد حسین گیا ہے؟
ظہور احمد۔ جی نہیں، ظفر صاحب کی جان لینے کے لئے۔
صفدر۔ (جس کا رنگ سفید ہو گیا تھا) اُف یہ ظلم، جلد بتاؤ ظہور احمد اس خبیث کا کیا ارادہ ہے۔
ظہور احمد۔ ایک زہر شمشاد حسین نے بڑی کوششوں سے کہیں سے حاصل کیا ہے، جو پانی یا کسی رقیق شے میں ملا کر دینے سے بالکل معلوم نہیں ہوتا، آدمی کو بظاہر کوئی مرض معلوم نہیں ہوتا، خواہ ڈاکٹر ہر ٹیسٹ ڈالیں، زہر کا اثر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اپنا کام کرتا رہتا ہے، انسان دو ماہ بعد یا زیادہ سے زیادہ تین ماہ بعد مختلف معمولی شکایات میں مبتلا رہ کر گھل گھل کر مر جاتا ہے۔
کپتان جوزف۔ او معبود کتنا خوفناک کام ہے۔
ظہور احمد۔ شمشاد حسین موقع پا کر کام کرے گا، جلد آپ ظفر صاحب کو اس سے مطلع کر دیں۔
صفدر۔ (بھرائی ہوئی آواز سے) کپتان جلد کوئی تدبیر کیجئے، ظفر کی زندگی خطرے میں ہے۔
کپتان۔ (چند منٹ کے سکوت کے بعد) میرا خیال ہے میں اپنا کوئی آدمی ظفر صاحب کے پاس بھیج دوں، جو ہر وقت اُنکی نگرانی کرے، اور اُن کو نہ خطرے سے

ہوشیار رہنے کی تاکید کرو، شمشاد حسین کو اگر ابھی گرفتار کیا تو تمام تجاویز الٹی ہو جائینگی
جالوٰ صاحب نکل جائے گا، میں ان سب بدمعاشوں کو لینا چاہتا ہوں۔
صفدر۔ نہیں ابھی گرفتاری کا وقت نہیں آیا، آپ اپنا کوئی آدمی بھیج دیں۔
کپتان جوزف۔ چپراسی دلیپ سنگھ کو بھیجو، چند منٹ کے بعد ایک ادھیڑ عمر کا شخص جو کھڑکی دار پگڑی باندھے ہوئے تھا کمرے میں داخل ہوا (فوجی انداز سے سلام کیا) اس کی پیشانی کے بل بتلا رہے تھے کہ بہت روز اس نے خفیہ تحقیقات کی اہم ذمہ داری میں گزارے ہیں۔
کپتان جوزف۔ دیکھو دلیپ میں تم کو ایک اہم کام بتلاتا ہوں، مجھے اُمید ہے تم اس کو بخوبی انجام دوگے۔
دلیپ سنگھ۔ جو حکم ہو میں بجا لانے کو تیار ہوں
کپتان جوزف۔ تم آج صفدر کے ساتھ انبالہ جاؤ اور ظفر صاحب کی ہر وقت نگرانی کرو۔ خوفناک دشمن اُن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ایک منٹ بھی غافل نہ رہو، ظہور احمد تم دلیپ سنگھ کو سمجھا دو۔
ظہور احمد نے آہستہ آہستہ چند باتیں کہیں اور دلیپ سنگھ نے سر ہلا کر کہا، میں سمجھ گیا، بہتر ہے، میں تیار ہوں، آپ مطمئن رہیں۔
کپتان جوزف۔ مسٹر صفدر آپ انبالہ کب جائیں گے؟
صفدر۔ میں تو ابھی سیدھا انبالے جاتا ہوں، ظفر کی زندگی خطرے میں ہے۔
جوزف۔ بہتر ہے۔
صفدر۔ میں پرسوں واپس آجاؤں گا، کیا آپ پرسوں شام کو مل سکیں گے۔
کپتان جوزف۔ نہیں میں تین دن کے لئے باہر جا رہا ہوں، ایک قتل ہو گیا ہے، ملزم کا پتہ لگانا ہے۔

صفدر۔ پھر میں آپ سے کب مل سکتا ہوں؟

کپتان جوزف۔ ہفتہ کی صبح کو آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔

صفدر۔ اور ظہور احمد تم کہاں ملو گے؟

ظہور احمد۔ جی میں پرسوں شام کو نشاط صاحب کی کوٹھی پر آپ سے ملوں گا۔

صفدر۔ ہوں ٹھیک، میرے پیچھے تو جاسوس لگے ہوئے ہیں، نشاط کے ہاں ہی ملنا ٹھیک ہے، یہ کہتے ہوئے صفدر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

کپتان صاحب باہر تک پہونچانے آئے، صفدر مع دلیپ سنگھ کے کار میں بیٹھ انبالے روانہ ہوئے۔

ظہور احمد نے ایک کوٹھری میں گھس کر بڑی مونچھیں لگائیں، ایک سفوف گھول کر منھ، ہاتھوں اور گردن پر لگایا، جس سے اُس کا رنگ جو کھلتا ہوا سانولا تھا، بالکل کالا ہوگیا، آڑا پاجامہ، چکن کا انگرکھا پہن کر بالوں میں تیل ڈالا، سیدھی مانگ نکال کر پٹیاں جمائیں، کشتی نما سیاہ مخمل کی ٹوپی سر پر رکھی، ڈبیہ سے پان نکال کر کھایا، اور آئینہ میں منھ دیکھ کر کہا، ٹھیک اب میں پورا انن بن گیا، رومال سے منھ پونچھتا، چھڑی ہلاتا اپنے ہم پیشہ سپاہیوں سے ایک عجیب بولی میں باتیں کرتا، مسکراتا ہوا آہستہ قدم کوٹھی سے باہر نکل نظر سے غائب ہوگیا۔

۲۸

آفتاب کی طلائی کشتی ساحلِ مغرب میں ڈوبتی جارہی ہے، صحنِ چمن میں بادِ نسیم کے جھونکے اٹھکھیلیاں کرتے گزر رہے ہیں، آج ثروت آرا بیگم کے مانجھے کی رسم ہے مائیوں کا سب سامان ہورہا ہے، نازو بیگم اٹھلاتی ہوئی چال سے ہاتھ میں کلیدار فرشی پاجامے کے پائنچے اُٹھائے اِدھر اُدھر انتظام کرتی پھر رہی ہیں، اُنکی خوشامد کرنے والیوں آنوں مغلانیوں کا ایک جمِ غفیر اُنکے ساتھ قدم قدم پر اللہ آمین کہنیکو ساتھ ہے۔

یادشاہ بیگم، ملکہ بیگم بھی مہمانوں کے خیر مقدم اور رسم کی تیاری میں مصروف ہیں، مہمانوں سے کوٹھی بھری ہوئی ہے، پاندانوں کے کھٹاکے، چھالیہ کاٹنے کی کرٹ کرٹ سے ایک طوفان بے تمیزی مچا ہوا ہے۔

بوڑھی عورتیں پاندان کھولے بیٹھی اگلے زمانے کی تعریف اور اس زمانے کی ہجو کرنے میں مصروف ہیں، نوجوان لڑکیوں کی دھما چوکڑی اور پازیب چھاجن کی جھنکار سے ایک قیامت بپا ہے، ڈومنیوں کے راگ بے ہنگام سے کان اُڑے جاتے ہیں، ہر انسان خوش و بشاش نظر آتا ہے۔ البتہ ایک ثروت آرا بیگم ہیں، جو اور دنوں سے زائد آج فکرمند ہیں، حشمت و شاہجہاں بیگم اُنکے پاس ہیں۔

ثروت گو بظاہر سر جھکائے خاموش بیٹھی ہیں، لیکن دلمیں گوناگوں خیالات کا

سمندر موجیں لے رہا ہے، آخر اُنھوں نے پھر سکوت توڑی اور کہا شاہجہاں بہن نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا۔

شاہجہاں ۔ اچھا ہوگا بہن فکر نہ کرو، صفدر نے کوئی تدبیر تو کی ہوگی بھلا بھائی ظفر جنگ تک یہ خبریں نہ پہونچی ہونگیں، گھبراؤ نہیں، انشاءاللہ کچھ دنکی مشکل اور ہے،

ثروت ۔ (آہ سرد لیکر) اللہ بڑا کریم کارساز ہے ورنہ اپنی قسمت سے تو مجھے اُمید نہیں۔

حشمت ۔ ہاں ہاں بوی تم تو ماشاءاللہ پڑھی لکھی ہوشیار ہو نا اُمیدی کی کیا بات ہے، سب اللہ کا فضل ہے۔

شاہجہاں ۔ (مسکرا کر) مجھے تو یہ سب ہنگامہ تھیٹر کا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔

ثروت ۔ اے بہن بھی کیا خبر ہے (آنکھوں میں آنسو بھر کے) اللہ اپنا رحم کرے۔

شاہجہاں ۔ ایں اپنی بہن دل سنبھالو، حوصلہ رکھو۔

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تراست

حشمت ۔ بوی اس وقت بڑا تماشہ ہوا، میں بڑے کمرے میں اماں کو بلانے گئی تھی بھائی صاحب کہنے لگے حشمت ذرا ثروت آرا بیگم کا ہارمونیم لادے میرے چند دوست گانا چاہتے ہیں، میں نے کہا میاں میرا ہاتھ خالی نہیں کسی اور سے منگالو، کہنے لگے بڑی گستاخ ہے، سمجھوں گا۔

ثروت ۔ اپنی جانب سے تو وہ اس گھر بار کا اپنے کو مالک سمجھتے ہیں، اس لئے حکومت جتاتے ہیں۔

شاہجہاں ۔ خدانکردہ وہ کیوں اس گھر کا مالک ہوتا، اللہ اُس موئے کو در گور کرے۔

حشمت ۔ آج فرخندہ بیگم کیسی یاد آرہی ہیں۔

شاہجہاں ۔ انشاءاللہ اب فرخندہ سے بھی ملنا ہوجائے گا۔

ناز بیگم اور اُنکے ساتھ اور بیگمات کو آتا دیکھ کر یہ دونوں چپ ہوگئیں

ناز بیگم۔ شاہجہاں بیٹی دولہن کا دوپٹہ رنگ لیا۔

شاہجہاں۔ جی ممانی جان۔

بادشاہ بیگم۔ چلو رشید دولہن بچی کو غسلخانے میں لے چلو۔

غسل کرا کے ثروت آرا بیگم کو زرد سادے ریشم کا لباس پہنایا گیا، بال جلدی جلدی پنکھے سے سکھا کر سر گوندھا گیا، ہال میں چاندی کی چوکی پر ثروت آرا کو بٹھایا گیا، رشتے کی بہنوں، بھاوجوں نے ہاتھ پر اُبٹن رکھا، بیرسٹر صاحب نے پنڈیاں ہاتھ پر رکھیں، مراثنوں نے لہک لہک کر گانا شروع کیا۔

کھائی نہ جانے پنڈیاں بنو میری سیانی ہونے دو

بیرسٹر صاحب نے بیٹی پر سے اکیس روپے نچھاور کئے، اور سب کنبے کے مردوں عورتوں نے بھی حسبِ توفیق نچھاور کی، ثروت کا اس وقت ماں کے تصور اور اس آغاز کے انجام کے خیال سے بہت دل پریشان تھا، ہچکی بندھی ہوئی تھی۔

رسم ادا ہونے کے فوراً بعد شاہجہاں رشید دلہن ثروت کو کمرے میں لے گئیں۔

باہر مردانے میں جانی صاحب نوشاہ بنے بیٹھے تھے، خوشی سے پھولوں نہ سماتے تھے، اُن کے احباب ڈینگیں مار رہے تھے۔

شمشاد حسین۔ کہو بھائی اب کیا انعام دلواؤ گے ہماری محنت کا؟

جانی صاحب۔ (مسکرا کر) جو مانگو۔

مرزا امن۔ نواب صاحب بندہ بھی انعام کا مستحق ہے۔

جانی صاحب۔ انشاء اللہ آپ کو خوش کیا جائے گا، مگر کیا واقعی صفدر صرف زبانی باتیں بناتا ہے؟

مرزا امن۔ اور کیا، کل کا لونڈا ہے، یونہی ظفر جنگ کے سامنے شیخی بگھارتا ہے۔ بھائی نے خوب پڑتال کرلی، وہ کچھ نہیں کرے گا، آپ مطمئن رہیں، اس لئے دو روز سے

میں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا۔
جانی صاحب۔ ہاں اب فضول ہی ہے، بھئی شمشاد ظفر جنگ کا کیا حال ہے تم نے اپنی چیز کا استعمال شروع کر دیا۔
شمشاد حسین۔ پندرہ روز سے وہ چیز برابر دی جا رہی ہے ظفر جنگ کی طبیعت اب مضمحل رہتی ہے، شب کو نیند بھی کم آتی ہے (چٹکی بجا کر) بس دو ماہ کے اندر اندر معاملہ ختم ہو جائے گا۔
جانی صاحب کے دل میں شیطانی مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور قہقہہ لگا کر کہا خوب میرے دوست واقعی لاجواب کام کیا۔
امیر احمد۔ اجی چھوڑو اس قصے کو، اس وقت خوشی کا ذکر کرو، یہ بتلایئے کون کونسی ارباب نشاط آئیں گی۔
جانی صاحب۔ قمرن جان اور دلربا تو ضرور آئیں گی، اس کے علاوہ اور جسکو آپ صاحب پسند کریں۔
شمشاد حسین۔ اور سندر کو آپ بھول گئے۔
جانی صاحب۔ (ہنسکر) ہاں ہاں سندر بائی کا آنا تو ضروری ہے، آپ کی محبوبہ ہے۔
لطیف بیگ۔ نواب صاحب سچ کہئے، قمرن جان اچھی ہے یا نہیں
جانی صاحب۔ بھائی کیا کہنا، بڑی کافر صورت اور پیاری سی آواز پائی ہے۔ ظالم گنگری تو اس غضب کی لیتی ہے کہ جان جاتی ہے، میرا تو سچ پوچھو تو۔
مرزا امن۔ (بات کاٹ کر) دل آ گیا۔
جانی صاحب۔ ہاں آپ کا خیال صحیح ہے۔
لطیف بیگ۔ (ہنسکر) بھئی واللہ
امیر احمد۔ لیکن آپ کی تو اب شادی ہو رہی ہے۔

لطیف بیگ۔ میاں تم بالکل چغد ہو، نواب لوگوں کے یہی مشغلے ہیں، گھر کی بیویوں کو اس سے کیا کام۔

جانی صاحب۔ ثروت آرا بیگم کو چاہتا ضرور ہوں، لیکن سر پر نہیں چڑھاؤنگا، بس جیسے ہندوستانی شرفا کی بہو بیٹیاں رہتی ہیں، رہیں گی، اُن کو میرے بیرونی افعال سے کیا غرض۔

مرزا منن۔ قسم خدا کی نواب صاحب تو خیر نوعمر ہیں، قمرن جان کو دیکھکر ہم جیسوں کی رال ٹپک پڑتی ہے۔

امیر احمد۔ بھائی نواب اس وقت تو ستار پر کچھ سناؤ۔

جانی صاحب۔ مضائقہ نہ تھا، مگر اب وقت نہیں ہے۔

لطیف بیگ۔ (امیر احمد کے دھول مار کر) ابے سمجھتا نہیں کہ وہ اب نوشاہ ہیں

امیر احمد۔ (ہنستے ہوئے) ہاں ہاں غلطی ہوئی، میں بھول گیا تھا۔

جانی صاحب۔ (مسکراکر) خیر یہ تو نہیں، لیکن میرے پاس اب وقت کم ہے، بیرسٹر صاحب اب کلب سے آتے ہی ہوں گے، (گھڑی دیکھ کر) آٹھ بجا چاہتے ہیں۔

مرزا منن۔ تو اب ہم کو چل دینا چاہیئے۔

جانی صاحب۔ نہیں ابھی کچھ دیر کا وقت اور میرے پاس ہے، ساڑھے آٹھ پونے نو تک وہ آتے ہیں۔

شمشاد حسین۔ وہاں نقالوں کو نہیں بلاؤ گے، کشمیری نقالوں کا طائفہ ضرور آنا چاہیئے۔

جانی صاحب۔ دوستو! تمہاری خوشی مجھکو ہر طرح منظور ہے۔

مرزا منن۔ ہم بھی آپ کے واسطے جان پر کھیلتے ہیں۔

جانی صاحب۔ ہاں بھئی من مجھے آپ سے شکوہ ہے کہ آپ کی بیوی نہیں آئیں۔
مرزا من۔ وہ آنے کو بالکل تیار تھیں آنے کی خوشی میں نا وقت نہا ہیں، بخار ہو گیا، کل آئیں گی۔

امیر احمد۔ ہاں بھئی ذرا ہماری گھروالی کو بھجوا دینا۔
جانی صاحب۔ نہیں وہ اب جانے نہ پائیں گی۔
امیر احمد۔ اللہ قسم کل پھر بھیج دوں گا، آج تو بھیج ہی دو۔
مرزا من۔ اور میاں شمشاد حسین آپ کب شادی کریں گے۔
شمشاد حسین۔ بندہ یہ بلا گلے نہیں ڈالتا جس بت کو دیکھا دو دن دل بہلا لیا۔ جب اُس سے دل بھر گیا دوسرے کو تاکا، ہماری تو یوں ہی گذرتی ہے۔
امیر احمد۔ ان کا کیا ہے، ہرجائی ہیں، نہ معلوم کتنے گھر خراب کئے، اور کتنی بھولی بھالی شریف زادیوں کو تباہ کیا، خدا ایسے لوگوں کے سائے سے محفوظ رکھے۔
شمشاد حسین۔ (جھوم کر) شراب ناب ہو، بت گلعذار ہو اور شب ماہ ہو، جب لطف زندگی ہے۔
جانی صاحب۔ اجی یہ کیا بڑھانکنے لگے، انسانیت سے گفتگو کرو۔
لطیف بھائی۔ (ہنس کر) ہاں ہاں بھائی اس وقت تو ہمارے نواب صاحب نوشاہ بہادر کی شادی کا ذکر کرو۔
جانی صاحب۔ استغفر اللہ میرا یہ مطلب نہیں۔
امیر احمد۔ نہ سہی، یارو بتلاؤ سہرا کون کون لکھے گا۔
شمشاد حسین۔ میں لکھوں گا۔
مرزا من۔ میں بھی۔
امیر احمد۔ اور ہم تو ایک کی بجائے دو سہرے لکھیں گے، کہئے میاں لطیف

آپ کیوں گُم سُم بیٹھے ہیں۔
لطیف بیگ۔ ہم نے ایسی طبیعت نہیں پائی۔
شمشاد حسین۔ یہ ٹھہرے ملاّ ٹے شیخ کیا جانے صابن کا بھاؤ۔
لطیف۔ چلئے ماشاء اللہ آپ تو شاعرِ غرّا ہیں۔
جانی صاحب۔ بھائی لڑو نہیں اپنی اپنی طبیعت ہے۔
مرزا منن۔ مگر یہ سہرے پہلے سے ہی کسی بی صاحبہ کو یاد کرا دئے جائیں۔
جانی صاحب۔ بھائی مرزا آپ ہی قمرن جان کو یاد کرا دیں۔
مرزا منن۔ یہ کونسا بڑا کام ہے، بڑی خوشی سے کروں گا۔
جانی صاحب۔ اچھا دوستو خدا حافظ کہنے کو دل تو نہیں چاہتا، مگر مجبوری ہے
سب کھڑے ہو کر آداب عرض۔
جانی صاحب۔ وعلیکم السلام
ان سب کے جانے کے بعد جانی صاحب کوٹھی کے زنانے رُخ میں جاکر بہت دیر تک ناز بیگم سے سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرتے رہے۔

۳۹

راجپور روڈ کے شروع والی سرخ کوٹھی میں ظفر جنگ مقیم ہیں جو ابھی ایک ہفتہ ہوا تبدیل ہو کر انبالے سے دہلی آ گئے ہیں۔ شام کے سات بج چکے ہیں، مگر ابھی تاریکی زیادہ نہیں پھیلی، مطلع ابر آلود ہے ہوا کے فرحت بخش جھونکے دلِ پژمردہ کو زندگی بخش رہے ہیں، ظفر جنگ کوٹھی کے خوشنما اور وسیع باغ میں اسوقت نیلا کوٹ اور سفید پتلون زیب تن کئے ہوئے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ بلند پیشانی، چوڑا سینہ سرخ و سپید رنگ، سرو سا قد، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، مردانہ رعنائی و زیبائی کا مکمل نمونہ ہیں، اسوقت اس لباس میں بہت ہی بھلے معلوم ہو رہے ہیں، ہاتھ میں رباعیات خیام کا انگلش ایڈیشن ہے جسکو وہ لاپروائی سے دیکھ رہے ہیں، لیکن منہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گہرے فکر میں کھوئے ہوئے ہیں، فضا پر مکمل سکون طاری ہے اس سکوت کو دربان کی آمد نے درہم برہم کر دیا، قدم کی آہٹ پاکر ظفر جنگ نے نظر اٹھائی، دربان نے دست بستہ ہو کر کہا "حضور کوئی زنانی سواری آئی ہے میں نے باہر روک دیا ہے، حضور کا حکم ہو تو اندر آئیں۔"

ظفر جنگ۔ (حیران ہو کر) زنانی سواری! کہاں سے آئی ہے کیا اظہر محل سے کوئی آیا ہے یا ڈاکٹر رفیق کے ہاں سے۔

دربان۔ حضور اگر محل سے بیگم صاحبہ تشریف لاتیں یا کوئی اور ہوتا تو میری کیا مجال تھی جو روکتا، ڈاکٹر صاحب کے ہاں سے بھی یہ نہیں آئی ہیں۔
ظفر۔ پھر کون ہیں؟ کس جگہ سے آئی ہیں؟
دربان:۔ بلاقی بیگم کے کوچے سے۔
ظفر۔ (سوچتے ہوئے) بلاقی بیگم کے کوچے میں کون رہتا ہے، کیا کار ہے یا گاڑی۔
دربان۔ کار تو نہیں ہے، تانگے میں ایک برقعہ پوش خاتون بیٹھی ہیں، بالکل تنہا ہیں۔
ظفر جنگ۔ اچھا دلیپ سنگھ کو بلاؤ۔
دربان۔ اجی سردار جی ادھر آیئے۔
دلیپ سنگھ۔ (مخصوص پگڑ سنبھالتا) جی حاضر کہتا بھاگا آیا۔
ظفر جنگ۔ دیکھو دلیپ کون آیا ہے، دربان کہتا ہے کوئی زنانی سواری ہے۔ اُن سے دریافت کرو، مجھ سے اُن کو کیا کام ہے؟
دلیپ سنگھ۔ بہت بہتر کہہ کر گیا اور چند منٹ بعد واپس آکر کہا، حضور وہ کہتی ہیں صاحب سے تنہائی میں کچھ ضروری باتیں عرض کرنی ہیں۔
ظفر جنگ۔ تم نے نام بھی دریافت کیا۔
دلیپ سنگھ۔ جی ہاں، انھوں نے بس اتنا ہی کہا کہ اپنے صاحب بہادر سے میری جانب سے عرض کردو کہ میں اجنبی نہیں ہوں مصلحت نام بتانے کی اجازت نہیں دیتی، تنہائی میں سب باتیں گوش گزار کردوں گی۔
ظفر جنگ۔ خیر تم میری لائبریری میں ان خاتون کو پہنچا دو۔ میں آتا ہوں۔
دلیپ سنگھ۔ تعمیل حکم کے لئے گیا اور عقب میں ظفر جنگ خراماں خراماں یہ سوچتے ہوئے لائبریری میں داخل ہوئے، کہ یہ کون سماۃ نازل ہوگئیں، ممکن ہے

حشمت ہو، خیر اب معلوم ہو جائے گا۔
ظفر جنگ کو آتا دیکھکر برقعہ پوش خاتون کھڑی ہو گئیں۔
ظفر جنگ نے قدرے سر کو خم کر کے شیریں لہجے میں کہا تشریف رکھئے، فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں!
برقعہ پوش۔(باریک آواز سے) بالکل تنہائی میں عرض کروں گی، آپ اپنے ملازموں کو ہٹا دیں۔
ظفر جنگ۔ دلیپ سنگھ اور نذیر تم باہر جاؤ، دروازے بند کر دو۔
کیواڑ بند ہوتے ہی برقعہ پوش نے بجلی کی تیزی کے مانند برقعہ الگ کر دیا اور ظفر کے مقابل ہو کر مسکرانے لگی۔
ظفر جنگ نے حیرت سے دیکھا کہ حشمت کے بجائے ایک اور سرو قد خوش رو حسینہ ہے، جو بہت بیباکانہ ظفر جنگ کو تبسم آفریں نظروں سے دیکھ رہی ہے۔
آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟ چند منٹ کے سکوت کے بعد ظفر جنگ نے کہا۔
کیا آپ واقعی مجھے نہیں پہچانتے؟ بیباک حسینہ نے شوخ نظریں ملا کر ظفر جنگ سے سوال کیا۔
میں ممکن ہے بھول گیا ہوں، سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ظفر جنگ نے یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
آہ بیوفا انسان! تم اپنی محبوبہ گُل کو اس قدر جلد بھول گئے حسینہ نے قدرے قریب آکر کہا۔
ابھی ظفر جنگ سوچ ہی رہے تھے کہ یہ گُل کون بلا ہے، اور کس طرح میری محبوبہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے کہ بیباک نازنین نے دلربایانہ انداز سے ظفر جنگ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا تم کس قدر بھولے بن رہے ہو، میں جانتی ہوں مجھکو ستا رہے ہو۔

ہیں نے تم کو اس سے قبل دیکھا بھی نہیں، وہ کوئی اور ظفر ہوگا، تم کو مغالطہ ہوا۔ انسانیت سے بیٹھو اور تہذیب سے گفتگو کرو۔ گل جان کو ہٹاتے ہوئے ترش لہجے میں ظفر جنگ نے کہا۔

آہ میں تم کو ایسا سنگدل نہ سمجھتی تھی، تم کتنے دغا باز نکلے، اپنے اقرار وفا کو بھول گئے پیارے ظفر، حسینہ نے یاس آمیز لہجے میں کہا۔

تم پردہ نشین مشرقی عورت ہو کر اتنی بے شرم، اس بیباکی سے ایک غیر مرد سے تنہائی میں گفتگو کر رہی ہو، شرم کرو شرم ظفر جنگ نے برہم ہو کر جواب دیا۔

یہ پیاری صورت اتنے دن بعد نظر آئی تو دل بیقرار ہو گیا، ظالم تیری صورت ہی ایسی ہے، کہ قربان ہونے کو دل چاہتا ہے، گل جان نے آہ سرد لے کر کہا۔

تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت بھی ہے کہ تم جیسی بے حیا عورت سے مجھکو کبھی کوئی تعلق رہا ہے یا یونہی پریشان کر رہی ہو، خوبصورت پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ظفر جنگ نے پست لہجے میں دریافت کیا۔

اس کا تحریری ثبوت میرے پاس ہے، گل جان نے مسکرا کر کہا۔

لاؤ میں بھی تو دیکھوں ظفر جنگ نے عجلت سے کہا۔

میرے دلربا محبوب ثروت کے پیچھے تم مجھے بھول گئے، گل جان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

بار بار بیباکی کا اظہار نہ کرو، شرم کرو، برقعہ پہن لو تاکہ میں دوازہ کھولوں۔ ظفر جنگ نے غصے سے کانپ کر کہا۔

ہائے میں کس طرح تم کو یقین دلاؤں کہ تم میرے محبوب ہو، ایک شب جب چودھویں کا چاند جلوہ گر تھا میں اور تم تنہائی پر بیٹھے تھے، چاند کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی تمہارے حسین چہرے کی بلائیں لے رہی تھی، اس پیارے سمے میں تم نے دلربا انداز

سے کہا تھا، پیاری گل میں تیرا ہوں اور ہمیشہ کے لئے، وہ زمانہ بہت گیا، تم مجھکو بھول گئے، گل جان نے مترنم لہجے میں کہا۔

یہ سب دھوکا ہے، فریب ہے، کسی میرے دشمن نے مجھکو کسی نئی سازش کا شکار کرنے کے لئے تم کو بھیجا ہے، میں نے تم کو کبھی نہیں دیکھا، میں نہیں جانتا تم کون ہو ظفر جنگ نے کرخت آواز سے کہا۔

لیجئے صاحب آپ کی تحریر، آپ کا اقرار، نامہ حاضر ہے گل نے ایک خط دیتے ہوئے کہا۔

خط کھولا تو یہ صفدر کے نام ایک محبت بھرا طویل خط ظفر جنگ کا تھا، جو انھوں نے لندن سے صفدر کو لکھا تھا۔

ظفر جنگ اب سمجھے کہ یہ حضرت صفدر ہیں اور انھوں نے قہقہہ لگا کر ندامت آمیز لہجے میں کہا، ارے میاں بڑا دھوکا دیا، واللہ بھیس بھرنے میں خفیہ پولیس کو بھی مات کیا، کون سمجھ سکتا ہے کہ اس دلربا انداز میں ایک مرد گفتگو کر سکتا ہے۔ کمال ہے واللہ کمال

صفدر۔ (آنکھیں مٹکا کر) اوئی مردوئے میں خوب سمجھتی ہوں تیرے چلتر — اب جو اپنی تحریر مل گئی تو باتیں بنانے لگا، نان نفقہ کی نالش کر کے ایک ایک پائی لوں گی، میرا چھوڑنا کیا آسان ہے۔

ظفر جنگ۔ (ہنس کر) تم کو چھوڑنا کون کمبخت ہے، مگر آخر یہ سوانگ بھر کر مجھے اتنی دیر پریشان کرنے سے تم کو کیا مل گیا۔

صفدر۔ میاں تمہارے پیچھے تمنا حسین جو لگا ہوا ہے اس وجہ سے میں نے ایسا کیا کہ مجھکو نہ پہچانے اور ہماری گفتگو میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، آہستہ سے کچھ انگلش میں کہا جس کو ہم نہ سن سکے۔

ظفر جنگ۔ نے سر ہلا کر کہا، تدبیر تو خوب ہے۔
صفدر۔ ہاں جناب کل سالگرہ ہے، باغ کے پہرے پر جانی صاحب نے مرزا منن کو ہی لگایا ہے۔
ظفر جنگ۔ ظہور احمد نے بھی خوب بھیس بدلا ہے، اور تم نے تو اس کے بھی کان کاٹے، واللہ کیا شان بنائی ہے۔
صفدر۔ (منہ چڑا کر) نہیں تو کیا آپ کی طرح بس بیٹھے بسورا کریں، اچھا صاحب بہادر اب میرے پاس وقت کم ہے، کل شب کو بارہ بجے ایک کار میں تم مع دلیپ سنگھ کے اور ایک کار میں احتیاط کے لئے دو انسپکٹر اور رنگیر دونوں کاریں کوٹھی کے باغ کے شمال رُخ درختوں کے جھنڈ میں پوشیدہ کر کے کھڑی کر لینا، باغ سے بالکل ملحق ادھر سے دیوار نیچی ہے، اگر دروازے پر کچھ گڑبڑ ہوئی تو پھاندنے میں آسانی رہے گی۔
ظفر جنگ۔ میں ابھی جا کر انتظام کرتا ہوں، تم اب کہاں جاؤ گے؟
صفدر۔ میں اب جا کر ظہور احمد سے ملوں گا، انھوں نے آٹھ بجے ملنے کا وقت دیا تھا۔
ظفر جنگ۔ آج کل ہمارے دوست جانی صاحب تو بہت خوش ہوں گے،
صفدر۔ اجی پھول کر کپا ہو رہے ہیں، ایک تازہ خبر اور سنو، ایک شاہد بازاری پر بھی آپ ماشاء اللہ عاشق ہیں۔
ظفر جنگ۔ خوب، کیا کہنے۔
صفدر۔ جی ہاں یار لوگوں نے ان کو نواب صاحب بنا رکھا ہے، بیچارے بیرسٹر کے گاڑھے پسینے کی کمائی میاں جانی صاحب خوب اُڑا رہے ہیں۔
ظفر جنگ۔ بیرسٹر صاحب کا تو دماغی توازن کچھ ٹھیک نہیں ہے، ورنہ یہ

رنگ کیوں ہوتا۔

صفدر۔ ناز بیگم وہ خوبصورت ناگن ہے جس کے دام فریب میں آکر بیرسٹر صاحب کے حواس ٹھکانے نہیں ہیں، وہ تو جاہل صاحب کو بہت شرمیلا اور اچھا لڑکا خیال کرتے ہیں۔

ظفر جنگ۔ (آہ سرد بھر کر) خیر بعد کی بابت تو خدا جانتا ہے، فی الحال تو واقعی جان صاحب ہی خوش نصیب ہیں۔

صفدر۔ ہوں، تم کیا بد نصیب ہو، نواب زادے، خوش رہو، تعلیم یافتہ، آئی سی، ایس، سوسائٹی میں کافی مشہور، ایک حور وش فرشتہ خصلت ہمہ صفت موصوف بیوی کے شوہر۔

ظفر جنگ۔ ہاں بھئی خدا کرے بیوی مل جائے، ابھی تو قابو سے باہر ہے۔

صفدر۔ اللہ مالک ہے، اب میں جاتا ہوں۔

ظفر جنگ۔ بہت بہتر بیگم صاحبہ۔

صفدر۔ (برقعہ اوڑھ کر) پھر کا روپیہ ابھی ابھی ادا کر دو۔

ظفر جنگ۔ (مسکرا کر) ہم تو نہ دیں گے۔

صفدر۔ اتنی ہمت بھی ہے، کہتا ہوا تیز قدم اُٹھاتا ہوا گھر سے نکل تانگے میں سوار ہو چل دیا۔

ظفر جنگ نے بھی چند منٹ بعد اسپ بادپیما پر سوار ہو کر کپتان جوزف کے بنگلے کا راستہ لیا۔

۴۰

لیلتہ القمر اُفقِ بعید کی سیاہ فام سطح پر کرنوں کی افشاں چھڑکتی ہوئی نمودار ہوئی۔ خورشید لاج میں ثروت آرا بیگم کی سانچق کی تیاری ہونی شروع ہوئی، ناز بیگم زرکار لباس اور مرصع بیش بہا زیورات زیب تن کئے بڑے ٹھسے سے صدر میں گاؤ تکئے کے سہارے رونق افروز ہیں، مہمان بیگمات سے سارا ہال بھرا ہوا ہے، جن کی جگمگاتی پوشاکوں خوبصورت زیورات اور حسین چہروں کو برقی روشنی نے چار چاند لگا دئیے ہیں۔

باہر دروازے پر ایک ہیش خدمت بیگمات کو تانگے سے لانے اور کرایہ دینے کی ڈیوٹی انجام دے رہی ہے۔

ناز بیگم کے قریب ابھی ایک حسین نو عمر بیگم آکر بیٹھی ہیں، انکا لباس خوب بھاری اور زیور بھی بہت معقول ہے، زیور کی شائق بیگمات ان آنے والی بیگم کے زیور کو جھک جھک کر دیکھ رہی ہیں۔

ناز بیگم نے بادشاہ بیگم کو آتا دیکھ کر کہا اے اماں ادھر تو آؤ، مرزا حسن کی بیوی آئی ہیں۔

(نو عمر بیگم کی طرف مخاطب ہو کر) بہن صفدری بیگم یہ میری والدہ ہیں۔

صفدری بیگم نے بہت جھک کر آداب کیا۔

بادشاہ بیگم نے دعا دی، اسا ئیں جیئے بوڑھ سہاگن ہو، تمہارا میکا کہاں ہے؟

صفدری۔ (آہستہ سے) رامپور میں۔

بادشاہ بیگم۔ شادی کو کتنے دن ہوئے۔

صفدری بیگم۔ (شرما کر) دو سال کے قریب ہو گئے۔

ناز بیگم۔ اللہ رکھے کوئی بچہ بھی ہے۔

صفدری بیگم۔ (نیچی نظر کر کے) سلونا سی لڑکی ہوئی تھی جاتی رہی۔

بادشاہ بیگم۔ اللہ عمر کا بچہ دے۔

صفدری بیگم نے شرما کر سر جھکا لیا۔

ملکہ بیگم۔ اے دلہن بھابی لڑکے کو مایوں کب بٹھاؤ گی؟

ناز بیگم۔ (مسکرا کر) آپا آپ کا ہی بچہ ہے، بلوایئے، میں ذرا ان سے باتیں کرنے لگی (اپنی ایک سہیلی سے) اے بی جعفری بیگم ذرا جانا جانی صاحب کو بلوانا۔

بادشاہ بیگم۔ بیٹی تم تو بیٹھے بیٹھے حکم چلاتی ہو، کھڑی ہو چوکی بچھواؤ۔

ناز بیگم۔ توبہ اماں ابھی تو آ کر بیٹھی ہوں، پھرتے پھرتے پاؤں گھوڑے شل ہو گئے۔ اری سنبل چوکی لا کر بچھا۔

سب بیگمات نے وسط ہال میں جگہ خالی کر دی، چاندی کی چوکی بچھائی گئی، جانی صاحب منہ پر رومال لگائے زعفرانی لباس میں نوشاہ بنے ہوئے تشریف لائے، چوکی پر بٹھا کر پردے کے پیچھے سے شاہجہاں بیگم اور ثروت کے رشتے کی بہنوں نے ابٹن ان کے ہاتھ پر رکھا، پنڈی منہ میں دی، اس رسم کے بعد جانی صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔

ثروت آرا بیگم کو زرد کپڑے اتار کر سرخ زرکار لباس پہنا کر لایا گیا، ناز بیگم نے مصری کی ڈلیاں منہ میں دیں، گود میں میوہ ڈالا، نچھاور کی اور مرصع زیور پہنوں لوں

کا زیور پہنا دیا، لطف یہ ثروت کی ماں کا زیور ثروت کو پہنایا گیا، ثروت کے دل کو ابھی تک اطمینان نہ تھا، پریشانی کے باعث غش آگیا، شاہجہاں، حشمت جلدی سے اُٹھا کر لے گئیں، زیور لباس اُتارا، پنکھا جھلا، پانی کے چھینٹے دیے تو ثروت ایک آہ بھر کر ہوشیار ہوئیں۔

شاہجہاں۔ کیوں بہن طبیعت کیسی ہے؟

ثروت۔ اچھی ہے، مگر ہائے بہن اب کیا ہوگا، ابھی تک کسی نے ہماری خبر نہ لی، صفدر بھائی بھی بےفکر ہو گئے، اگر یہ رات بھی گزر گئی تو بس ہماری خیر نہیں ہے میں اس انگشتری کا ہیرا نکال کر کھا لوں گی۔

شاہجہاں۔ اے اے بہن گھبراتی کیوں ہو؟ خدا مسبب الاسباب ہے، انشاءاللہ دیکھنا آج رات میں ضرور کچھ انقلاب ہوگا، میرا دل گواہی دیتا ہے، بھلا ظفر جناب اور تمہاری جانب سے بےفکر ہوں، صفدر اور خاموش بیٹھیں، اس خاموشی کی تہ میں بڑی طاقت کام کرتی نظر آرہی ہے۔

حشمت۔ بیوی گھبراؤ نہیں، میں نے ابھی ابھی سُنا ہے کہ نواب صاحب تشریف لائے ہیں، آپ کی طبیعت خراب ہونے کے باعث میں ادھر آگئی۔

ثروت آرا۔ میری حشمت جلدی خبر لا، ابا جان نے کیا فیصلہ کیا، مجھ بدقسمت کے باعث ایسے بزرگ کو تکلیف گوارا کرنی پڑی، ہائے اماں بی کے مرنے سے کسقدر مشکلات آپڑیں، یہ کہہ کر ثروت کی ہچکی بندھ گئی۔

حشمت تھوڑی دیر بعد خبر لائی کہ نواب صاحب نے بیرسٹر صاحب سے کہا کہ میری آخری التجا قبول کیجیے، آپ غلطی پر ہیں — ثروت آرا بیگم میری امانت اور میری بہو ہے، بخوشی ان کو میرے سپرد کر دیں۔

بیرسٹر صاحب نے کہا ثروت کی شادی میری بیوی کے بھتیجے سے ہو رہی ہے۔

آپ نے غریب خانے پر آنے کی بیفائدہ تکلیف فرمائی، ویسے آپ میرے محترم بزرگ ہیں، لیکن اس معاملے میں مداخلت کرنے کا آپ کو حق نہیں، آپ کے صاحبزادے کے سلوک ناروا کے بعد یہ قیامت تک ممکن نہیں کہ ثروت کو جیتے جی دوزخ میں جھونک دوں۔

نواب صاحب نے کہا، افسوس میرے دوست آپ عقلمند ہوکر دشمنوں کی سازش کا شکار ہو رہے ہیں، خیر میں آپ کو ہوشیار کئے دیتا ہوں، اپنی بہو کو لیجانے کے لئے میں اپنی تمام طاقت صرف کردوں گا، اور ہر امکانی کوشش خواہ پھر یہ آپ کے رنج کا ہی باعث ہو۔

بیرسٹر صاحب نے جواب دیا جو آپ کا جی چاہے کیجئے، میں ہرگز اپنے الفاظ سے نہ ہٹوں گا۔

نواب صاحب بہتر کہہ کر اور برہم ہو کر چلے گئے۔

ثروت آرا۔ (آہ سرد لے کر) بجیا بہن شاہجہاں یہ امید بھی گئی، اب کس کا آسرا رہا۔

شاہجہاں بہن خدا کا آسرا رکھو وہ سب سے بڑا حافظ ہے۔

ثروت۔ یاس آمیز لہجے میں۔

اہل تدبیر کی واماندگیاں آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ادھر یہ باتیں تھیں، ادھر بیگمات میں جداجدا چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، سب کو اس پر افسوس تھا کہ بیرسٹر صاحب اپنی حسین تعلیم یافتہ بیٹی کی قسمت ایک جاہل قلانچ، کندۂ ناتراش کے ساتھ پھوڑ رہے ہیں، اور یہ شادی بالکل بے جوڑ ہے۔

چونکہ اب شب کے دس بج چکے تھے، دسترخوان بچھائے گئے، ماشاءاللہ مہمانوں کی انتہا نہ تھی، کھانا کھاتے کھلاتے بارہ بج گئے۔

کھانے کے بعد کچھ دیر تک رنگین طبع گانے کی شوقین بیگمات نے میراثنوں کا گانا سنا، پھر جس کو جہاں جگہ ملی دراز ہو گئیں، بی صفدری بیگم چونکہ شرمائی

بہت تھیں اور امن کی خاص تواضع منظور تھی، اس لیئے ناز بیگم کے حکم سے ثروت آرا کے کمرے میں بھو نچادی گئیں، سب تمام دن کے تھکے ماندے لیٹتے ہی خراٹے لینے لگے اور دو بجے تک نظام کوٹھی شہر خموشاں بن گئی۔

لیکن صفدری بیگم کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، یا ایک ثروت اپنی پریشانی میں مبتلا جاگ رہی تھی، یکایک صفدری بیگم اُٹھ بیٹھیں، کمرے کے سب کھٹکے لگائے اور غسلخانے میں گھس گئیں، چند منٹ میں غسلخانہ سے برآمد ہوئیں اب یہ تو صفدر رہیں، مرزا من کی بیوی صفدری بیگم غائب ہو گئیں، صفدر کے قدم کی آہٹ پاکر ثروت آرا بیگم بھی چوکنا ہو گئیں، صفدر کو دیکھکر فرطِ خوشی سے اُنکا دل زور سے دھڑکنے لگا اور وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئیں، دوپٹے کو سنبھالکر اوڑھا اور سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔

صفدر نے قریب آکر آہستہ سے کہا، آپ چلنے کے لئے تیار ہیں؟

ثروت نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔

صفدر نے ددا اور حشمت کو جگایا، وہ دونوں بھی جلدی سے تیار ہو گئیں، حشمت نے زیور کا صندوقچہ بغل میں دبایا، ددا نے ثروت آرا کو سنبھالا، صفدر باغیچے کی جانب والی کھڑکی سے خود کودا، اس کے بعد حشمت اُتری، ددا کو صفدر نے سہارا دیکر اُتارا، پھر ثروت آرا شرماتی ہوئی حشمت کا سہارا لیکر اُتریں اور یہ سب جلدی قدم اُٹھاتے ہوئے باغ کے دروازے کی جانب چلے، صفدر نے آگے بڑھکر شمالی رُخ والی دیوار سے جھانکا، سیٹی بجائی، ظفر سیاہ لباس میں قریب آئے صفدر نے آہستہ سے کہا ہم آتے ہیں، اور پھر باغ کا دروازہ کھولکر سب نکل گئے، دیوار سے لگی دو قیمتی کاریں کھڑی تھیں، ایک کار میں ثروت آرا بیگم مع حشمت اور ددا کے بیٹھیں، دلیپ سنگھ شوفر کے قریب بیٹھ گیا، دوسری کار میں ظفر جنگ، صفدر اور

دونوں انسپکٹر بیٹھے اور یہ سب اظہر محل روانہ ہوئے، کاروں کے محل کے سامنے رُکتے ہی ہنگامہ مچ گیا، مبارک سلامت کا شور ایسا مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، ایک کو ایک مبارکباد دیتا تھا اور اس مبارکباد کا سننے والا کوئی نہ تھا، سب نے اتنی رات دعائیں مانگ کر آنکھوں میں گزاری تھی۔

فرخندہ، صادقہ سب بہنیں تھیں، دروازے پر دوڑیں، ہاتھوں ہاتھ ثروت آرا بیگم کو لاکر ایک کمرے میں بٹھایا جو پہلے اُن کے لئے درست کر دیا گیا تھا۔

بیگم صاحبہ نے بہو کی چٹاپٹ بلائیں لے کر کہا، ہائے میری ثروت کو اس بچھل پائی نے کیسا صدمہ پہونچایا، بچّی کا منہ صدمے کے مارے کتنا سا نکل آیا ہے۔

ثروت آرا شرم کے مارے دوہری ہوگئیں۔

زیب النسا نے کہا، امّاں دولہن شرماتی ہیں آپ اُدھر چلی جائیں۔

صادقہ۔ خدا کا شکر ہے بلا سے رہائی پائی۔

فرخندہ۔ توبہ انتظار بھی کیا بُرا ہوتا ہے، شام سے اس وقت تک گھڑیاں گِن گِن کر گذری ہیں، یہ رات ذوق کی شب ہجر سے زیادہ طویل تھی۔

زیب النسا۔ اور یہ فکر بھی تو تھی کہ خدا نکردہ کوئی فساد نہ ہو۔

صادقہ۔ اب صبح لطف آئے گا، جی چاہتا ہے جا کے وہاں کا منظر دیکھوں۔

زیب النسا۔ (مسکرا کر) کیا مضائقہ ہے چلی جانا، اچھا ہے، تمہاری خوب خبر لی جائے گی۔

صفدر۔ (کمرے کے دروازے پر چیخ کر) آپا ادھر آؤ، بھائی ظفر بلاتے ہیں۔

زیب النسا۔ توبہ صفدر تم کس قدر بے تہذیب ہو، کیوں شور مچا رکھا ہے۔ ابھی آتی ہوں۔

صفدر۔ فرخندہ کی وجہ سے اندر نہ آسکتے تھے، شور مچا رہے تھے، کہنے لگے اچھا آپ نہ آئیں، میں بھی ہاتھ آنکھوں پر رکھکر کمرے میں گھس آؤں گا۔

فرخندہ۔ اے بھائی جان خدا کے لئے آپ باہر چلے جائیں ورنہ صفدر بھائی سے یہ تعجب نہیں کہ اندر گھس آئیں۔

صادقہ، زیب النسا ہنستی ہوئی کمرے سے نکل گئیں، اُن کے جانے کے بعد فرخندہ نے کہا، بہن اب تو منہ کھولو، صرف میں ہوں، مبارک ہو خدا نے بلا سے نجات دی۔

ثروت۔ (گھونگھٹ سرکا کر آہستہ سے) ہاں بہن خدا کا شکر ہے میرا منہ اس لائق نہ تھا، لیکن میرا دل دیکھو اب تک کیسا دھڑک رہا ہے۔

فرخندہ۔ اس پر بینائی کا آنا، آپ سے آپ دل بے قابو ہوگا۔

حشمت۔ مجھکو تو یہ ڈر تھا کہ کوئی جاگ نہ جائے، مگر شاباش ہے، صفدر میاں نے وہ حکمت کی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

ثروت۔ ہائے نہ جانے صبح سب مجھے نہ پائیں گے تو کیسے کیسے الفاظ میرے متعلق کہیں گے، ابا جان کا شرم و غصے سے کیا حال ہوگا، کہیں گے کیسی بے غیرت لڑکی تھی جو اس طرح چلی گئی۔

فرخندہ۔ بے غیرتی کی کیا بات ہے، اپنے شوہر کے گھر شوہر کے ساتھ آئی ہو بیرسٹر صاحب کی عقل پر تو پردہ پڑ گیا ہے، کنوئیں میں دھکیل رہے تھے، کوئی اُن کی طرح کیسے جیتی مکھی نگل لے۔

حشمت۔ بیچارے جانی صاحب کو بہت رنج ہوگا۔

فرخندہ۔ (ہنسکر) موئے نے بہتیرا رنج پہونچا لیا، اب اس کا معاوضہ اُس کو ملے گا۔

ثروت ۔ ہائے اماں بی ہوتیں تو کس چاؤ چونچلوں سے وداع کرتیں، کیا ہیں اس بیہودہ طریقے سے آئی۔

فرخندہ ۔ خیر بہن اب رنج سے کیا فائدہ، انسان پر سب وقت گزرتا ہے، غم و خوشی دنیا میں توام ہیں، اب آرام کرو، رات زیادہ آئی ہے، خدا کا شکر ہے کہ تم جال سے نکلیں، حشمت تو بھی ادھر لیٹ جا، خود بھی ثروت آرا کے قریب لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں تاکہ ثروت بھی کچھ دیر آرام لے لیں۔

ادھر صادقہ، زیب النسا نے ظفر جنگ سے جو ان دونوں کے انتظار میں مہتابی پر ٹہل رہے تھے کہا کہو بھئی کیا کہتے ہو، صفدر نے ہماری جان کھالی۔

ظفر جنگ ۔ معاف کیجئے، واقعی آپ دونوں کو آنے میں تکلیف ہوئی، میں یہ کہتا تھا کہ اب میں جاتا ہوں، ان دونوں انسپکٹروں کو رخصت کر کے کوٹھی جاؤنگا صبح ہی کپتان جوزف سے ملنا ہے۔

صادقہ ۔ اس وقت کو بھی جانے کی کیا ضرورت ہے۔

ظفر جنگ ۔ یہاں رہنا بھی تو چنداں ضروری نہیں۔

زیب النسا ۔ (مسکرا کر) یہاں تو دلہن ہے، اس لئے رہنا ضروری ہے۔

ظفر ۔ (نگاہ نیچی کر کے) آپ سب جو ہیں۔

صفدر ۔ جناب نکاح آپ سے ہوا ہے، نہ باجی سے ہوا ہے نہ آپا سے۔

صادقہ ۔ چلو شریر تم باتیں نہ بناؤ، نہیں بھئی اس وقت کہاں جاؤ گے یہیں آرام کر لو۔

ظفر جنگ ۔ میرا جانا ہی زیادہ مناسب ہے، ابھی یہ فساد پورا رفع نہیں ہوا، صبح دیکھئے اس معاملے کے سلجھنے کے بعد حاضر ہوں گا۔

صادقہ۔ غریب جانی صاحب کا تو بنا بنایا قلعہ مسمار ہوگیا۔
صفدر۔ یاد تو کریں گے کہ صفدر کیسا کل کا لونڈا تھا، ساری نوابی ناک کے رستے نکل جائے گی۔
ظفر جنگ۔ بیرسٹر صاحب دیکھیے کیا رنگ لاتے ہیں۔
صفدر۔ رنگ کیا لائیں ان کی تو عقل سٹ گئی ہے، بغیر سوچے سمجھے ضد کرنے کا انجام یہی ہونا ہے، ان کا علاج ہی یہ تھا، اس کے علاوہ چارہ نہ تھا۔
ظفر جنگ۔ آج شام کو آپا جان سمجھائے گئے جب بھی حضرت نہ سمجھے۔
صادقہ۔ لطف خوب رہے گا۔
ظفر جنگ۔ کہو صفدر تم ساتھ چلو گے یا یہاں رہو گے۔
صفدر۔ جی بندہ تو ہمیشہ ہمرکاب رہتا ہے، اچھا باجی اور آپا آداب عرض

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

۴۱

خورشید للج میں شب کو دو بجے کے قریب تو سب سوئے تھے، اچھی دھوپ پھیل گئی تو سب سے پہلے بادشاہ بیگم ہڑبڑا کر اٹھیں، سنبل کو جو فرش پر پڑی سو رہی تھی، آواز دی اری سنبل اُٹھ جا جلدی، بیگم کو جگا، اب تو سات بج چکے دس بجے تو نکاح ہوگا، ابتک سب سو رہے ہیں، اوئی تو گو شادی کا گھر اور سناٹا۔

سنبل نے جاکر ناز بیگم کی خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، ناز بیگم جلدی سے پانچے سنبھالتی کمرے سے باہر آئیں، بادشاہ بیگم سے جواب و سوال کر رہی تھیں کہا

اوئی اماں تم نے مجھ کو کیوں نہ جگوادیا، دیکھو تو کتنا دن چڑھ گیا۔

بادشاہ بیگم۔ بوا تم کو خود خبر نہیں، ایسی غافل سوئیں۔

ناز بیگم۔ (ہنس کر) میں تو جس کروٹ لیٹی تھی اسی کروٹ سے اٹھی ہوں، ایسی غافل سوئی۔

بادشاہ بیگم۔ خیر بیٹی سونا تو روز ہی ہے، ایک دن جاگ لیتیں تو کیا ہوتا؟ بیٹی دودلغ کرکے سونا۔

ناز بیگم۔ فہمیدہ جا آپا ملکہ بیگم، شاہجہاں بیگم، جعفری بیگم اور رشیدہ دلہن کو جگا دے۔

فہمیدہ۔ حضور ملکہ بیگم تو کبھی کی جاگ گئیں، نماز پڑھ کر وظیفہ پڑھ رہی ہیں۔

ناز بیگم۔ اچھا شاہجہاں کو جگا دے، سنبل تو ادھر لمبے کمرے میں سب کو جگا، منہ

دھونے کو پانی دے۔

ملکہ بیگم کو آتا دیکھ کر بچھی آپا تم نے بھی مجھ کو نہ جگایا۔

ملکہ بیگم۔ سب دولہن میں اور آپا بادشاہ بیگم ساتھ ہی اُٹھے ہیں۔

بادشاہ بیگم۔ لے، بوا ثروت آرا کے کمرے میں تو کوئی جاؤ، دودا، حشمت کو تو جگاؤ۔

ناز بیگم۔ مرزا الکن کی بیوی بھی وہیں ہیں، جانا شاہجہاں۔

شاہجہاں۔ واپس آکر اندر سے کھٹکا لگا ہوا ہے، میں نے بہت آوازیں دیں کوئی جواب نہیں دیتا۔

ناز بیگم۔ خیر ثروت آرا تو دلہن ہیں شرم کے مارے کیا بولیں گی، بیکس حشمت اور دودا کو کیا سانپ سونگھ گیا، چلو میں چلتی ہوں (کیواڑ بجا کر) دودا اے دودا کیواڑ کھولو، دھوپ کتنی پھیل گئی، کبتک سوؤ گی، اٹھو (جواب نہ پاکر) لے حشمت تو ہی جواب دے، ایسی بھی کیا نیند ہی جواب ندارد، اوئی یہ معاملہ کیا ہے؟ کیواڑ کھولتی ہو یا نہیں بوا صفدری بیگم کوئی تو بولو، وہاں کوئی ہو تو بولے، شاہجہاں بیگم پیچھے کھڑی مسکراتی رہیں ناز بیگم نے تنگ کر شاہجہاں سے کہا باغیچے کی جانب والی کھڑکی میں سیڑھی لگوا کر دیکھو یہ کیا بات ہے۔

شاہجہاں باغیچے میں گئیں، ناز بیگم بھی ساتھ گئیں

شاہجہاں۔ (سیڑھی پر چڑھ کر) یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

ناز بیگم۔ آخر سب گئے کہاں، اچھا تم کھڑکی میں سے جا کر اندر کا کھٹکا کھولدو۔

شاہجہاں نے کھٹکا کھول دیا، ناز بیگم، ملکہ بیگم اور سب اندر گئے، دیکھیں تو وہاں کوئی بھی نہیں، دوسرا کمرہ، غسلخانہ، باغیچہ کونا کونا چھان مارا، بیرسٹر صاحب کو اطلاع دی گئی

صفدری بیگم کے پلنگ پر سے ایک رقعہ ملا جو بیرسٹر صاحب کے نام تھا، اس رقعے کے مضمون سے بیرسٹر صاحب بہت برافروختہ ہوئے، لیجئے آپ بھی پڑھئے۔

جناب من تسلیم۔

ہم ثروت آرا کو لئے جاتے ہیں، یقیناً اب آپ اپنی غلطی پر سخت پشیماں ہوں گے۔
کجا جانی صاحب کجا ثروت آرا بیگم، آپ نے بھی کمال کر دیا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بہر حال ہم آپ سے اس گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہیں، مجبوری ایسا کیا گیا
ورنہ کئی جانوں کے جانے کا اندیشہ تھا۔

راقم آپ کا نیاز مند صفدر

بیرسٹر صاحب خط پڑھتے اور دانت پیستے۔

نازبیگم۔ لوگو! کہیں ایسا بھی ظلم دیکھا ہے، اس کنواری ہتیاری کو یوں جاتے شرم نہ آئی،
لے ہے پڑھ لکھ کر باپ کا نام ڈبو دیا، اپنے پیٹ کی اگر ہوتی تو مزہ چکھا دیتی۔

بادشاہ بیگم۔ نہ بو! اسلام ہی ایسی تعلیم کو مردوں کے کان کاٹ دیئے۔ صاحبزادی غیر
مردوں کے ساتھ چل دیں، پھٹکار ایسی تعلیم پر! لعنت اس فیشن پر۔

نازبیگم۔ لے ہے جانی صاحب کو خبر ہو گی تو نہ معلوم طیش میں کیا کریں۔

بیرسٹر صاحب۔ میں ابھی اس کی بابت کارروائی کرتا ہوں، میری لڑکی کو اغوا کر کے
بدمعاش صفدر لے گیا ہے، انشاء اللہ جیل کی ہوا کھائے گا۔

جانی صاحب بڑے خراٹے لے رہے تھے، اُن کو جگا کر اس واقعہ ہوش ربا کی اطلاع
دی گئی، وہ سب سے قبل جلد جلد قدم بڑھا کر باغ کے دروازے پر گئے، وہاں مرزا من
کا پتہ بھی نہ تھا۔ اندر گئے، اس وقت ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی ناز بیگم سے لپٹ کر
خوب روئے، ذرا دل ٹھہرا تو کہا کہ میں صفدر اور ظفر کا خون کروں گا۔

نازبیگم۔ ارے لوگو! کوئی اس کو سمجھاؤ، میرا کیس برس کا پلا پلایا لڑکا ہاتھ سے جاتا ہے،
(رو کر) ہائے ثروت اللہ کرے تو تختہ رنڈیا ہو جیسے میرے بچے کا دل دکھایا؛ تجھے بھی

سکھ نصیب نہ ہو، الٰہی صفدر کی جوان لاش نکلے، دھڑا دھڑ پیٹنے لگیں۔
بادشاہ بیگم۔ ایں ایں بیٹی ہوش میں آؤ، کیا اپنی جان دوگی (جانی صاحب کو جاتا دیکھ کر) اے بیٹا کدھر چلے۔
جانی صاحب۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) بس جدھر منھ اٹھا۔
بادشاہ بیگم۔ بیٹے صبر کرو۔
نازو بیگم۔ بال نوچ کر (بیرسٹر صاحب) میرا بچہ تمہاری آفت بیٹی کے سر صدقے ہوگا، بن باپ کا بچہ ہے۔
بیرسٹر صاحب۔ (جانی صاحب سے) عزیزمن ادھر آؤ۔
جانی صاحب (جو زار و قطار رو رہے تھے) بس اب جلنے ہی دیجئے، نابکار صفدر کو مزا چکھاؤں گا۔
بیرسٹر صاحب۔ جب میں زندہ ہوں پھر تم کو اس کی کیا ضرورت ہے، اس بدمعاش صفدر، نالائق ظفر، گیسو بریدہ ثروت تینوں کو ٹھیک بناؤں گا، ابھی کپتان جوزف سے جا کر کہتا ہوں، نواب صاحب نے اپنی امارت کے غرور میں یہ کارروائی کی ہے صفدر نے اس گھمنڈ میں یہ لغو حرکت کی، سب کو مزا چکھاؤں گا، میری بدنامی تو اب ہو چکی، لیکن اپنے حریفوں کو بھی اب چین نہ لینے دوں گا۔
یہ کہتے ہوئے بیرسٹر صاحب بہت غصے کی حالت میں باہر گئے اور کار میں بیٹھ کر مع جانی صاحب اور البشری چپراسی کپتان جوزف کے بنگلے کا راستہ لیا۔
نازو بیگم وغیرہ یہاں کچھ دیر روتی پیٹتی رہیں، آخر کب تک، تھک کر بیٹھ رہیں، مہمان سب اس سانحہ پر حیران انگلیاں دانتوں دبائے ایک ایک کرکے رخصت ہوئے ملکہ بیگم اور شاہجہاں بھی تکان کا عذر کرکے چل دیں، غرضکہ دس بجتے بجتے خورشید لاج میں بالکل سناٹا ہو گیا۔

ادھر بیرسٹر صاحب کپتان صاحب کے بنگلے پر پہونچے، ابھی صبح ہی تھی، لیکن بیرسٹر صاحب اور کپتان صاحب کی کلب کی شناسائی بلکہ خاصی دوستی تھی، اس لئے کارڈ بھیجدیا، معلوم ہوا شب کو صاحب کسی واردات میں گئے تھے، دیر سے آئے، ابھی تک بستر میں ہیں ایک گھنٹے بعد ملیں گے، ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، ٹھیک ساڑھے نو بجے کپتان جوزف مسکراتے ہوئے برآمد ہوئے، اور گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انھوں نے کہا، ہلو مسٹر خورشید معاف کیجئے، آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی، میرا پیشہ ایسا نامعقول ہے، جس میں بہت کم آرام ملتا ہے، اور اپنی ان مصروفیتوں کے باعث اکثر مجھے اپنے دوستوں سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔

بیرسٹر صاحب نے رسمی تبسم کے بعد کہا، مضائقہ نہیں معذرت تو مجھے مانگنی چاہئے کہ آپ کے آرام میں مخل ہوا۔

نہیں نہیں اس کا خیال نہ کریں، کپتان جوزف نے شگفتہ روئی کیساتھ جواب دیا آپ بہت روز سے کلب میں نہیں آئے، بیرسٹر صاحب نے کہا؟

میں گزشتہ ماہ میں کثرتِ کار کے باعث مضمحل ہو گیا تھا، ہر وقت ہلکا ہلکا درد سر میں رہتا تھا، اس لئے میں نے بیس روز مسوری کے سبزہ زاروں میں گزارے، پرسوں ہی واپس آیا ہوں، یہاں اتنا زیادہ کام جمع ہو گیا تھا کہ بالکل وقت نہ ملا جو کسی تفریح میں حصہ لے سکتا، کپتان جوزف نے جواب دیا۔

لیکن علی الصبح آنے کی زحمت آپ نے گوارا کیوں کی؟ کیا کوئی اہم واقعہ پیش آیا، جس میں میری خدمات کی ضرورت ہے، کپتان جوزف نے سوالیہ انداز میں کہا؟

بیرسٹر۔ جی ہاں مجھے آپ کی امداد کی ضرورت ہے، (سارا واقعہ دوہرا کر) یہ معاملہ ہے۔

کپتان جوزف۔ لیکن ظفر جنگ سے تو آپ کی صاحبزادی کا نکاح ہو چکا تھا، ظفر جنگ اپنی بیوی کو لے گئے، آپ اس میں قانوناً حارج نہیں ہو سکتے، جبکہ آپ کی صاحبزادی

اپنی خوشی سے گئی۔
بیرسٹر۔ مگر ظفر جنگ نے لندن سے طلاق لکھکر بھیجی تھی، ہندوستان آکر محض اپنے والد کی وجہ سے طلاق نامے سے منکر ہوگئے۔
کپتان جوزف۔ ممکن ہے کسی بدمعاش نے جعلی خط بھیجا ہو اور ظفر کے خلاف سازش کی ہو
بیرسٹر۔ نہیں صاحب ظفر جنگ تو شادی کرکے آئے ہیں اُس لڑکی کو میں نے خود دیکھا ہے، یہ سازش نہیں ہے۔
جوزف۔ آپ کو تحقیق معلوم ہے۔
بیرسٹر۔ ہاں میں نے اس کے متعلق خوب تفتیش کرلی، یہ بالکل صحیح ہے۔
کپتان جوزف۔ پھر آپ اپنی لڑکی کی شادی کس سے کرنا چاہتے ہیں۔
بیرسٹر صاحب (جانی صاحب کی جانب اشارہ کرکے) ان سے۔
کپتان جوزف۔ (جانی صاحب کو دیکھکر مسکراتے ہوئے) یہ آپ کے رشتہ دار ہیں؟
بیرسٹر صاحب۔ جی ہاں یہ میری بیوی کے بھتیجے ہیں۔
کپتان جوزف۔ اچھا اگر مسٹر ظفر یہ ثبوت دیدیں کہ وہ خط جو آپ کو ملا ہے جعلی ہے اور ان کے خلاف ان کے دشمنوں کی سازش ہے، جب تو آپ کو ثروت آرا کے لیجانے پر اعتراض نہ ہوگا۔
بیرسٹر۔ ان کے پاس ثبوت ہی کیا ہے؟
جوزف۔ شاید ہو
بیرسٹر صاحب۔ پھر مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔
کپتان جوزف کی تقریر سے جانی صاحب کے حواس جاتے رہے، وہ ذرا گھبرائے اور بیرسٹر صاحب سے کہا میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے، مجھکو تو گھر جانے کی اجازت دیدیجئے۔
کپتان جوزف۔ نہیں مسٹر آپ یہیں رہیں، آپ کے سامنے کارروائی ہونا ضروری

ہے۔ اگر آپ کے سر میں درد ہے میں دوا لگائے دیتا ہوں اُس سے سکون ہو جائیگا آپ صوفے پر لیٹ جائیں، یہ کہہ کر وہ اٹھے، درد سر کی دوا جانی صاحب کو لا کر دی اور پھر بیرسٹر صاحب سے کہا، میں نے آپ کو نہیں بتلایا، اس کا علم شاید آپ کو نہیں کہ میری چھوٹی بہن تھیوڈرا ہی مسز نشاط ہے۔

بیرسٹر صاحب۔ اچھا، میں مس جوزف کے انتخاب پر آپ کو اور ان کو مبارکباد دیتا ہوں، نشاط بہت اچھا لڑکا ہے، اسلئے ہی غالباً آپ ظفر جنگ کا پارٹ لے رہے ہیں کہ وہ نشاط کے پھوپی زاد بھائی ہیں۔

کپتان جوزف۔ (مسکرا کر) یہ آپ کا خیال غلط ہے، اپنی بہن کیلئے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا، یہ سب راز آپ پر تھوڑی دیر میں کھل جائیگا، اس تمہید سے میرا مطلب یہ تھا کہ تھیوڈرا کے ساتھ میری خالہ زاد بہن مس الگزنڈرا ولیم بھی سیر کی غرض سے ہندوستان آئی ہے، چونکہ عزیزانہ تعلقات ہیں۔ اسلئے ممکن ہے الگزنڈرا کو آپ نے ظفر جنگ کے ساتھ دیکھا ہو، اور ملتے اور نباہ میں ایسا ہونا ضروری ہے یہی سبب ہے جس کی وجہ سے آپ کو غلط فہمی ہوئی، غریب ظفر پر شادی کا اتہام محض بے بنیاد ہے، اگر ظفر جنگ سے الگزنڈرا کی شادی ہو جاتی تو مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی، آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ دوسری شادی کو کس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، میں کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ میری بہن ایک شادی شدہ انسان سے شادی کرے، الگزنڈرا اتفاق سے اس وقت یہاں موجود ہے وہ خود بتا دے گی کہ ظفر جنگ سے اُس کے تعلقات کہاں تک ہیں۔

یہ کہتے ہوئے کپتان جوزف نے گھنٹی بجائی چپراسی سامنے آیا۔

کپتان۔ دیکھو چپراسی مس بابا سے بولو صاحب آپ کو سلام کہتے ہیں۔

چند لمحے بعد الگزنڈرا کی حسین معصوم صورت صبح کے سفید لباس میں نظر آئی، کپتان جوزف نے بیرسٹر صاحب سے الگزنڈرا کا تعارف کرایا پھر الگزنڈرا سے کہا، پیاری،

الگزنڈرا مجھے معاف کرنا، تم کو اس وقت ایک شہادت کے لئے بلایا ہے
الگزنڈرا ۔ پیارے بھائی بڑی خوشی سے میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی ۔
کپتان جوزف ۔ مسٹر ظفر سے تمہارے کیا تعلقات ہیں، الگزنڈرا تبلاؤ ؟
الگزنڈرا ۔ (جس کا رنگ شرم سے سرخ ہو گیا تھا) ہم آپس میں دوست ہیں، مسٹر ظفر جنگ کی قابلیت کا مجھے اعتراف ہے، بہن بنفوڈورا کی طرح میں بھی ان کے پاکیزہ خیالات اور علمی گفتگو کی قدر دان ہوں اور ایسی ہی موانست رکھتی ہوں جیسی کہ ایک دوست سے ہونی چاہئے ۔
کپتان جوزف ۔ یہ بھی تبلاؤ الگزنڈرا کہ تم ہندوستان کیوں آئی ہو ؟ تاکہ میرے دوست کا شبہ رفع ہو جائے ۔
الگزنڈرا ۔ (شیریں لہجے میں) میں ہندوستان صرف سیر کی غرض سے آئی تھی یہاں آکر اس ملک کے گلپاش مرغزاروں اور رنگین فضاؤں نے مجھے کچھ ایسا مسحور کر دیا کہ ابھی کچھ عرصے رہنے کا اور خیال ہے ۔
کپتان جوزف ۔ شکریہ الگزنڈرا پیاری کہ تم نے ایک حد تک معاملے کو صاف کر دیا اب تم جا سکتی ہو، میں نے تم کو بہت تکلیف دی ۔
نہیں بھائی تکلیف نہیں، مجھے ایک بیگناہ کی بریت کا ثبوت دینے سے مسرت ہوئی، کہہ کر الگزنڈرا خراماں خراماں چلی گئی ۔
الگزنڈرا کے جانے کے بعد کپتان جوزف نے کہا خط کے جعلی ہونے کا ثبوت خود ظفر جنگ آپ کو دیں گے، فقرہ ختم کر کے انھوں نے تالی بجائی، پردہ سرکا، صفدر اور ظفر جنگ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، ان کے پیچھے دلیپ سنگھ اپنے مخصوص انداز کا پگڑ باندھے صندوقچہ سنبھالے ہوئے آیا ۔
ظفر جنگ اور صفدر، بیرسٹر صاحب کو سلام کر کے بیٹھ گئے، صندوقچہ دلیپ سنگھ

نے میز پر رکھ دیا۔
بیرسٹر صاحب یہ سب کارروائی انتہائی حیرت سے دیکھ رہے تھے اور اس بزنگمی عجائبات پران کی عقل حیران تھی۔
ظفر جنگ نے مؤدبانہ لہجے سے بیرسٹر صاحب سے کہا، جناب میری بے گناہی کا ثبوت اس صندوقچے کے کاغذات آپ کو دیں گے۔
صفدر نے صندوقچے کا ولایتی قفل کھولا، اور کاغذات کے بنڈل کھولنے شروع کئے (ایک خط اٹھاکر) جانی صاحب پہچانتے ہیں یہ آپ کی تحریر ہے۔
جانی صاحب جن کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور اب کانپ رہے تھے، سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔
صفدر۔ (بیرسٹر صاحب کی جانب خط بڑھا کر) مہربانی سے اس کو پڑھیں۔
بیرسٹر صاحب نے پڑھا، جانی صاحب نے یہ خط لطیف بیگ کو لکھا تھا جس میں یہ تاکید کی تھی کہ نواب اظہر جنگ کے منشی (لطیف بیگ کے رشتے دار تھے) سے ظفر جنگ کا اردو خط حاصل کرو، تاکہ تحریر اس سے ملا کر لکھی جائے، اس کے علاوہ دو خط اور تھے جو شمشاد حسین کو ابلے جانی صاحب نے لکھے تھے جس میں ظفر جنگ کو زہر دینے کی بابت استفسار کیا تھا، جانی صاحب کی حالت اس انکشاف پر عجیب تھی، آئے تھے دوسروں کے لئے جال تیار کرنے، یہاں خود گرفتار ہو گئے
بیرسٹر صاحب کا غم و غصے سے برا حال تھا، ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا، ایک دم انھوں نے خط پھینک کر کہا اُف دھوکا فریب۔
کپتان جوزف۔ (مسکرا کر) اب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کتنی گہری سازش کا شکار ہو چلے تھے (تالی بجا کر) حاضر، معاً شمشاد حسین، امیر احمد، لطیف بیگ چار پولیس کے مسلح جوانوں کی حراست میں سامنے آئے۔

کپتان جوزف نے وہ خطوط جو نواب صاحب کے صندوقچے سے چرا کر لطیف بیگ لائے تھے، زہر کی پڑیا جو شمساد حسین کے ٹرنک سے ملی تھی، امیر احمد کا جوڑا کھانے میں ملازم تھا، جعلی ولایت کی مہر لگانا، سب سنایا اور پھر کہا، جانی صاحب آپ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ جیل خانے کی ہوا کھائیں۔

ایک ہیڈ کانسٹبل مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور کہا حضرت نواب صاحب تسلیم آپ اپنے دوست مرزا متن کو بالکل بھول گئے، یہ کہتے ہوئے اُس نے جانی صاحب کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی، اور مجرموں کی قطار میں کھڑا کر دیا۔

بیرسٹر صاحب نے کانپ کر کہا، یا اللہ تیرا شکر ہے، تو نے اس سازش سے پناہ دی ورنہ ان بدمعاشوں نے تو میرے تباہ کرنے میں کسر نہ چھوڑی تھی، صفدر خدا انھیں کو جزائے خیر دے، ورنہ میں اپنی ثروت کو ہاتھ سے کھو چکا تھا۔

صفدر۔ جناب! خدا بدمعاشوں اور چالبازوں سے محفوظ رکھے، آپ کو شکریہ ادا کرنا چاہئے کپتان جوزف اور ظہور احمد کا، ورنہ یہ انکشافات اور ان بدمعاشوں کا قابو میں آنا مشکل تھا

کپتان جوزف۔ صفدر صاحب شکریہ کے مستحق تو آپ ہی ہیں میں نے تو صرف مشورہ ہی دیا۔

بیرسٹر صاحب۔ عزیز دوست! میں آپ کا میاں صفدر کا مدت العمر مشکور رہوں گا آہ خدا نکردہ اگر آج اور یہ انکشاف نہ ہو جاتا تو میں کیا کرتا، غصے سے کانپ کر تبلائیے کہ اب آپ نے کیا سزا ان ملعونوں کے لئے تجویز کی۔

جانی صاحب۔ (روتے ہوئے) بیرسٹر صاحب کے قدموں پر گر کر، جیسا کیا، ویسا پایا میرا قصور معاف کر دیں، اس شہر میں گھسوں گا بھی نہیں، ان سب کے بہکانے سے شیطان سوار ہو گیا تھا۔

بیرسٹر۔ بدمعاش کتنے کس منہ سے معافی مانگتا ہے، میری بھولی بھالی لڑکی پر اتنا ظلم تو نے مجھ سے کرایا، اور مجھ نالائق داماد کے سامنے مجھ کو ذلیل کیا۔

ظہور احمد۔ حضرت نواب صاحب آپ کی یہ شان نہیں کہ اس طرح قدموں پر گریں، سیدھی طرح کھڑے رہیئے، ورنہ پھر خدمت انجام دینے پر یہ آپ کا خادم مجبور ہوگا۔
جانی صاحب۔ (گھگھیا کر) اچھا بھائی۔
کپتان جوزف۔ (درشت لہجے سے) خاموش کھڑے رہو اور اپنے کئے کی سزا بھگتو۔
ظہور احمد ان سب کو حوالات میں لے جاؤ کل ان کے متعلق کارروائی ہوگی، سب بیڑیاں کھڑکاتے ہوئے چلے گئے۔

بیرسٹر صاحب کا اس انکشاف پر دل بھر آیا تھا اور اپنی حماقت پر اس قدر نادم تھے کہ نظروں میں دنیا تاریک ہو رہی تھی (ظفر کو گلے لگا کر بھرائے ہوئے لہجے میں کہا) معاف کرنا پیارے ظفر میں نے اپنی بیوقوفی سے تم کو سخت رنج پہونچایا ہے، اور تم جیسے لائق اور شریف نوجوان کو ناسزا الفاظ کہے۔
ظفر جنگ۔ میں آپ کا خادم ہوں ایسا کیوں فرماتے ہیں۔
بیرسٹر۔ میاں صفدر میری ثروت کہاں ہے، اس غریب پر مجھ بدبخت نے کیسا ستم کیا، میری بے زبان بچی۔
صفدر۔ آپ مطمئن رہیں بہن ثروت آرا بیگم اظہر محل میں ہیں، یہاں سے جاکر خورشید لاج پہونچادوں گا، مگر پہلے آپ اپنی بیگم صاحبہ کو وہاں سے ہٹا دیں، ورنہ وہ اور کوئی فتنہ کھڑا کریں گی۔
بیرسٹر۔ اُس مردار کا نام نہ لو، خوبصورت ناگن ہے جس نے مجھے ڈس لیا۔
کپتان جوزف۔ ان تمام جرموں کی تہ میں تو ان کا ہی ہاتھ ہے، اور انھوں نے ہی اپنی پوری طاقت صرف کر کے آپ کو از خود رفتہ کر دیا تھا، مگر چونکہ آپ کی بیوی ہیں اس لئے ہم ان کا نام مجرموں کی فہرست میں لانا نہیں چاہتے۔
بیرسٹر۔ (چشم پُرآب ہو کر) مجھے اُس ڈائن سے کوئی واسطہ نہیں، میری بیوی وہ

حور جنت جس کی جدائی سے میں بالکل تباہ ہوگیا سپہر آرا تھیں، آہ وہ صرف خود ہی مجھ سے جدا نہیں ہوئیں میرے عقل و حواس سب مجھ سے جدا ہو گئے۔

ان باتوں کے بعد بیرسٹر صاحب دل شکستہ و شرمسار واپس ہوئے، اپنی اس رسوائی تفضیحک پر سخت رنجیدہ تھے، ایک اضطراب میں اندر گئے کہ بدکردار عورت کی خبر لیں، دیکھا تو بیوی ندارد، نوکروں کو آوازیں دیں، گلزار گلزار، فہمیدہ ارے کمبختو کہاں ہو! بیگم کدھر گئیں؟

گلزار۔ بیگم صاحبہ تو فٹن میں آپ کے پاس گئی ہیں، ابھی تھوڑی دیر ہوئی یہ کہہ کر گئی تھیں کہ ثروت آرا بیگم آگرہ ہیں، اُن کو لینے جا رہے ہیں، البشری نے آکر کچھ کہا تھا بس پہلے تو خوب روئیں، پھر جلدی جلدی سامان درست کیا، دونوں کپڑوں کے بکس لئے، زیور کا صندوقچہ اور چاندی کے سامان کا ٹرنک لیا مع سنبل اور البشری کے ٹرین پر چلی گئیں۔

بیرسٹر۔ چلی گئی، اُف نکل گئی، کیا مہ پارہ کو بھی لے گئی؟

فہمیدہ۔ نہیں حضور وہ تو کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔

بیرسٹر۔ ارے تو کیا گاڑی واپس آگئی۔

گلزار۔ نہیں حضور۔

بیرسٹر۔ تو مجھے اسٹیشن چلنا چاہئے۔ یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکلے، کار میں سوار ہونے کو تھے کہ فٹن آتی نظر پڑی۔

بیرسٹر۔ (کوچمین سے) ہری سنگھ بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟

ہری سنگھ۔ حضور مجھے خبر نہیں، البشری ساتھ ہی، خدا جانے کہاں کا ٹکٹ لیا ہی جب میں واپس آیا تو ریل چھوٹنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔

بیرسٹر۔ ہائے ہاتھ سے نکل گئی، ذلت، رسوائی، چکرا کر گر پڑے۔

نوکروں نے دوڑ کر اُٹھایا اور پلنگ پر لٹایا، گلزار بھاگا ہوا اظہر محل گیا وہاں سے ثروت آرا بیگم مع فرخندہ، دوا، اور حشمت کے آگئیں.

ثروت باپ کی غشی سے گھبرا گئیں، بارے کچھ منٹ بعد بیرسٹر صاحب ہوشیار ہوئے، بیٹی کو سرہانے پایا، گلے لگا کر آنسو بہلانے لگے.

ثروت۔ ابا جان نہ روئیے طبیعت خراب ہو جائے گی.

بیرسٹر۔ اُف پیاری ثروت! میرا دل پھٹا جاتا ہے، رونے دو، ہائے میری معصوم بچی، میں نے تجھ کو اُس ڈائن کے کہنے میں آ کر تکلیف پہونچائی.

فرخندہ۔ شکر کیجیے کہ جلد ہی حالات کھل گئے، صفدر بھائی نے کمال چالاکی سے سب بدمعاشوں کو پھندے میں لیا.

بیرسٹر۔ ہاں خدا صفدر کو عمر دے، اُس نے مکاروں کی سازش کو طشت از بام کیا، ورنہ مجھ کو تو بیوقوف بنا ہی چکے تھے، ثروت کی زندگی بھی تباہ ہو جاتی، بیٹی فرخندہ میں تم سے بھی شرمندہ ہوں معاف کرو، ہائے میں پاگل ہو گیا تھا.

فرخندہ۔ آرام کیجیے، کسی بات کا خیال نہ فرمائیں، آپ کا رنگ اس وقت بہت متغیر ہو رہا ہے۔

بیرسٹر۔ سر میں سخت درد ہے.

ثروت۔ میں لونڈر سر میں ڈالتی ہوں، آپ آرام کریں.

ثروت نے لونڈر ڈالا، گلزار نے تلوے سہلائے اور بیرسٹر صاحب سو گئے.

۴۲

صبح کے نو بج چکے ہیں، پیارا پیارا دن ہے، آفتاب جھلل جھلل کرتا ہوا نکل آیا ہے، نواب صاحب مع ڈاکٹر رفیق، خسرو جنگ اور میاں صفدر و نشاط کے رسم رونمائی کی تاریخ ٹھہرانے خورشید لاج آئے، اگست کی ۱۳ تاریخ قرار پائی۔ اور سب شاداں فرحاں واپس گئے، پچھلی کلفتوں کو بھلا کر بیرسٹر صاحب آج بہت مسرور ہیں، ثروت آرا بیگم کا کمرہ اس وقت فرخندہ و شاہجہاں کے نقرئی قہقہوں اور شوخ دلآویز لطیفوں سے گونج رہا ہے، آئیے ان کی دلچسپ باتوں میں ہم بھی کچھ دیر لطف حاصل کریں۔

فرخندہ۔ اب دوبارہ رسمیں ادا ہونگیں (ہنسکر) جب ناز بیگم تھیں اب ہم ہیں۔

شاہجہاں۔ بہن ہم تو جب بھی تھے اور اب بھی ہیں۔

فرخندہ۔ نہ جانے جانی صاحب اور ان کے دوستوں کو کتنے سال کی سزا ملی۔

شاہجہاں۔ ماموں جان کہہ رہے تھے، کل ہی تو سب کو حکم سنایا گیا ہے، جانی صاحب کو دس سال کی قید سخت اور شمشاد حسین کو حبس دوام بعبور دریائے شور، زہر خورانی کے جرم میں، امیر احمد کو جعلی مہر لگانے کے باعث سات سال کی۔ اور لطیف بیگ کو چوری کرنے کی بدولت تین سال کی سزا ملی، اور سب اپنے اپنے مقام پہ سدھائے

فرخندہ۔ خوب ہوا کمبختوں نے جیسا کیا ویسا پایا، مگر ناز بیگم کا پتہ نہ چلا۔

شاہجہاں۔ بہن وہ تو بڑی حرافہ عورت تھی۔

ثروت۔ (مسکرا کر) جو کچھ تھیں آپ کی پسند تھیں۔

شاہجہاں۔ بہن میں تو یہاں تھی بھی نہیں، جو کچھ بھی کہو اماں کی عقلمندی کہو بنیادی خانم کے کہنے میں آ کر صورت پر فریفتہ ہو گئیں، گُن ڈھنگ نہ دیکھے۔

فرخندہ۔ بچی کو بھی تو چھوڑ کر چل دی، کیسی سنگدل عورت ہے۔

ثروت۔ وہ کیوں وبال اپنے سر پر لیجاتیں، اچھا ہوا چھوڑ گئیں خدا جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔

فرخندہ۔ بیرسٹر صاحب نے تلاش نہیں کرایا۔

شاہجہاں۔ ہر اسٹیشن پر تار دیئے، مگر ان کا پتہ نہ چلا، خدا جانے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا

فرخندہ۔ اجی وہ عورت آفت کا پرکالہ ہے، اس کا کاٹا پانی بھی نہ مانگے۔

رشید دولہن۔ (دروازے پر کھڑے ہو کر) ہم بھی آئیں۔

فرخندہ۔ اُدی بھابی کیا آپ کی منادی ہے، آئیے ہمارے سر آنکھوں پر۔

رشید دولہن۔ (کمرے میں آ کر ہنستے ہوئے) کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

فرخندہ۔ یہی ناز بیگم کے کرتوت کا ذکر ہے

رشید دولہن۔ بوا ان کی حقیقت تو اب معلوم ہوئی، لکھنؤ سے تمہارے بھائی کے ایک دوست آئے ہیں، انکے سامنے جو ذکر ہوا تو انھوں نے کہا اجی بڑا غضب ہوا، وہ تو رنڈی تھی، نازک ادا نامی پہلے میرے چچا کے ہاں نوکر تھی، انسے ایک لڑکا بھی ہوا، لڑکا ہونے کے بعد چچا جان نے نکاح کر لیا تھا، نکاح کے آٹھ سال بعد ہی وہ مر گئے، میرے چچا زاد بھائی باپ کے نام کی خاطر اس کو سو روپے ماہوار دیتے رہے، ویسے بھی خیال رکھتے تھے۔ لیکن نازک ادا کی بھلا سو روپے میں پوری پڑتی تھی، اور وہ کیوں غم لگاتی، کون سی بیوی صاحبزادی تھیں کہ میاں کا سوگ لیکر بیٹھتیں، تین سال بھی چچا مرحوم کے انتقال کو نہ ہوئے تھے کہ وہ نگی

گھڑی ہوئی اور لکھنؤ سے غائب ہو گئی، پورے دس سال بعد پتہ چلا کہ وہ چار سال سے ایک اور شریف گھر کو غارت کر رہی تھی، چچا جان مرحوم نے اپنی کافی جائداد اس بدبخت عورت کے پیچھے تباہ کر دی۔

شاہجہاں۔ اس کے نازو انداز سے معلوم ہی ایسا ہوتا تھا کہ یہ گھریلو عورت نہیں ہے، گھر کی بیٹھنے والیاں یہ عشوہ غمزے کیا جانیں۔

حشمت۔ اور جان صاحب صورت سے ہی حرامی معلوم ہوتا تھا۔

ثروت۔ (مسکرا کر) تو تو بیچارے کی اول دن سے دشمن تھی، غریب کو جیل میں بھجوا کر دم لیا

حشمت۔ اوئی نوج میں کیوں اس موئے کی دوست دشمن ہوتی، جیل اپنے ہتھکنڈوں سے گیا

رشید دولہن۔ صفدر نے خوب ان بدمعاشوں کو ٹھیک بنایا۔

شاہجہاں۔ اللہ جانتا ہے، چال ڈھال وضع قطع سب عورتوں کی سی تھی، بہن ثروت کے صدقے میں خوب سب کو صفدر نے دیکھا۔

ثروت۔ (مسکرا کر) میرے صدقے میں کیوں؟ تمہارے میاں بھی صفدر بھائی کے دوست ہیں، پردہ کیوں کرانے لگے، رہیں بھابی تو یہ ہماری بھابی ہیں۔

رشید دولہن۔ کیوں بہن تمہاری بھابی ہوں تو تمہارے دولہا کے سامنے ہو جاؤں گی، صفدر سے کیا مطلب؟

ثروت سر جھکا کر خاموش ہو گئیں۔

حشمت۔ اور یہ مرزا صاحب کون حضرت ہیں۔

فرخندہ۔ کپتان جوزف کا منظور نظر اور بڑا ہوشیار سراغ رساں ہے، اس نے ہی چال کھیل کر سب راز معلوم کئے، غضب کا چلتا پرزہ ہے۔

شاہجہاں۔ واقعی خدا نے ہی مدد کی، ورنہ معاملات تو بالکل الجھ گئے تھے۔

فرخندہ۔ بچارے بیرسٹر صاحب کو ان چالباز دل نے بالکل اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ثروت۔ میرے ابا جان بیچارے سیدھے مسلمان ہیں، یہ چالاک مکار یاں کیا جانیں
ناز بیگم نے ان کو دیوانہ بنا دیا تھا۔
فرخندہ۔ خدا ایسی مکار عورتوں سے بچائیے۔
شاہجہاں۔ زیور چاندی کے برتن قیمتی لباس سب لے گئیں، پریشانی کی حالت
میں جانے پر بھی اتنے حواس رہے، بڑی مضبوط دل کی عورت تھی۔
رشیدہ دولہن۔ اے بہن ثروت تمہارا زیور تو کچھ ہاتھ نہیں پڑا۔
ثروت۔ جی میرے زیور کا بکس تو حشمت نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔
رشیدہ دولہن۔ (مسکرا کر) خوب سامان سے گئی تھیں بہن۔
ثروت۔ (شرما کر) اماں جان کا زیور مجھے بہت عزیز ہے، خیال تھا تلف نہ ہو جائے کچھ تو
انھوں نے سانچق کے وقت مجھے پہنا دیا تھا، باقی میری الماری میں رکھا تھا، حشمت نے چلتے ہوئے لے لیا۔
شاہجہاں۔ ناز بیگم نے پہنا یا بھی تو مومانی جان مرحومہ کا زیور، اچھا ایک چھلا نہ دیا۔
کتنی ہوشیار عورت تھی۔
رشیدہ دولہن۔ چھوڑو بھی اس موئی کا ذکر، پیچھا چھوٹا یہی غنیمت ہے۔
ثروت۔ بھابی جان آپ اور شاہجہاں تو آج رہیں گی سنا؟
دونو۔ نہیں بہن آج کس طرح رہ سکتے ہیں کپڑے زیور لانا ہیں، پرسوں سے تو پھر
یہاں حاضری ہے۔
ثروت۔ (فرخندہ سے) آپ بھی فرمائیے۔
فرخندہ۔ میں رہ تو جاتی، لیکن عشرت تحل جانا ہے، نشاط کی لڑکی کا کل عقیقہ ہے۔
ثروت۔ اُن کے ہاں لڑکی کب ہوئی؟
فرخندہ۔ شملے سے اُن کی بیوی پرسوں ہی تو آئی ہیں، بھائی ظفر جنگ کے تار
پر زچہ خانہ شملے پر ہوا، بچی ڈیڑھ مہینے کی ہے۔

شاہجہاں۔ شملے پر گیا تھا مسز نشاط رہیں، عشرت زمانی بیگم تو یہیں موجود ہیں۔
فرخندہ۔ اُنکی بھاوج مسز عزت اور خالہ زاد بہن الگزنڈرا اُن کے پاس تھیں، نشاط بھی دو مرتبہ اس عرصے میں ایک ایک ہفتے پھوپی پاس رہ کر آئے۔
شاہجہاں۔ بچی کا نام کیا رکھا ہے؟
فرخندہ۔ شفا، ماشاءاللہ بچی اسم بامسمیٰ اور بڑی پیاری ہے، کل اظہر محل میں دیکھا تھا۔
رشید دولہن۔ ماں باپ دونوں خوبصورت ہیں، پھر بچی کیوں نہ خوبصورت ہوگی۔
ثروت۔ بھابی آپ نے مسز نشاط کو کہاں دیکھا؟
رشید دولہن۔ اے نسیمہ کے میاں اور نشاط کلاس فیلو ہیں، بہت دوستی ہے، نسیمہ نے مسز نشاط کو چائے پر بلایا تھا، بہت خوبصورت ہے، اُسکے حسن میں مغربی صباحت کے ساتھ مشرقی ملاحت بھی ہے، اُردو خاصی صاف بولتی ہے اچھی ملنسار لڑکی ہے۔
شاہجہاں۔ عشرت زمانی بیگم تو کچھ خوش نہیں ہیں۔
فرخندہ۔ ہاں بس ضابطہ نباہتی ہیں
رشید دولہن۔ ہاں بی فرخندہ مسز نشاط کے ساتھ اُنکی خالہ زاد بہن الگزنڈرا بھی آئی تھیں، صورت کے لحاظ سے تو وہ بھی بری نہیں لیکن نہ جانے مغموم اسقدر کیوں تھی، میں اتنی دیر بیٹھی دیکھتی رہی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسکے دل میں کوئی رنج ہے، کتنی مرتبہ اُس نے ٹھنڈے سانس لیے اور بیچاری افسردہ سی رہی، نہ معلوم کیا غم غریب پر ہے ورنہ اس کمسنی میں اور ایسی مضمحل
فرخندہ۔ (مسکراکر) اس کا سبب نہ پوچھو، بہن ثروت ناراض ہو جائیں گی۔
ثروت۔ میرے ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔
فرخندہ۔ بس بات ہی ہے، جب تو میں کہتی ہوں۔
رشید دولہن۔ ہمارے سر کی قسم بتاؤ فرخندہ کیا بات ہے؟
فرخندہ۔ جب بہن ثروت قسم کھائینگی کہ یہ کسی سے خفا نہ ہونگی، تو ہم سنائیں گے۔

ثروت۔ واہ میں خفا کیوں ہونے لگی شوق سے کہو۔
فرخندہ۔ (ہنستے ہوئے) الگزنڈرا غریب بھائی ظفر جنگ کی شیدا ہیں، اس لئے ہندوستان آئی ہیں، شادی کی درخواست کی تھی، مگر بھائی ظفر جنگ نے کہا میں شادی شدہ ہوں۔ اور اپنی حسین بیوی کو عزیز رکھتا ہوں، اس لئے بیچاری افسردہ رہتی ہیں، دل ہی تو ہے ہمارے بھائی ظفر ہیں ہی ایسے کہ ہر ایک کا دل موہ لیتے ہیں۔
حشمت۔ (چمک کر) اوئی قربان کروں وہ کون کلموئی ہے، جو حق ناحق سر ہو گئی۔
ثروت۔ چُپ، نالائق کیوں کسی کو بُرا بھلا کہتی ہے۔
شاہجہاں۔ تو الگزنڈرا ہی فریفتہ ہے، بھائی ظفر جنگ کا اس میں کیا قصور ہے کوئی کسی کے دل کی پاسبانی نہیں کر سکتا۔
فرخندہ۔ بھائی ظفر جنگ تو الگزنڈرا سے دل سے نہیں ملتے، اور جب کبھی ملتے بھی ہیں تو بالکل رسمی طور پر گفتگو کرتے ہیں، صفدر بہت بناتے ہیں۔
ثروت۔ غریب الگزنڈرا، کاش کہ میں اسکے راستے میں حائل نہ ہوتی۔
شاہجہاں۔ بہن تم بھی اندھی مت کی ہو۔
ثروت۔ ہر انسان کو خدا نے احساس دیا ہے، ہر ایک کو محبت کرنے کا حق حاصل ہے، آخر اس میں برائی کیا ہے؟۔
رشید دولہن۔ انوکھا تماشہ ہے، میاں کی چاہنے والی کے لئے افسوس کرتی ہو، کوئی اور ہوتی تو جل جاتی۔
ثروت آرا۔ افسوس ہے اگر میں تعلیم پا کر بھی ایسی تنگ خیال ہوں، اور اتنی کم ظرفی کروں۔
فرخندہ۔ اور کیا آپ نے ہماری بہن کو سمجھا کیا ہے، بڑی عقلمند ہیں، ان کو ہم پر ناز ہے کہ ایک ایسی حسین تعلیم یافتہ یوروپین دوشیزہ اُن کے میاں پر فریفتہ ہے یہ بھی یہ قابلِ فخر بات۔

رشیدہ دولھن ۔ ہاں بنّو نیا زمانہ نئی باتیں ہیں۔
ثروت ۔ بہن یہ کیا مذاق ہے، جانے دو اس فضول ذکر کو، کیا واہیات بک رہی ہو اور کچھ باتیں کرو۔
شاہجہاں ۔ ہاں بوا سہرے سہاگ گاؤ، گاتے ہوئے مذاقیہ انداز سے۔
مرا ہر بالا بنڑا مُرادوں پایا بنڑا
ثروت ۔ بھئی اللہ ہم کو نہ چھیڑو، شاہجہاں بہن کوئی غزل سناؤ۔
شاہجہاں ۔ واہ یہ کیا چونچلا ہے، ہم سے اس وقت گایا نہ جائے گا۔
ثروت آرا ۔ (مسکرا کر) تم کو دولہا بھائی کے سر کی قسم گا دو۔
شاہجہاں ۔ واہ واہ بڑی بیچاری قسمیں دینے والی، میرے میاں کیا مفت کا مال ہیں، البتہ اپنے دولہا کے سر کی قسم دو تو گا بھی دیں۔
فرخندہ ۔ نہیں اب تو ہم بھی نہ مانیں گے، تم کو شاہجہاں بہن کچھ ضرور سنانا ہوگا۔
شاہجہاں ۔ یہ اچھی زبردستی ہے، کیا مجھے کلاونت نچّی مقرر کیا ہے۔
ثروت ۔ اب انکار کروگی تو ہم خفا ہو جائیں گے۔
شاہجہاں ۔ نہیں بہن خدا کے لئے یہ ستم نہ کرنا، ایسی سرکار دولت سے تو اپنا دم بنا ہوا ہے، ہمیشہ انعام و اکرام ملتے رہے ہیں۔
ثروت ۔ واہ اس وقت تو خاص مراثن ہی بن گئیں، لو اب سناؤگی بھی یا باتیں ہی بناؤگی۔
شاہجہاں ۔ لہک کر، یاد یار مہرباں آید ہمے۔

۴۳

صبح کا وقت ہے، ابرِ نوبہار اور نسیمِ مشکبار نے تمام روئے زمین کو نمونہ گلزارِ ارم بنا دیا ہے، عندلیبِ شیدا آج بے خوف و خطر گُل کے صدقے ہو رہی ہے، صیاد کا کھٹکا نہیں ہے، شبہائے غم کے گزر جانے پر خوشیاں منا رہی ہے، طائران خوش الحان صانعِ حقیقی کی حمد و ثنا میں تسبیح خواں ہیں، عالم کو مشاطۂ قدرت نے کچھ اس طرح سنوارا ہے کہ بے اختیار صلِّ علیٰ کہہ اُٹھنے کو دل چاہتا ہے، عروسِ صبح گلگونہ شفق کا غازہ رُخِ روشن پر لگا کر کچھ اس طرح نکلی کہ فضائے دنیا کو رنگین کر دیا۔

ظہیر محل میں آج نمایاں طور پر چہل پہل ہے۔ باہر میاں صفدر خوش خوش مع نشاط کے انتظام میں مصروف ہیں، اندر بی صادقہ اور زیب النسا مہتمم ہیں، آج رسمِ رونمائی ہونے والی ہے، حنا بندی کی رسم گذشتہ شب ادا ہو چکی ہے، اب سب دولہن کو لینے کے لئے جانے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

چائے ناشتے سے فارغ ہو کر سب نے بھاری بھاری جوڑے اور مرصّع بیش بہا زیور پہنے، ماشاء اللہ سب پر نکھار ہے، سب حسین و ماہرو ہیں، اس پر بناؤ سنگھار نے حسن کو دوآتشہ کر دیا ہے، اور ان مہ جبینوں کا حسن اس وقت حور و پریوں کو شرما رہا ہے، زیب النسا بسم بسی نقرئی کام کا گلنار جوڑا پہنے ہوئے ہیں، صادقہ سرخ

بری بنی ہوئی ہیں، مہر النسا ماشاء اللہ ظفر کی بہن ہیں، اودا جوڑا سرخ وسفید رنگ پر کھُلا جا رہا ہے، بیگم صاحبہ پر اس بڑھاپے میں بھی غضب کا نکھار ہے، ہلکے موتیائی رنگ کے لباس اور ہلکے ہلکے زیور میں بھلی معلوم ہو رہی ہیں، بلقیس بیگم دھانی جوڑے اور جڑاؤ ننھے جھومر سے ماہ چاندر کے اکھاڑے کی پری معلوم ہوتی ہیں۔ تھبوڑورا نے قرمزی رنگ کی تار پالنے کی ساری زیب تن کی ہے جس پر سلمے ستارے کا نلوان کام ہے، اس بھاری ساری کے بوجھ سے نازک اندام تھبوڈورا شاخ گُل کے مانند جھکی جاتی ہے، سر پر پرپھولیڈ یز کی طرح اسٹار لگا لیا ہے، جو اس کی حسین صورت کو اور چار چاند لگا رہا ہے، الگزنڈرا کی حسین صورت جو کیا فرنچ ساری میں اور بھی حسرت زدہ ہو گئی ہے۔

اور سب بیگمات بھی حتی الامکان بیش قیمت لباس اور زیور سے آراستہ ہیں مردانے میں صفدر نے ظفر جنگ کو غسل کے بعد خلعت زرتار پہنایا، زربفت کی شیروانی ایسی جیسے سونے کا ڈالا، ہیرے کے بٹن لگے ہوئے، بھاری مندیل جس پر نگاہ ٹھہرنی دشوار ہے زیب تن کی، مالائے مروارید جس کی دگدگی کے وسط میں چوکور خوش رنگ زمرد اور گرد کنول ہیرا جگمگا رہا ہے، گلے میں ڈالی، زمرد و موتیوں کے کنٹھے پہنائے، بازوؤں پر ہیرے کے نورتن باندھے رحنا آلود انگلی میں بیش قیمت الماس نگار انگشتری پہنائی، بیش بہا کلغی سر پر لگائی خسرو جنگ نے پہلے پھولوں کا سہرا بسم اللہ کہہ کر باندھا، پھر مرصع سہرا باندھا، نواب صاحب نے خسرو جنگ اور صفدر کو ایک ہزار پانچسو پچپن روپے نیگ کے دیئے ظفر جنگ پر سے ایک سو ایک روپے کی نچھاور کی، ہوا خواہ دعائیں دینے لگے، طوائفوں نے پرا باندھ کر خوش الحانی سے سہرے گائے۔

ٹھیک دس بجے بارات سج کر مع جلوس کے شاہانہ تزک و احتشام سے دولہن کے

گھر چلی، دولہا کو چاندی کی گاڑی میں بٹھا گیا جس میں چار سبز سے گھوڑے جُتے ہوئے تھے، اور اُن پر نقرئی ساز پڑا ہوا تھا، پیچھے جیو ر بردار سرخ بانات کی جگر کاٹی وردیاں پہنے دولہا پر بالِ ہما کے مورچھل کر رہے تھے، خسرو جنگ، صفدر، نشاط دولہا کے ساتھ بیٹھے، باقی اور سب باراتی پھولوں سے سجی ہوئی کاروں میں بیٹھے اور باقاعدہ تانتا باندھا گیا، سب سے پیچھے سمدھنوں کی گاڑیاں تھیں، مطلع ابر آلود تھا، تھوڑی دیر قبل ترشح ہو چکا تھا، اس لئے خس و خاشاک سب دب گئے تھے، فوجی باجوں کی گت روشن چوکی کی صدا، نفیری کی سُریلی آواز دلوں پر بہت خوشگوار اثر کر رہی تھی، اور بارات آہستہ آہستہ اس شان سے دیکھنے والوں کو مرعوب کرتی دولہن کے گھر جا رہی تھی، پورے دو گھنٹے بعد بارات خورشید لاج پہونچی، بیرسٹر صاحب کے بہنوئی اور بھانجوں نے بارات کا استقبال کیا، اور سب کو ہال میں لا کر بٹھایا۔

بیگمات جو بارات دیکھنے کے لئے اوپر چڑھی تھیں، سمدھنوں کے استقبال کے خاطر نیچے اُتریں، جلدی میں کسی کی جوتی رہ گئی، کسی کا دوپٹہ پھٹ گیا، کسی کا پاؤں پھسلا، غرضکہ کسی نہ کسی طرح نیچے اُتر کے سب نے اپنے کو درست کیا اور قرینے سے بیٹھیں، ڈومنیوں نے

آ دیکھ لے بنے ہماری بنو چاند سی

لہک لہک کر گانا شروع کیا، فرخندہ، شاہجہاں بیگم، رشید دولہن، نسیمہ بیگم اُتروانے کے لئے دروازے پر گئیں، ان سب کے صوفیانے کپڑے ہیں، کیونکہ بیٹی والی ہیں، سب کے ہاتھوں میں پھولوں کی چھڑیاں ہیں، آتے ہی خوب سمدھنوں کی خبر لی، خصوصاً فرخندہ نے تو دو تین سٹا سٹ چھڑیاں رسید کیں کہ زیب النساء مسکرا کر کہا شاباش فرخندہ تم تو معلوم ہوتا ہے بالکل ہی دولہن والی ہو۔

فرخندہ۔ (قہقہہ لگا کر) اس میں شک ہی کیا ہے۔

بلقیس بیگم۔ اللہ ری لڑکی خبر سمجھا جائے گا۔

فرخندہ۔ یہ ستارہ کدھر چھپ گئی، آج میں اس کو نہ چھوڑوں گی۔
زیب النسا۔ (ادھر اُدھر دیکھ کر) ابھی تو ادھر تھی۔
مہر النسا۔ ایسا ستارہ بہن تو وہ کمرے تک پہونچ بھی گئیں۔
صادقہ۔ اللہ ماں لڑکی کیا ہے چھلاوہ ہے، صفدر کی سگی بہن ہیں تو نہیں یہ دودھ شریک معلوم ہوتی ہے۔
فرخندہ۔ مجھ نگوڑی کو خبر بھی نہ ہوئی اور یہ نکل گئی، ہر جگہ اپنی شرارت سے زک دیتی ہے، خیر اب شربت پلائی کے وقت بیوی بنّو کی خبر لوں گی۔

یہ چہلیں کرتی سب ہال میں آکر بیٹھیں، فرخندہ شاہجہاں بلوری کنٹروں میں دودھ کا شربت لائیں۔

ان دونوں نے شربت پلانا اور رشید دولہن نے ایک مکھر درے رومال سے منھ پونچھنا شروع کیا، خاص طور پر فرخندہ نے ستارہ کی خوب خبر لی۔

بیگم صاحبہ نے شربت پی کر چار اشرفیاں شربت پلائی کی تھالی میں ڈال دیں اور سب نے بھی حسب توفیق شربت پلائی دی۔

فرخندہ اور شاہجہاں نے ثروت آرا کو دولہن بنایا، سرخ تمامی کی پشواز جس پر لسم لسی کام بنا ہوا تھا، سرخ تمامی کا دوپٹہ، سچے موتیوں کا جال بنا ہوا، آنچل پلو لگے ہوئے، سبز کمخواب کا غرارہ پہنایا، لانبے بالوں میں عمدہ چنبیلی کا تیل ڈال کر کھجوری چوٹی گوندھی، ماتھے پر ہلکی سی افشاں چھڑکی، کانوں میں ہیرے کے بالے اور چھپکے پہنائے، گلے میں ہیرے کا گلوبند اور ہیرے زمرد کا ستلڑا پہنایا، زمرد و یاقوت کی ہیکل کی باندھی، ہاتھوں میں ہیرے زمرد کی پہونچیاں، ہیرے کی چوڑیاں، ہیرے زمرد کے دستبند پہنائے، انگلیوں میں بیش بہا الماس و زمرد نگار انگشتریاں ڈالیں، ماتھے پر بیش قیمت جھومر اور ٹیکا لگایا جس کے کنول ہیرے کے سامنے نظر نہ ٹھہرتی تھی، ناک

میں جڑاؤ نتھ ڈالی، پھر پھولوں کا زیور پہنایا گیا، اس وقت جو زیور دولہن کو پہنایا گیا سب سسرال کا تھا، اس کے علاوہ دو بروچ دو ایرنگ کی جوڑیاں، مرصع پٹی، الماس کی بجلیاں، زمرد و ہیرے کی مرصع پازیب اور بچھی، پاؤں میں اس وقت ثروت آراء بیگم کو چاندی کا گجراتی وضع کا ڈائمنڈ کٹ زیور پہنایا گیا۔ دہلی والے وداع کے دن دولہن کو چاندی کا زیور اس لئے پہناتے ہیں کہ وہ تمام عمر ٹھنڈی اور سکھی رہے۔

ابھی یہ دولہن کو بنا رہی تھیں کہ تقاضہ آیا، دولہن کو لاؤ، آرسی مصحف کو دیر ہوتی ہے، زوال کا وقت شروع ہو جائے گا۔

فرخندہ۔ دولہن تیار ہے، ہاں سہرا باندھنے کیلئے باہر سے ماموں جان کو بلاؤ۔

بیرسٹر صاحب نے بیٹی کے سر پر پہلے پھولوں کا سہرا باندھا، پھر موتیوں کا سہرا باندھا، منہ پر سورہ ان یکاد دم پڑھ کر پھونکی، اور پیشانی چوم کر بیوی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔

دولہا کی طلبی ہوئی، آدمی پر آدمی لپکے، زیب النساء، مہر النساء، صادقہ بلقیس بیگم مسز نشاط آنچل ڈالنے کے لئے دروازے پر جا کھڑی ہوئیں، تھوڑے انتظار کے بعد دولہا کے آنے کی اطلاع ہوئی اور ظفر جنگ خراماں خراماں آتے نظر پڑے، انکا سر اس وقت کسی قدر خم تھا، نشاط کا چھوٹا بھائی نصرت جو تیرہ چودہ سال کا تھا سہرا سنبھالے ہوئے ساتھ ساتھ تھا، دروازے میں داخل ہوتے ہی بہنوں نے آنچل ڈالے ظفر جنگ کچھ تو شرم کی وجہ سے پہلے ہی جھکے ہوئے تھے۔ بھاری دوپٹوں کے بوجھ سے بالکل جھک گئے اور بہنوں کے ساتھ ساتھ آہستہ قدم چلے، دولہا کو آتا دیکھ کر پردے والیاں ادھر ادھر ہو گئیں، نوعمر لڑکیاں بزرگ بیبیوں کی اوٹ لے کر دولہا کو دیکھنے لگیں۔

ہال میں پہنچ کر ظفر جنگ نے ملکہ بیگم اور دیگر بزرگ بیگمات کو آداب کیا، انھوں نے بلائیں لیں، مسند پر بٹھائے گئے، بہنیں آنچل ہٹا کر ادھر ادھر بیٹھ گئیں، دیکھنے

والی بیگمات نے خوش ہو کر کہا، ماشاء اللہ آفتاب ماہتاب کی جوڑی ہے اللہ میاں نے یہ جوڑا اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، خدا دونوں کو پھلنا پھولنا نصیب کرے، دولہن کے لینے کے لئے آدمی پر آدمی گئے تو بڑے انتظار کے بعد خدا خدا کر کے دولہن کو رشید دولہن گود میں لے کر آئیں، فرخندہ شاہجہاں ساتھ ساتھ آئیں، دولہا نے ان تینوں کو سلام کیا، انھوں نے مسکرا کر جواب دیا، میراثنوں نے لہک لہک کر گانا شروع کیا۔

دروازے سے بول سنایا ہنو میری کا ہیرے خاطر میں آیا
ہیرے موتی لایا ہنو میری پتہ سے خاطر میں آیا

ملکہ بیگم۔ (میراثن سے) اے فتی چپ ہو آرسی مصحف ہوتا ہے۔
فتی میراثن۔ اللہ علی کی امان جم جم ہو۔
ملکہ بیگم۔ رشید دولہن دوپٹہ لاؤ۔

رشید دولہن نے ایک سرخ بنارسی دوپٹہ لا کر دولہا دولہن پر ڈال دیا، بیچ میں قرآن مجید لا کر رکھا گیا، ملکہ بیگم نے کہا میاں تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر دولہن کے منھ پر پھونک دو، ظفر جنگ نے قرآن شریف کھولکر تعظیماً چوما، اور سورۂ اخلاص پڑھ کر شروت کے منھ پر پھونکی۔

ملکہ بیگم۔ میاں پڑھ چکے۔
ظفر جنگ۔ (آہستہ سے) جی ہاں۔
رشید دولہن۔ لایئے بھائی قرآن شریف مجھے دیجئے (آئینہ دیکر) اس میں دولہن کی شکل دیکھیے، کہیے بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں۔

ظفر جنگ نے قرآن پاک دیا اور آئینہ لے کر رکھ لیا، خاموش بیٹھے رہے۔
زیب النساء۔ کہدو میاں۔
ظفر جنگ نے آہستہ سے یہ الفاظ ادا کئے۔

فرخندہ۔ (مسکرا کر) نہیں بھائی نوشاہ اس کی سند نہیں۔ زور سے کہئے۔
شاہجہاں۔ اور کیا چاند سی دولہن ملنی کیا آسان ہے۔
ظفر جنگ نے ذرا اونچی آواز سے کہا، بیگم میں آپ کا غلام ہوں آنکھیں کھول دیجئے۔
صادقہ۔ دولہن نے آنکھیں کھول دیں؟
ظفر جنگ۔ (رکتے ہوئے) جی نہیں۔
صادقہ۔ اوئی میاں تم تو ایسا شرماتے ہو جیسے تم ہی دولہن ہو۔
شاہجہاں۔ ہماری بہن ایسی نہیں ہیں کہ ایک مرتبہ کے کہنے میں آنکھیں کھول دیں گی، آپ خوشامد کیجئے۔
ظفر جنگ نے پھر آہستہ سے الفاظ دوہرائے، ثروت نے آنکھیں ٹمٹما دیں۔
زیب النسا۔ دولہن نے آنکھیں کھول دیں؟
ظفر جنگ۔ جی ہاں۔
ملکہ بیگم۔ اچھا میاں اپنی آنکھیں بند کر لو۔
رشید دولہن۔ دوپٹہ ہٹا کر تم اپنا منہ دکھاؤ۔
رشید دولہن نے منہ دکھایا، پھر سب کو ہٹا کر دولہا کو آسمان دکھایا، اسکے بعد سل بٹہ لا کر رکھا گیا، پہلے دولہا نے ہاتھ لگایا پھر سات سہاگنوں نے سروج پیسا اور دولہا نے دولہن کو چھپر کھٹ میں بٹھا کر مانگ بھری۔ اس رسم کے بعد دولہن کو اندر لے گئے، دولہا باہر چلے گئے، اندر دستر خوان بچھائے گئے، باہر میزوں پر باقاعدہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کا انتظام تھا، خورشید لاج کے وسیع صحن میں تمام شامیانے ہی شامیانے نظر آتے تھے اور سینکڑوں بوائے بٹلر کمر میں باندھے بھاگتے ہوئے کھانے کے انتظام میں مصروف تھے، ایسا اعلیٰ پیمانے پر

انتظام تھا کہ ہر متنفس کو وقت پر اور اچھا کھانا ملا۔ کیا مجال کہ اتنے مہمانوں میں ذرا بھی بدنظمی ہو، کھانا کئی قسم کا اور بہت پُر تکلف تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کا کھانا کچھ ہنسی کھیل نہ تھا، ایسے انتظام پر بھی کھانا کھلاتے تین بج گئے، چار بجے وداع کی تیاری ہوئی، ثروت بھاری لباس اور بےحد زیور سے بولائی جاتی تھی، بارش ہو جانے سے خاصی ٹھنڈ ہو گئی تھی۔ لیکن مہمانوں کی کثرت نے ہوا بند کر دی تھی، برقی پنکھا چل رہا تھا، حشمت بھی برابر پنکھا جھل رہی تھی، لیکن اس وقت وہ پسینے سے شرابور تھی، ماں کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی، صبح سے آنسو اُمنڈے چلے آ رہے تھے، منڈھے کا شروع ہونا اور سہیلیوں کا گلے ملنا تھا کہ پھوٹ پڑی، سمجھدار لڑکیوں کو ازدواجی زندگی کی مشکلات کا احساس اُس کی خوشیوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، ثروت آرا بھی گو ابھی کمسن تھی، لیکن ماشاءاللہ بہت ذکی الحس تھی، گو کہ وہ جانتی تھی کہ ظفر جنگ اُس کا ناز بردار اور چاہنے والا شوہر ہے، اور سسرال والے سب اُس پر پروانہ ہیں، لیکن پھر بھی ہنتا بلانہ زندگی کی اہم ذمہ داریوں کے خیال اور ارماں کی یاد نے از خود رفتہ کر دیا، اور وہ روتے روتے نڈھال ہو گئی۔

بیرسٹر صاحب بیٹی کو رخصت کرنے اندر آئے، مرحومہ بیوی کی یاد آج اُن کی بھی دامنگیر تھی، بمشکل ضبط کر کے اُنھوں نے ثروت آرا کا ہاتھ جو فرخندہ شاہجہاں کے سہارے بالکل جھکی ہوئی کھڑی تھی اور دفورِ غم سے جن کے جسم میں ہلکا سا ارتعاش تھا، ظفر جنگ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

پیارے بیٹے لو، میں اپنی مرحومہ بیوی کی حسبِ وصیت اُن کی چہیتی بیٹی ثروت کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں، یقین ہے یہ تم کو خوش رکھے گی اور اپنی مرحومہ ماں کے نقشِ قدم پر چلے گی، خدا کرے ثروت تمہاری بہتر رفیقِ زندگی ثابت ہو۔ اور خدا تم دونوں پر ہمیشہ مہربان رہے۔

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اُن کی آواز بھرّا گئی اور اُنکی آنکھوں سے مسلسل اشک جاری ہو گئے، بیٹی کی رخصت کا سماں بھی کیسا دردانگیز ہوتا ہے، ملکہ بیگم، شاہجہاں فرخندہ سب ہی رو رہی تھیں، بیگم صاحبہ بھی اپنی سہیلی کی یاد سے چشم پرآب تھیں، ظفر جنگ بھی آبدیدہ تھے۔

ثروت کی تو روتے روتے ہچکی بندھ گئی، بیرسٹر صاحب نے جلدی سے آنسو صاف کر کے کہا، ایں ایں بیٹی دل سنبھالو، تم تعلیم یافتہ ہو، خدا کا شکر ہے تم نے لائق مہذب شوہر پایا، اپنے گھر جاتی ہو، رونا کیسا؟

پھر انھوں نے ظفر جنگ سے معانقہ کیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور بیٹی داماد کو رخصت کیا، حشمت نے دولہن کو گود میں اٹھا کر چاندی کی پالکی میں بٹھایا، جس پر سرخ کاشانی مخمل کا زرکار پردہ پڑا ہوا تھا، مہرالنسا اور مسز لشاہ دولہن کے ساتھ بیٹھیں اور سب بھی سوار ہوئے۔

بیرسٹر نے بیٹی کو جہیز تما چھپتر جوڑے ہر قسم اور ہر وضع کے بیش قیمت، اور چالیس ساڑیاں بہت قیمتی اور فیشن کے مطابق دیں، پچاس چاندی کے برتن، چاندی کی دو کرسیاں، سرخ مخمل سے منڈھی ہوئی گنگا جمنی چھپرکھٹ، تمامی کا پردہ، تمامی کا پلنگ پوش، زربفت کا لحاف، اور تکیے، گل تکیے، شبنم کے غلاف چڑھے ہوئے، سیج بندوں میں سونے کی کٹوریاں لٹکتی، چھپرکھٹ کی چھتری سلمے ستارے کے کام سے مغرق، چاندی کی کشمیر کے کام کی مسہری، ریشمی دھانی جالی کا کامدانی کے کام کا پردہ پڑا ہوا، سونے کا خاصدان، سونے کا تھالی ظروف، چاندی کے چمچے کانٹے، چاندی کا سیٹ۔ اعلیٰ چینی کے دو ڈنر سیٹ، فیشن ایبل ڈریسنگ ٹیبل بمع چاندی کے تمام سنگھار کے سامان کے، قدآدم آئینے کی دو کپڑے رکھنے کی الماریاں، لکھنے کی میز مع لکھنے کے سامان کے کتابوں کی شیشے کی الماری جس میں انگلش، اردو، فارسی کی بہترین نایاب کتب کا

مکمل سٹ، سونے کے حروف سے لکھا ہوا قرآن پاک کے چاندی کی رحل کے، چاندی کی پالکی، ایک گھوڑا مع چاندی کے ساز کے، ہارمونیم، گراموفون، سینے کی مشین بکشیدہ کاری کی مشین، تانبے کے ڈھائی سو برتن، زیورات بہت ہیں جن کی تفصیل فضول ہے، اکلوتی بیٹی ہے چاہے جتنا دیں، سات ہزار نقد، موٹے سامان اور چینی بلوری برتنوں کے، اس کے علاوہ صنوبر باغ کے کاغذات جو سپہر آرا بیگم کے جہیز میں ملا تھا ان کی وصیت کے مطابق ثروت آرا کو جہیز میں ملا، ظفر جنگ کو ڈھائی ہزار سلامی کے اور مرصع پیش قبض دیا، جس میں موتیوں کے گچھے لٹک رہے تھے، بارات گشت کرتی، کہیں چراغ جلے اظہر محل پہونچی، بیگم صاحبہ سب سے پہلے انتظام کے لئے مع صادقہ کے چلی گئی تھیں، دولہن کی پالکی دروازے پر لگتے ہی بکرا منگایا، پاؤں سے چھوا کر پھر دولہن کے پاؤں کے انگوٹھے دودھ سے دھلا کر چاندی کے چھلے پہنائے۔ اور حسمت نے گود میں اُتارا۔

دودھ سے پاؤں دھلانے سے مطلب یہ ہے کہ دولہن دودھوں نہائے پوتوں پھلے، بڑے دالانوں میں بٹھا کر کھیر کھلائی کی رسم ادا کی گئی، ڈومنیوں نے یہ سہانا گیت گایا۔

مری ہر یالی گھونگٹ کھولو — راج دولاری گھونگٹ کھولو
ایک لکھ دونگا گھونگٹ کھولو — دو لکھ دولہا منھ سے بولو

اس کے بعد رونمائی کی رسم ہوئی، دولہن کو بیویوں نے اسطرح گھیر لیا جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں، سب سے پہلے بیگم صاحبہ نے منھ دیکھ کر بہو کو یاقوت کے ترشے ہوئے گوشوارے پہنائے، صادقہ نے ہیرے کے بازو بند دیے، مہرالنسا نے سبیبی پھول دیا، زیب النسا نے الماس کا تاج نما زیور دیا، اور سب نے زیورات روپے دئے، سوائے گھر والوں یا قریبی رشتے دار بیگمات کے سب مہمان بیگمات

پردے میں گئیں، نواب صاحب عشرت علی خاں، عباس علی خاں، خسرو جنگ اور اظہر زمانی بیگم کے ماموں بڑے نواب صاحب اندر آئے، سب سے قبل بڑے نواب صاحب نے بہو کا منھ دیکھا اظہر زمانی بیگم کو مبارکباد دی، اور دولہن کو پانچ اشرفیاں رونمائی کی دیں، پھر اور سب نے منھ دیکھا، نواب صاحب نے منھ دیکھکر ثروت کے گلے میں ہیروں کا بیش بہا خاندانی ہار ڈال دیا، جو اُنکے ہاں پشتہا پشت سے میراث چلا آتا تھا اور اُن کے مورث اعلیٰ کو شاہ عالم نے عطا کیا تھا، نواب صاحب کے باہر جانے کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا دولہن تھک گئی ہونگی، فرخندہ بیٹی تمہاری تو سہیلی ہیں، تم اُن کو اُن کے کمرے میں لے جاؤ، صبح سے آرام نہیں ملا ہے۔

فرخندہ دولہن کو اُٹھاکر سجے ہوئے کمرے میں لے گئی جہاں چھپر کھٹ لگا دیا گیا تھا، یہاں ثروت آرا کے سہرے، زیادہ زیور اور بھاری لباس بڑھاکر لباس شب خوابی پہنا کر ان کو لٹا دیا تاکہ آرام لیں۔

۴۴

عروسِ سحر کے نمودار ہوتے ہی مہرِ عالمتاب کرنوں کا سہرا باندھ کر افقِ مشرق پر آبراجا، مہ و انجم نئی دولہن کی طرح شرما کر نظروں سے غائب ہو گئے، شعاعِ خورشید نے حیاتِ نو کا پیغام دیا۔

اظہر محل میں شب کے دو بجے تک محفلِ رقص و سرود رہی تھی، اسلئے ابھی تک سب سو رہے ہیں، حسینانِ ماہوش کے سونے کی ادا قابلِ دید ہے۔

ان پری جمالوں کے حسین چہروں سے آفتاب بھی کسبِ ضیا کر رہا ہے، کسی کی زلفیں چاند سے چہرے پر برہم ہیں، کوئی نہ جانے کس خیال میں محو اینڈھ رہی ہے کسی نے نہ معلوم کیا خوشگوار خواب دیکھا ہے جو لبِ لعلیں پہ تبسم رقصاں ہے، کسی گُل اندام نے پھولوں کا کنٹھا پہنا ہوا ہے جو کروٹوں میں آکر ٹوٹ چکا ہے، پھول بستر پر بکھر گئے ہیں، بھینی بھینی باس سے دماغ معطر ہو رہا ہے، افسونِ خواب نے سب کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا ہے، سب سے پہلے بی صادقہ کی آنکھ کھلی اور انھوں نے چٹکی لے کر خاتونِ نازک ادا زیب النسا کو جگایا، زیب النسا کے بیدار ہونے کے انداز توبہ شکن تھا، آنکھیں کھول دیں، لیکن شب بیداری کا خمار آنکھوں میں ہے، دلربایانہ انداز سے انگڑائی لے کر کہا توبہ ہے صبح ہی صبح جگا دیا۔

صادقہ۔ ماشاء اللہ دیکھو تو صبح ہے، یا دھوپ پھیل گئی ہے، خالہ جان خفا ہونگیں۔
زیب النسا۔ (جمائی لے کر) بوا آنکھ ہی نہیں کھلتی، بہتیرا اٹھنا چاہتی ہوں (مسکرا کر)
لیکن رات کو کیا ہولی کھیلی تھی، یہ کیا سوانگ سا بنی ہوئی ہو؟
صادقہ۔ اپنے ہوش کی دوا کرو، کیا بات ہے، کیوں ہنس رہی ہو؟
زیب النسا۔ ذرا اپنی شکل آئینے میں دیکھو، سب معلوم ہو جائے گا، تمام منھ پہ
کالے سرخ ٹیکے لگ رہے ہیں۔
صادقہ۔ ہے سچ کہو، اری گلچمن او گلچمن ذرا آئینہ تو لا۔

زیب النسا نے فرخندہ کے منھ پر سے جو قریب ہی سو رہی تھی دولائی سرکائی
اور قہقہہ مار کر کہا، لو فرخندہ کا منھ دیکھو یہ تو پوری برہمن بنی ہوئی ہیں۔

صادقہ نے جو دیکھا تو فرخندہ کی پیشانی پر برہمنوں کی طرح قشقہ کھنچا ہوا تھا
اور گورے گورے رنگ پر کالے تل عجیب بہار دے رہے تھے، ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئیں

فرخندہ جوانی کی نیند سے مدہوش تھیں، زیب النسا کے جھنجوڑنے پر بکمال ناز و
ادا انگڑائی لے کر آنکھیں کھولیں اور صادقہ کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔
صادقہ۔ مجھ پر کیا ہنسی ہو لو آئینہ لو اور اپنے کو دیکھو۔

فرخندہ نے اپنے کو آئینے میں دیکھا اور پھر جلدی سے پلنگ سے اٹھ کر
سب بیگمات کے چہرے دیکھے، یہاں سے وہاں تک سب کے چہروں کا یہی حال
تھا، البتہ بی ستارہ کا چہرہ بالکل صاف تھا۔

فرخندہ سمجھ گئی، یہ ستارہ کی حرکت ہے، اور کہا اٹھو بیگم صاحبہ بن چکیں، یہ
تمہاری کیا شرارت ہے۔
ستارہ۔ (آنکھیں ملتے ہوئے انجان بن کر) کیا ہے، فرخندہ بہن لیکے صبح ہی صبح جگا دیا
فرخندہ۔ ہے ہے سچ کہنا ذرا، جیسے بیچاری سو ہی تو رہی تھیں۔

ستارہ ۔ اور نہیں تو کیا میں نے چاپلوسی کی ہے ۔
فرخندہ ۔ (ہاتھ پکڑ کر) اٹھو بیوی بنو، ذرا یہ تو دیکھو کس نے کیا ہے ۔
ستارہ ۔ میں کیا جانوں، کسی پریزاد کا گزر ہوا ہوگا اس نے کیا ہوگا ۔
صادقہ ۔ اللہ ری لڑکی ہم کو بتاتی ہے اور تمہارا چہرہ صاف کیوں ہے ۔
ستارہ ۔ میں عنایت کے قابل نہ تھی، اس لئے مجھے چھوڑ دیا ۔
زیب النسا ۔ غنیمت ہے بی ستارہ کہ تم نے مجھ کو نہیں نوازا ۔
فرخندہ ۔ اب جلدی سب کو اٹھانا چاہیئے، کوئی بڑی بوڑھی اگر یہ تماشہ نہ دیکھے
صادقہ ۔ ستارہ اور سب تو خیر، لیکن تم نے آپا شاہ زمانی کے ناحق منہ پہ ٹیکے دیئے،
وہ تو بہت دھیمی ہیں، اور تم سے بڑی بھی بہت ہیں، کسی کا لحاظ تو کیا ہوتا شریر لڑکی ۔
فرخندہ ۔ اے ہاں سچ ہے بڑی آپا تو دیکھو کیا کیا طومار باندھیں گی ۔
ستارہ (ہنس کر) چلو اپنی منہ کی ہمراہی نہ لو، ان کا ہی تماشہ تو قابل دید ہوگا ۔
یہ کہکر شریر ستارہ نے شاہ زمانی بیگم کو جا کر جگایا ۔
وہ اٹھیں تو بھولا منہ بنا کر کہا، اے آپا دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے رات
کو کسی جن کا ادھر گذر ہوا ہے، سب کے منہ پر لال کالے داغ پڑ گئے ہیں، میری
بھی یہی حالت تھی ابھی منہ دھو کر آئی ہوں ۔
شاہ زمانی نے جو دیکھا تو واقعی سب کے منہ دیوالی کی کلھیا بنے ہوئے تھے ۔
اب اُن کو طرح طرح کے خیال آنے لگے، ششدر بیٹھی رہ گئیں ۔
فرخندہ نے مسکرا کر کہا آپا آپ اس شریر کی باتوں میں نہ آئیے، یہ اُس کی ہی
کارستانی ہے ۔ لیکن شاہ زمانی بیگم کو یقین نہ آیا ۔
صادقہ ۔ نے کہا اے بہن عقل کی باتیں کرو، اٹھو منہ دھو ڈ، کیوں اپنا تماشا بنایا
ہے بمشکل شاہ زمانی بیگم اٹھیں، ان باتوں میں خاصہ دن چڑھ گیا اور زیب النسا

نے رکھا نیکی ہو ستارہ تم پر، دولہن کی ابھی تک کسی نے خبر نہیں لی، تمہاری شرارت کی بدولت، جاؤ فرخندہ دولہن پاس جاؤ، فرخندہ نے جھٹ پٹ لباس زیور سے درست ہو کر دولہن کے کمرے پر پہونچ کر کھٹ کھٹ کر کے کہا تو گو ہم آسکتے ہیں۔

حشمت۔ نے دروازہ کھول کر کہا آئیے نہ بیوی، بس تو پہلے ہی آپ کو دیکھنے گئی تھی، آپ چونکی پر تھی۔

فرخندہ۔ ہاں یہ نگوڑی نیند ابھی تھی بمشکل بھابی جان نے جھنجوڑ کر اٹھایا ہے، رات دو بجے سونا ملا تھا، تین راتوں سے نیند ہی کہاں ہوئی ہے (جمائی لے کر) نیند کے مارے برا حال ہے، پھر بی ستارہ کی شرارت کی بدولت اتنی دیر ہنسی ہی، بڑی ہی شریر لڑکی ہے، جاؤ حشمت بھابی اور آپا زیبو وغیرہ کو بلا لاؤ۔

صادقہ زیب النسا کی آمد سنکر ثروت آرا زیادہ جھک کر بیٹھ گئیں، صادقہ زیب النسا، مہر النسا اور سب سے آگے بی ستارہ رقص کرتی، چٹکیاں بجاتی گنگناتی دولہن کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

فرخندہ۔ آگئی ناخاندانی ڈومنی، ہاں ذرا گاتو،

ستارہ۔ (لہک کر) بنا بابا انمول مری ہریالی بنّو۔

مہر النسا۔ واہ سبحان اللہ کیا ادائیں ہیں۔

ستارہ۔ (آنکھ مار کر) اے ہاں آپ بھی تعریف نہ کرینگی تو اور کون بندی کو پوچھے گا۔

صادقہ۔ خدا کے لئے ستارہ ذرا انسانیت سے بیٹھو، فرخندہ تم نے دولہن کو اتنا کیوں جھکا دیا۔

فرخندہ۔ میں نے جھکایا ہے یا وہ جھکی ہیں۔

زیب النسا۔ نہیں جی ابھی بھی کیا شرم کر دن دکھ جائے گی، ذرا سر اونچا کرو،

فرخندہ۔ نے ذرا سر اونچا کر دیا۔

صادقہ۔ (نصرت سے) اے میاں جاؤ بھائی ظفر کو بلا لاؤ۔

نصرت۔ وہ اور صفدر۔

صادقہ۔ لو سن لیا، یہ نرالی شرم ہے، صبح ہی سر بھجرا نکل گئے۔ اے لڑکے نشاط بھی ہیں یا وہ بھی بھاگ گئے۔

نصرت۔ بھائی جان تو یہیں ہیں، ابھی ابھی سو کر اٹھے ہیں۔

زیب النسا۔ تو اُن سے کہو کہ ظفر کو کوٹھی سے جا کر لائیں، یہاں رسمیں ہو رہی ہیں وہ چل دیئے۔

ظفر جنگ پھر بلاتے ہوئے آئے اس وقت ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ ہے جو اُن کے سرخ و سفید رنگ پر بہت زیب دے رہا ہے، سیاہ بال بہت خوبصورتی سے سنوارے گئے ہیں، کوٹ میں بڑا سا شگفتہ گلاب کا پھول لگا ہوا ہے زیب النسا نے اپنے شکیل و جمیل بھائی کے حسن سے متاثر ہو کر فرطِ محبت سے چٹا چٹ بلائیں لیں اور کہا واہ میاں یہ آخر صبح ہی صبح جانے کی کیا وحشت تھی۔

صفدر۔ میں نے بہت منع کیا یہ چل دیئے۔

ظفر۔ آپا مجھے گرمی لگ رہی تھی، لباس تبدیل کرنے چلا گیا تھا۔ فرمایئے کیا حکم ہے؟

صادقہ۔ بڑے حکم بجالانے والے، دولہن کے ساتھ ناشتہ کرو۔

ظفر جنگ۔ جی میں تو چائے پی کر چلا آرہا ہوں۔

صادقہ۔ اوئی یہ اور تماشہ ہے، دولہن کی خبر بھی نہیں اور خود چائے پی آئے۔

ظفر جنگ۔ (مسکرا کر) اب آپ جو خبر لینے والی ہیں۔

زیب النسا۔ تقریر صاحب بہادر نہ کیجئے، رسم ہے۔

ظفر جنگ۔ بہتر ہے جو حکم کریں تعمیل کے لئے تیار ہوں۔

زیب النسا۔ ارے شمشاد، سوسن، نسترن کہاں ہو چائے لاؤ، تین چار لونڈیاں

باندیاں بھاگیں، دو کشتیوں میں پستے بادام کی لوز، موتی پاک، قلاقند، کجوریاں بسکٹ فواکہات لے کر آئیں۔

صادقہ، ذیب النسا اس لئے ہٹ گئیں کہ ثروت شرمائیں گی، مہر النسا، ستارہ فرخندہ رہیں، ان سب کے اصرار سے ثروت نے بمشکل نصف پیالی چائے کی پی لی، چند انگور کے دانے منہ میں ڈال لئے، جوں کی توں چیزیں واپس ہوئیں، چائے کے بعد پھر سب جمع ہوئے

صادقہ۔ اے صفدر تم رات کو کہاں غائب تھے، دولہن کو رونمائی بھی نہ دی۔

صفدر۔ آپ تو بیٹھے بیٹھے حکم چلاتی ہیں، یہاں کل کھڑے کھڑے ٹانگیں ٹوٹ گئیں دونوں نشیوں کو اور مجھ کو نشاط کو شام سے کھڑے کھڑے رات گئے نو بج گئے، جہیز رکھاتے رکھاتے، بیرسٹر صاحب نے جہیز الغاروں دیا ہے، خدا کی پناہ، ہماری بھابی جان کے ساتھ دلی کا سارا قیمتی سامان کھنچ آیا ہے، آتا کسی وقت

زیب النسا۔ خیر صاحب اب رونمائی دے دو جھگڑا کس بات کا ہے۔

صفدر۔ پہلے دولہن کا منہ تو دکھائیے یوں ہی رونمائی مانگ رہی ہیں۔

زیب النسا۔ (دولہن کا منہ اونچا کر کے) لو دیکھو۔

صفدر۔ خیر جھلک تو ہم نے پہلے بھی دیکھی تھی، لیکن آج دیکھ لیا ہے، واقعی ہماری بھابی جان تو ماشا اللہ چودہویں کا چاند ہیں، لیکن ہم سے کچھ خفا معلوم ہوتی ہیں جو آنکھیں بند کر لیں۔

صادقہ۔ بیوقوف ہو تم، دولہن کب آنکھیں کھولتی ہے۔

صفدر۔ کیوں صاحب کیا دولہن بننے کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ انسان آنکھیں نہ کھولے۔

صادقہ۔ دماغ نہ چاٹو، تم تو ہر بات میں حجت کرتے ہو۔

صفدر۔ بیرسٹری ہم نے بیکار نہیں پڑھی، ہر بات کی تحقیق کرتے ہیں۔

زیب النسا۔ اچھا بیرسٹر صاحب رونمائی لایئے۔
صفدر۔ پناہ بخدا، بیاہ کسی کا ہو اور رونمائی کے ٹھیکیدار آپ بن گئیں ہیں؟
ارے صاحب اپنے بیاہ میں رونمائی طلب کرتیں تو قرینے کی بات بھی تھی۔
زیب النسا۔ لڑکے ہو ش کی دوا کرو، مان ہے یا قینچی، صبح ستارہ نے تنگ کیا اب
تم ستارہ سے ہو، دونوں بہن بھائی یکساں ہو۔
صفدر۔ ارے ہاں ہماری بہن صاحبہ کہاں گئیں، ماشاء اللہ خوب ہمارا نام
روشن کرتی ہیں، بہن ابھی تو ہو۔
ستارہ۔ دولہن کے چھپر کھٹ میں چھپی بیٹھی تھیں، جلدی سے بولیں آداب عرض ہے
بھائی جان، دیکھئے ہم دونوں بہن بھائیوں کو یہ سب بے فائدہ بدنام کرتے ہیں۔
صفدر۔ ہاں بہن چونکہ ہم دونوں بہت لائق ہیں، ہماری تعریفیں سب جلتے
ہیں، مگر بھائی سے پردہ کیسا، سامنے آؤ نا ستارہ بہن۔
ستارہ۔ بھائی، بھابی جان کو آنے دیجئے، انشاءاللہ بن ہی سامنے آئے گی، اور
جھگڑ جھگڑ کر نیگ لے گی۔
صفدر۔ (آہ سرد لے کر) تمہاری بھابی جان کو خدا بخیر لائے، لیکن آپا زیب کہینگی
کہ میں بے شرم ہوں۔
زیب النسا۔ (قہقہہ لگا کر) خوب بڑے شرمیلے بنے، بے شرم تو ہو ہی، او رستارہ
مطمئن رہو دو ماہ بعد سامنے ہو جائیں گی، بیاہ ہونے کی دیر ہے۔
صادقہ۔ رشید دولہن کہہ رہی تھیں کہ ثروت آرا بہن کے بیاہ کی وجہ سے ہمارے
ہاں کی شادی رکی ہوئی ہے، بس اس سے فارغ ہوتے ہی عزیز بھائی کی شادی
کی تاریخ مقرر ہو گی۔
صفدر۔ میں نے تو عزیز کو بہت گلے لگایا، چھوٹا بہنوئی بننے والا ہے۔

مسنر لنشاط۔ آپ سب نے ہماری نند کو خاموش کر دیا، بڑے خوش مذاق ہیں۔
مہرالنسا۔ اور رونمائی کا ذکر ہی سب بھول گئے۔
صفدر۔ اوہو بی مہر تم بھی اب ہمارا مذاق اڑانے لگیں۔
زیب النسا۔ مذاق کی کیا بات ہے، رونمائی لاؤ۔
صفدر۔ لیجئے صاحب یہ خاصی زبردستی ہے (آخر جیب میں سے دو کھجوریں اور دو اخروٹ نکال کر زیب النسا بیگم کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔
زیب النسا۔ یہ کیا؟
صفدر۔ رونمائی ہے اور کیا ہے، مدینے کی کھجوریں بہت متبرک ہیں، اخروٹ ایک پیر صاحب نے دیئے تھے، یہ بھی بہت کام کی چیز ہیں۔
صادقہ۔ واہ شرم تو آتی نہیں یہ حرکتیں کرتے، دولہن بھی تم کو کیا سمجھیں گی۔
صفدر۔ درویش خیال کریں گی، بڑا اللہ والا۔
ظفر جنگ یہ مذاق دیکھ کر مسکراتے رہے۔
خورشید لاج سے رشید احمد اور عزیز احمد دونوں پھوپی زاد بھائی دولہن کو لینے آگئے، بی ستارہ تو اپنے منگیتر کی آمد سن کر نو دو گیارہ ہوئیں، اور سب بیگمات بھی پردے کی اوٹ میں ہو گئیں، ان دونوں کو شربت پلایا گیا، گوٹے کے ہار گلے میں ڈالے جن میں مرصع جگنیاں جگمگا رہی تھیں، صفدر نے چلتے وقت دولہن کو پورا سٹ یاقوت کا دیا تھا۔ نکلس انگوٹھی اور بریسلٹ سب میں ظفر جنگ کی تصویر تھی، اس جدت کو سب نے پسند کیا۔
کوئی گیارہ بجے ثروت آرا خورشید لاج پہونچیں، شاہجہاں، رشید دولہن نے ہاتھوں ہاتھ لیا، زیور کپڑے بڑھائے، ثروت آرا نے غسل کر کے کھانا کھا کر آرام کیا، شام کے قریب سب مہمان جمع ہوئے، ثروت آرا بیگم کو سبز نار بانے کا مغرق

جوڑا پہنایا گیا، سمدھنیں بھی مع پھولوں کے گہنے اور گیندوں چھڑیوں کے آپہونچیں، ترکاری چونکہ بہت تھی اس لئے چھکڑوں پر پہلے ہی آگئی تھی، اور ہال میں ترکاری کے خرمن اس طرح لگے ہوئے تھے کہ سبزی منڈی کا گمان ہوتا تھا، دولہا کیساتھ ان کے مخصوص احباب اور رشتے کے بھائی بہنوئی آئے تھے، سب باہر رہے دولہا اندر آئے، ظفر جنگ اس وقت سفید زربفت کی شیروانی پہنے ہوئے ہیں، ہلکے فیروزی رنگ کی مندیل بندھی ہوئی ہے، مندیل پر بیش قیمت کلغی نظروں کو خیرہ کر رہی ہے، کمر میں مرصع ڈاب میں تلوار پڑی ہے جس کا پرتلا سونے کا ہے حسین چہرے سے شادابی شگفتگی کا نور پھوٹا پڑتا ہے پہلے کھیر کھلائی گئی، رشید دولہن نے خوب ستایا، پھر دولہا دولہن پہلے سونے کی گیند، پھر چاندی کی چھڑیوں سے کھیلے پھر سات ترکاریوں سے کھیلے، شاہجہاں نے خوب ساٹ چھڑیاں ظفر جنگ کے رسید کیں، دولہن کے اندر جانے کے بعد مہ لقا، شاہجہاں، رشید دولہن، نسیمہ بیگم اور دولہن کی اور سہیلیوں نے خوب ظفر جنگ کی خبر لی، ظفر جنگ کو بہنیں بچانی چاہیں اور کہتیں سامنے آکر مارو، بچپنے کی سزا نہیں ہے، ظفر جنگ مسکرا کر ادھر ادھر ہو جاتے کبھی کبھی خود بھی تاک کر مار دیتے، اور یہ سب ہنستی ہوئی بھاگ جاتیں، پیچھا چھڑانے کے لئے ظفر جنگ گھر میں گھستے، جوتا ندارد، ملتا کہاں سے سالیاں چھپا چکی تھیں۔

ظفر جنگ۔ ہائیں جوتا نہیں ملتا۔

صادقہ۔ میاں سالیوں نے چرا لیا ہوگا ملے گا کہاں سے، نیگ دو تو ملے (فرخندہ سے) لاؤ بی جوتا دو۔

فرخندہ۔ واہ بی بھابی جان دی، دولہن کو لے کر جوتے کی چوری لگانی آئیں۔

زیب النسا۔ تو جوتا گیا کہاں۔

شاہجہاں۔ (مسکرا کر) ہم کو کیا معلوم، انعام ملے تو تلاش کریں۔

بیگم صاحبہ نے سوا سو روپیہ دیئے۔

شاہجہاں۔ خالہ جان یہ روپے آپ دولہا دولہن پر سے نچھاور کر دیئے، ہم اتنا سا نیگ نہیں لیں گے، گستاخی ہوئی تو معاف کیجیے۔

بیگم صاحبہ۔ (مسکرا کر) اچھا دو پیسے اور لے لو، خوب مزیدار حیل حجت کے بعد بیگم صاحبہ نے ڈھائی سو روپے دیئے تو جوتا ملا، اور ظفر جنگ باہر سدھارے پھر سمدھنوں کے سامنے چوبا رکھا گیا، یہ دہلی کی ایک پرانی شاہی رسم ہے، چاندی کے طباقوں میں چوٹی دار زردہ اور سب میوہ کترا ہوا نا پل پورے ورقا لگے ہوئے ہر طباق کے وسط میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں، اس کو چوبا کہتے ہیں۔ سمدھنوں نے چوبے میں ہاتھ ڈالا، مذاق کے لئے چڑیاں دو طباقوں میں رکھی گئی تھیں، جو صادقہ اور بیگم صاحبہ کے سامنے نکلیں، خوب مذاق ہوا، اس کے بعد سب کو پر تکلف کھانا کھلایا گیا، کھانے کے بعد سب دولہن کو لے کر مع مٹھائی کی کشتیوں اور خشک میوے کے گھر سدھارے، آج سب بیگمات نے شاہی دستور کے مطابق دولہا کو سلامی دی، چوتھی کے بعد چار چالے بہت دھوم سے ہوئے، پہلا چالا تو بیرسٹر صاحب ہی نے کیا، دوسرا اچھی پھپی ملکہ بیگم نے کیا، تیسرا بیرسٹر صاحب کے چچا کے ہاں ہوا، چوتھا رشید احمد نے کیا، چالوں کے بعد ثروت ایک ہفتے سسرال رہتیں تو ایک ہفتے میکے، جتنے روز وہ میکے رہتیں، ظفر جنگ کو بھی بیرسٹر صاحب اپنے ہاں ہی رکھتے، ایک ماہ تک یہی رہا، بہو کو نواب صاحب نے زرتاج دولہن کا خطاب دیا، اور شادی کے پانچ ہفتے بعد بیگم صاحبہ بہو کو ظفر جنگ کی کوٹھی میں پہونچا آئیں، اور سب کنبے میں کھیر پکوا کر تقسیم کی گئی۔

۴۵

چودھویں شب کی چاندنی بساطِ عالم پر لمعہ ریز ہے، مہ کامل نے اپنی نور افشانی سے کائنات کے ذرّے ذرّے کو روشن کر دیا ہے، اہلِ دنیا عیش و طرب میں مست ہیں اور نور افشانیِ شب کی پر لطف دلچسپیوں میں محو۔

ظفر جنگ بھی اپنی محبوبۂ دلنواز کے پہلو میں شب ماہ کا پورا پورا لطف اٹھا رہے ہیں، ثروت آرا بیگم شب خوابی کا سادہ لباس پہنے ہوئے ہیں، ہلکے موتیائی رنگ کا دوپٹہ سر سے ڈھلک کر شانوں پر آرہا ہے ماتھے کی افشاں چمک چمک کر ستاروں کو مات کر رہی ہے، چاند اپنی شفاف روشنی اس زمین کے چاند پر نچھاور کر رہا ہے، ظفر جنگ اپنی حور لقا بیوی کو دیکھکر پھولوں نہیں سماتے، آخر ضبط نہ کر سکے، کچھ زیر لب کہہ کر مسکرا دیئے، جس کو سنکر ثروت نے لجاکر کہا، بس یہ آپ کی شاعری مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔

ظفر جنگ۔ (مسکرا کر) اسی داد کی اُمید بھی تھی۔

ثروت۔ (بات ٹال کر) آج بھی آپ نے مجھے اظہر محل نہ جانے دیا، امّاں جان کیا خیال کرتی ہوں گی، یہاں آتے ہوئے مجھے ایک ہفتہ ہوگیا، اس دوران میں صرف ایک مرتبہ ہی گئی، کل میں ضرور جاؤں گی۔

ظفر جنگ۔ چاروں تو تم پھوپی اماں کے ہاں رہ کر آئی ہو، پھر شادی کی ہڑبڑ میں نے خیال کیا آج آرام لے لو

ثروت۔ پھوپی اماں تو کل بھی نہ آنے دیتی تھیں اور بھائی جان کہہ رہے تھے کہ ظفر جنگ صرف نکاح کے وقت آئے، تھوڑی دیر کے لئے، اس کا ان کو بہت شکوہ ہے۔

ظفر جنگ۔ ڈارلنگ تم دیکھ رہی ہو آج کل کام کی کس قدر کثرت ہے، مجبور تھا اس لئے نہ ٹھہر سکا، کہو ستارہ دولہن بن کر بھی شرمائی، یا اب بھی ایسی ہی شرارت کرتی ہے۔

ثروت۔ اس کی شرم تو کچھ ان لڑکیوں سے بھی زیادہ ہے، جو شریر نہیں ہوتیں، جتنی شرم ستارہ نے کی کسی کو اس کے نصف کی بھی اس کی ذات سے اُمید نہ تھی۔

ظفر جنگ۔ (مسکرا کر) لیکن تم سے زیادہ تو نہ شرمائی ہوگی۔

ثروت۔ پھر وہی مذاق، ہاں تو میں کل صبح سے اظہر محل جاؤں گی۔

ظفر جنگ۔ ہاں ہاں صاحب چلی جانا اور کل تو جانا ہے بھی ضرور۔

ثروت۔ کیوں کیا کوئی خاص بات ہے؟

ظفر جنگ۔ کل باجی صادقہ مہر النسا کی شادی کی تاریخ ٹھہرانے آئیں گی۔

ثروت۔ اچھا خدا مبارک کرے، صفدر ہیں خوش نصیب، ماشاءاللہ مہر النسا پری ہی پری ہے۔

ظفر جنگ۔ اوہو آج سے ہم بھی اپنے کو حسین سمجھیں گے۔

ثروت۔ (مسکرا کر) تو آپ کو حسین کون نہیں سمجھتا، لیکن اس وقت آپ کا کیا ذکر ہے۔ میں تو مہر النسا کا ذکر کر رہی ہوں۔

ظفر جنگ۔ ایک زمانہ کہتا ہے کہ مہر النسا بالکل میری ہمشکل ہے، صفدر ہمیشہ کہتے تھے کہ تمہاری ہم شبیہہ سے شادی کرونگا۔ خدا نے اُن کی آرزو پوری کی۔

ثروت۔ میں بیچاری تعریف کرنی کیا جانوں، البتہ آپ کی مدّاح خواں تو مس الگزنڈرا ہیں،

ظفر جنگ کا رنگ ثروت کے اس طنزیہ فقرے سے متغیر ہو گیا اور لفظوں نے

مضطرب لہجے میں پہلو بدل کر کہا، کیا کہا میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتا۔
ثروت۔ جی ہاں ایسی باتیں کیوں آپ کی سمجھ میں آنے لگیں، اب سمجھائے کون؟
ظفر۔ ڈارلنگ تمہارا خیال غلط ہے، مجھے الگزنڈرا غریبا سے ہمدردی ضرور ہے لیکن بخدا یہ محض خلوص و صداقت پر مبنی ہے۔
ثروت۔ جی بجا ارشاد ہوا، ہم جیسی بھولی لڑکیوں کو دھوکا دینا آپ لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔
ظفر جنگ اس روکھی تقریر سے پریشان ہو گئے۔
ثروت ان کی پریشانی اور خاموشی پر ہنس پڑی اور قہقہہ لگا کر کہا، ایں آپ اس قدر متاثر کیوں ہو گئے، میں تو مذاق کر رہی تھی، جانتی ہوں کہ آپ ان تمام باتوں سے مبرا ہیں۔
ظفر جنگ۔ واہ تمہاری ہنسی ہوئی اور ہماری جان پر بن گئی، کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری۔
ثروت۔ (کھلکھلا کر ہنستے ہوئے) واللہ، آپ بھی کس قدر جلد بن جاتے ہیں۔
ظفر جنگ۔ نہ بنیں تو کیا کریں، عافیت اسی میں ہے۔
ثروت۔ بہن مہر تو اس روز بھی صفدر سے خوب لڑ رہی تھیں، بیچاری بہت شرما رہی ہونگیں۔
ظفر جنگ۔ یہ نسبت دونوں میں تو مدت سے تھی، لیکن اس کا اظہار پرسوں ہی ہوا ہے، میں خود بھی لاعلم تھا، مہرالنسا تو پرسوں سے شرم کے باعث میرے سامنے ہی نہیں آئی۔
ثروت۔ اور صفدر بھائی کا کیا حال ہے۔
ظفر جنگ۔ اظہر محل تو وہ اس تذکرے کے بعد تشریف نہیں لے گئے، ہاں یہاں

آنے ہیں اور ان دونوں خلاف معمول ذرا جھینپ رہے ہیں

ثروت۔ کل ہم خوب خبر لوں گی، بہت ستاتے تھے۔

ظفر جنگ۔ آج کل تو سب کی باتوں کا نشانہ بن ہی رہے ہیں، ہاں اس صندوقچی کا ذکر تم نے کیا تھا، جو خالہ جان مرحومہ نے مجھ کو دینے کی وصیت کی تھی۔

ثروت۔ (سنجیدہ ہو کر) ہاں میری شادی کو ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو گیا اور ابھی تک اس صندوقچی کو کھولنے کی نوبت نہ آئی، حالانکہ اماں بی نے جلد از جلد کھولنے کی تاکید کی تھی، خیر میں ابھی لاتی ہوں، یہ کہہ وہ اٹھی اور اندر سے آبنوسی صندوقچی لے کر آئی، ایک چھوٹی سی کنجی لگا کر صندوقچی کو کھولا، اس میں سے ایک سربمہر خط اور ایک چاندی کی ڈبیا نکلی، ڈبیا میں سے ایک خوبصورت انگشتری برآمد ہوئی جس میں ایک بڑے خوشرنگ زمرد کے اردگرد ہیرے جگمگا رہے تھے، خط جس پر وصیت نامہ سپہر آرا بیگم لکھا تھا، ثروت کے کہنے پر ظفر جنگ نے کھولا، اور چاند کی روشنی میں آواز سے پڑھنے لگا۔

وصیت نامہ سپہر آرا بیگم

میرے پیارے بیٹے دلی دعائیں لو۔

میں ایک ہفتے سے علیل ہوں، اور یہ علالت بڑھتی جاتی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ موذی مرض میری جان لے گا اور میرا یہ بستر علالت بستر مرگ ہے، نہ معلوم میری روح کب قفس عنصری سے پرواز کر جائے، یہ خط ثروت کو دیتی ہوں کہ جب تک تم آؤ اسے امانت رکھے اور تمہارے آنے پر تم کو سپرد کر دے پیارے بیٹے میرے بعد ثروت کا کوئی نہیں ہے اس کے

باپ کو خدا زندہ رکھے، میں جانتی ہوں ثروت کو وہ بہت عزیز رکھتے ہیں، لیکن دوسری شادی کرکے ممکن ہے وہ ثروت کو بھول جائیں، تم میری ثروت کا خیال رکھنا، اُس کا دل میری جدائی شکستہ کردے گی، مجھے تمہاری لیاقت اور سعادتمندی سے امید ہے کہ تم ثروت کو میرا غم بھلادوگے خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔

دوسرا خط اس کے ساتھ ناناجان فردوسی مکان کا وصیت نامہ ہے، جو ہمارے ہاں میراث چلا آتا ہے، اس خط میں صنوبر باغ کے خزانے کو پُراسرار طریقے سے حاصل کرنے کی وصیت کی گئی ہے، میرے والد نے خزانے کو پالینے کی صدہا تدابیر کیں، لیکن نقش جو دراصل خزانے کی کنجی ہے کوئی نہ سمجھ سکا، خدا کرے کہ تم اس نقش کو سمجھ سکو۔

یہ انگشتری تمہاری سلامی کی ہے، میں اس خیال سے مطمئن ہوکر مر رہی ہوں کہ ایک لائق بیٹا بھی میں چھوڑ رہی ہوں، آخری وصیت یہ ہے کہ مع ثروت کے تم میرے مرقد پر آنا تاکہ میری روح خوش ہو۔ والدعا۔

تمہاری مرنے والی خالہ سپہر آرا

ظفر جنگ گلو گیر آواز سے خط پڑھ رہے تھے، ثروت ماں کا خط دیکھنے کے لئے اُن کے شانے پر جھکی ہوئی تھی، اور مسلسل آنسو اُس کی آنکھوں سے جاری تھے، خط ختم ہونے پر ثروت نے جوش اضطراب میں اپنا سر شوہر کے شانے پر رکھ دیا اور اس کی ہچکی بندھ گئی، ظفر جنگ پر بھی رقت طاری تھی، مگر ثروت کے خیال

سے انھوں نے دل کو سنبھالا، اور کہا صبر کرو پیاری، آہ خالہ جان مرحومہ کس قدر یاد آتی ہیں، مجھ کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتی تھیں، لیکن قضا و قدر سے کیا چارہ ہے، بمشکل ثروت نے اپنے کو سنبھالا اور دوسرا خط کھولنے کو کہا۔

ظفر جنگ۔ اس کو رہنے دو، پھر دیکھیں گے، تمہاری طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں آرام کرو۔

ثروت۔ ہاں سر میں درد سا ہو رہا ہے۔

ظفر جنگ۔ لاؤ میں سر دبا دوں۔

ثروت۔ شکریہ۔ آپ تکلیف نہ کریں، حشمت کو بلا دیجئے دبا دے گی۔

ظفر جنگ۔ حشمت بیچاری سو گئی ہو گی اُس کا جگانا مناسب نہیں، اس میں کیا ہرج ہے اُس روز تم نے میرا سر دبایا تھا۔

ثروت۔ تو گویا آپ بدلہ اُتار رہے ہیں۔

ظفر نے مسکرا کر جو تم سمجھو اور آہستہ آہستہ ثروت کا سر دبانے لگے، چند منٹ میں ہی جوانی کی نیند نے ثروت کو غم و خوشی سے بے نیاز کر دیا۔

۴۶

شام کے سات بج چکے ہیں، ہلکی سیاہی نمودار ہو چلی ہے، آسمان پر سرمئی بادل کے ٹکڑے اڑتے پھر رہے ہیں۔

برسات کا چاند، بادلوں میں چھپتا نکلتا ہو کسی برقع پوش کمسن کے انداز حجاب دکھا رہا ہے، تھوڑی دیر قبل بارش ہو چکی ہے جس سے نونہالان چمن دھل دھلا کر از سر نو تازہ ہو گئے ہیں، باد نسیم کے جھونکے شاہدان چمن آپس میں ملا رہے ہیں، ننھی ننھی کلیاں باد صبا کے گدگدانے سے قہقہہ مار کر ہنس پڑیں اور اب بجائے شگوفہ کھلانے کے گل کھلانے کی مستحق ہو گئیں، رفیق کمیل کے دروازے پر آج موٹر گاڑیوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔

اظہر محل سے مہندی ابٹن لے کر دولہا کے لئے سالیاں سلہجیں آئی ہیں دولہا کون؟ وہی ہماری ناول کے سیکنڈ ہیرو میاں صفدر!

اہاہا بسنتی لباس سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا سرسوں پھولی ہوئی ہو، بسنت رت دوبارہ آگئی ہے، وہ سامنے کے بڑے ہال میں سب مانجھے کا سامان رکھا ہوا ہے ایک نقرئی لگن میں گھلا ہوا ابٹن، ایک چاندی کی عوری میں سات بڑی بڑی پنڈیاں نقرئی ورقوں سے جگمگا رہی ہیں، ایک چاندی کی تھالی میں مہندی ایک کشتی

میں ہرے ہرے پان بھی لگے ہیں، دولہا کے مانجھے بٹھنے کے لئے چاندی کی چوکی ہے جس پر سُرخ کاشانی مخمل منڈھی ہوئی ہے، اور کلابتونی کام بنا ہوا ہے، چاندی کی سیلابچی چاندی کا آفتابہ، چاندی کی گھڑیا، گنگا جمنی خاصدان، میں دودھ پینے کے لئے ڈھائی سو روپے، طلائی نقرئی ظروف، دو کشتیوں میں مانجھے کا اور شادی کا لباس، گیارہ پارچے کا خلعت مع دوشالے کے، گیارہ خوانوں میں ہنڈیاں۔

زیب النسا بیگم، ثروت آرا بیگم، مسز نشاط، بلقیس بیگم، مہ لقا بیگم سب ہفت بسنتی لباس پہنا ہیں، صادقہ دولہا والی ہیں، خوشی سے پھولوں نہیں سماتیں، کبھی ادھر آتی ہیں، کبھی اُدھر جاتی ہیں، مسز جوزف الگزنڈر اصفدر کے اصرار سے بجائے اظہر محل جانیکے ادھر ہی ہیں، فرخندہ بھی مسکراتی ہوئی اہتمام میں مصروف ہیں، بی ستارہ ابھی تھی دولہن ہیں، بظاہر وہ مصروف شرم ہیں، لیکن بیٹھے ہی بیٹھے گھونگٹ کے اندر ہی اندر نہ جانے کیا چٹکی چھوڑ دیتی ہیں کہ پاس بیٹھنے والی مہ لقا، ثروت آرا، مسز نشاط سب ہنسی کے مارے لوٹ جاتی ہیں، آیئے اس شریر کی باتیں ہم بھی سنیں ستارہ کے قریب ابھی ابھی ایک اور نئی دولہن لاکر بٹھائی گئی ہے، یہ ایک بھائی صورت کی بڑی بھولی بھالی لڑکی ہے، شادی کو ابھی ایک ہفتہ نہیں ہوا، نندوں کے پاس سے ہٹتے ہی دولہن نے آنکھیں کھولیں اور شرمیلی نگاہ سے ستارہ کو دیکھا۔

اے بہن تم بھی آدمی سے جانگلو بن گئیں، ستارہ نے ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ کیا کہا بہن، بیچاری دولہن نے گھبرا کر جواب دیا۔

یہی کہ تمہاری شادی بھی بغیر دیکھے بھالے کر دی گئی ہوگی، ستارہ نے بھولا منہ بنا کر کہا۔

میں کیا سب سے نرالی ہوں، دنیا زمانے کا یہی دستور ہے، دولہن نے شرما کر جواب دیا۔

نہیں بہن ہم نے تو اپنے میاں کو پہلے پسند کر لیا تھا، ستارہ نے آنکھوں میں شرارت جمع کر کے کہا۔

اے سچ کہو، دولہن نے حیرت کے لہجے میں جلدی سے کہا۔

جھوٹ کیوں ہونے لگا، ستارہ نے بڑا سنجیدہ منھ بنا کر کہا۔
کس طرح پسند کیا، اچھی بہن یہ بتاؤ، کیا تم کو کسی نے بُرا نہیں کہا، بھولی بھالی دولھن نے ستارہ کی باتوں میں آکر جواب دیا۔
پہلے میں نے اُن کو ایک باغ میں دیکھا تھا، پھر میں اور وہ بہت دن تک ملتے رہے، جب شادی کی، ستارہ نے بڑے اطمینان سے کہا۔
مہ لقا۔ اے ستارہ کیا بلا ہے، کیوں جھوٹ کے طومار باندھ رہی ہو، اپنے اوپر آپ طوفان رکھ رہی ہو۔
ستارہ۔ چل جھوٹی جیسے تو بڑی پارسا ہے، تو نے تو خود ہی پسند کر کے کیا ہے، اب چلی ہے وعظ کرنے۔
ثروت آرا۔ (قہقہہ لگا کر) ستارہ بہن بھئی واہ تمہارے خیالی کورٹ شپ کے ہم قائل ہو گئے، عزیز بھائی شاید خیال میں آتے ہوں گے۔
ستارہ۔ (منھ بنا کر) چلئے بھابی جان آپ نے تو باقاعدہ باغ میں ملاقات کی تھی، اس میں تو شک نہیں۔
ثروت۔ (شرما کر) واہ وہ وقت ہی ایسا تھا، کوئی میں نے جان کر تمہارے بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔
ستارہ۔ (چٹکی بجا کر) تو ہم نے بھی کوئی آپ کے بھائی کو جان کر نہیں دیکھا۔
مسز نشاط۔ ارے بہن بھلا آپ ستارہ سے کیا مقابلہ کر سکتی ہیں، بڑی زباندراز لڑکی ہے۔
ستارہ۔ اے بھابی اللہ آپ بھی بولنے لگیں، آپ نے تو ہمارے بھائی جان پر ایسے ڈورے ڈالے کہ وہ بیچارے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ (الگزنڈرا سے) کیوں ہے نہ صحیح۔
الگزنڈرا۔ (چونک کر) صحیح۔
ستارہ۔ اے خیر ہے کیا سوچ رہی ہے۔ کیا آپ بھی غرق ہونا چاہتی ہیں۔
الگزنڈرا۔ (ندامت آمیز لہجے میں) جی نہیں۔

ستارہ۔ بس بس صاحب زیادہ ڈوری گی نہ سونچیے، بندی اب کے دلوں کے حال سے،
ثروت آرا ۔ کیا بیہودگی ہے ستارہ تمہاری زبان ہے کہ قینچی، چلتے ہی جاتی ہے
دیکھو بھابی جان آ گئیں اب بولو تو ہم بھی جائیں۔

رشید دولہن کو آتا دیکھ کر بی ستارہ اس طرح سر جھکا کر خاموش بیٹھ گئیں گویا منہ میں زبان ہی نہیں ہے، اور یہ سب ہال میں دولہا کو مانجھے بٹھانے کے لئے چلی گئیں، ابھی ابھی ظفر جنگ نے صفدر کو زرد لباس پہنایا ہے، سر سے پاؤں تک گویا زعفران بنے ہوئے ہیں، رومال منھ پہ لگا کر بظاہر وہ شرمانے کی کوشش میں ہیں، لیکن شرارت ہر ادا سے ٹپکی پڑتی ہے ظفر جنگ بھی ساتھ آئے ہیں، رشتے کی سالیوں کی وجہ سے پردہ روکا گیا، میاں صفدر چوکی پر بٹھائے گئے۔ پہلے زیب النسا، ملقب بیگم نے ہاتھ پر اُبٹن رکھا، پھر ہنڈیاں رکھیں اور سب سالیوں نے پنڈی منھ میں دی۔

صفدر۔ بھئی باجی ہنڈیوں کا بوجھ ہم سے نہیں سنبھلتا، میں چھوڑے دیتا ہوں۔

صادقہ۔ ہوش کی دوا کرو۔

زیب النسا۔ دولہا بن کر تو شرماؤ، ہر وقت تمہارا مذاق کو دل چلتا ہے۔

صفدر۔ واہ صاحب یہ بھی زبردستی ہے، مار مار کر آپ شرم کرا رہی ہیں، فرض کیجیے آپ کو اپنے بیاہ میں شرم نہ آتی تو لوگوں کو زبردستی کرنے کا کیا حق تھا۔

صادقہ۔ (دھپ مار کر) بس چپ رہو، ان باتوں کا کیا موقع ہے۔

زیب النسا نے پنڈی کا ٹکڑا منھ کی طرف بڑھایا۔

صفدر۔ پہلے آپ نوش کریں۔

زیب النسا۔ دولہا تم ہو یا میں۔

صفدر۔ یہ بات ہے تو خیر میں نے تو حسب معمول آپ ہی کی صلاح کر لی تھی، صادقہ بہت خاموش رہنے کو کہتیں، لیکن صفدر بولے جاتے، اس رسم کے بعد سمدھنوں کے گلے میں

اور پھولوں کے ہار ڈالے گئے، شربت پلایا گیا، پان اور چکنی ڈلی سے تواضع کی گئی، صادقہ
سب سالیوں سلجوں کو بنارسی دوپٹے اور ڈھائی سو روپے اٹھن لگائی کے نیگ کے
دیئے، اور سب کو رخصت کیا، سمدھنوں کے جاتے ہی کھانا ہوا، کھانے کے بعد صادقہ سانچق
لیکر چلیں، سوا سو بھوڈل بھری ہوئی رنگین مٹکیاں، دو چاندی مٹکیاں، کسی میں دہی، کسی
میں شربت، سب پر گلابی ریشم کے ٹھپا لگا ہوا رومال بندھے ہوئے۔ بادافریہ کا پڑا، سہاگ پڑا
چاندی کا سہاگ پٹارا، چودہ من بری، چودہ جوڑے زیور جسکی تفصیل آگے لکھی جائیگی، سامان
آرائش آتشبازی چھوٹتی ہوئی بہت تزک و احتشام سے اظہر محل پہونچیں، بلقیس بیگم ثروت آرا
نے چھڑیوں سے سمدھنوں کی خوب خبر لی، سمدھنوں کے بیٹھتے ہی شربت پلایا گیا، پھر مہر النسا کو
سُرخ زرکار جوڑا پہنا کر زیب النسا لائیں، ماشاء اللہ بہت حسین تھیں، امرا شاہانہ لباس میں
حسن پھوٹا پڑتا تھا، صادقہ نے دولہن کی بلائیں لیکر پہلے نچھاور کی، ماں کو یاد کر کے چشم پر آب
ہوگئیں، آنکھوں سے آنسو صاف کر کے زیور دولہن کو پہنانا شروع کیا۔

ہیرے کا ٹیکا، ہیرے کا ستلڑا، ہیرے کے دست بند، ہیرے کی کلیاں، ہیرے کی انگشتری
یاقوت کا گلوبند، یاقوت کے ترشے ہوئے گوشوارے، یاقوت موتیوں کے پاؤں کے لچھے
یاقوت کی انگشتری، مرصع نتھ، جوڑے کے گرد لپیٹنے کی موتیوں کی مالا۔ بالوں کو روکنے
کے لئے جڑاؤ کانٹے، زیور سب اچھے خوبصورت اور بیش بہا تھے، سب نے پسند کئے،
گیارہ بجے کے قریب صادقہ واپس گئیں..

ایک بجے سب کو امرا کے دستور کے مطابق بہت دھوم سے بارات چڑھی، اظہر محل
پہونچتے پہونچتے چار بج گئے، وہ ستاروں کا جھلملا جھلملا کر رخصت ہونا، سپیدۂ سحری
کا ظہور، نور کا تڑکا، پھولوں کی بھینی بھینی مہک اس سہانے سمے میں شہنائی کی سریلی
دھنیں بہت پیاری معلوم ہو رہی تھیں، ظفر جنگ، فتشاہ خسرو جنگ نے بارات کی پیشوائی
کی، دولہا ایک سبزہ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے کے سموں پر پانی لاکر ڈالا گیا، پھر دولہا

اُترے، بھاری زرکار لباس میں صفدر کی سانولی سلونی جامہ زیب صورت اسوقت دیکھنے والوں کی نظر میں کبھی جا رہی ہی، سر پر جیغہ سر پیچ لگا ہوا ہی جسکا بیش قیمت الماس کرمکِ شب تاب کی مانند چمک رہا ہی، گلے میں ہیروں کا ہار ہی، حنا آلودہ انگلی میں انگشتری یہ سب لباس زیور سسرال کا ہی، اسوقت شرارت کو خیرباد کہہ کر میاں صفدر لجائے ہوئے ہیں، ڈاکٹر رفیق کے ہمراہ آہستہ قدم ہال میں داخل ہوئے، جہاں زرکار مسند پر اُن کو بٹھایا گیا، اور سب باراتیوں کو بیٹھتے بٹھاتے خاصا دن نکل آیا، اذان صبح کے بعد ارباب نشاط نے بھیرویں کے سروں میں مبارک بادی ترانے گانے شروع کئے، خاندانی رسم کے مطابق طلوع آفتاب سے قبل، میاں صفدر کا عقد بعوض پچھتر ہزار سکہ چہرہ شاہی مہر النسا بیگم کے ساتھ باندھا گیا، ہر طرف مبارک سلامت کا شور گونج گیا، خوشی کے شادیانے بجنے لگے، دس بجے دولہا کی طلبی محل میں ہوئی، صادقہ اور چچازاد بہنوں راشدہ حامدہ نے آنچل ڈالے بی ستارہ کا آنچل بھی ڈالا گیا، اور آج ہی اُنکو صفدر کے سامنے کیا گیا، شرمائی لجائی دولہا کے قریب بیٹھی رہیں، سب نے قہقہے لگائے کہ دولہا کی بہن خود ہی دولہن بنی جا رہی ہیں، مہر النسا بیگم کو حجلۂ عروسی سے لایا گیا، آرسی مصحف کی رسم کے وقت خوب چہلیں ہوئیں۔

زیب النسا نے کہا، کہو صفدر بوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں۔

صفدر۔ بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا گلاب ہوں۔

صادقہ۔ (ہنس کر) چلو شریر باتیں نہ بناؤ سیدھی طرح کہو

صفدر۔ (شرارت سے) بیوی آنکھیں کھولو یہ سب تمہارے لونڈی غلام ہیں۔

زیب النسا۔ لو اور سنو، بیوی تمہاری ہیں کہ سب کی ہم لونڈی غلام کیوں ہونے لگے۔

صفدر۔ کیوں صاحب یہ کیا بات ہی، ہر بات میں تو آپ حصہ بٹانے کو تیار ہو جاتی ہیں اب کیا ہرج ہے اگر میں نے کہدیا۔

غرضنکہ بہت مشکل سے صفدر نے یہ الفاظ ادا کئے۔

زیب النسا۔ بتاؤ دولہن نے آنکھیں کھول دیں۔

صفدر۔ ہاں ہاں چٹاپٹ مجھکو دیکھ رہی ہیں۔

صادقہ۔ چلو بکواس نہ کرو، تم بہت نالائق ہو۔

صفدر۔ جانے دیجئے صاحب، جو آپ فرمائیں بجا ہے۔

صادقہ۔ اے بہن زبو یہ لڑکا بہت شریر ہے، دوپٹہ ہٹاکر آپ اپنا منھ دکھا دیں۔

زیب النسا نے اپنا منہ دکھاکر دوپٹہ ہٹا لیا، اب ٹونوں کی باری آئی۔

فتنی مراثن۔ میاں کہو لگیگا ٹونا۔

صفدر۔ ترے لگا ہوگا میرے کیوں لگتا۔

مراثن۔ اللہ علی کی امان دولہا میاں کہو یہ رسم ہے۔

صفدر۔ خواہ مخواہ کہو، ہم بیاہ کرنے آئے ہیں یا جادو ٹونے لگانے۔

صادقہ۔ تم ہانہ گئے نہیں صفدر۔ میں خالہ جان کو بلائے لاتی ہوں، بہت بدتہذیب بے شرم ہو۔

صفدر۔ ایں ایں باجی خفا نہ ہو، میں ذرا مذاق کر رہا تھا۔

ٹونوں کے بعد دولہا نے دولہن کی مانگ بھری، اور باہر سدھارے، جہیز دکھایا جانے لگا، پہلے زیور دکھایا گیا، ہیرے زمرد کا جھوم، موتی بہت سڈول اور آبدار، مرصع ہار مرصع طوق، مرصع کڑے، مرصع نوگریاں، موتیوں کی چوڑیاں، نورتن ہیرے کے جوشن۔ ہیرے کے بالے، زمرد ہیرے کے کرن پھول، دو جوڑیاں ایرنگ سونے کی، فیشن ایبل ڈائمنڈ کٹ جھلنیاں، سونے کے مینا کار کڑے، سونے کا نیکلس، چار انگشتریاں بیش قیمت اور خوبصورت سونے کی پازیب، اور گجراتی وضع کے ڈائمنڈ کٹ ہلکے چھلے، ہیرے کی کیل، مرصع بروچ، پچاس جوڑے تینس ساڑیاں چاندی کے بیس برتن، چاندی کا چھپر کھٹ سونے کا خاصدان، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم کا پورا فرنیچر، دو ایرانی قالین دو فرش دریاں، چار چاندنیاں، چھ سوزنیاں، فیشن ایبل ڈبل بیڈ پلنگ، مخملی آرام کرسیاں

ڈریسنگ ٹیبل، لکھنے کی میز، آئینے کی کپڑے رکھنے کی الماری، ڈھائی سو برتن تانبے کے ڈنر سٹ اور ٹی سٹ کے علاوہ سو برتن چینی بطور رکے، ہارمونیم گراموفون، سینے کی مشین ایک موٹر ایک پالکی، دو ہزار نقد موٹے سامان اور کاٹ کباڑ کا، نواب صاحب نے داماد کو سلامی میں سول لائن والی چھوٹی کوٹھی کے کاغذات دیئے، ظفر جنگ نے بہن کو تار بانے کی زرکار کام کے ریشم بس ساڑھی، اور ہیرے کی چوڑیاں دیں، صفدر کو دو ہزار سلامی کے دیئے۔

دوپہر ڈھلنے کے بعد بارات بہت شان و شوکت سے رخصت ہوئی، دوسرے دن شام کو چوتھی کی رسم ادا کی گئی۔

زیب النسا نے دولہن کے دست نازک پر کھیر رکھکر صفدر کی جانب بڑھائی۔

صفدر۔ یہ کیا بات ہے؟

زیب النسا۔ اے بھولے ننھے جیسے کچھ جانتے نہیں کھاؤ نہ

صفدر۔ تو پہلے آپ نوش فرمائیں بندہ تنہا خوری کا عادی نہیں ہے۔

زیب النسا۔ چلو بکو نہیں جو کہہ رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔

صفدر۔ (سر گھما کر) آہا دیکھنا کیسی موٹی بھینس نما عورت ہے مجھکو گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔

زیب النسا نے دیکھنے کیلئے منہ اونچا کیا، صفدر کھیر کھا گئے، صفدر کی اس چالاکی پر قہقہہ پڑا۔

زیب النسا۔ واہ صفدر تم بڑے شریر ہو

صفدر۔ معاف کیجئے آئندہ ایسی گستاخی نہ ہوگی۔

زیب النسا نے دوبارہ کھیر دی انکی نظر بچا کر صفدر پھر چالاکی کھیر کھا گئے۔ زیب النسا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

تیسری دفعہ صفدر نے بہت داؤں چلے لیکن زیب النسا اب ہوشیار ہو چکی تھیں چکموں میں نہ آئیں خوب بنائے گئے۔

چوتھی مرتبہ کہنے لگے اجی آپ معاف کیجئے، اب تو میرا دل نہیں چاہتا۔

زیب النسا۔ تمہاری رائے کون دریافت کرتا ہی، کھاتے ہو یا نہیں، وہ منھ اونچا کئے
پھیلتی رہیں، صفدر نے جھٹ کھیر کھالی، زور سے قہقہہ پڑا، زیب النسا خفیف ہو گئیں۔
پانچویں مرتبہ دولہن کا ہاتھ گھسیٹ صفدر نے کھیر کھالی۔
صادقہ۔ واہ بدتہذیبا دولہن کے ہاتھ میں جھٹکا آجائیگا، خبردار جو آئندہ ایسی حرکت کی۔
صفدر۔ جناب جھٹکا را ابھی کسی طرح ہو، ہمتو اس کھیر کھانے سے عاجز آگئے شریف ہیں
تو تمام عمر کھیر کھانے کا نام نہ لیں گے۔ یہ کھیر کھلانی ہے یا بدلہ لینا ہے۔
زیب النسا نے چھٹی مرتبہ خوب صفدر کو ستایا اور خوب خوب ڈہکائے گئے
صفدر نے ساتویں دفعہ اور ہی چال چلی، جوں ہی زیب النسا نے کھیر دولہن کے ہاتھ
پر رکھی صفدر نے غل مچایا ارے بی باجی دیکھنا گردن پر میری شاید چیونٹی کاٹ رہی ہی، اُف۔
صادقہ نے گھبرا کر گردن دیکھنی شروع کی، زیب النسا بھی اُدھر ہی دیکھنے لگیں، ادھر
صفدر نے کھیر بآسانی کھالی، اور سب نے تالیاں بجائیں، اب کھیلنے کی باری آئی
زیب النسا کھسیانی ہو رہی تھیں، خوب خبر لی یہ کہنے لگے خبر سمجھوں گا۔ دولہن کے اندر
جانے کے بعد سالیوں نے ناک میں دم کر دیا، گھبرا کر جانے کو کھڑے ہوئے، جوتا نہ ملا۔
صادقہ نے سوا سو روپے دئے تو بہت حیل حجت کے بعد ملقیس بیگم نے جوتا لا کر دیا۔
صفدر کی شادی سے فارغ ہو کر ثروت آرا نے حشمت کی شادی ظہور احمد سے
رچائی، ظہور احمد مسٹر جوزف کے خانساماں کا لڑکا تھا، خانساماں ظہور احمد کو بارہ سال کا چھوڑ
مرا تھا، ماں پہلے ہی مر چکی تھی، صاحب نے ہی اسکو لکھایا پڑھایا اور نوکر رکھا یا۔
چونکہ لڑکپن سے کپتان جوزف جیسے مشہور ہوشیار سراغرساں کی صحبت ملی تھی، اس لئے
ظہور احمد بڑا کا ہوشیار تھا، اُڑتی چڑیا کے پر گنتا تھا جانی صاحب کے ہتھکنڈوں کو طشت از بام
کرنے اور گرفتار کرانے کے انعام میں ظفر جنگ نے دو ہزار روپے انعام دئے تھے۔
پانچسو کپتان جوزف نے شادی کیلئے دیا، یہ ڈھائی ہزار ظہور احمد نے مسٹر جوزف

کے سامنے شادی کے سامان کے لئے لا رکھے، مسز جوزف نے ڈیڑھ لیکر باقی ایک ہزار ظہور احمد کو واپس کر دئے، اور شادی کا اہتمام بہت سلیقے عمدگی سے مسز نشاط اور مسز صفدر کی صلاح کے مطابق کیا، ایک ریبٹا کا سرخ ریشم کا جوڑا، دو سلمے ستارے کے کام کے لسم لس جوڑے، دو بنارسی ساڑیاں دیں، زیور بھی معقول چڑھایا، سونے کی جھلنیاں سونے کا جھومر، سونے کا نیکلس، سونے کی میناکار چوڑیاں، نتھ اور یاقوت کی انگشتری چاندی کی پازیب رونمائی میں مسز جوزف نے مرصع توکریاں دیں، اور مسز نشاط نے سونے کے بٹن، الگزنڈرا نے مرصع بندے، مسز صفدر نے سونے کی ڈائمنڈ گجراتی وضع کی بجلیاں دیں، ثروت آرا بیگم نے جہیز بھی خوب دیا، دس جوڑے، سات ساڑیاں جڑاؤ کرن پھول، سونے کی انتیاں، سونے کے کنگن اور سونے کے دھنیے کی پہونچیاں سونے کا گلوبند اور جڑاؤ نگینی، ایک فیروزے کی انگوٹھی، پاؤں کے چاندی کے ڈائمنڈ کٹ لچھے، اور بچھاگل، تانبے کے پچاس برتن، چینی بلور کے برتن، سنگھاردان مرادآبادی شکل کا. خوبصورت پاندان، تانبے کا چھپر کھٹ، چاندی کا خاصدان، چاندی کا آئینہ اور سرمہ دانی سلائی، ظہور احمد کو بنارسی شیروانی اور ریلیے سے جوڑا دیا، سوا سو روپے سلامی کے دئے، بیگم صاحبہ نے سونے کی مالا اور زیب النسا بیگم نے نونگے دئے، غرضکہ خوب اچھی طرح بیاہ ہو گیا اور ربی حشمت شوہر کے گھر سدھاریں۔

۴۷

جس طرح اور ملکوں میں کوئی نہ کوئی فصل رنگ رلیاں منانے اور دل کی اُمنگیں نکالنے کو ہوا کرتی ہے، اُسی طرح ہمارے ملک ہندوستان میں برسات کی فصل خدا نے عجیب بہار کی فصل بنائی ہے۔

خصوصاً خواتین کے جوش ان کے بناؤ سنگھار، چہل کھیل کود کا تو یہی خاص موسم ہوتا ہے، اس پُرجوش زمانے میں مردہ سے مردہ دل ایک دفعہ چونک اُٹھتے ہیں اور جو لطف نیچر نے مہیا کر دیا ہے اُس کو حاصل کرتے ہیں، امیر وغریب اعلیٰ ادنیٰ ہمیشہ سے اس کے عادی ہو رہے ہیں، سچ پوچھو تو نیچر کی فیاضیوں سے فیض اُٹھانے کی یہ تدبیر بھی مناسب ہے۔

حالانکہ اب موسم برسات کا اختتام ہے، بھادوں کا بھی دو تہائی حصہ گذر چکا ہے، لیکن سہانی رُت اب بھی موہنی برسا رہی ہے، جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھو، جوبن ہی جوبن برس رہا ہے، ابھی گھنگھور گھٹائیں اُٹھی تھیں ابھی جھما جھم مینہ برسنے لگا، آفتاب چمکا اور ہزاروں رنگ جھلکنے لگے، ساون منانے کی شوقین جھولے کی رسیا عورتیں ساون گذرے مدت ہوئی مگر ابتک ساون منا رہی ہیں، گھر گھر جھولے پڑے ہیں، پکوان تلے جاتے ہیں، قطب صاحب پر دہلی کے دل والوں کی چڑھائی ہے جھرنے شمسی تالاب پر جاؤ ہیں، منصور کے مقبرے پر ہجوم ہے، اوکھلے پر ٹھٹ لگے ہیں کوئی سیرگاہ خالی نہیں،

عورت، مرد موسم کی بہار آگئی جس کا پورا پورا لطف اُٹھانے کے لئے گھروں سے نکل پڑے ہیں، جگہ جگہ ٹولیاں بیٹھی ہیں، کوئی جھولتا ہے کوئی پینگیں لیتا ہے کوئی ملہار گاتا ہے، گلابی سرخ جوڑے شفق پر چھاپے مار رہے ہیں ایک سیلِ رنگ و بو ہے جو ہر جانب لہریں لے رہا ہے۔

اظہر محل میں بھی ثروت آرا بیگم کی ساونی کی تیاریاں بہت زور شور سے کی گئیں، سب اہل عملہ کو گلابی جوڑے تقسیم کیے گئے، زیب النسا بیگم، مہر النسا بیگم، صادقہ بیگم، مسز نشاط بلقیس بیگم، بیگم صاحبہ نے تلواں جوڑے دیے، بھوگ کے لئے بہت بھاری جوڑا بنایا، پیر کے دن صبح چار بجے سے پہلے مامائیں پیش خدمتیں حبشنیں قلماقنیاں اُردابیگنیاں، آتون جی مغلانیاں، سیج گاڑیوں میں، باورچی خانے کا سب سامان نصرفی گاڑیوں میں گیا، آٹھ بجتے بجتے چائے سے فارغ ہو کر سب بیگمات بھی کاروں میں سوار ہو نصف گھنٹے بعد نواب اظہر جنگ کے نزہت آگیں باغ نور افشاں میں جا پہونچیں۔

باغ کا اس وقت عجب عالم ہے، آموں کے درخت لدے ہوئے جھوم رہے ہیں، روش روش سبزۂ ناز ہے، کہیں موتیا پھولی ہے، کہیں گلاب کھلا ہے، شمشاد و سرو مہ جبینانِ پری جمال کو آتا دیکھ کر تسلیم کیلئے جھک گئے ہیں، بادِ صبا اٹھکیلیاں کرتی ہوئی حسینوں کو گدگداتی گذر رہی ہے۔

پانی کے آبشار چھلک رہے ہیں سبز سبز درختوں پر اُودی اُودی گھٹا کا سماں بہت پیارا ہے، وسطِ باغ میں مرمریں بارہ دری ہے۔

صادقہ زیب النسا مہر النسا، بلقیس بیگم، ستارہ، مہ جبیں، مہ لقا، شاہجہاں، نسیمہ بیگم گلشن آرا، مسز نشاط، رشید دولہن، مسز جوزف الگزنڈر اسب نے جاتے ہی پھل توڑنے شروع کیے، کوئی رنگتروں پر ٹوٹ پڑی، کسی نے امرودوں کو تاکا، کوئی آم سمیٹنے لگی، کسی نے گلاب کے پھولوں پر نظر ڈالی، گھنٹہ بھر تک یہی ہلڑ رہا، آخر ایک باغباں کے آجانے پر اُودی اُودی کرتی سب بھاگیں، اور نہر کے کنارے جا بیٹھیں پانی میں پاؤں لٹکا دیے۔

ماشاء اللہ اس وقت سب پر غضب کا نکھار ہے، سب شوخ تنگ، سب پری جمال، کسی مہ جبیں نے اودا اودا دوپٹہ اوڑھ کر گھٹا کو شرما دیا ہے، تو کسی کی حنا آلود انگلیاں زخونِ عاشقاں پر تیار ہیں، کسی کی زلفِ چلیپا پشت پر لہرا کر کالے ناگ پر فوق لیجا رہی ہے۔ تو کسی کا شہابی دوپٹہ شفق کو خون رُلا رہا ہے، کسی ماہرو نے سیاہ چوڑیاں پہن رکھی ہیں گویا شاخِ صندل پر کالے ناگ لپٹے ہوئے ہیں، کسی کی زرکار ساری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے تو کسی کا تبسم بجلیاں گرا رہا ہے، کسی مست آنکھوں نے ہرن کو شرمندہ کر دیا ہے، آپس میں چہلیں ہو رہی ہیں۔

زیب النساء۔ کیوں بہن صادقہ آخر ایسی بھی کیا نیند تھی، نگہت کہتی ہے کیواڑ پر کیواڑ پیٹے جب اُٹھی ہو۔

صادقہ۔ رات کو دیر سے سوئی ورنہ میں تو روز صبح ہی اُٹھ جاتی ہوں۔

رشیدہ دولہن۔ کبھی جنم کرم میں بھی صبح اُٹھی ہو۔

صادقہ۔ روز کون دیر سے اُٹھتا ہے۔ اتفاقیہ بات ہے۔

شاہجہاں۔ (مسکرا کر) ہاں باجی اتفاق ہی تو ہے، خیر چلئے شرمندہ نہ ہوجیئے۔ (ثروت کو ٹھوک کر) تمہاری آنکھیں بھی خمار آلود ہو رہی ہیں۔

ثروت۔ واہ اب آپ ادھر ڈھل گئیں۔

ستارہ۔ تو آپ اتنا چونکیں کیوں؟ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔

شاہجہاں۔ مسکرا کر گاتے ہوئے۔

هنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد

ثروت۔ بہن تم کو تو بنانا آتا ہے۔

ستارہ۔ ہاں آپا ذرا گائیے نا، چپ کیوں ہو گئیں۔

صادقہ۔ اے ہاں شاہجہاں گاؤ اس وقت گانا سننے کو دل چاہتا ہے۔

۴۸

ثروت آرا بیگم کی شادی کو ایک سال ہو چکا ہے، سسرال میں وہ ہر دلعزیز ثابت ہوئیں، اور لڑکیوں کی طرح جنہیں ساس نندوں سے شکایت ہوتی ہے وہ ان سے بالکل مبرا تھیں، نندیں بہنوں سے زیادہ چاہنے والی، ساس ماں سے زیادہ شفیق، اور خسر باپ کی طرح ناز بردار، شوہر پروانہ، حکم حاصل نوکر چاکر، مگر اس پر بھی ثروت آرا میں بالکل غرہ نہ تھا، جو اکثر شادی کے بعد کج فہم لڑکیوں میں ہو جاتا ہے، شوہر کی محبت سے کبھی انھوں نے بیجا فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی، البتہ نوکر ہوتے سا نے ظفر جنگ کے متعلق تمام کاموں کی نگرانی خود کرتی تھیں، ان کے کمروں کی آراستگی اپنے سامنے کرائیں، اُن کے کھانے کے اوقات کا خیال رکھتیں، اور اُن کی ہر پسندیدہ شے کو اُن کے لئے ہر وقت مہیا رکھتی، ساس کے ہر ادنیٰ حکم پر سر تسلیم خم کر دیتی تھیں، نندوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ بہت مخلصانہ تھا، منتظم ماں جیسی تھیں، ظفر جنگ ساری تنخواہ بیوی کو لا کر دے دیتے تھے، اپنے ذاتی اخراجات کے لئے تو نواب صاحب جو پانچسو روپے ماہوار دیتے تھے رکھ لیتے تھے، تنخواہ کا بیوی خواہ سیاہ کریں یا سفید۔

ثروت آرا بیگم تمام اخراجات خانگی کے بعد ہر ماہ دو تین سو روپیہ ضرور پس انداز کرتیں، اس کے علاوہ بیگم صاحبہ بہو کو پچھتر روپے ماہوار میوہ خوری کے لئے دیتی تھیں، باپ کے ہاں سے جس طرح کنوارپنے میں ثروت آرا کو سو روپیہ ماہوار جیب خرچ کے دیئے جاتے تھے اب بھی وہ برابر ملتے تھے۔ صنوبر باغ کی سالانہ آمدنی پھل وغیرہ کے ٹھیکے سے الگ ڈیڑھ دو ہزار کے قریب ہوتی تھی یہ سب روپیہ بنک میں جاتا تھا، پھر کارخانہ سب اُجلا۔ اندر باہر کے نوکر ملا کر تقریباً بیس اور سب سدھے ہوئے سلیقہ شعار، کوٹھی کا ہر کمرہ بیڈ روم سے لیکر ڈرائنگ روم اور اسٹور باورچی خانے تک سب صاف اور سجے ہوئے، سجاو کی اشیا میں مالیت کم اور صفائی کی دیدہ زیبی زیادہ، بیت کے مونڈھوں کی بھی کچھ حقیقت ہے جو پچھلی طرف کے برآمدے میں پڑے رہتے تھے اُن تک پہ کروشیا کے کام کی جالی پڑی ہوئی۔ گرد وغبار کا کہیں نام نہیں، تمام گھر ہفتے میں ایک مرتبہ ثروت آرا بیگم اپنے سامنے صاف کراتیں، نوکروں پر کبھی نہیں چھوڑا، وہ کوئی مہینہ نہیں جس میں چار پانچ ٹی پارٹیاں اور دو تین ڈنر نہ ہوں ایک دو مہمان ویسے بھی رہتے، لباس ہمیشہ عمدہ صبح اور تو شام اور کھانا انگریزی ہندوستانی دونوں قسم کا اُن کی میز پر ہوتا تھا ہر کام میں مشرقی تہذیب کے ساتھ مغربی جدت ملی جلی نظر آتی ہے، گو وہ الگ رہتی تھیں لیکن ایک دن بیچ ساس کے سلام کو ضرور جاتیں، نندوں کو اکثر بلا کر رکھتی تھیں، بڑی بوڑھیوں کے سامنے ثروت کی گفتگو ایسے شرمیلے اور دبے لہجے میں ہوتی کہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ لڑکی بیسویں صدی کی فضا میں ہرگز سانس نہیں لے رہی، روشن خیال اور تعلیم جدید سے پیراستہ خواتین اور فیشن ایبل حلقوں میں وہ ایسی صاف اور شستہ دل نشیں انداز میں سیاسیات اور تمام ضروری مسائل پر گفتگو کرتی تھیں کہ

بڑی بڑی قابل خواتین عش عش کرتی رہ جاتیں، پردے کے اندر محض گھر پر تعلیم پاتے ہوئے اور اتنے سلجھے ہوئے خیالات، اتنی زبردست معلومات، غرضکہ ثروت آرا بیگم ایک مکمل نمونہ تھیں بہترین تعلیم و تربیت کا، اور مشرقی و مغربی تہذیب کے خوشنما سنگم کا، ایک سلیقہ مند بیٹی تھیں، اطاعت شعار بہو، بہترین بیوی اور مکمل عورت۔

ہر زنانہ علمی ادبی مذہبی سوسائٹی کی وہ روح رواں تھیں، زنانہ جلسے خواہ قومی ہوں یا ادبی، اس میں ثروت آرا بیگم کی شرکت لازمی امر تھی، موجودہ زمانے کی جد و جہد میں اُن کا نمایاں حصہ تھا، شادی کے بعد ظفر جنگ نے رسمی پردے کی قیود سے ثروت آرا کو بہت کچھ نکال دیا تھا، اگر اُن کا بس چلتا تو اس تقویم پارینہ کو بالکل ہی چھوڑ دیتے، لیکن باپ کی وجہ سے مجبور تھے، نواب صاحب کی موجودگی میں یہ ممکن نہ تھا کہ اُن کی بہو اس طرح آزاد پھرے، آن بان کے لوگ، دہلی کی لٹی ہوئی تہذیب کے مرثیہ خواں، اور ایامِ سلف کی یادگار، مغلیہ شان و شوکت کا مٹا ہوا جلوہ دیکھے ہوئے، اپنے حال میں مگن، آئندہ سے بے خبر، نواب اظہر جنگ ہی لے دے کر اب دہلی میں باقی تھے، جانے والے جانتے تھے کہ اس شمع کے گل ہونے کے بعد برقی نظر خیرہ کر دینے والی روشنی تو ضرور ہو گی لیکن یہ شمع کا نوری کہاں؟

پھر بھی ثروت آرا بیگم شوہر کے ساتھ نقاب ڈال کر اُن کے قریب کار میں بیٹھتیں انگلش سنیما میں بیوی کو ظفر جنگ بے نقاب ہی لے جاتے، لیکن یہ سب نواب صاحب سے پوشیدہ تھا

بیرسٹر صاحب اکثر شب کا کھانا بیٹی کے ساتھ کھاتے، خورشید لاج میں اُن کا دل بہلانے کے لئے صرف ننھی مہ پارہ تھی، جو اپنی بھولی بھولی باتوں سے اُنکا دل بہلاتی تھی، لیکن شام کو وہ سو جاتی، اس لئے بیرسٹر صاحب کلب سے سیدھے ثروت آرا پاس آتے تھے، ثروت بھی مہینے میں ایک ہفتے کیلئے خورشید لاج ضرور جاتیں

میاں صفدر کا شمار اب دہلی کے کامیاب بیرسٹروں میں تھا، نواب صاحب کا اثر، طبعی ذہانت اور سب سے زیادہ یہ کہ اُن کے مرحوم والد دہلی کے نامور بیرسٹر تھے، پھر بھلا صفدر کی کامیابی میں کیا چیز حائل ہو سکتی تھی، ایک سال ہی میں کافی شہرت حاصل کر لی تھی، سکنی جائداد کی آمدنی چار سو ماہوار کے قریب تھی. مہرالنسا کو میکے سے سو روپیہ ماہوار الگ ملتے تھے، ظفر جنگ کے قریب ہی صفدر نے کوٹھی لے لی تھی، اور سلیقہ شعار بیوی کی بدولت آرام سے زندگی گزر رہی تھی، سہ پہر کی چائے ان کی روزانہ ظفر جنگ کے ساتھ ہوتی تھی، کبھی کبھی ظفر جنگ مع بیوی کے اُن کے ہاں چلے جاتے، ازدواجی زندگی میں داخل ہو کر اُن کی سچی اور پرخلوص دوستی میں سر مو فرق نہ تھا، اب بھی ایک دوسرے پر پروانے تھے، اور ان دونوں کا یہ خلوص و صداقت اس زمانے میں قابل رشک تھا۔

ثروت آرا بیگم کا جسم سے پاؤں بھاری تھا، آٹھواں مہینہ لگ چکا تھا طبیعت سست رہتی تھی، اس لئے کچھ روز سے وہ کہیں آتی جاتی نہ تھیں حتیٰ کہ اظہر محل بھی پندرہ روز سے نہ گئی تھیں، بیگم صاحبہ خود ہی ایک ہفتے ہو پاس آ کر رہ گئیں آج بھی روز کے معمول کے مطابق ظفر جنگ کے انتظار میں وہ کوٹھی کے خوشنما برآمدے میں ریلنگ کا سہارا لئے کھڑی ہیں طاؤسی رنگ کی تاروں بھری ساری زیب تن ہے جس کا آنچل ہوا کے گستاخ جھونکوں نے شانے پر گرا دیا ہے، ابھی اُن کے انتظار کو چند ہی لمحے گزرے تھے، کہ کار کے ہارن نے ظفر جنگ کی آمد کا اعلان کیا، اور قیمتی پیکارڈ سامنے آکر رکی ظفر جنگ کا شاداب حسین چہرہ نظر آیا، اپنی حور وش بیوی کو منتظر پا کر ظفر جنگ مسکراتے ہوئے اترے، ثروت آرا نے دو تین قدم آگے بڑھ کر خندہ پیشانی سے

میاں کے ہاتھ سے ٹوپی لے لی ظفر جنگ نے ثروت کے چہرے پر ایک غائر نظر ڈال کر کہا، خیر ہے ڈارلنگ تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔

ثروت آپ فکر نہ کریں، میرے سر میں ذرا درد سا ہو رہا ہے۔

ظفر جنگ۔ پھر آپ نے آرام کیا ہوتا، یہاں کھڑا رہنا کیا ضرور تھا۔

ثروت۔(زیر لب مسکرا کر) ایسا درد تو نہیں ہے جو میں اپنا فرض بھی بھلا دیتی

ظفر جنگ۔ ثروت آج کل تمہارا زمانہ نازک ہے، احتیاط لازم ہے۔

ثروت۔ (شرمیلے انداز سے) بس آپ رائے زنی نہ کریں، میرے دل کی خوشی۔

ظفر جنگ۔ (ہنستے ہوئے) بہت بہتر۔

ثروت۔ چائے کہاں لگواؤں۔

ظفر جنگ۔ بہتر ہے، باغیچے میں چائے پی جائے آج تو کافی گرمی ہے۔ میں بھی منہ دھو کر آتا ہوں۔

ثروت۔ چھمو چائے کی میزیں باغ میں سرو کے درخت کے نیچے لگا، شریف جاؤ جلد چائے لاؤ۔

چند منٹ میں ظفر جنگ بھی آ گئے، اور یہ دونوں خراماں خراماں باغ میں چلے گئے۔

چھمو اور شریف نے سلیقے سے دو میزوں پر چائے کا سامان لا کر رکھا

ثروت۔(کرسی پر بیٹھتے ہوئے) بھائی صفدر بہن جہر نے آج بڑی دیر لگائی نہ جانے کیا بات ہے۔

ظفر جنگ۔ اب آتے ہی ہوں گے۔

شریف۔ حضور بیرسٹر صاحب باہر کھڑے ہیں، اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں

ظفر جنگ ہاں ہاں اُن سے کہو آجائیں، یہ اجازت طلب کرنا آج کیا نئی بات ہے

ابھی تشریف گیا نہ تھا کہ میاں صفدر مع مہر النسا کے آتے نظر پڑے۔ مہر النسا کی حسین صورت ہلکے گلابی رنگ کی فرنچ ساری میں گلاب کے پھول کے مانند شاداب تھی۔

ظفر جنگ۔ کہو میاں کیا کر رہے تھے، بڑی دیر لگائی، تمہاری بھاوج تو تمہارے لئے بیقرار تھیں۔

صفدر۔ (سر کو خم کر کے) بھابی کی عنایت نوازش، تمہاری بہن صاحبہ اشنان کر رہی تھیں ان کی وجہ سے دیر ہوئی۔

مہر النسا۔ (بیٹھتے ہوئے) یہ نہیں کہتے کہ آپ کی ٹائی دو گھنٹے میں بندھی ہے مجھے تو غسل کرنے بھی خاصی دیر ہوئی۔

صفدر۔ چہ خوش چرا نبود کی چھیر پہ بھینس کودی۔

ظفر جنگ۔ یہ بے تکی باتیں ہی کئے جاؤ گے یا چائے بھی پیو گے (نان ختائی کی طشتری بڑھا کر) یہ لو۔

صفدر۔ (نان ختائی لیتے ہوئے) اجی جناب آپ کی بہن صاحبہ مادر زاد بیرسٹر ہیں، بھلا ہم جیسوں کو کب چلنے دیتی ہیں (نشاط کو آتا دیکھ کر) آیئے صاحب آپ کہاں راستہ بھول گئے۔

ظفر جنگ۔ اور بھبو ذرا کہاں ہیں؟

نشاط۔ وہ مسز سہراب کے ساتھ کچھ خریداری کے لئے گئی ہیں، میں ادھر چلا آیا۔

ثروت۔ (لوزیات کی طشتری دیتے ہوئے) لیجئے بھائی۔

نشاط۔ شکریہ بھابی میں ابھی چائے پی کر چلا آرہا ہوں۔

ظفر جنگ۔ کہو بھئی تمہاری ملازمت کا کیا ہوا؟

نشاط۔ یہی بتلانے اس وقت میں آیا تھا۔ خدا کا شکر ہے جگہ مل گئی اور اچھی ملی۔

فی الحال ساڑھے چار سو ملیں گے، تیرہ سو تک کا گریڈ ہے۔

صفدر۔ (اچھل کر) لاؤ مٹھائی کھلاؤ، تم جیسے ٹٹ پونجیوں کو پوچھتا کون ہے، یہ سب ہماری دعاؤں کا اثر ہے۔

نشاط۔ جی ذرا آگرے کی ہوا کھائیے۔ کیا ہم بھی تمہاری طرح نامعقول ہیں جو کوئی نہ پوچھے گا۔

صفدر۔ ہشت لڑکے آگرے کی ہوا تو کھا، کہیں گھانس تو نہیں کھا گیا۔ ہم جیسے قابل انسانوں کو نوکری کی کیا ضرورت ہے، غلام بننا ہمیں پسند نہیں تم اور ظفر ٹوڈی ہو، خوشامد خورے۔

ظفر جنگ۔ سبحان اللہ، نشاط کے ہمراہ مجھ پر بھی برس پڑے، گاندھی جی کے چیلے۔

صفدر۔ (چائے کا گھونٹ لیکر) ہم کسی کے چیلے نہ چانٹے، اپنی راہ الگ رکھتے ہیں۔

مہرالنسا۔ توبہ میرا تو اس موئی کانگریس کی لڑائی سے دم لٹتا ہے، بھائی جان آپ بھی ان کی فضول بکواس کا خیال کرتے ہیں۔

نشاط۔ سنا بھائی صفدر صاحب بہن مہر نے آپ کی شان میں کیا الفاظ ارشاد کیے۔

صفدر۔ (آنکھیں نکال کر) چپ نامعقول، دخل اندازی ہماری گفتگو میں زیبا نہیں، ادراک کا کیا ہے، وہی مثل ہے دو میں تیسرا آنکھوں میں ٹھیکرا۔

ظفر جنگ۔ کہو نشاط مسٹر جوزف کب آرہے ہیں۔

نشاط۔ چھٹی تو انھوں نے چار ماہ کی لی تھی، مگر علاقے بھر میں دھوم مچ گئی، اتنی قتل کی واردتیں ہوئیں، برابر تار پہ تار گئے، چنانچہ اُن کا اسسٹنٹ کہہ رہا

تھا کہ آئندہ ماہ کے اوائل میں ضرور آجائیں گے۔
ظفر جنگ۔ اچھا ہی ہے اگر جلدی آجائیں۔
صفدر۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہاری الگزنڈرا اُن کے ہمراہ آجائیں گی۔
ظفر جنگ۔ استغفراللہ، تم بھی کس قدر لغو باتیں کرتے ہو
صفدر۔ کیا کریں ہم لغو ہی جو ٹھہرے۔
نشاط۔ آج کلب چلتے ہو؟
ظفر۔ چلنا تو، مگر۔
نشاط۔ (بات کاٹ کر) اگر مگر نہیں، بہت دن سے تم کلب سے غائب ہو، سسن وغیرہ سب گالیاں دے رہے ہیں۔
ثروت۔ ہاں سچ تو ہے، یہ عورتوں کی طرح گھر میں گھسے رہنے سے کیا فائدہ آج ضرور آپ کلب جائیں۔
صفدر۔ یہ جتانے کے لئے یہ کلب نہیں جاتے کہ بہت پاکیزہ طبیعت شریف النفس معصوم قسم کے انسان ہیں۔ حالانکہ ان حضرت کو ہم خوب جانتے ہیں۔
ظفر جنگ۔ ایک سید سے مسلمان پر تہمت لگانے کا بدلہ خدا تم کو دے گا۔
صفدر۔ خدا خوب تم کو جانتا ہے، ہرگز بھی بدلہ نہ لے گا۔
نشاط۔ (مسکرا کر) لڑائی ختم کیجئے، بھائی واقعی ہماری بھابی کی پرستش سے آپ کو فرصت نہیں لیکن آج تو چلنا ہی ہوگا، اور بہن مہر صفدر صاحب کو بھی اجازت دیجئے، یہ اس لئے کھسیانے ہو رہے ہیں کہ آپ سے اجازت مانگتے ہوئے ڈر لگتا ہے، اور دل پر نزلہ اتار رہے ہیں۔ ہماری سفارش سے ان کو بھی اجازت مل جانی چاہیئے۔

مہر النسا۔ (مسکرا کر) میں کیا منع کرتی ہوں بھائی، بہ شوق سے جائیں۔
صفدر۔ واہ مینڈکی کو بھی زکام ہوا، تم اور مجھ کو بناؤ، خیر سمجھوں گا۔
نشاط۔ (کھڑے ہو کر) چلئے صاحب۔
ظفر جنگ۔ (کرسی سے اُٹھتے ہوئے) ہاں ثروت میں بھول گیا تھا، چیف کمشنر صاحب مسٹر ٹامسن کا تبادلہ ہوگیا، اُن کو اور لیڈی ٹامسن کو الوداع کہنے شب کو ساڑھے آٹھ بجے اسٹیشن پر جانا ہے۔
ثروت۔ واہ یہ خبر ابّا جان سے پوشیدہ نہ رہے گی، مسٹر ٹامسن کی کوٹھی پر آپ لے گئے اُن کے سامنے کر دیا۔ مضائقہ نہ تھا، لیکن اسٹیشن ایک عام جگہ ہے سب آتے جاتے ہیں، دوسرے اتنے مردوں میں میرا قدم نہ اُٹھے گا۔
ظفر جنگ۔ ادھ رات کو کس کو معلوم ہوگا، تم ساڑی پر کلوک پہن لینا کسی کو بھی خبر نہ ہوگی۔
ثروت۔ لیکن میں آج کل باہر جانا نہیں چاہتی، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
ظفر جنگ۔ اوہ ہاں ٹھیک ہے، خیر میں معذرت کر دوں گا، کہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اچھا میں کلب سے ان کو الوداع کہنے جاؤں گا، نو بجے تک واپس آؤں گا۔
ثروت۔ ہونہہ۔

ان تینوں کے جانے کے بعد چونکہ مغرب کا وقت ہو چکا تھا، مہر النسا اور ثروت آرا نے مغرب کی نماز کی نیت باندھی، ابھی فرضوں کا ہی سلام پھیرا تھا کہ بی ستارہ ہنستی چٹکیاں بجاتی گنگناتی داخل ہوئیں۔

ان دونوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر، اللہ اللہ یہ نمازن بیویاں کہاں اور کہاں میں گنہگار بندی۔

ثروت و مہر النسا نے جلدی جلدی نماز ختم کی اور پھر دونوں ستارہ سے بغلگیر ہو گئیں، معانقے کے بعد ثروت نے کہا، کہو بی آج کدھر راستہ بھول پڑیں۔

ستارہ۔ بھابی جان تو گئی ہیں اپنے میکے، آپا شاہجہاں کے جانے کے بعد گھر میں دل گھبراتا ہے، بندی کے تو پیٹ میں بیٹھے بیٹھے کھلبلی ہوتی تھی، اس لئے اماں جان سے پوچھ ادھر آگئی۔

مہر النسا۔ عزیز بھائی کہاں ہیں؟

ستارہ۔ وہی تو کلب جا رہے تھے، ادھر مجھکو چھوڑتے گئے ہیں۔

ثروت۔ چلو خوب ہوا، آج سب مل جائیں گے، تمہارے بھائی بھی ابھی گئے ہیں۔

ستارہ۔ ایک تازہ گل کھلا ہے۔

ثروت۔ تم کو تو یہی شگوفہ بازیاں آتی ہیں۔

مہر النسا۔ کہو کیا نئی خبر ہے؟

ستارہ۔ اے بی گول سر والی مومانی کے ہاں پرسوں میلاد تھا نہ؟

ثروت۔ ہاں بلاوا تو یہاں بھی آیا تھا، میں طبیعت درست نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکی، اور مہر النسا میری وجہ سے نہیں گئیں، ہاں تو پھر کیا ہوا؟

ستارہ۔ وہاں ملیں خالہ سکندر جہاں، اُن کے ساتھ اُن کی صاحبزادی فرحت بھی تھیں، کتنا لڑکی بنتی ہے، اپنے تقدس کا رعب بندی پر خوب جمایا، میں بھلا کب ان باتوں میں آتی ہوں، لڑکی ہے کہ آفت کی پرکالا ہے پردگی آزادی کی برائیاں کیں، میں سنتی رہی، لیکن بندی ہو گئی ہے دشمن، اس پردے کی بو بو کے حال چال سے واقف ہو کر رہے گی۔

ثروت۔ ستارہ تم کو پرائے قصوں میں دخل اندازی سے کیا فائدہ؟
مہرالنساء۔ اے بھائی آپ ستارہ بہن سے واقف نہیں، یہ تو ایسی ظالم لڑکی ہے کہ خدا کی پناہ۔

بڑی پھوپی کے لڑکے شاکر بھائی غریب گھنے کے سب لڑکوں میں مقدس اور زاہد مشہور تھے، اور سب لڑکے رشتے کی بہنوں کے ساتھ ہنستے بولتے تھے۔ لیکن وہ الگ رہتے تھے، داڑھی لمبی رکھ لی۔

نشاط بھائی نے کہا ستارہ ہم جب جانیں جب تم شاکر کی داڑھی منڈوا دو ستارہ نے کہا یہ کیا بڑی بات ہے، اب یہ قصہ خود ان سے سنو۔

ستارہ۔ قصہ ہی کیا ہوتا، مولوی صاحب بنے ہوئے تھے، شاکر سب لڑکے لڑکیوں پر رعب جماتے تھے، میں نے کیا کیا کہ میں بھی ان سب سے الگ ہو گئی، اور شاکر بھائی سے کہا، آپ سچ کہتے ہیں یہ سب بہت بیہودہ ہیں۔ شاکر بھائی سمجھے کہ بس میں ان کی مخالف ہوں، اور میرے ساتھ گھل مل کر باتیں کرنے لگے، دنوں یہ دستور رہا کہ میں ان سب سے الگ شاکر بھائی کے ساتھ ساتھ رہتی، آخر وہ بھی انسان تھے، مجھ سے دلچسپی لینے لگے، رفتہ رفتہ پینگ بڑھنے لگے، اور میں نے کہا بھائی آپ داڑھی تو منڈوا دیں، بہت بری لگتی ہے۔

شاکر بھائی نے کہا لیکن یہ نشاط وغیرہ ہنسیں گے۔

میری خوشی سے زیادہ آپ کو ان کے ہنسنے کا خیال ہے، میں نے منہ بنا کر کہا، اور شاکر بھائی اپنی داڑھی صاف کرا آئے۔

لیکن جب ان کا طرز ملاقات خوفناک ہو چلا تو بندی نے نہایت اطمینان سے بھولا منہ بنا کر مومانی جان سے شاکر بھائی کی شکایت کر دی۔

وہ دن اور آج کا دن، شاکر بھائی نے ہم سب سے ملنا ہی ترک کر دیا، لیکن پھر اپنے تقدس کا رعب نہیں جمایا۔

ثروت۔ تم بھی بہت شریر ہو ستارہ

ستارہ۔ ہنسنا بولنا ہی زندگی ہے اور زیادہ میں جانتی نہیں۔

ثروت۔ اچھا کچھ گا کر سناؤ۔

ستارہ۔ ایک گیت

ابھی تو میں جوان ہوں

حصّہ دوم

۴۹

ثروت آرا بیگم کو خیر سے نواں مہینہ لگ چکا تھا
نواسے کی رسم اظہر محل میں بہت دھوم سے ہوئی، سارے کنبے میں پنجیری مع کمر
بیگم صاحبہ نے تقسیم کی سات ترکاریوں سے ثروت آرا کی گود بھری گئی دالی کو جوڑا اور
سونے کی کٹوری دی اس رسم کے بعد ثروت آرا زچگی کے لئے اظہر محل میں ہی رہی
اُن کو یہاں رہتے پندرہ دن ہوئے تھے ظفر جنگ روز شام کو آتے کھانا کھا کر
رات کو کوٹھی چلے جاتے تھے بیرسٹر صاحب بھی بیٹی کو دیکھنے کے لئے دوسرے تیسرے
دن آتے رہتے تھے صادقہ اور زیب النسا بھی روز صبح سے آجاتی تھیں اور شام کو
جاتی تھیں ان سب کی وجہ سے محل میں ان دنوں خوب چہل پہل رہتی تھی۔
یوں تو ثروت آرا بیگم کی طبیعت دو روز سے کچھ کسلمند تھی مگر آج تو ان کے چہرے
پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں وہ بار بار پہلو بدل رہی تھیں۔
صادقہ نے اُن کو بےچین دیکھ کر سوال بھی کیا کیوں دلہن خیر سے آج طبیعت کیسی ہے؟
ثروت نے مسکرا کر کہہ دیا اچھی ہے
تمام دن یوں ہی ٹالتی رہیں دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا ساس کے خیال سے
مونھ جھٹال کھڑی ہو گئیں شام سے ذرا قبل البتہ طبیعت زیادہ بگڑی تو وہ پلنگ

پر جا لیٹی اور شدت تکلیف کی تاب نہ لاکر آہستہ آہستہ کراہنے لگیں۔
ظفر جنگ کو آج آفس میں ذرا دیر ہو گئی تھی ماں کو سلام کرکے سیدھے بیوی کے کمرے میں پہونچے اُن کو کراہتے دیکھ کر گھبرا کر سوال کیا خیر تو ہے طبیعت کیسی ہے؟
ثروت۔ آج صبح سے میری طبیعت ٹھیک نہیں کمر میں بہت درد ہو رہا ہے۔
ظفر جنگ۔ اور تم نے کسی سے کہا بھی نہیں۔
ثروت۔ صبح سے نہیں تھا لیکن اب دو گھنٹے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔
ظفر جنگ۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔
صادقہ صحن میں کھڑی تھیں ان کو اس طرح گھبرائے ہوئے اندر سے جاتے دیکھ کر بولیں اے میاں ابھی تو آئے تھے کدھر چلے۔
ظفر جنگ۔ ثروت کی طبیعت ٹھیک نہیں ڈاکٹر کو ٹیلی فون کرنے باہر جاتا ہوں۔
صادقہ۔ میں بھی تو دیکھوں اُن کو کیا تکلیف ہے آؤ ادھر آؤ۔
دونوں ساتھ داخل ہوئے ثروت اس وقت بہت بے چین تھیں بار بار کروٹیں بدل رہی تھیں اور ہائے ہائے کر رہی تھیں۔
صادقہ۔ اے دلہن شاباش ایسی بھی کیا شرم کہ تم صبح سے تکلیف اُٹھا رہی ہو میں نے پوچھا بھی تو تم نے نہ بتایا اس طرح تو انسان کی جان پر بن جائے بتاؤ تو کہاں درد ہے؟
ثروت نے آہستہ سے جواب دیا باجی صبح تو بہت ہلکا تھا میں نے کہا معمولی بات ہے ٹھیک ہو جائیگا مگر اب تو میری کمر میں اور زیرناف بہت شدت سے درد ہو رہا ہے۔
صادقہ۔ مسکرا کر۔ گھبراؤ نہیں اللہ فضل کریگا ظفر میاں ڈاکٹر کا کام نہیں لیڈی ڈاکٹر مس کیمبل کے لئے کار بھیجدو۔ اس خادمہ سے جو ثروت کی کمر سہلا رہی تھی شمشاد جلد جا خالہ جان کو بلا لا کہنا دلہن بیگم کا جی اچھا نہیں ہے۔
ظفر جنگ تو سر جھکائے ہوئے باہر چلے گئے صفدر کو لیڈی ڈاکٹر کے لانے کیلئے

بھیج کر خود نواب صاحب پاس جا بیٹھے۔

محل میں تھوڑی دیر میں کھلبلی مچ گئی ثروت کے پاس صادقہ، زیب النسا، مہرالنسا سب آگئیں الملکہ بیگم، رشید دلہن، شاہجہان، ستارہ بھی اطلاع ملتے ہی آپہونچیں، فرخندہ آج صبح ہی حیدرآباد سے آئی تھیں وہ بھی آگئیں بیگم صاحبہ نے اپنی خاندانی دائی موتی کو جو رات دن نواسے کے بعد سے یہیں رہتی تھیں بٹھا دیا ایک گھنٹے بعد مس کیمبل بھی اپنا بیگ سنبھالے مع ایک نرس کے آپہونچیں فوراً ہنگامہ ہٹا دیا گیا اور ثروت کے کمرے میں صرف صادقہ حشمت رہیں باقی سب بیگمات پاس کے کمرے میں بیٹھ گئیں۔

ثروت کی بے چینی ہر لحظے زیادہ ہو رہی تھی آخر کار آٹھ گھنٹے کی پریشانی کے بعد رات کے ایک بجے ثروت کی مشکل آسان ہوئی بچے کے رونے کی آواز سن کر سب کی جان میں جان آئی بیگم صاحبہ برابر خیرات کرا رہی تھیں قرآن پاک سر پر رکھے اک ٹانگ سے کھڑی بہو کی صحت و سلامتی کی دعا مانگ رہی تھیں اور سب بھی حد سے زیادہ پریشان تھے کہ دھان پان ہیں خدا ساتھ خیر کے فارغ کرے ولادت کی خبر ملتے ہی بیگم صاحبہ نے دو نفل شکریے کے پڑھے پھر کمرے میں داخل ہوئیں لیڈی ڈاکٹر نے بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہی کہا پوتی مبارک ہو بڑی خوبصورت اور تندرست بچی ہے۔

عشرت زمانی بیگم - اے ہے لڑکی ہوئی۔

بیگم صاحبہ - اے بھابی جان مجھے یہ لڑکی بھی سات لڑکوں کے برابر ہے، خدا نے زرتاج دلہن کی جان بچا لی لڑکا لڑکی سب خدا کی دین ہے جس خدا نے لڑکی دی وہ لڑکا بھی دیگا۔

نواب صاحب کو اطلاع دی گئی، بیرسٹر صاحب بھی باہر سمدھی کے پاس

بیٹی کی جانب سے پریشان بیٹھے تھے دونوں بہت خوش ہوئے نوبت بجنے لگی ادھر پہلے زچہ کو سنبھالا گیا پھر لیڈی ڈاکٹر نے بچی کا نال کاٹا بیگم صاحبہ نے دو اشرفیاں نال کاٹنے کی دیں بچی کو غسل کرا کے فلالین کے کپڑے پہنائے زیب النسا بیگم کی گود میں دیدیا انھوں نے مسکرا کر کہا امی جان یہ میرے مسعود کی دلہن ہے۔

بیگم صاحبہ۔ ہنس کر بیٹی مجھے کیا اختیار ہے اپنے بھائی بھاوج سے مانگو۔

زیب النسا۔ تو کیا ظفر مجھ سے انکار کر جائیں گے میں نے دعا مانگی تھی کہ اللہ کرے دلہن کے یہاں لڑکی ہو۔

شاہجہاں۔ شکل تو دیکھو بالکل دوسری ثروت ہے کوئی بات ماں کی نہیں چھوڑی۔

میاں مسعود بھی مبارک سلامت کے شور سے جاگ گئے تھے اور ادھر سے اُدھر کہتے ہوئے کودتے پھر رہے تھے اُو ہُو جی میلی (میری) دلہن ہوگئی، دسترخوان رات کے دو بجے محل میں بچھا کسی نے بھوک کے مارے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا آدھی رات کو خیر کھانا تو کون پیٹ بھر کر کھاتا مگر سب نے منہ جھٹال لیا کہ بدشگونی نہ ہو۔

صبح لیڈی ڈاکٹر تو رخصت ہوئی، نرس رہی نواب صاحب بیرسٹر صاحب بچی کو دیکھنے آئے ظفر جنگ کو بھی صفدر و نشاط گھسیٹ لائے وہ شرم کے مارے باپ اور خسر کے سامنے سر جھکائے بیٹھے رہے بیرسٹر صاحب نے نواسی کو گود میں لیکر پیار کیا بیوی کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لائے بیٹی کی پیشانی پر بوسہ دیا، نواب صاحب نے بھی بچی کو چوما بہو کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

زیب النسا نے بچی کو ظفر جنگ کی گود میں دیکر کہا دیکھو تو کتنی پیاری ہے بالکل چینی کی گڑیا لگتی ہے۔

ظفر جنگ۔ آہستہ سے آپ ہٹائیے اس کو

زیب النسا:۔ واہ تم پہلے اس کو شہد چٹاؤ پھر میں اٹھاؤنگی۔
ظفر جنگ نے ذرا سا شہد بچی کے منہ کو لگا دیا اور کہا اب تو آپ اس کو اٹھا لیجئے ابا جان اور ابا میاں بیٹھے ہیں اب مجھے شرم آتی ہے۔
زیب النسا:۔ بچی کو لیکر یہ مسعود کی دلہن ہو چکی بولتے کیوں نہیں۔
صفدر:۔ یہ کیا بولیں گے ع، الخاموشی نیم رضا است
ظفر جنگ سر جھکا کر مسکرا دیئے۔
بیرسٹر صاحب:۔ زیبو اگر تم کچھ فیس دو تو ہم تمہاری جانب سے وکالت کریں۔
زیب النسا:۔ خالو جان میں کس قابل ہوں آپ کو کیا دونگی آپ کے لئے جیسی ثروت ویسی میں۔
بیگم صاحبہ:۔ یہ دے کے پیچھے سے بھائی صاحب فیس آپ اپنے سمدھی سے لیجئے۔
بیرسٹر صاحب:۔ ہاں بہن صاحبہ یہ آپ نے ٹھیک کہا حضرت نواب صاحب لائیے فیس دلوائیے۔
نواب صاحب:۔ مسکرا کر مجھ بے بضاعت پاس بھائی کیا ہے اپنی ساری دولت اپنی تمام زندگی کا ماحصل ظفر جنگ کو آپ کو میں دے چکا۔
بیرسٹر:۔ ہنس کر یہ آپ کی عنایت ہے۔
زیب النسا:۔ واہ آپ سب نے اپنی باتوں میں میری بات کو بالکل اڑا دیا میں تو ابھی اس کا اقرار کراؤنگی کہ یہ مسعود کی دلہن ہے۔
نواب صاحب:۔ زیبو تو بڑی شریر ہے بھائی کو ستاتی ہے وہ بھلا ابھی کیا نسبت بیاہ کریگا بیٹا بھی ہمارا بیٹی بھی ہماری ہم نے تجھ کو دی۔
زیب النسا:۔ خوش ہو کر ابا میاں اللہ آپ کو ان دونوں کا سہرا دکھلائے۔
نواب صاحب، بیرسٹر صاحب باہر گئے زیب النسا بیگم نے گھٹی میں مصری ڈال

دی گویا نسبت پختہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

تین دن تک تو ثروت آرا کو اچھوانی چائے اور دودھ ملتا رہا۔ چوتھے دن چکن سوپ اور ٹوسٹ ملا پانچویں دن کھچڑی ملی ساتویں دن بیٹھنے کی اجازت ملی گیارھویں روز ان کو غسل کرایا گیا، بہت دھوم سے چھٹی ہوئی سرخ زرکار لباس زیور پہنا کر شام کو نندوں نے ان کو دلہن بنایا کارچوبی تاج نما پٹی سر پر باندھی، تھال سات قسم کے کھانوں کا ان کے آگے رکھا گیا سات سہاگنوں نے پہلے کھانے میں سے ایک ایک نوالہ لیا پھر ثروت آرا نے ہر چیز کو چکھا اس رسم کے بعد ثروت آرا کو تو بھاری لباس زیور بڑھا کر لٹا دیا گیا محل میں مہمان جمع رہے تمام رات ڈومنیوں کا ناچ گانا رہا ملکہ بیگم، شاہجہاں، رشید دلہن، بیرسٹر صاحب کی جانب سے بہت شان شکوہ سے چھٹی لائی تھیں پچیس پچیس بھاری بھاری کرتے ٹوپی پچیس فراک ان کے علاوہ اونی کنٹوپ اونی کوٹ موزے شال دو درجن سوزنیاں ایک درجن غالیچے پندرہ چاندی کے چھوٹے چھوٹے برتن چاندی کی چھوٹی سی مسہری ریشمیں گلابی جالی کا پردہ پڑا ہوا چاندی سونے کے چھٹے بٹے تلیے چینی کے ننھے ننھے پچاس برتن بچی کے لئے ہاتھوں کے سونے کے کڑے سونے کی چھاگل مرصع ہیکل ثروت کے لئے نارہانے کی ساڑی ظفر جنگ کی شیروانی کا جبار آبادی جامہ وار اور بھاری مندیل زیب النسا، مہر النسا، صادقہ کی ساڑیاں تمام نوکروں کے جوڑے، مہترانی، سقے، دھوبی کے چاندی کے کڑے دائی کے لئے سونے کے کنگن اور بنارسی دوپٹہ لیڈی ڈاکٹر کے لئے سو روپے چار کنستر گھی کے چھ بکرے جن کے سینگوں پر چاندی کی سنگھوٹیاں چڑھی ہوئی تھیں پچاس مرغیاں سونے چاندی کی کھچڑی، میوے کی ایک بوری پانچ سو روپیہ نقد ملکہ بیگم رشید دلہن ستارہ شاہجہاں نے بھی دو دو جوڑے اور پچاس پچاس روپے دیئے

بی زیب النسا کی تو بہو تھی بہت دھوم سے جھولا لائیں، چاندی کا جھولا زر کار چھوٹا سا جوڑا ننھا سا ہیرے کا ٹیکا سہرا حسن بن گہرا ٹھاٹ سے آئیں، گالیاں اُن پر خوب پڑیں، شربت پلائی ہوئی بار ڈلے گئے، زیب النسا نے پہلے بچی کو جھولے میں ڈالکر اس کے بعد پچھاوری ظفر جنگ کو بلایا بلائیں لیں اور بھائی تھا ورج پیسے بھی پچھاوری اور کہنے لگیں دیکھو کبھی قول سے نہ پھرنا جو نا اس وقت کوئی بزرگ نہ تھا ظفر جنگ نے کہا آپ بار بار کیوں شرمندہ کرتی ہیں میں بھی آپ کا ہوں یہ بھی آپ کی ہے۔

سوا مہینے تک اظہر محل میں خوب مہمانداری رہی۔

جس دن سوا مہینے کا چلہ ثروت آرا نہائیں اسی دن بچی کا عقیقہ ہوا نزہت آرا نام رکھا گیا کنبے کے سب مرد اکٹھے ہوئے سب کی دعوت ہوئی نائی کو نواب صاحب نے اکاون روپے اور دو شالہ دیا۔ بیرسٹر صاحب نے دو اشرفیاں دیں اور سب لوگوں نے بھی حسب حیثیت دیا بالوں کے برابر چاندی تول کر غریبوں کو تقسیم کی گئی۔ دوسرے دن ثروت آرا میکے خورشید لاج پاؤں پھیرنے گئیں، سوا من ستورا بیگم صاحبہ نے مہر کے ساتھ بھیجا ملکہ بیگم، رشیدہ بہن وہاں پہلے سے موجود تھیں ستورا سارے کنبے میں تقسیم کیا گیا ثروت چار دن خورشید لاج رہ کر ساس کو سلام کرتی ہوئی کوٹھی سدھاریں۔

۵۰

گرمی کا آغاز ہے ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں کسی خوفزدہ کمسن کی طرح زرد ہیں ہوا جو تمام دن بند رہی تھی اب اپنی اٹھکھیلیوں سے اہل عالم کے غنچۂ دل کو کھلانے لگی ننھی ننھی کلیاں، جو آفتاب کی تیز نگاہوں سے سہمی ہوئی تھیں اس کو غروب ہوتے دیکھ کر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی ہیں، پرندوں کے جھنڈ آشیانوں کی طرف واپس جا رہے ہیں آدمی بھی اپنے کاموں سے فارغ ہو کر گھروں کو واپس چلے ظفر جنگ بھی آج کسی خاص کام کی وجہ سے آفس میں دیر تک رہے تھے آتے ہی سیدھے حسین دیرپہ جمال ثروت آرا کی نشست گاہ میں گھسے وہاں اُن کو نہ پا کر دریافت کیا

چھمو دلہن بیگم کہاں ہیں؟

چھمو۔ حضور سنگھار کمرے ہیں۔

ظفر جنگ خراماں خراماں سنگھار کمرے میں داخل ہوئے، ثروت آرا خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کاکل مشکیں سنوارنے میں مصروف ہیں۔ ظفر جنگ بیوی کے گیسوئے پرخم بنانے کی ادا سے متاثر ہو کر۔

تو اور آرائش خم کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

ثروت۔ جس کہ بال بنانے کی محویت میں میاں کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی پیچھے مڑ کے مسکراتے ہوئے خوب آپ آ گئے اور مجھے علم ہی نہیں آج تو بہت دیر لگائی۔

ظفر جنگ۔ آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر کیا کیا جائے کام ہی بہت ہے، آفس میں بیٹھے بیٹھے اکتا جاتا ہوں مگر کام کی وجہ سے بیٹھنا پڑتا ہے۔

ثروت۔ تو اب چائے منگواؤں۔

ظفر جنگ۔ چائے تو میں نے آفس میں پی لی تھی اس وقت تو گرمی لگ رہی ہے لیمنڈ منگوا لو۔

ثروت۔ گھنٹی بجاتی ہے۔

بیرا۔ جی بیگم صاحبہ۔

ثروت۔ جاؤ صاحب کے لئے لیمنڈ لے آؤ اور آیا کو بولو بے بی کو لے آئے۔

بیرا۔ بہت بہتر کہتا ہوا چلا گیا۔

آیا نزہت کو لائی جو اب چار مہینے کی تھی باپ کو دیکھ کر نزہت نے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے ظفر جنگ نے ننھی نزہت کو لے کر پیشانی پر بوسہ دیا اور اس سے کھیلنے لگے۔

ثروت بال سنوار چکی تھی میاں کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

ظفر جنگ۔ تعجب ہے آج صفدر اب تک نہیں آئے۔

ثروت آرا۔ کیا اُن کو مسٹر جونز کے یہاں کھانے پر جانا بھی ہے۔

ظفر جنگ۔ ارے میں تو بالکل بھول گیا تھا اسی لئے صفدر نہیں آئے، آٹھ بجے جانا ہے، گھڑی دیکھ کر سات تو اب بجنے والے ہیں۔

ثروت۔ مغرب کا وقت ہو گیا میں نماز پڑھتی ہوں آپ بھی غسل کیجئے۔

ظفر جنگ۔ ہاں تم نماز کے بعد تیار ہو جانا میں غسل کر کے کپڑے پہن کر ابھی آتا ہوں،

ثروت نے نہانے کے بعد سیاہ بروکیڈ کی ساری زیب تن کی اور چست پوری آستین کا جاکٹ نا سنہرے کمخواب کا بلاؤز پہنا ہلکا ہلکا زیور پہن کر نکھ سکھ سے درست ہو بیٹھی ظفر جنگ بھی سیاہ رات کے کھانے کا لباس پہن کر آ گئے ہونا اب آٹھ بجنے والے تھے اس لئے جلدی سے کار میں یہ دونوں جا بیٹھے ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا ثروت آرا کافی اچھی ڈرائیو کرتی تھیں اور اکثر شام کے بعد وہی چلاتی تھیں اس وقت بھی وہی کار چلا رہی تھیں، ظفر جنگ قریب بیٹھے ہوئے تھے کار فراٹے بھرتی چند منٹ ہی میں پہونچ گئی اور جوزف صاحب کے بنگلے میں پہونچ کر ثروت نے کار روکی ظفر جنگ نے اتر کر گاڑی کا پٹ کھولا برآمدے میں مسٹر جوزف اور مسز جوزف اپنے مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے تھے دونوں نے آگے بڑھ کر تپاک سے پہلے ثروت آرا سے ہاتھ ملایا پھر ظفر جنگ سے مسز جوزف تو ان دونوں کو لیکر ڈرائنگ روم میں چلی گئیں، کپتان جوزف اور آنے والے مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے برآمدے میں ہی رہے ابھی یہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ نشاط مسز نشاط الگزنڈرا پہونچے پھر سہراب، مسز سہراب، میجر ولسن مسز ولسن، کرنل اسمتھ مسز کرنل اسمتھ یکے بعد دیگرے سب مہمان آ گئے، وسیع ہال مہمانوں سے بھر گیا قہقہوں کی نقرئی جھنکار فضا میں رقصاں ہو گئی، حسین و نازنین صورتوں سے ہال جگمگا اٹھا یوں تو مسز جوزف، مسز ولسن، مسز اسمتھ مسز سہراب، مسز نشاط، مس الگزنڈرا سب ہی اپنے اپنے ملکی حسن قومی جمال کا دلکش نمونہ تھیں لیکن ثروت کا دلآویز حسن کچھ اور چیز تھا آرام و آسائش بیفکری اور سب سے بڑھ کر عاشق زار شوہر کی نازبرداریوں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے شباب و رعنائی کا ایسا دلکش مجسمہ ذرا دنیا کی نظر سے کم گذرا ہوگا یونانی تخیل کی آفرینش حسن کی ملکہ "وینس" ایسا معلوم ہوتا تھا

دوبارہ ثروت آرا کی صورت میں زمین پر جلوہ گر ہے نزاکت کے ساتھ شاہانہ جلال ثروت آرا کے حسن کی خاص خصوصیت تھی ہر کس وناکس کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس کی حسین صورت پر نظر ڈال سکے سیاہ مبگوں آنکھیں جو ہمیشہ نیچے جھکے رہنے کی عادی تھیں ہر ایک دل کو موہ لینے میں کمال رکھتی تھیں ان مہوشان نازک ادا کے درمیان ثروت آرا کی حیثیت ماہ تاباں کے مانند تھی، الگزنڈرا نے ہمیشہ دل میں ثروت کے حسن کو سراہا لیکن اس وقت اُس کے طلائک فریب حسن کی ضیا پاشیاں دیکھ کر اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی پیاری ثروت تم نے کتنی منموہنی شکل پائی ہے جی چاہتا ہے تمہارے گرنہ پھیر دوں، بشرطیکہ ظفر صاحب اس کی اجازت دیں۔

ثروت۔ مسکرا کر محجوب انداز سے واہ الگزنڈرا تم مجھکو بناتی ہو، میں تو کوئی ایسی حسین نہیں تم البتہ اس سپید ساری میں حور جنت معلوم ہو رہی ہو۔

الگزنڈرا۔ یہ تمہاری محبت ہے پیاری ثروت لیکن واقعی تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو۔

مسٹر جوزف۔ ظفر جنگ سے آپ بیشک بہت خوش قسمت انسان ہیں کیسی حسین و خلیق بیوی آپ نے پائی ہے۔

ظفر جنگ۔ مسکرا کر شکریہ لیکن میں اپنے سے زیادہ جوزف صاحب کو اس معاملہ میں خوش قسمت سمجھتا ہوں اور اُن کے انتخاب کی داد دیتا ہوں۔

مسٹر جوزف۔ قہقہہ لگا کر اوہ ظفر صاحب آپ مجھ کو بنا رہے ہیں کیوں صحیح نا الگزنڈرا؟

الگزنڈرا۔ تبسم آفریں لہجے میں ظفر صاحب کو بنانے میں کمال حاصل ہے۔

ظفر جنگ۔ ایک نظر الگزنڈرا پر ڈال کر مس ولیم میں نے تو حقیقت بیان کی ہے

میں سیدھا سادھا آدمی بنا نا کیا جانوں.
الگزینڈرا. معنی خیز انداز سے جی بجا فرمایا آپ نے
ظفر جنگ. ندامت آمیز انداز سے سر جھکا کر مسکرا دیئے.
کپتان جوزف. نہ معلوم کیا بات ہے نو بجا چاہتے ہیں اور صفدر ابھی تک نہیں آئے.
مسز جوزف. میں ابھی ٹیلیفون کرتی ہوں وہ کھڑی ہوئی تھی کہ کار کے ہورن کی آواز آئی.
کپتان جوزف. کھڑے ہو کر غالباً صفدر آ گئے وہ یہ کہہ رہے تھے کہ صفدر آ گئے اور بجائے شیک ہینڈ کے کان پر ہاتھ رکھ کر سب کو عجیب انداز سے سلام کیا اور پھر کسی کے پوچھے بغیر آپ ہی کہا بندۂ درگاہ کے مزاج اچھے ہیں.
نشاط. خدا خیر کرے یہ بڑ کیوں مارنے لگے؟
صفدر. اونچا منہ کر کے یا اللہ تھوڑی سی عقل ان سب کو دے.
نشاط. تم نے حماقت ہی کیا کی ہے جو آپ اللہ میاں سے عقل کے طالب ہیں صفدر میاں تم کو سوائے بھانڈوں کی طرح گلا پھاڑنے کے اور آتا ہی کیا ہے.
میں نے سوچا لوگ ناحق مزاج پوچھنے کی زحمت کیوں گوارہ کریں خود ہی اپنی عافیت مزاج سے سب کو مطلع کر دوں.
کپتان جوزف. صفدر صاحب آپ کا یہ طریقہ ہم کو بہت پسند آیا.
ظفر جنگ. اب بیٹھو گے بھی یا باتیں ہی بناتے جاؤ گے.
صفدر. تم جیسے نامعقول بیٹھنے بھی دیں گے، آتے ہی ٹانگ لے لی.
نشاط. آنے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟
صفدر. اجی تم بہت بے تہذیب ہو جو سوالات کی بوچھار کی ہے.

تو دم لینا دشوار کر دیا بیرسٹر ہوتے تو شاید جینے بھی نہ دیتے وہ تو یہ کہو کہ خدا گنجے کو ہی ناخن نہیں دیتا۔

مسز جوزف کی جانب سر کو خم کر کے مزاج تو اچھا ہے۔

مسز جوزف۔ تبسم آفریں لہجے میں شکریہ! مسز صفدر کیوں نہیں آئیں۔

صفدر۔ ان کی بدولت تو اتنی دیر ہو گئی ظفر کی بہن ہیں ان کی سی ضد مزاج میں، ہر بہت اصرار کیا نہ مانیں کہا۔ یا میری جانب سے معافی مانگ لینا آج کل کہیں آنے جانے کو طبیعت نہیں چاہتی۔

مسز سہراب۔ بیشک ان کی حالت آج کل قابل معافی ہے۔

کپتان جوزف۔ گانا تو سنایئے صفدر صاحب۔

صفدر۔ آپ کھانا کھلا کر وصول کرنا چاہتے ہیں بچارا گانا کیا جانوں آپ کے بہنوئی صاحب راگوں کے بادشاہ ہیں اُن سے کہیئے یا ان ظفر صاحب سے جو اس پریوں کے اکھاڑے میں راجہ اندر بنے بیٹھے ہیں۔

ظفر جنگ۔ مسکرا کر الٰہی خیر یہ آج بے سبب ہم سب مورد عتاب کیوں ہیں کچھ قصور کچھ دغا تو ثابت ہو۔

صفدر۔ یہ دغا کچھ کم ہے کہ تم سب کی بیویاں ساتھ آئیں ہیں اور ہماری بیگم صاحبہ نہیں آئیں۔

نشاط۔ تو ہمارا اس میں کیا قصور ہے کہ مہر بہن نے تم کو دھتکار دیا۔

صفدر۔ بس جی زبان سنبھالو کیا میں کتا ہوں جو وہ دھتکار دیتیں۔

نشاط۔ ہنس کر کیوں جناب آپ تو ہم کو گالیاں بھی دے لیں اور ہم اگر آپ کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی کا نکالیں تو سرزنش ہو۔

صفدر۔ چلو میرا سر نہ کھاؤ اس وقت سے بک بک کر کے دماغ چاٹ لیا۔

کھانے کے کمرے میں گھنٹی بجی اور سب کھانے کے لئے اٹھے صفدر کی پرمذاق گفتگو نے کھانے میں بھی سب کو خوب ہنسایا۔

کھانے کے بعد گانے کا شغل رہا چلتے وقت ظفر جنگ نے کپتان جوزف سے کہا کہئے اب آپ صنوبر باغ والے معمے کا حل کب کریں گے

کپتان جوزف۔ آئندہ ہفتے میں مجھکو بالکل فرصت ہوگی۔

ظفر جنگ۔ تو پھر چار دن کی چھٹی آپ لے لیجئے، میں بھی لے لونگا۔

کپتان جوزف۔ اچھا۔

صفدر۔ یہ تماشہ تو ہم بھی دیکھنے جائیں گے۔

نشاط۔ میں بھی چلونگا اور ظہور احمد کو ضرور ساتھ لیا جائے۔

کپتان جوزف۔ وہ تو میرا مددگار ہے اس کو تو میں ساتھ رکھونگا۔

ظفر جنگ۔ واقعی آپ کے فیض تربیت نے بلا کا ہوشیار کر دیا ہے۔

کپتان جوزف۔ لیکن صفدر صاحب بھی غضب کی چیز ہیں بھیس بدل کر جانی صاحب کو انھوں نے ایک آزمودہ کار سراغ رساں کی طرح پکڑا۔

صفدر۔ یہ آپ کی مہربانی ہے ورنہ بندہ کس قابل ہے۔

ثروت آرا۔ مسز جوزف اجازت دیجئے، ساڑھے گیارہ ہو گئے۔

صفدر۔ اور مجھ کو بھی اجازت دیں۔

کپتان جوزف۔ آپ تو سب کے بعد آئے ہیں اصولی طور پر آپ کو تو سب کے بعد جانا چاہئے۔

صفدر۔ اجی بیوی سینکڑوں گالیاں دیں گی اور دیر ہو جائے گی تو گھر میں گھسنے بھی نہ دیں گی۔

ثروت۔ مسکرا کر صفدر بھائی جھوٹ کی بھی انتہا ہوتی ہے کیوں بہن مہر کا

صبر سمیٹتے ہیں وہ کس روز آپ کو گالیاں دیتی ہیں۔
صفدر۔ جی ہاں ایک آپ اچھی ہیں ایک وہ ہیں اور ظفر تو برے ہیں۔
ظفر جنگ۔ لیکن میں نے تم سے کب اپنی بیوی کی شکایت کی مجھے کیوں اپنے ساتھ ملاتے ہو۔
صفدر۔ آج کل نیکی کا زمانہ نہیں خیر صاحب ہم ہی برے سہی ان کے اس فقرے اور مونھ بنانے پر سب ہنس پڑے اور رخصت ہوئے۔

۵۱

ہفتے کے دن صبح جب آفتاب کی پہلی کرن اُفق پر لہلہائی ظفر جنگ، صفدر ونشاط، کپتان جوزف کے بنگلے پر پہونچ گئے، کپتان صاحب صبح کے لباس میں ان کے انتظار میں برآمدے میں ٹہل رہے تھے نہایت تپاک سے سب کو اندر لے گئے بریکفسٹ کے بعد یہ سب مع ظہور احمد، دلیپ سنگھ کے تین کاروں میں صنوبر باغ روانہ ہوتے نصف گھنٹے کی مسافت کے بعد صنوبر باغ کے خوشنما احاطے میں کاریں داخل ہوئیں اور سب اتر پڑے۔

یہ باغ نواب عمدۃ الملک کا بنوایا ہوا تھا نواب صاحب سپہر آرا بیگم کے نانا تھے غدر کے پُرآشوب زمانے میں زروجواہر محفوظ رکھنے کے لیے نواب عمدۃ الملک نے صنوبر باغ میں اپنا تمام خزانہ رکھدیا اور اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا پُراسرار نقش چھوڑا جو ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہ آسکا تھا سپہر آرا بیگم کے والد سلطان الملوک نے اس خزانے کو حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس نقش کو سمجھ نہ سکے پھر سپہر آرا بیگم کی شادی کے بعد بیرسٹر صاحب نے بھی اس نقش کو سمجھنے کی حتی الامکان کوشش کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

صنوبر باغ شاہی زمانے کے اُن باغوں میں شمار کیا جاتا تھا جو اپنی

شادابی و دلکشی کے لئے دہلی میں مشہور تھے، اس کی چار دیواری سنگ سرخ کی تھی جس پر خودرو بیلیں چھائی تھیں۔ آم جامن امرود چکوترے فالسے سے تمام باغ بھرا ہوا تھا موسمی پھولوں کی مہک سے دماغ معطر ہوتے تھے باغ کے وسط میں سنگ مرمر کی بارہ دری تھی جس کے اطلسی پردے اور بوسیدہ فرنیچر بتا رہے تھے کہ زمانے کی دست برد نے ان کو ایسا کر دیا، بارہ دری کے دروں پر زرد گلاب کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور بارہ دری کے چاروں جانب جو روشیں تھیں ان پر دو رویہ صنوبر لگے ہوئے تھے سامنے کے رخ بارہ دری کے مقابل سنگ سرخ کا حوض تھا اور سنگ مرمر کا تراشا ہوا کنول کے پھول کی صورت کا فوارہ حوض کے بیچ میں تھا فوارے سے نکلتا ہوا پانی گوہر آبدار کی طرح ڈھلتا ہوا بہت بھلا معلوم ہوتا تھا حوض کے چاروں کونوں پر صنوبر کے درخت لگے ہوئے تھے اور ذرا ہٹ کر انگور کی بیلیں دور تک چھائی ہوئی تھیں جن میں انگوروں کے کچے خوشے لٹک رہے تھے، غرضکہ باغ گو پرانا تھا لیکن اپنی دلکشی و نزہت آفرینی کے باعث اب بھی دل کھینچنے کو تیار تھا ان سب کو کاروں سے اترتا دیکھ کر باغ کا داروغہ آگے بڑھا یہ ایک سن رسیدہ مسلمان شخص تھا اس کے ساتھ ہی دو تین باغبان جو باغ کی درستی میں مصروف تھے بیلچے چھوڑ کر دوڑے آئے اور آناً فاناً کاروں میں سے سب کے ہینڈ بیگ، کیمرے، بندوقیں سب کا سامان اتار کر بارہ دری میں رکھ دیا۔

باغ کے شمال رخ حصے میں ایک چار دیواری کھنچی ہوئی تھی اس احاطے میں نواب عمدۃ الملک ان کی بیگم سپہر آرا بیگم کے والد والدہ کے مزار تھے سپہر آرا بیگم بھی یہیں محو خواب تھیں قبروں پر چنبیلی چھائی ہوئی تھی، دو حافظ بیٹھے کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے، ظفر جنگ نے اور سب نے فاتحہ پڑھی، مزاروں پر پھول ڈالے

پھر سارے باغ میں صفدر قدم قدم پر چھڑی بجاتے تھے

ظفر۔ میاں یہ کیا کر رہے ہو؟

صفدر۔ ارے بھئی جہاں خزانہ ہوگا ٹھن سے بولے گا۔

نشاط۔ قہقہہ لگا کر تم کو ہر ترکیب نئی سوجھتی ہے۔

کپتان یوسف۔ ذرا دو نقش دیکھئے اور نواب صاحب کا خط پڑھئے۔

ظفر جنگ۔ صفدر کو خط دیکر تو تمہاری آواز زیادہ بلند ہے پڑھو۔

صفدر۔ بہت بہتر . . . . . .

میری پیاری بیٹی منزلت آرا اور عزیز من سلطان الملوک! دلی میں ان دنوں قیامت صغریٰ بپا ہے میرٹھ کی پوربی فوج نے بگڑ کر مغل تخت و تاج کو الٹ دینے کی تدبیر کی ہے بہادر شاہ بادشاہ جو مغلیہ شان و شوکت کی ایک قابل عبرت یادگار ہے ان ظالموں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے، عبرت کا مقام ہے کہ وہ دیوان عام جہاں بڑے بڑے گردن کشوں کے سر جھکتے تھے اور جہاں کی زمین چومنا بھی قابل فخر سمجھا جاتا تھا دلاور ان وحشیوں نے اپنے گھوڑے باندھے انگریزوں اور فرنگنوں کو بے گناہ قتل کیا جا رہا ہے۔ بیوقوف کہتے ہیں کہ اب پھر بادشاہ کا راج ہوگا انگریز نکل جائیں گے لیکن عقلمند جانتے ہیں یہ با اقبال قوم ہندوستان سے ابھی جانے والی نہیں، کچھ دن کی بات ہے وہ دن دور نہیں کہ انگریز دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر چھوڑیں گے کل مغلیہ کے بہادروں نے انگریزی فوج کو پہاڑی سے بھی اتار دیا شہر میں فتح کی خوشی منائی جا رہی ہے، لیکن یہ مسرت عارضی ہے، مغل سلطنت نے ختم ہونے سے پہلے سنبھالا لیا ہے تیل اب ختم ہے اس لئے چراغ کی لو بھڑک اٹھی ہے بہتر ہے کہ تم دونوں اس پر آشوب زمانے میں لکھنؤ ہو۔ میں ان حالات میں شہر سے نکلنا اور بوڑھے بادشاہ کو چھوڑنا نمک حرامی سمجھتا ہوں جس سلطنت کی بدولت

ہمارے آبا و اجداد نے شان و شوکت سے زندگی بسر کی اس کے برے دن آنے پر اُس کو چھوڑنا شہزادت کا شیوہ نہیں، جب ظلِ سبحانی پر کوئی آنچ آئیگی تو سب سے قبل یہ بوڑھا نمک خوار اُن کے لئے سپر بنے گا خدا تمہارا حافظ و ناصر ہے اپنا خزانہ اور سب جواہر صنوبر بلغ میں ہم تمہارے لئے رکھ دیتے ہیں خدا تم کو مبارک کرے عوام کی دست برد سے یہ محفوظ رہے اس لئے اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک نقش چھوڑتے ہیں ہم کو از روئے رمل معلوم ہوا ہے کہ یہ خزانہ تم نہ پا سکو گے تمہاری اولاد میں ایک لڑکی گوری ہوگی جس کے دونوں ابرو دوں کے وسط میں مشکیں خال ہوگا اور جو سرخ و سپید رنگ والی ہوگی ہماری آخری وصیت اُس دختر بلند اختر سے یہ ہے کہ اس خزانہ کا چوتھا حصہ راہ خدا میں صرف کرے والدہ تمہارا باپ

عمدۃ الملک

خط ختم کر کے صفدر نے کہا بھائی ظفر حلیہ تو یہ بھابی کا ہی ہے یقین ہے خزانہ ضرور مل جائے گا" واللہ ہو خوش قسمت بیوی حسین اور مال اور پائی"

ظفر جنگ۔ مگر اگر پہلے خزانہ مل تو جائے پہلے سے ہی کیوں میری قسمت پر رشک کرنے لگے۔

کپتان جو زف نے نقش کھولا جو حنائی رنگ کاغذ پر تھا اور جس کی صورت یہ تھی۔

نیلگوں رنگ پانچواں صنوبر

١	٧	١١	١٦	١٨	١٣
ط	س	ض	ہ	ک	ن
ے	چ	می	بے	ح	ن
٥	٨	٩	×	٢١	٢٣

یہ تیسرا نقش ہی خزانے کی کلید تھا جس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا اور کوئی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا بہت دیر کے بعد صفدر نے کہا نیلگوں رنگ صنوبر کیسے ہو سکتا ہے۔ صنوبر تو سبزی رنگ کا ہوگا۔

کپتان جوزف۔ میرا خیال ہے پہلے معالجہ سے صنوبر کی تصویر کہیں بنائی گئی ہوگی جہاں یہ تصویر ہوگی وہیں خزانہ ملے گا۔

ظفر جنگ۔ بہتر ہے بارہ دری میں چل کر دیکھئے بارہ دری کا فرش اٹھا کر دیکھا لیکن نیلگوں رنگ صنوبر کہیں نظر نہ آیا چپہ چپہ دیکھ ڈالا تمام دن اس کاوش میں گذر گیا شام کو پھر سب نے نقش کو غور سے دیکھا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا دوسرے روز صبح ہی سے پھر دیکھ بھال شروع کر دی، مرمریں چبوترے پر حوض کے مقابل صفدر کو صنوبر کی تصویر نظر آئی اور انھوں نے کہا دیکھئے کپتان صاحب یہ صنوبر کی تصویر ہے لیکن یہ نیلگوں تو نہیں ہے۔

کپتان۔ ممکن ہے مغالطے کے لئے ایسا لکھا ہو معلوم ہوتا ہے خزانہ یہیں ہے یہاں سے کھدوا جائے فوراً کھدائی شروع ہو گئی سنگ مرمر کی چوکور سل کا اٹھانا آسان کام نہ تھا پورے تین گھنٹے کی محنت کے بعد تو بمشکل ظہور احمد اور دلیپ سنگھ نے سل ہٹائی پھر کھودنا شروع کیا کہیں خدا خدا کر کے چار ہاتھ کھد جانے پر ایک بڑا ہاتھی دانت کے کام کا اخروٹ کی لکڑی کا صندوقچہ ملا اس کو کھولا تو اس میں سے ایک چاندی کے پتر پر کھدا ہوا وہی نقش ملا اور ایک کنجی جو زنگ آلود ہو گئی تھی ملی ساتھ ہی ایک چاندی کی انگشتری تھی جو نواب عمدۃ الملک کی مہر تھی۔

صفدر۔ لاحول ولا قوۃ اونچی دکان پھیکا پکوان" بھلا یہ نواب صاحب کو کیا مذاق سوجھا کہ ان فضول چیزوں کو اتنی احتیاط سے رکھا۔

کپتان جوزف۔ صفدر صاحب یہ چیزیں فضول نہیں خزانے کی کنجی اور اپنی مہر

نواب صاحب نے رکھی اس کے لئے اتنی حفاظت کی ہی ضرورت تھی سمجھ لیجیے کہ جب کنجی اتنی مشکل سے ملی ہے تو خزانہ کس مشکل سے ملے گا۔
ظفر جنگ۔ کپتان مجھے افسوس ہے آپ میرے لئے اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔
کپتان جوزف۔ مجھے اب خود اس اسرار نقش سے دلچسپی ہو چلی ہے کل بھی اگر ناکام رہا تو دو روز کی رخصت اور لونگا اور اس کو حل کر کے رہونگا یقین ہے کل انشاء اللہ خزانہ کا پتہ ضرور پا لیں گے۔
صفدر۔ دیکھئے حضرت ہے ٹیڑھی کھیر۔
نشاط۔ اب تو شام ہو رہی ہے آؤ چلئے پی کر ذرا باغ میں گھومیں تیری صبح چائے کے بعد۔ کپتان جوزف ٹہلتے ہوئے حوض پر جا بیٹھے نقش اب بھی ان کے ہاتھ میں تھا جس کو وہ دوبارہ غور سے دیکھ رہے تھے ظہور احمد بھی قریب میں کھڑا ہوا تھا یکایک کنول کے پھول کی صورت والے فوارے کو دیکھ کر ظہور احمد اچھل پڑا اور کہا دیکھئے حضور نقش کے اوپر کے ہندسے اسی پھول پر موجود ہیں ١ ٧ ١١ ١٦ ١٨ ١٣ اور یہ الفاظ میرا خیال ہے الٹ پلٹ کر لکھے گئے ہیں الٹی طرف سے لکھ کر یہ لفظ جوڑے جائیں، جیب سے کاغذ نکال پنسل سے ظہور احمد نے الفاظ لکھے اور پھر کہا دیکھئے صاف لکھا ہے سطح حوض کے نیچے، حوض کی سطح کو دیکھنا چاہیے۔

کپتان جوزف نے کہا فوارہ بند کرو مجھے تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔
ظہور احمد نے کوٹ اتار قمیض کی آستین چڑھا کر فوارہ بند کیا اور حوض میں کود گیا فوارے کے عین نیچے پتھر پر کائی جم رہی تھی اس کو صاف کیا تو حضور ہو گئے درخت کی جیا گوں رنگ تعجب پر نظر آئی صفدر نے تصویر دیکھ کر تالیاں بجا کر کہا آہا ہا یہ

ہے نیلگوں رنگ صنوبر لیکن یہ تو ایک ہے پانچواں گپ ہے۔

کپتان جوزف۔ صفدر صاحب چاروں کونوں پر اصلی صنوبر کے درخت ہیں پانچواں یہ ہے صرف مغالطہ دینے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ خزانہ یقیناً یہیں ہے دیکھئے صنوبر کے نیچے وہ ہندسے موجود ہیں جو نقش کے نچلے حصے میں ہیں۔

۲۳۲۱ × ۹۸۵

موتھ سے سگار کا دھواں چھوڑ کر ظہور احمد نے راقم ۹ اور ۲۱ کی وسطی کٹی ہوئی لکیروں کو دباؤ۔

ظہور احمد نے کٹی ہوئی لکیریں دبائیں معاً پتھر اپنی جگہ سے سرکا اور ایک کھڑکی نمودار ہوئی جس میں بڑا سا قفل لگا ہوا تھا قفل میں وہ کنجی پھرائی گئی جو صندوقچے سے ملی تھی قفل کھل گیا اور کھڑکی کھلنے پر سب سے قبل ظہور احمد اندر کود ا پھر یکے بعد دیگرے سب کود ے، اندر پہونچ کر ان سب کے پاؤں سنگ مرمر کے ٹھنڈے فرش پر جمے تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک سہ در دالان دکھائی دیا جس میں کافی روشنی ہو رہی تھی دالان میں پہونچے تو اس کے بڑے طاق میں ایک ہیرا جو چڑیا کے انڈے کے برابر تھا طلائی طشتری میں رکھا ہوا جگمگا رہا تھا اور اس کی جوت سے سارے دالان میں روشنی ہو رہی تھی۔

کپتان جوزف نے ہیرے کو ہاتھ میں لے کر کہا اللہ اللہ کیا جواہر ہے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو بجز ایک چھوٹی صندوقچی کے کچھ نظر نہ آیا ظفر نے صندوقچی کو کھولا تو ایک کنجی بمع نقش کے برآمد ہوئی اس چھوٹے سے نقش پر ایک پھول اور یہ ہندسے تھے۔

۱۹ ✤ ۱۱

صفدر۔ نقش کو دیکھ کر ان بڑے میاں کے نقشوں نے تو ناک میں دم کر دیا کس مشکل سے تو یہاں پہنچے اب ایک اور نقش مل گیا۔

کیپٹن جوزف۔ یقیناً یہ ہندسے اور پھول یہیں کہیں دیوار پر ملیں گے، جہاں کہیں یہ ہونگے وہیں خزانہ ہوگا سارا دالان دیکھ ڈالا ہندسے اور پھول کہیں بھی نہ ملے دالان کے ایک کونے میں چھوٹی سی کوٹھری تھی جس کے بوسیدہ کواڑ ہاتھ لگاتے ہی کھل گئے اور ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے سب کو پھریری لینے پر مجبور کر دیا، کوٹھری میں اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دیتا تھا ظہور احمد ٹارچ لے کر آگے بڑھا کوٹھری کے فرش اور دیواروں کو بغور دیکھا پھر طاق پر نظر ڈالی تو نقش کے پھول اور ہندسے نظر آئے پھول کو دباتے ہی طاق بیچ میں سے آدھا آدھا ہو گیا اور ایک الماری کا دروازہ نمودار ہوا اس الماری کے قفل میں دالان سے جو کنجی ملی تھی پھرائی گئی قفل چونکہ بہت زنگ آلود تھا بمشکل کھلا الماری کے کھلتے ہی جواہرات کی چمک نے کوٹھری میں اجالا کر دیا الماری کے چار درجے تھے دو درجے الماس زمرد یاقوت نیلم سے لبریز جگمگا رہے تھے، موتیوں کی مالائیں سہرے کی نیکلس اور کرن پھول زمرد یاقوت کے خوش رنگ دانے ایک سے زیادہ ایک چیز قیمتی تھی، تیسرا درجہ لبالب اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا چوتھے درجے میں سونے کے چند ظروف تھے اور ایک چاندی کا صندوقچہ رکھا تھا صندوقچہ کھولا تو ایک طلائی چوکھٹے میں شاہ عالم کے دربار کی تصویر تھی اس تصویر میں نواب عمدۃ الملک کے دادا نواب صیف الملک حضرت ظل سبحانی کو نذر دے رہے تھے اور شاہ عالم پناہ مہم سر کر کے آنے کے انعام میں نواب صیف الملک کی پیشانی پر اپنے دست مبارک سے کلغی لگا رہے تھے یہ تصویر مغل آرٹ کا ایک شاہکار اور بجائے خود جواہر سے بھی قیمتی

تھی تصویر کے ساتھ ایک اور خط مع ایک الماس نگار کلغی کے نکلا، کلغی بیش قیمت الماس اور دُرِ شاہوار کی بدولت سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئی خط میں لکھا تھا۔

ہم اُس عزیز کو مبارکباد دیتے ہیں

جس کو یہ خزانہ ملا ہے یہ کلغی وہی ہے جو شاہ عالم خلد آشیاں نے ہمارے دادا جان جنت آرام گاہ کو الطاف خسروانہ سے عنایت کی تھی دالان کے طاق والا ہیرا بھی عطیہ شاہی ہے اور خزانہ شاہی کا ایک انمول جواہر اس کوٹھری کے فرش کے وسطی سل کو اٹھایا جائے یہاں سے ہمارا خزانہ ملے گا۔

عمدۃ الملک

ظہور احمد نے حلقے والی سل اٹھائی ایک بڑا حوض نمودار ہوا جو نقرئی ظروف سونے چاندی اور جڑاؤ ہتھیاروں کی تلواروں سے بھرا ہوا تھا سارا سامان نکال کر دلیپ سنگھ اور ظہور احمد نے دالان میں ڈھیر کر دیا جواہر دو سوٹ کیسوں میں بھرا گیا تمام نقد و جنس کا اندازہ لگایا تو پچاس لاکھ سے زیادہ کا ہی مال تھا صرف اشرفیاں ہی پندرہ لاکھ کی تھیں جب یہ باہر نکلے تو آفتاب آشیانے کی طرف جا رہا تھا دن جھلکیوں ہی باقی تھا دن بھر کسی نے اس قصے میں کچھ نہ کھایا تھا سب نے ہاتھ منہ دھو کر چائے پی انڈے ٹوسٹ ملے کھائے ظہور احمد سامان کے لئے پولیس کی لاری لیکر آیا چھ مسلح سپاہیوں اور ظہور احمد دلیپ سنگھ کی حفاظت میں سب سامان اظہر محل بھیجا گیا، یہ سب بھی جواہر کے سوٹ کیس کاروں میں رکھکر اظہر محل پہونچے اثروت آرا بیگم بہنیں بخشی مہر النسا، صادقہ زیب النسا، مسز نشاط بھی آگئیں تھیں سب کی اس جواہر اور اسباب کو دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔

کپتان جوزف کو ظفر جنگ نے ایک ہیرے کی انگشتری اور پچیس ہزار نقد

بمشکل دیا لینے نہ تھے مسز جوزف کو ثروت آرا نے موتیوں کی مالا اور دو خوش رنگ زمرد دیئے۔

صفدر کو پندرہ ہزار نقد اور سونے کے پرتلے کی تلوار دی مہر النسا کو ثروت آرا نے ہیرے کی ہیکل پہنائی زیب النسا اور صادقہ کو بھی ایک ایک انگوٹھی چار چار دانے زمرد یاقوت کے اور دو دو برتن چاندی کے دیئے مسعود تو ظفر جنگ کے داماد تھے ان کو مرصع کلغی الگ ملی۔

نشاط کو چاندی کے ڈاب کی پیش قبض اور ایک ہیرے زمرد کی انگشتری ظفر جنگ نے دی مسز نشاط بھی بہیں تھیں بھلا کیوں رہ جاتیں یاقوت کے کرن پھول ان کو ملے، الگزنڈرا کو ثروت نے بہت اصرار سے موتی و زمرد کی کنٹھی دی انھوں نے کہا بھی میں زیور کب پہنتی ہوں میرے لئے بیکار ہے لیکن ثروت نے کہا میری نشانی سمجھ کر لے لو، ظہور احمد دلیپ سنگھ کو پانچ پانچ ہزار نقد دیئے، حشمت کو ثروت نے سات اشرفیوں کی ہیکل دی، پانچ لاکھ نکال کر ایک مسجد بنوائی سو آدمیوں کو حج کرلئے، خیراتی فنڈ میں پچاس ہزار دیا علیگڈھ یونیورسٹی کو پچاس ہزار زیادہ گاؤں خرید کر آمدنی بیواؤں یتیموں کے لئے وقف کی، بیرسٹر صاحب کو ثروت آرا نے بہت چاہا کہ اس میں سے کچھ لیں لیکن انھوں نے نہ لیا کہا تمہاری ماں کا تھا تم کو مل گیا، میرے لئے مسرت کا باعث ہے مجھے کیا کرنا ہے، ہمپارہ کے لئے ثروت آرا نے الگ پچاس ہزار نقد ایک سونے کا خاصدان چاندی کے سات برتن موتیوں کی مالا ہیرے زمرد کے کرن پھول اور اس کے دولہا کے لئے مرصع کلغی اور سونے کے پرتلے کی تلوار بینک میں رکھوا دیئے۔

نواب صاحب کو سونے کا پیچوان نذر کیا ماں کے سامنے تو سب لا کر

رکھ ہی دیا تھا اُنھوں نے کہا دلہن میں کیا کروں گی خدا تم کو برتنا نصیب کرے " دودھوں
نہاؤ پوتوں پھلو" مجھکو تمہارے لئے ہی درکار ہے نندوں کو خود تم نے دیدیا ثروت
کے بہت اصرار سے ایک انگشتری لیکر پہن لی جس میں بڑا سا ہیرا جگمگ جگمگ کررہا
تھا باقی سب اشرفیاں جواہر بنک میں رکھوا دیا تلواریں جو رہ گئی تھیں اُن کو نواب
صاحب کے اسلحہ خانے میں رکھ دیا گیا اس خزانہ ملنے کی خوشی میں پورے کنبے کی
بیگمات کو ثروت آرا بیگم نے بلایا کھانا کھلایا میلاد شریف کیا اور چاندی کی طشتریوں
میں قلاقند سب کو دیا، اپنے یورپین احباب اور فیشن ایبل روشن خیال ہندو مسلم
دوستوں کو ظفر جنگ اور بیگم ظفر جنگ نے بہت بڑا ایٹ ہوم دیا۔

۵۲

صنوبر بلغ کا خزانہ ملے ہوئے ڈیڑھ مہینہ گذر چکا ہے صبح دس بجے کا عمل ہے موسم بہار کا آغاز ہے خزاں رسیدہ درختوں میں از سر نو کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔

چونکہ آج اتوار کا دن ہے اس لئے ظفر جنگ اپنی پیاری بیوی سے اطمینان سے باتیں کر رہے ہیں ہاتھ میں ٹائمز آف انڈیا کا تازہ پرچہ ہے۔

ثروت - یہ جرمن والے بھی روز نت نئی ایجاد کرتے ہیں۔

ظفر جنگ - ہاں جنگ عظیم کا زمانہ ابتک سب مجھے یاد ہے جرمن نے اپنی سیاسی چالوں سے تمام یورپ میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔

ثروت - اُن زمانے کی یاد اب بھی میرا دل دہلا دیتی ہے لڑائی جب زیادہ زور پر تھی اور آپ کیمبرج میں تھے میرا عجب حال تھا ادھر ناز بیگم کی بدولت چین نہ ملتا تھا اُدھر آپ کی جانب خیال لگا رہتا تھا رات دن آپ کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔

ظفر جنگ - (مسکرا کر) جی بجا ارشاد ہوا خواہ یاد بھی نہ کرتی ہو۔

ثروت آرا - خیر آپ میری جانب سے بدگمان ہیں تو اس کا کیا علاج، میرے

لئے اس زمانے میں سوائے آپ کی یاد کے اور کیا دلچسپی تھی جانی صاحب کی شرارتوں سے تنگ آکر سارا وقت پریشانی میں گذرتا تھا۔

ظفر جنگ۔ (مسکرا کر) یاد ش بخیر ہمارے رقیب تھے بڑے دلچسپ انسان حضرت نے وہ گھراؤ کیا تھا کہ اگر کبھی پورا پڑ جاتا تو ہم تو اسی وقت جنت آرام گاہ ہوتے۔

ثروت آرا۔ بس کیجئے تو یہ مذاق کی بھی حد ہوتی ہے بری بات منھ سے انسان کو نکالنی نہیں چاہئے۔

بیرا۔ حضور اظہر محل سے ٹیلیفون آیا ہے آپ کو بلاتے ہیں۔

ثروت آرا۔ رسیور اٹھا کر ہلو۔

آواز۔ دلہن تم ہو؟

ثروت آرا۔ آواز پہچان کر باجی آداب، کہئے! بہن مہر کی طبیعت کیسی ہے؟

صادقہ۔ اسی لئے تو تم کو ٹیلیفون کیا مہر النسا کی طبیعت رات سے ٹھیک نہیں تھی اب صبح سے زیادہ بے چین ہے۔

ثروت آرا۔ اور یہ آپ نے مجھے اتنی دیر لی۔ بتایا اچھا میں ابھی آتی ہوں۔

ثروت نے ظفر جنگ سے کہا بہن مہر کی طبیعت ٹھیک نہیں میں اظہر محل جاتی ہوں آپ بھی چلیں گے

ظفر جنگ۔ گیارہ بجے مجھے یہاں کچھ لوگوں سے ملنا ہے تم جاؤ میں کھانے کے لئے آؤں گا۔

ثروت آرا۔ بہت اچھا کہتی ہوئی جلدی اپنے سنگھار کمرے میں گھس گئیں لباس تبدیل کر کے مع آیا اور نزہت کے کار میں بیٹھ کر چند منٹ بعد اظہر محل جا پہونچیں ابھی وہ اتر کر صحن تک ہی پہونچی تھیں کہ شمشاد نے کہا دلہن بیگم بھانجہ مبارک ہو

ثروت آرا۔ (خوش ہوکر) بچہ ہوگیا۔
شمشاد۔ جی ہاں آپ کا آنا بھاگوان ہوا صبح سے چھوٹی بیگم کی طبیعت بہت بے چین تھی ادھر آپ کی موٹر ٹھہری اُدھر بچہ ہوا ثروت جلدی جلدی قدم بڑھا کر مہرالنساء کے کمرے میں داخل ہوئیں لیڈی ڈاکٹر بچہ کو غسل کرا رہی تھی غسل کے بعد کپڑے پہنا کر ثروت آرا کی گود میں دیدیا لڑکا ہونے کی دھوم سارے کنبے میں مچ گئی خاندان کی ساری بیگمات جمع ہوگئیں بھانڈوں کے طائفے آنے لگے اندر ڈومنیوں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر گانا شروع کردیا بچے کے کان میں اذان دی گئی، ظفر جنگ بھی آئے شہد چٹایا بھلا نجے کو بہت پیار کیا صفدر بھی جب تک نواب صاحب بیٹھے رہے دل پر جبر کئے خاموش سرجھکائے بھیگی بلی بنے بیٹھے رہے نواب صاحب کے باہر جاتے ہی بیگم صاحبہ اور دوسری بزرگ بیگمات تمام رات جاگتی رہی تھیں اس لئے آرام کرنے کے لئے چلی گئیں میاں صفدر کو چہکنے کا موقعہ ملا بلبل ہزار داستان کی طرح چہکنے لگے۔
ظفر جنگ۔ بھئی صفدر بیٹا مبارک ہو یہ ہماری دعاؤں کا اثر ہے، مٹھائی کھلاؤ۔
صفدر۔ (مٹک کر) جم جم نت نت مبارک ہو تم بیچارے کیا دعا مانگوگے ورنہ اپنے لئے نہ مانگتے ہم ہیں بیٹے کے باپ تم ہو بیٹی کے باپ۔
نشاط۔ یہ تو خدا کا حکم ہے بیٹا ہو یا بیٹی ہم کو سب یکساں ہیں تم تو شیخی خورے ہو۔
صفدر۔ ہونہہ بھلا آپ کیوں نہ بولیں گے ظفر تو ایک ہی بیٹی کے باپ ہیں اور آپ تو پچھلے ہفتے سے ماشاءاللہ دو صاحبزادیوں کے والد بزرگوار بن گئے بچے کو اٹھا کر آمیرے بیٹے خدا تجھ کو ان سب کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔
صادقہ۔ میاں رحم کرو ابھی اس کی اوقات کیا تم تو جنے رہو۔
صفدر۔ خاصا موٹا تازہ ہے اچھال کر میں اس کو مضبوط کرتا ہوں۔

زیب النسا۔ اے ہے صفدر، مان جاؤ لاؤ بچے کو مجھے دو۔

صفدر۔ نزہت کو لے کر آ میری بچی تو میرے پاس آ

صادقہ۔ ہنس کر بیٹی کا ارمان ہے تو انشااللہ وہ بھی ہو جائیگی گھبراہٹ کا ہیکی ہے۔

صفدر۔ جم جم ہو۔

نشاط۔ واہ بھائی دولہا بھی مات کیا۔

صفدر۔ نزہت سے جو نے ان کے بال روئے کہٹے تھے کیوں ری فتنی ہونا اپنے باپ کی طرح قیامت ہے شرط تجھکو پھینک دوں۔

صادقہ۔ ہاں ہاں کیا کرتے ہو اچھا یو نہیں ایسا نہ ہو کہیں جھٹکا آ جائے۔

صفدر۔ نزہت کو ہاتھ پر بٹھا کر دیکھئے بھابی دلہن یہ گڑیا کیسی اچھی لگتی ہے۔

صادقہ۔ تمہاری تو ہنسی ہو جائیگی اُس کے کہیں چوٹ لگ جائیگی۔

زیب النسا نے دھب مار کے صفدر سے نزہت کو چھین لیا۔

صفدر۔ واہ بی آپا دیدہ یہ سنا نہیں ہے۔

زیب النسا نے عشرت زمانی کو آتا دیکھ کر کہا اچھا ہوا ہوا نئی جان آ رہی ہیں اب تم ٹھیک سے سمجھوگے۔

میاں صفدر نے دیکھا اب میری دال یہاں نہ گلیگی باہر چلتے ہوئے غل غپاڑے ہنگامے کی بدولت مہرالنسا کو آرام نہ مل سکا۔ ہر وقت ناچ گانے اور مہمانداری کے باعث نیند اچھی طرح نہ ہوئی بوباں جو زچہ خانے میں جمع رہتیں چھالیا کاٹنے کی کھٹ کھٹ سے الگ پریشان کرتیں اور شادی بیاہ کے معاملات پر رائے زنی کا شور جدا، لیڈی ڈاکٹر بہت ہدایت کرتی، ثروت آرا اور صادقہ بہت ان سب کو سمجھاتیں مگر یہ بھلا کب سنتی تھیں ناک بھوں چڑھا کہہ دیتیں لے ہوئی یہ نیا بچہ زچہ ہم نے نہیں دیکھے خدا جھوٹ نہ بلائے سینکڑوں چلے

چلے گئے ہیں ہاں یوں کہو کہ آج کل کی لڑکیاں نازک ہو گئی ہیں، مہر النسا بیچاری کی صحت ایام حمل میں خراب ہی رہی تھی بچہ ہونے سے ایک ہفتے قبل سے ملیریا میں مبتلا تھی بچہ ہونے کے لئے تین دن تو معمولی حرارت رہی کسی نے اتنا خیال نہیں کیا چوتھے روز تو ایسا اٹھلا کر بخار چڑھا کہ سارے گھر کے اوسان بگڑ گئے گم مرد ی نہ تھی درجہ حرارت چار روز تک متواتر ایکسو دو رہا اور دوپہر کو تو روزانہ ایکسو [illegible] ایک سو چار ہو جاتا تھا پانچویں روز تو عجب حالت ہو گئی، مہر النسا بڑبڑانے لگیں کسی کو پہچانتی نہیں تھیں سرسامی کیفیت تھی ڈاکٹر فیض جو ہر وقت ان کے یہاں رہتے تھے سول سرجن جو نواب صاحب کے دوست تھے وہ بلائے گئے ہوئے تھے ظفر جنگ کے ایک دوست کرنل اسمتھ کا علاج تین دن سے تھا لیکن اس سے بجائے فائدہ کے جب مرض میں ترقی ہوتی گئی تو گھبرا کر حکیم صاحب کا علاج شروع کر دیا گانا بجانا سب بند ہو گیا مہر النسا کے کمرے میں اب سوائے صاحبزادی زینب النسا ثروت کے یا نرس اور خادماؤں کے اور کوئی نہ رہتا تھا ہر جانب سناٹا تھا النسا کی خوش مذاقی زندہ دلی ان دنوں رو پوش ہو گئی تھی سب کے بانو بیگم شب روز بیوی کی پٹی سے لگے بیٹھے رہتے تھے نہ کھانے کا ہوش تھا زینت کا بیمار مہر النسا تھیں لیکن اُن کی حالت مریضوں سے بدتر ہو گئی تھی، چھٹے روز جب حکیم صاحب کے علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا تو نشاط اپنے ایک بنگالی دوست ڈاکٹر شرما کو لائے ڈاکٹر شرما خاص طور پر مڈوائفری کے ماہر تھے پینے کی دوا بھی دی اور سر پر رکھنے کے لئے بھی، جس وقت ڈاکٹر شرما نے مہر النسا کو دیکھا تو ایک سو پانچ بخار تھا اور ہذیانی کیفیت طاری تھی پہلی خوراک دے کر وہ مہر النسا کے قریب بیٹھے رہے ہاتھ مہر النسا کی نبض پر اور نظر گھڑی پر خوراک ملنے کے ایک گھنٹے بعد ٹمپریچر لیا تو بخار ایک سو تین تھا اور مہر النسا سو رہی تھیں

ڈاکٹر ثمر ما نے اطمینان کا سانس لیکر کہا خدا کا شکر ہے اب مسز صفدر خطرے سے باہر ہیں۔

جب یہ اٹھ جائیں دوسری خوراک دیجئے میں شام کو پھر آؤنگا حسب ہدایت دوا دی گئی مہرالنسا کو اب سکون معلوم ہو تا تھا دو دن سے سب گھبرائے گھبرائے تھے اب سب کے اوسان درست ہوئے ڈاکٹر ثمر ما نے شام کو آتے ہی انجکشن لگایا ٹمپریچر لیا بخار اب بھی ایک سو دو پائنٹ چار تھا دوا کی خوراک دیکر نبض دیکھتے رہے آدھے گھنٹے بعد ٹمپریچر لیا تو بخار ایک سو ایک تھا مہرالنسا ہوشیار تھیں حالانکہ نقاہت غضب کی تھی مگر وہ حالت نہ تھی جو چار دن سے ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر ثمر ما نے صفدر سے کہا لائیے صفدر صاحب اب کچھ کھلوائیے آپ کی بیگم صاحبہ ماشاء اللہ بالکل چاق چوبند ہیں۔

صفدر نے تیوری پر بل ڈال کر یہ کیا مذاق کا موقعہ ہے میرے دم پر بن رہی ہے تم جیسوں کا کیا ہے مرے دوزخ میں جائے چاہے بہشت میں تم کو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔

ڈاکٹر ثمر ما۔ (مسکرا کر) صفدر صاحب باتوں سے کام نہ چلے گا۔ آپ کیسے آدمی ہیں آپ کے ہاں ڈاکٹروں کی بھی خاطر ہوتی ہے اتنی دیر سے بیٹھا ہوں کچھ کھلانے کا ذکر نہیں۔

صفدر۔ جھنجلا کر) اس نہ کرو جی بیوی کا یہ حال ہو رہا ہے، ہم اپنی زندگی سے بیزار ہیں تم جیسے مفت خوروں کو کھانے کی ہی فکر رہتی ہے

ڈاکٹر ثمر ما۔ خیر کھلائیے نہیں تو چلئے ہی پلا دیجئے لیکن کچھ تو مل جائے ایسی بھی کیا بے مروتی کہ آپ کورا جواب دے رہے ہیں۔

صفدر۔ ثمر ما میں تم کو معقول سمجھتا تھا لیکن نشاط کے ساتھ رہ کر تم بھی نامعقول

ہو گئے ہو طبیعت حاضر نہیں ورنہ تم اور یوں میرا مذاق اڑاتے؟۔
ڈاکٹر شرما ۔صفدر صاحب آپ بڑے چرب زبان ہیں کھانے پینے کا سوال بالکل اڑا دیا۔

مہر النسا ہنس پڑی ڈاکٹر شرما باتیں صفدر سے کر رہے تھے لیکن نظر مہر النسا پر ہی تھی اسکو ہنستا ہوا پاکر بہت مسرور ہوئے، صفدر بھی بیوی کو ہوشیار دیکھکر بشاش ہو گئے چاروں طرف آمین آمین ہو گئی جب سے بچہ ہوا تھا ہنسنا کیسا بچاری مہر النسا کو جان کا بھی ہوش نہ تھا ڈاکٹر شرما نے چوتھی خوراک دی ٹمپریچر لیا تو خفیف سی حرارت تھی فیس تو دوستی کے سبب وہ لیتے نہ تھے لیکن بیگم صاحبہ نے چلتے وقت ایک سونے کی قیمتی گھڑی بہت اصرار کر کے انکو دیدی۔

صفدر نے دو دن سے کپڑے تبدیل نہیں کئے تھے غسل کر کے نفل شکریئے کے پڑھے۔

مہر النسا کو ایک ہفتے تک معمولی حرارت ہوتی رہی آٹھویں روز بخار بالکل اتر گیا بیمار ہو جانے کے باعث مہر النسا بائیسویں روز چھٹی نہائیں ستائیسویں روز بہت دھوم سے عقیقہ ہوا بچے کا نام شکیل حسن رکھا گیا، مسز شرما کو بیگم صاحبہ نے طلا کار بھاری بنارسی ساڑی اور موتیوں کے گوشوارے دیئے چلہ نہا کر مہر النسا پانوں پھیر بھائی کے یہاں گئیں، ثروت آرا نے نند کو چار دن رکھا، چلتے وقت کارچوبی جگمگاتا جوڑا اور صفدر کیلئے بیش قیمت سوٹ کا کپڑا بچے کو چار جوڑے ننھی سی کلغی اور ڈھائی سو روپیہ نقد دیئے خشک میوہ اور پھل ساتھ کئے مہر النسا اپنے گھر سدھاریں شکیل پورے دو مہینے کا بھی نہیں تھا بیگم صاحبہ نے اسکو اپنے پاس انا کھلائی مقرر کر کے رکھ لیا ثروت آرا کو بھی رہتی تھیں، مہر النسا اپنے گھر زیب النساء حیدر آباد میں بیگم صاحبہ سخت گھبرائی تھیں اب ان کا زیادہ وقت شکیل کی دیکھ بھال میں گذرتا تھا۔

۵۳

نواب اظہر جنگ کی عمر ابھی پورے پینسٹھ سال کی بھی نہ تھی لیکن دمے کے مرض نے جواب کوئی دس برس سے اُن کو ہو گیا تھا، بہت کمزور کر دیا تھا مگر اگلے وقتوں کے آدمی تھے ہار چکا تھا طاقت ٹوٹ چکی تھی لیکن اب بھی آواز میں وہی گرارپن باقی تھا علاج ہمیشہ حکیم صاحب کا رہتا تھا سول سرجن صاحب سے حالانکہ دوستی تھی مگر وضع داری پرانے زمانے والوں پر ختم تھی کبھی بھول کر بھی نواب صاحب نے انگریزی دوا نہیں پی کہ ایسا نہ ہو اس میں شراب ملی ہوئی ہو اور ایمان میں خلل پڑے، البتہ وہ لوگ کس قدر نیک تھے کہ مذہبی عقائد کے سامنے زندگی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے"۔ ظفر جنگ نے بارہا کہا۔ خود سول سرجن نے بہت اصرار کیا لیکن نواب صاحب نے ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا انگریزی دوا پینی تھی نہ پی اس مرتبہ شدت کا جاڑا کمزور ہو ہی چکے تھے ہمت ہی ہمت باقی تھی ایسا ضیق النفس کا دورہ پڑا کہ سانس الٹ گیا ساتھ ہی بخار بھی بہت تیز ہو گیا ظفر جنگ کا چھ ماہ ہوئے تبادلہ ہو چکا تھا وہ اب جالندھر کے ڈپٹی کمشنر تھے صفدر دہلی میں تھے انھوں نے بہت چاہا کہ ڈاکٹر کا علاج ہو لیکن نواب صاحب نے کہا بیٹا اب چل چلاؤ کا وقت ہے موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا آخری وقت انگریزی دوا پی کر میں اپنا ایمان نہیں بگاڑتا، اگر زندگی ہے یونانی دوا سے بھی فائدہ ہو گا ورنہ

قضا و قدر سے بندہ مجبور ہے صفدر سر جھکا کر خاموش ہو گئے،

حکیم اجمل خاں کا علاج ہو نا رہا مگر فائدہ نہ ہونا تھا نہ ہوا حکیم صاحب نواب صاحب کے گہرے دوست تھے گھنٹوں بیٹھے رہتے روزانہ نسخے تبدیل کرتے لیکن نواب صاحب کا وقت آچکا تھا موت کے ساتھ کون لڑ سکتا ہے تین دن یکساں حالت رہی چوتھے دن سانس اکھڑ گئی نبض کا نظام بگڑ چلا، ہوش و حواس میں فرق آگیا حکیم صاحب نبض دیکھ کر چشم پُر آب سر جھکاتے ہوئے چلے گئے، طاقت و فرحت پہونچانے کے لئے جواہر مہرہ دیا گیا لیکن نواب صاحب پر غفلت طاری رہی،

ظفر جنگ کو صفدر نے نواب صاحب کے علیل ہوتے ہی تار دیا تھا اور برابر روزانہ تار دیے رہے تھے وہ دورے پر گئے ہوئے تھے گھر آتے ہی تار پا کر گھبرا کر چلے مگر ایسے وقت پہونچے کہ سانس اکھڑے ہوئے بھی دو گھنٹے ہو چکے تھے اور نواب صاحب بالکل غافل تھے فوراً ڈاکٹر انصاری کو لیکر آئے انھوں نے آلے سے سینہ دیکھا نبض دیکھی اور کیفیت افسوس مل کر کہا افسوس ظفر میاں اب نواب صاحب نہیں بچ سکتے کام تمام ہو چکا کل بھی اگر میں دیکھتا شاید یہ بچ سکتے لیکن اب تو چند گھنٹوں کے مہمان ہیں، پھیپھڑے دونوں بیکار ہو نیکے زبردست حملے نے کر دیئے ہاں سکون کے لئے انجکشن دیئے دیتا ہوں انجکشن دینے کے بعد ڈاکٹر صاحب تو افسوس کرتے ہوئے رخصت ہوئے اور ظفر جنگ بچوں کی طرح باپ کے سرہانے بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ان کو روتا دیکھ کر ایک کہرام مچ گیا زنانے سے بیگمات باہر آگئی تھیں ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے سب دوسرے کمرے میں تھیں ان کے جانے کے بعد نواب صاحب کے پاس آگئیں ہر ایک گریہ و زاری کرنے لگی بیگم صاحبہ کا فرطِ الم سے عجب حال تھا زیب النسا، مہر النسا کی ہچکی بندھی ہوئی تھی، ثروت آرا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا جس کو مسلسل وہ رومال میں جذب کر رہی تھیں صفدر اور

خسرو جنگ ایک ایک کو سمجھاتے اور خود اپنے آنسو صاف کرتے جاتے انجکشن کے اثر سے پندرہ منٹ بعد نواب صاحب کو ہوش آگیا سانس کی تیز رفتاری میں بھی ذرا کمی ہوئی ظفر جنگ کو سرہانے پاکر وہ بہت خوش ہوئے روتا دیکھ کر کہا "ایں بیٹے روتے کیوں ہو آؤ میرے گلے لگ جاؤ تمہارے دیکھنے کے لئے سانس اٹکا ہوا تھا خدا کا شکر ہے کہ تم مرتے وقت میری بالیں پر ہو"

ظفر جنگ باپ کو ہوش میں دیکھکر ذرا سنبھلے اور سب کے حواس بھی درست ہوئے نواب صاحب نے بیٹے کی بلند پیشانی پر بوسہ دیکر دھیمے اور رکتے ہوئے لہجے میں کہا بیٹا کسی کے ماں باپ ہمیشہ نہیں جیتے تم خدا کا شکر ادا کرو کہ ہم اتنے زندہ رہے تم سب کے سہرے دیکھے اولادیں دیکھیں بیچاری ثروت کو دیکھو کتنی کمسنی میں ماں کا صدمہ دیکھا ذرا دم لیکر مجھے اپنے مرنے کا ذرا بھی رنج نہیں تم جیسا لائق بیٹا چھوڑ کر جاتا ہوں جس سے مجھے اُمید ہے میں مر جاؤنگا مگر میرا نام زندہ رہیگا پیارے اپنی ماں کا بہت خیال رکھنا بیگم صاحبہ سے جنکی آنکھوں سے اب بھی آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی بیگم ادھر آؤ افسوس میں تمہارے حقوق اچھی طرح ادا نہ کر سکا بارہا اپنے بیجا احکام سے میں نے تم کو تکلیف پہونچائی اپنے بچوں کا صدقہ میری ساری خطاؤں کو معاف کر دو تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔

بیگم صاحبہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا صاحب میں آپ کی قصوروار ہوں بہت دفعہ آپ سے بلا وجہ جھگڑی ہوں ہمیشہ اپنی بات دار رکھی ہے میں نے اسی دنیا میں آپ کی بدولت ایسا راج کیا کہ خدا دنیا جہان کی بیٹیوں کا ایسا نصیب کرے میری کامیاب زندگی خاندان کے لئے مثال تھی آپ ہی میرے قصور معاف کریں یہ کہتے کہتے وہ سسکیاں لینے لگیں نواب صاحب ہائیں ہائیں بیگم روتی کیوں ہو ابھی تو میں زندہ ہوں یہ کہا بدشگونی ہے۔

بیگم صاحبہ۔ بھرائے ہوئے لہجے میں میرے سرتاج خدا آپ کو سلامت رکھے اور میں آپ کے سامنے اس دنیا سے جاؤں اُڑ تیس برس کا ساتھ آج چھوٹ رہا ہے کیسے صبر کروں دل نہیں مانتا۔

خسرو جنگ۔ اماں جان اللہ کا فضل ہے ابّا میاں کی طبیعت اب درست ہے آپ فضول فکر کر رہی ہیں۔

بیگم صاحبہ۔ آنسو صاف کرتے ہوئے ہاں میاں خدا تمہارے مونھ کا کہنا کرے

نواب صاحب گہرا سانس لیکر خدا کا شکر ہے اُس نے میری یہ آرزو بھی پوری کی پوتا بھی دکھا دیا صفدر میاں جاؤ ذرا سب بچوں کو اور اختر کو لاؤ اختر ظفر جنگ کے ایک ماہ بچے کا نام تھا، ثروت آرا جالندھر سے زچہ خانے کے لئے دہلی آ گئی تھیں۔

نواب صاحب کے سامنے صفدر نے پہلے اختر کو کیا انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے پوتے کا ننھا ہاتھ اُٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور بیگم صاحبہ سے کہا قدرت نے تم کو یہ کھلونا دیدیا ہے میری یاد جب تم کو ستائیگی اختر سے دل بہلا یا کرنا پھر ننھی نزہت کو جو اب دو سال کی تھی پیار کیا، مہر النسا کے لڑکے شکیل حسن کے سر پر ہاتھ پھیرا زیب النسا کی تین سالہ لڑکی روشن آرا اور میاں مسعود کو جو سب کو رنجیدہ دیکھ کر خود بھی بسورنے لگے تھے گلے لگا کر کہا کیوں بیٹا کیوں روتے ہو۔

مسعود۔ نانا حضرت امی جان نانی اماں، خالہ جان سب رو رہے ہیں اسلئے مجھے بھی رونا آرہا ہے۔

نواب صاحب۔ نہیں بیٹے تم جاؤ کھیلو صفدر جاؤ ان سب کو اندر پہونچاؤ ثروت آرا سے دلہن تم بھی اب جا کر آرام کرو طبیعت خراب ہو جائے گی۔

بیگم۔ ہاں بیٹی تم اب جاؤ کوئی بات ہے ایک مہینے کی زچہ ہو یہاں آنے کی ہمت بہت کافی ہے اور پھر دو گھنٹے سے برابر بیٹھی ہو،

ثروت۔ نہیں اماں جان میں اچھی ہوں بیٹھا رہنے دیجئے؟

نواب صاحب کو یکایک کا نپتا دیکھ کر سب اُن کی جانب متوجہ ہوگئے ان کا جسم لرز رہا تھا نورانی پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے مثل شبنم چمک رہے تھے آنکھوں کی پلکوں میں خفیف سی لرزش تھی ہاتھ پاؤں بار بار سکوڑتے اور پھیلاتے تھے عشرت علیخاں نے سورۂ یٰسین شروع کردی اور سب یہ حالت دیکھ کر دوبارہ رونے لگے دس منٹ تک یہی حال رہا پھر جسم ٹھنڈا پڑ گیا دو ہچکیاں آئیں اور نواب صاحب ایک لمبا سانس لیکر ابدی نیند سو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ظفر جنگ نے باپ کے ختم ہوتے ہی ایک چیخ ماری اور شدت رنج سے بیہوش ہوگئے۔

نشاط اور صفدر نے جلدی سے ان کو دوسرے پلنگ پر لٹایا بیگم صاحبہ رو کر رہا ہے ہیرا بچہ میرا لال ہائے صاحب دیکھو ظفر کی کیا حالت ہے تم تو اس کے پھانس لگنے سے بے چین ہو جاتے تھے اب وہ بیہوش ہے اور تم کو خبر نہیں

مہر النسا، زیب النسا دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھیں ثروت پر ایک سکتے کا عالم طاری تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برس رہا تھا نوکروں کے دلخراش بین سے کلیجہ پھٹا جاتا تھا

عشرت علیخاں نے بہن کو سمجھایا بھانجیوں کو پیار کیا تسلی دی ظفر جنگ کو جو اب ہوش میں آچکے تھے لیکن ہائے ہائے کئے جا رہے تھے سمجھایا کہ میاں صبر کرو تم مرد ہو کر اس طرح روئے جاؤ گے تو ماں بہنیں نہ جانے کیا اپنا حال کرینگی، ثروت آرا کو ضعف اور رنج نے بے خود کر دیا تھا ایک مہینہ کی زچہ اُس پر یہ غم شفیق خسر کو وہ باپ کی طرح چاہتی تھی ماں کا صدمہ بھی آج تازہ ہو گیا، دکھے ہوئے دلوں

گو ذرا سی چوٹ زیادہ دکھا دیتی ہے بیرسٹر صاحب رات کو بہت دیر سے واپس گئے تھے ابھی آئے تھے ان کے گلے لگ کر شدت انتشار سے روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں، پلنگڑی پر ڈال کر اُن کو اندر لے گئے اور بیگمات بھی زنانے میں روتی چلی گئیں مردانے میں سب عزیز احباب جمع ہوئے، نواب صاحب کو قبلہ رو کیا دو حافظ سرہانے بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے، صبح چھ بجے نواب صاحب کا انتقال ہوا تھا ٹھیک گیارہ بجے جنازہ اُٹھایا گیا

دلی کے پرانے نواب تھے اور مغل سلطنت کے جاہ و حشم کی مٹی مٹائی سی یادگار نواب احمد سعید خاں طالب کے بعد نواب اظہر جنگ ہی دلی مرحوم کی تہذیب کا نمونہ رہ گئے تھے دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ شام کو جب یہ دونوں اپنی اپنی گاڑیوں میں سیر کو نکلتے تھے تو دونوں کی حسین و شاندار صورت اور وجاہت راستہ چلتوں کو مرعوب کر دیتی تھی۔

دوستی بھی دونوں کی ایسی تھی کہ آندھی ہو یا بارش روز کی ملاقات ناغہ نہ ہوتی تھی کسی شام کو وہ یہاں آتے کسی شام کو یہ وہاں جاتے۔ دونوں وضعدار خلیق اور بشاش امیر حسین، علم دوست، علم نواز، ہر فن میں طاق تھے نواب طالب مرحوم کے بعد سے نواب اظہر جنگ کہتے تھے اب جینے کا لطف باقی نہیں رہا دلی والے نہ رہے تو دلی میں کیا رہا دوستی جو تھی ایسی تھی کہ دو سال بعد ہی دوست سے جا ملے۔

تیس ہزار آدمی کا مجمع تھا ہندو مسلمان سب شریک تھے ہجوم سے چلنے کو جگہ نہ ملتی تھی نواب صاحب کے یورپین احباب چیف کمشنر مسٹر رابرٹ، مسٹر ولسن میجر ہڈسن اور وائسرائے کی جانب سے اُن کا ملٹری سیکریٹری یہ سب ننگے سر ہاتھی لیا ہیں جنازے کے ساتھ تھے اور وہ سینکڑوں بیوائیں اور یتیم بچے جن کو نواب صاحب

کی سخاوت کی بدولت کسی تکلیف کا سامنا نہ تھا چلاتے ہوئے جنازے کے پیچھے تھے
"اے سب بے وارثوں کے وارث، اے ٹوٹی کشتیوں کے ناخدا تو ہمکو کہاں چھوڑ کر چلا"
اور ان کے دل سے نکلی ہوئی آہیں اور بہتے ہوئے آنسو نواب صاحب کی مغفرت
کا سبب بن رہے تھے سارے شہر میں ماتم تھا دوکانیں بند تھیں اور سب مصروف
غم تھے فتحپوری میں نماز جنازہ پڑھائی گئی کوئی تین بجے سب نظام الدین اولیا
جہاں نواب صاحب کی خاندانی ہڑواڑ تھی اور اُن کے آبا واجدا دفن تھے پہونچے
جنازے کو عشرت علیخاں، نشاط، صفدر، ظفر جنگ نے قبر میں اُتارا سب نے مٹی
دیکر فاتحہ پڑھی ظفر جنگ باپ کی قبر سے لپٹ کر زار زار روئے بمشکل سب نے
اُن کو جدا کیا اور اظہر محل واپس آئے پھول، دسویں، بیسویں، چہلم سب پر بجائے
حصے بانٹنے کے ظفر جنگ نے یتیم خانوں میں کھانا منوں پکوا کر بھیجا غربا کو کھلایا
غریبوں کے لیے سرکاری ہسپتالوں کو روپیہ دیا چالیس دن تک لوگوں کا تانتا
بندھا رہا دونوں وقت دیگیں چڑھی ہوئی تھیں چہلم پر رسم دستار بندی ہوئی،
بیرسٹر صاحب احمد جی کے مرنے کے بعد پھولوں تک ظفر جنگ کے پاس رہے
دو دن تک کھانا اُنھوں نے پکوا کر منگوایا اب داماد کو بہت بھاری منڈیل
اور سیاہ رنگ کا کارچوبی دوشالہ دیا اور سب عزیز واحباب نے بھی حسب
حیثیت کسی نے سہلا دیا کسی نے شال دوشالہ نواب صاحب کی قبر پر کیوڑہ
گلاب چھڑک کر سنگ مرمر کا تعویز بنایا گیا۔

چہلم کے ایک ہفتے بعد نواب صاحب کے وکیل نے اُن کا وصیت نامہ
پیش کیا، وصیت نامے کی رو سے تمام جائداد اور مال واسباب کے مالک
ظفر جنگ تھے صرف ہنک کے ساٹھ ہزار میں دونوں لڑکیوں کا بھی حصہ تھا
مگر ظفر جنگ نے کہا یہ ناانصافی ہے میں بہنوں کو حصہ ضرور دونگا، نواب صاحب

کی جائداد کی ماہانہ آمدنی ساڑھے سات ہزار روپے تھی ظفر جنگ نے ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار کی جائداد دونوں کو دی پانچسو روپے ماہوار کی جائداد غریب رشتہ داروں کی تعلیم بیاہ، شادی کے مصارف کے لئے وقف کر دی چار ہزار روپے ماہوار کی اپنے لئے الگ رکھی اس میں سے ایک ہزار روپے ماہوار سے لینے باقی تین ہزار ماں کو دیدیے خواہ وہ سیاہ کریں یا سفید۔

نواب صاحب کا ٹھاٹ بہت زیادہ تھا محل کے ملازمین کے علاوہ اُنکے ذاتی ملازم ہنبیس تھے چار داروغہ چار منشی ایک داستان گو دو قوال ایک جھنڈے بردار دو فراش چار خدمتگار دو باورچی چار سوار چار سپاہی ایک چپتی کرنے والا ایک سکریٹری۔

ظفر جنگ نے چاروں سپاہیوں چاروں سواروں کو دو منشیوں اور ایک داروغہ اور سکریٹری کو تو برقرار رکھا دو خدمتگاروں اور دو منشیوں کی جو بوڑھے تھے پنشن کر دی باقی سب کو جواب دیدیا محل سے متعلق جو دربان کہار اور کام کرنے والے تھے وہ سب برقرار رہے اصطبل میں چھ گھوڑے نواب صاحب کے تھے اور چار سواروں کے ظفر جنگ نے دو گھوڑوں کو ماں کی سواری کے لئے رکھا ایک ایک گھوڑا بہنوں کو دیا باقی دو کو فروخت کر دیا سواروں کے لئے رہے سلح خانے توشک خانے اور جواہر خانے میں سے بھی بہنو کو حصہ دیا ماں کا خیال اب وہ پہلے سے بھی زیادہ کرتے تھے

ثروت آراء اس کی عدت تک اُن کے پاس رہیں پھر جالندھر جاتے وقت نزہت کو اُن کے پاس چھوڑ گئیں شکیل نور رہتا ہی اُن کے پاس تھا ان دونوں بچوں کی وجہ سے بیگم صاحبہ کا غم بہت غلط ہوتا تھا اُن کا سارا وقت خدا کی عبادت نواب صاحب کے لئے دعائے مغفرت کرنے یا ان دونوں کی

دیکھ بھال میں گذرتا تھا۔

چاہنے والے شوہر کے غم نے ان کو بہت ضعیف کر دیا بال جو پہلے بہت کم سفید تھے اب اُن کے لباس کی طرح سفید ہو گئے بس اب ان کا ہر سانس ظفر جنگ کی صحت و سلامتی کی دعا لیکر نکلتا تھا۔

۵۴

نواب صاحب کی برسی کی فاتحہ کے لئے ثروت آرا بیگم اور ظفر جنگ دلی آئے ہوئے تھے، مس الگزنڈرا کی خواہش پر اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ظفر جنگ نے اُنکی رائے کی تائید کی اور ایک خاندانی لڑکیوں کے لئے اسکول بنانے کی تجاویز سرگرمی سے ہونے لگیں ظفر جنگ نے اپنی جائداد میں سے ایک خوش قطع فراخ دو منزلہ بلڈنگ جو اظہر محل سے بالکل قریب تھی اسکول کے لئے دیدی اسکول کا افتتاحیہ جلسہ ثروت آرا بیگم کی زیر صدارت بہت شان سے ہوا سب سے قبل مسز صفدر نے تقریر کی جس میں انھوں نے تعلیم نسواں کی اشد ضرورت پر زور دیا اور مس الگزنڈرا کی اس تجویز کو سراہا اور بہت اچھے الفاظ میں مس موصوفہ کی تعریف کی ان کے بیٹھ جانے پر بی ستارہ مسکراتی ہوئی اسٹیج پر آ کھڑی ہوئیں اور اپنی غمازی نظروں کو چاروں طرف ڈال کر اور ہاتھ جھکا کر کہا،

"بہنو۔ الگزنڈرا بہن نے مجھ نگوڑی کو بھی پکڑ لیا ہے کہ آپ کے سامنے کچھ فضولیات بکوں یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ ہماری لڑکیاں ایسی جاہل اور بیوقوف نہ رہ جائیں جیسی کہ ہم ہیں، اور ہماری یہ جہالت جس طرح ہمارے شوہروں کے لئے عذاب جان بن رہی ہے اس سے ہمارے ہونے والے داماد محفوظ رہیں، اب یہ زمانہ نہیں کہ بیری

طرح سرمے سے دیدے چقّر مقّر کئے پان کھائے لاکھا جمائے اور بڑے پائنچوں کا پیجامہ سنبھالے لڑکیاں پاندان کھولے پان کھایا کریں اور "اوئی نوج" کہہ کر بات کریں۔ اتنو بوا وہ زمانہ آگیا ہے کہ میم صاحبہ اور صاحب بہادر پارک میں گٹ پٹ کرتے ہوا خوری کیا کرینگے۔ الگزنڈرا بہن کو ضد آگئی ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کو وہ اپنا جیسا بنا کر چھوڑینگی۔ راج ہٹ، بالک ہٹ، تریا ہٹ مشہور ہے تو اس میں بیک وقت دو ہٹوں کا سنگم ہو گیا ہے تریا ہٹ تو خیر ان کا پیدائشی حق ہے فاتح قوم کی اک فرد ہونے کی حیثیت سے راج ہٹ بھی ان میں ہے سو ان کا منتر اب چل کر رہے گا اب مجھ کو ہی دیکھ لیجئے (کانوں پر ہاتھ رکھکر) قسم لیلو اس سے قبل اسٹیج پر آنے کے نام سے بھی بندی کی روح کانپ جاتی تھی کیونکہ اللہ بخشے دوا مبارک کہا کرتی تھیں اسٹیج پر تو نگوڑی رنڈیاں اندر سبھا کا تماشہ کرتی ہیں لیکن اب بہن الگزنڈرا کے فیض صحبت کی بدولت میں کس مزے سے کھڑی آپ سب سے دو دو باتیں کر رہی ہوں "توبہ توبہ میں بھی کیا بہک جاتی ہوں" ذکر تھا لڑکیوں کی تعلیم کا اور قصہ لے بیٹھی اپنا تو ہاں بہنو اب لڑکیوں کے لئے تعلیم ضروری ہے اور راشد ضروری۔

ہمارے ہونے والے داماد ہم چاہتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیمیافتہ ہوں تو ہمارے دامادوں کی ماؤں کی خواہش ہوگی کہ اُن کی ہونے والی بہوئیں بھی پڑھی لکھی ہوں۔ اللہ بخشے دوا مبارک کہا کرتی تھیں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے جس سے بھیڑیے نے بھی پناہ مانگی تھی، ابھی تو نہ جانے کیا کیا سوانگ ہونگے میرا مطلب یہ کہ زمانہ جس سے ناچ نچائیگا ہم کو ناچنا پڑے گا پھر ہم اپنی پیاری بہن الگزنڈرا کے حکم پر ہی کٹھ پتلی کیوں نہ بن جائیں جو خاص انگریز بہادر کے ملک سات سمندر پار سے صرف ہماری بہبودی کی خاطر تشریف لائی ہیں میں اپنی عزیز اور محسن بہن

گواہی اور تمام ہندوستانی بہنوں کی جانب سے خوش آمدید کہتی ہوں اللہ بخشے دادا مبارک ایسے موقعہ پر کہتی تھیں بتو ہوی جم جم نت نت تمہارا آنا ہمارے سر آنکھوں پر (مٹکا کر) یہی الفاظ میں بھی دوہراتی ہوں اور آپ سب کی سمع خراشی کی معافی چاہتی ہوں۔

اس مسخری تقریر کے دوران میں جو ستارہ تھرک تھرک کر اور ہاتھ نچا کر بھویں تان کر کر رہی تھی سب بیگمات ہنستی رہیں اور ان کے اسٹیج سے اترنے پر تمام ہال تالیوں اور قہقہوں سے گونج گیا ذرا سکون ہونے پر ثروت آرا بیگم نے اپنا خطبۂ صدارت شروع کیا اس میں انھوں نے نہایت دلنشیں انداز اور موثر پیرایے میں تعلیم کے فوائد، جہالت کی خرابیاں بتلائیں اور کہا ہماری بہن الگزنڈرا جو ایک دوسرے ملک کی خاتون ہیں اپنی ہمجنس کے لئے کسقدر دل میں درد رکھتی ہیں کالے کوسوں سے محض ہندوستانی لڑکیوں کی اصلاحات کے خاطر یہاں آئی ہیں اس نیکدل خاتون کی ہمت افزائی کرنا ہمارا فرض ہے جو محض ہماری بچیوں کی بھلائی کی خاطر اپنا قیمتی وقت صرف کرنا چاہتی ہیں، ثروت آرا بیگم کی تقریر نصف گھنٹے تک رہی خاتمے پر تالیوں اور مرحبا کا شور گونج گیا

ان کے بیٹھنے کے بعد مس الگزنڈرا نے دلنشیں لہجے اور صاف اردو میں ان بیگمات کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے ان کی تجویز کی تائید کی تھی اور جنھوں نے اسکول کے لئے چندہ دیا تھا اور فراہم کیا تھا خصوصاً بیگم ظفر جنگ کا جنھوں نے پچیس ہزار کی گرانقدر رقم اسکول کے لئے دی تھی نیز بیگم خسرو جنگ مسز صفدر مسز نشاط مسز جوہر بیگم رفیق احمد بیگم رشید احمد بیگم عزیز احمد بیگم سکندر بخت کا جن صاحبان نے اسکول کو ایک ایک ہزار عطا کیا تھا اس کے بعد چائے پیسٹری لوزیات پھل سے سب کی تواضع کی گئی چائے کا انتظام مس الگزنڈرا نے بہت خوش اسلوبی سے کیا تھا آنے والی

بیگمات میں سے ہر ایک نے بڑے شوق کے ساتھ حسب حیثیت اسکول کے لئے چندہ دیا اور سب اپنی لڑکیوں کو اسکول میں داخل کرنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوئیں۔

الگزنڈرا ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹرس تو الگزنڈرا ہی تھیں۔ ہسٹری ٹیچر ایک الگزنڈرا کی سہیلی مس ایلن تھیں جو بھی ولایت سے آئی تھیں اور بہت قابل خاتون تھیں۔ نویں دسویں کا حساب اور انگلش تو الگزنڈرا خود لیتی تھیں چھوٹی کلاسوں کے انگلش حساب کے لئے دو اینگلو انڈین استانیاں مقرر کی گئی تھیں ایک بوڑھے نابینا مولوی صاحب تمام کلاسوں کو بامعنی قرآن پاک پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے، ایک ایرانی خاتون ساتویں سے لیکر دسویں تک کو فارسی پڑھانے کے لئے ایک اور بزرگ بی بی دینیات اور فقہ کے سبق دینے کے لئے ایک ہندو خاتون کمرودھنیا اور سلائی بننے کے کام سکھانے کے لئے بنگالن مس لیلا پرنٹ اور ڈرائنگ سکھانے کے لئے مس چیٹرجی ڈومسٹک سائنس کے لئے ایک منشی فاضل خاتون اردو پڑھانے کے لئے، دو بوڑھی خادمائیں لڑکیوں کو گھر سے لانے لیجانے کے لئے رکھی گئیں۔

پیر کے مبارک روز سے مائیں اپنی لڑکیوں کو اسکول میں داخل کرانے کیلئے لائیں ننھی نزہت ابھی پورے چار سال کی بھی نہیں تھی لیکن ثروت آرا بیگم نے اسکو بھی داخل کرادیا، زیب النساء کی بڑی لڑکی روشن آرا ستارہ کی لڑکی نسرین شاہجہاں کی لڑکی ممتاز جہاں، رشید احمد کی دونوں لڑکیاں شاہ بانو حسن بانو صادقہ کی لڑکی خورشید آرا بلقیس بیگم کی تینوں لڑکیاں برجیس، نفیس اور ثریا، نشاط کی بڑی لڑکی ماہ طلعت، نسیمہ بیگم کی لڑکی شمیمہ اور چھوٹی بہن صفیہ، ثروت آرا بیگم کی چھوٹی بہن مہ پارہ گلشن آرا کی لڑکی عالم آرا مہ لقا کی لڑکی ماہ رخ ان کے علاوہ اور لڑکیاں۔

خاندانی لڑکیاں، غرضکہ کُل پچاس لڑکیاں داخل ہوئیں۔

پڑھانے کا طریقہ اچھا طرزِ تعلیم دلپذیر، مذہب کی پابندی دینیات کا خاص خیال پردے کا سخت اہتمام کیا مجال کہ اسکول کی عمارت میں پرندہ بھی پر مار سکے کسی لڑکی کو اسکول میں شوخ رنگ کا لباس بھڑکیلی پوشاک اور زیور پہن کر آنے کی اجازت نہ تھی شریف اور معززینِ شہر جوق در جوق لڑکیوں کو لانے لگے۔

تھوڑے ہی عرصے میں دو سو لڑکیاں اسکول میں ہو گئیں اور کوئی دن ایسا نہ جاتا جو لوگ اپنی لڑکیوں کو نہ لاتے ہوں آخر میں الگزنڈرا کو ثروت آرا بیگم کی صلاح کے مطابق قاعدہ بنانا پڑا کہ داخلہ صرف ماہ اکتوبر یا اپریل میں ہو سکیگا اس کے علاوہ داخلہ بند۔

الگزنڈرا ہائی اسکول چند ماہ بعد ہی دلی کے تمام اسکولوں پر سبقت لے گیا اور اسکول کی اونچی جماعتوں کو یہاں کی نیچی جماعتوں کی لڑکیاں سبق دیتی تھیں۔

بیچاری الگزنڈرا نے شکستہ خاطر ہو کر اپنی دلبستگی کے لئے یہ سامان کیا تھا واقعی یہ نسخہ اُن کے ٹوٹے ہوئے دل کے لئے مرہم بن گیا، اب اُن کا زیادہ وقت لڑکیوں کے درس و تدریس کھیل کود کا انتظام کرنے گزرتا اُن کے گلابی رخسار پھر تر و تازہ ہو گئے، شاداب چہرہ پھر گلاب کے مانند کھل اُٹھا کمسن لڑکیوں کے درمیان پژمردہ خوش و خرم اور شگفتہ نظر آنے لگیں، ان خوشنما بچیوں کے ساتھ اُن کی زندگی بڑے سکون سے گذرنے لگی، ننھی نزہت تو گویا اُن کی جان تھی اُس کے ساتھ اُن کی نگاہیں پھرتی تھیں، البتہ انتہائی مایوسی نے الگزنڈرا کو غم و فکر سے بے نیاز کر دیا تھا۔ بڑے سے بڑے رنج کی اُنکے سامنے ذرّہ برابر حقیقت نہ تھی اکثر لوگوں کی موت پر اُن کو مسکراتے دیکھا گیا، اُن کا مقولہ تھا مرنے پر رونا کیا؟ انسان مرتے ہی رنج و آلام سے

چھوٹتا ہے اور حقیقی آزادی حاصل کرتا ہے۔

کبھی کسی نے الگزنڈرا کو افسردہ نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کا خزانہ اُس کو کہیں سے مل گیا ہے، اسکول کے بالائی حصے میں تین کمروں میں اُن کی رہائش تھی یہ کمرے ہمیشہ پھولوں سے سجے رہتے اور دن کے اکثر حصے میں الگزنڈرا کے قہقہے گونجا کرتے۔

ظفر جنگ اسکول بن جانے کے ایک مہینے بعد اس کو دیکھنے آئے اتفاق سے ثروت آرا اس دن ساتھ نہ تھیں چونکہ اس رات کو ہی ظفر جنگ، جالندھر جا رہے تھے اُن کے سامان کی درستی میں مصروف تھیں، جب اسکول کی عمارت میں وہ داخل ہوئے تو شام کا دھندلکا ہو چکا تھا اپنا کارڈ بھیجا چند منٹ بعد آیا نے آکر کہا مس صاحبہ سلام دیتی ہیں، ظفر آیا کے ساتھ ساتھ اُوپر گئے الگزنڈرا! اس وقت شام کے آسمانی لباس میں تھی اُس کا حسین مکھڑا اس لباس میں ایسا چمک رہا تھا جیسے ہلکے ابر میں چاند۔

بہت تپاک سے ظفر جنگ سے الگزنڈرا نے ہاتھ ملایا ثروت آرا کے نہ آنے کی وجہ دریافت کی پھر تمام کلاس روم دکھائے اسکول کے معائنے کے بعد وہ اسکول کے باغ میں ظفر جنگ کو لے گئیں اور ایک سرمریں بنچ پر دونوں بیٹھ گئے قمری مہینے کی اوّل تاریخیں تھیں چاند کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی سبزے پر لوٹ رہی تھی۔

فضا منور اور مہکی ہوئی تھی ظفر جنگ ولایت سے آنے کے بعد پہلی مرتبہ اس بے تکلفی سے الگزنڈرا سے ملے تھے اور اُن کی صورت پر تازگی شگفتگی دیکھ کر مسرور تھے آخر سوال کر ہی بیٹھے، الگزنڈرا سچ کہو تم کو ایسی خوشی کس بات کی ہے؟ میں یہ سن کر بہت مسرور ہونگا کہ تم نے اپنا خیال بدل ڈالا اور مجھے دل سے بھلا دیا۔

ظفر صاحب "انتہائی مایوسی ابدی خوشی ہے سمجھے آپ" بڑا قہقہہ لگا کر الگزنڈرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ظفر جنگ اس کا جواب نہ دے سکے حسرت آمیز انداز سے اس خوبصورت شگفتہ دل مگر باوفا نازنین کو دیکھتے رہے اور اک سرد آہ لیکر رخصت ہوئے۔

کون جانتا تھا کہ غم نصیب الگزنڈرا جو دن بھر ہنسی اور خوشی کی بولتی چالتی مورت نظر آتی ہے، شب کے سناٹے میں غم کی پتلی ہوتی ہے۔ ان خوشیوں کی تہ میں ایک ایسا غم پوشیدہ ہے جو اس کے جسم کو گھن کی طرح کھائے جاتا اُس کے دن علمی مصروفیت میں اور اس کی راتیں اپنے محبوب کے خیال میں گذرتی ہیں۔

اللہ رے "نسوانی غیرت" اپنے دلی غم کو کبھی ظفر جنگ پر الگزنڈرا نے ظاہر نہ ہونے دیا سچ ہے "عورت کی محبت لافانی اور جاودانی ہے"۔ خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو کسی دوشیزہ کی محبت حاصل ہو"

چھوٹنا ہے اور حقیقی آزادی حاصل کرنا ہے۔

کبھی کسی نے الگزنڈرا کو افسردہ نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کا خزانہ اُس کو کہیں سے مل گیا ہے، اسکول کے بالائی حصے میں تین کمروں میں اُن کی رہائش تھی یہ کمرے ہمیشہ پھولوں سے سجے رہتے اور دن کے اکثر حصے میں الگزنڈرا کے قہقہے گونجا کرتے۔

ظفر جنگ اسکول بن جانے کے ایک مہینے بعد اس کو دیکھنے آئے اتفاق سے ثروت آرا اس دن ساتھ نہ تھیں چونکہ اس رات کو ہی ظفر جنگ، جالندھر جا رہے تھے اُن کے سامان کی درستی میں مصروف تھیں، جب اسکول کی عمارت میں وہ داخل ہوئے تو شام کا دھندلکا ہو چکا تھا اپنا کارڈ بھیجا چند منٹ بعد آیا نے آکر کہا مس صاحبہ سلام دیتی ہیں، ظفر آیا کے ساتھ ساتھ اُدپر گئے الگزنڈرا اس وقت شام کے آسمانی لباس میں تھی اُس کا حسین مکھڑا اس لباس میں ایسا چمک رہا تھا جیسے ہلکے ابر میں چاند۔

بہت تپاک سے ظفر جنگ سے الگزنڈرا نے ہاتھ ملایا ثروت آرا کے نہ آنے کی وجہ دریافت کی پھر تمام کلاس روم دکھائے اسکول کے معائنے کے بعد وہ اسکول کے باغ میں ظفر جنگ کو لے گئیں اور ایک مرمریں بنچ پر دونوں بیٹھ گئے قمری مہینے کی اوّل تاریخیں تھیں چاند کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی سبزے پر لوٹ رہی تھی۔

فضا منور اور مہکی ہوئی تھی ظفر جنگ ولایت سے آنے کے بعد پہلی مرتبہ اس بے تکلفی سے الگزنڈرا سے ملے تھے اور اُن کی صورت پر تازگی شگفتگی دیکھ کر مسرور تھے آخر سوال کر ہی بیٹھے، الگزنڈرا سچ کہو تم کو ایسی خوشی کس بات کی ہے؟ میں یہ سن کر بہت مسرور ہونگا کہ تم نے اپنا خیال بدل ڈالا اور مجھے دل سے بھلا دیا۔

ظفر صاحب "انتہائی مایوسی ابدی خوشی ہے سمجھے آپ" بڑا قہقہہ لگا کر الگزنڈرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ظفر جنگ اس کا جواب نہ دے سکے حسرت آمیز انداز سے اس خوبصورت شگفتہ دل مگر باوفا نازنین کو دیکھتے رہے اور اک سرد آہ لیکر رخصت ہوئے۔

کون جانتا تھا کہ غم نصیب الگزنڈرا جو دن بھر ہنسی اور خوشی کی بولتی چالتی مورت نظر آتی تھی، شب کے سناٹے میں غم کی پتلی ہوتی تھی۔ ان خوشیوں کی تہ میں ایک ایسا غم پوشیدہ ہے جو اس کے جسم کو گھن کی طرح کھائے جاتا۔ اس کے دن علمی مصروفیت میں اور اس کی راتیں اپنے محبوب کے خیال میں گذرتی ہیں۔

اللہ رے "نسوانی غیرت" اپنے دلی غم کو کبھی ظفر جنگ پر الگزنڈرا نے ظاہر نہ ہونے دیا سچ ہے "عورت کی محبت لافانی اور جاوداں ہے"۔ خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو کسی دوشیزہ کی محبت حاصل ہو"

۵۵

ثروت آرا کو دلی آئے ہوئے اب چھ مہینے ہو چکے تھے، اظہر زماں بیگم کو چار مہینے سے برابر ملیریا بہت رہا تھا، ساس کی علالت کی وجہ سے ثروت آرا کو دلی رکنا پڑا خدا خدا کر کے دو ہفتے بیگم صاحبہ کی طبیعت سنبھلی رہی تو انھوں نے جالندھر جانے کی تیاری کی۔

ہر پیر کو وہ برابر الگزنڈرا ہائی اسکول میں لڑکیوں کے سامنے تقریر کرتی تھیں اُن کی دلچسپ تقاریر سننے کی لڑکیاں مشتاق رہتی تھیں اور لڑکیوں کی مائیں بہنیں بھی کافی جمع ہو جاتی تھیں اچھا خاصا مجمع ہر پیر کو اسکول میں عورتوں کا ہو جاتا تھا اس پیر کو ثروت آرا بیگم کا آخری لیکچر تھا اس لئے ہمیشہ سے زیادہ تھا تمام اسکول کو جھنڈیوں اور پھولوں سے آراستہ کیا گیا تھا بیگمات ثروت آرا سے ملنے اور لیکچر سننے کے شوق میں دو بجے سے آنی شروع ہو گئی تھیں تین بجے سارا ہال خواتین سے کھچا کھچ بھر گیا اب ثروت آرا بیگم آنے والی تھیں اس لئے نویں اور دسویں کلاس کی لڑکیاں اسکول کے پھاٹک پر اُن کے خیر مقدم کیلئے دو رویہ کھڑی ہو گئیں۔ تین بجکر پندرہ منٹ ہوئے تھے جو ثروت آرا سپید سلک کی ساری میں جس پر طلائی گوٹ لگی ہوئی تھی مس الگزنڈرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے

خراماں خراماں آتی نظر پڑیں سب بیگمات نے کھڑے ہو کر اُن سے ہاتھ ملایا
ثروت آرا سب سے مزاج پرسی کرنے کے بعد اسٹیج پر آئیں چند منٹ انھوں
نے مس الگزنڈرا سے اسکول کے متعلق آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں پھر کھڑے ہو کر
اک ادائے دلربایانہ سے سر کو چاروں طرف پھیر کر سب خواتین پر نظر ڈالی اور مسکرا کر
کہا آج مجھے یہ دیکھ کر کس قدر مسرت ہوئی ہے کہ میری بہنوں نے میری اسقدر
عزت افزائی کی کہ اپنے سو کام پس پشت ڈال کر صرف میری باتیں سننے کے
خاطر اور مجھ سے ملنے کے لئے اس گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں تشریف لائیں یہ
خیال اب غلط ثابت ہوتا جا رہا ہے۔ آپ بہنو کا یہ جذبہ قابل ستائش ہے۔
کہ مجھ سی کم علم بے مایہ ہستی کی تقریر سننے کے لئے اس ذوق شوق سے تشریف
لائی ہیں میرے پاس الفاظ نہیں کہ آپ سب کی اس محبت و عنایت کا شکریہ ادا
کر سکوں آج اپنی بہنو سے مجھے نقص تربیت کے موضوع پر کچھ کہنا ہو اُمید ہے
کہ آپ میرے اس ناچیز خیال کو سن کر اس پر غور فرمائینگی وہ ذرا رکیں تو سب
بیگمات نے تالیاں بجائیں اور چند خواتین نے کہا آپ کی زریں نصائح منتظر بہا
ہوتی ہیں فرمایئے ہم ہمہ تن گوش ہیں۔
ثروت آرا نے ساری کا آنچل جھٹکا اور اپنی دلآویز تقریر شروع کی جسکو
بہت موثر اور مفید ہونے کے باعث ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں

نقص تربیت

پیاری بہنو۔ موجودہ تعلیم اور اسکول کی فضا کو اس لئے بُرا کہا جاتا ہے کہ
لڑکیاں تعلیم پا کر اور اسکول میں پڑھنے کے بعد خانگی کاموں کی جانب سے
لاپرواہ اور مذہب سے بالکل بے بہرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ اسکول میں پڑھنے

کا نتیجہ ہی ایسا سمجھ لینا بالکل غلط ہے۔ تعلیم بغیر تربیت ایسی ہی ہے جیسے ایک غیر کاشت شدہ زمین میں بیج ڈالنا اور پھر یہ اُمید رکھنا کہ یہاں کی پیداوار بھی ایسی ہی ہوگی جیسے کاشت شدہ زمین کی۔

دراصل ہماری بہت سی بہنیں ابھی تک یہ نہیں سمجھیں کہ موجودہ زمانے کی روش کے مطابق لڑکیوں کو بنانے کے لئے کیسی تربیت کی ضرورت ہے جاہل عورتوں کا یہ خیال تو بالکل فضول ہے کہ لڑکیوں کے لئے تعلیم ضروری نہیں ان کو صرف قرآن پاک طوطے کی طرح رٹا دینا اور دو چار مسئلے مسائل کی کتابیں ہی پڑھا دینا کافی ہے لڑکیوں کو تو صرف سینے کاڑھنے کھانا پکانے میں ہوشیار ہونا چاہیئے، اس زمانے میں ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے لڑکیوں کے لئے بھی تعلیم اتنی ہی ضروری ہے جتنی لڑکوں کے لئے اگر لڑکوں کو روزی کمانے اور معاش پیدا کرنے کے لئے دنیاوی کاروبار سنبھالنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے تو لڑکیوں کو خانہ داری چلانے بچوں کو تربیت دینے اور صحیح رفیق زندگی ہونے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے بغیر تعلیم کے اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہے کوئی عورت نہیں سمجھ سکتی اور پھر وہ مرد جن کو پڑھ کر قوم کی کشتی کھینا ہے عورت کے ہی کمزور ہاتھوں میں پرورش پاتے ہیں۔

"آج کی لڑکیاں کل کی مائیں ہیں" اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قدرت نے معلم اول ماں کو بنایا ہے پھر ظاہر ہے کہ جب اُستاد کا علم مکمل نہ ہوگا تو اُس کے شاگرد کیسے عالم فاضل ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک ضرب المثل ہے کہ قوم کی باگ ڈور ماؤں کے ہاتھ میں ہے ماں کے اثرات بچے آغوش میں ہی قبول کر لیتے ہیں بڑے بڑے ادیب عالم شاعر و فلاسفر ماں کی آغوش سے ہی اپنے خیالات کیلئے نشو و نما لیکر اپنے ملک و قوم کے لئے باعث فخر بنتے ہیں۔

پنولین کا مقولہ ہے" کہ میری ماں نے مجھے لڑکپن میں ہی بہادری اور دلیری کے سبق دیئے تھے میری عزت و وقار کا راز میری ماں کی برگزیدہ ہستی میں پوشیدہ ہے" یونانی مفکر اور مشہور فلاسفر ارسطاطالیس کہتا ہے کہ ابھی میں اچھی طرح بول بھی نہیں سکتا تھا جو میری ماں نے مشاہیر یونان کے قصے سنا کر میرے دماغ کو روشن کر دیا تھا۔ اور جب میں طالب علم کی حیثیت سے فلسفے اور حکمت کی درس و تدریس میں مشغول ہوتا تو میری بوڑھی ماں ساری ساری رات میری نگہداشت کرتی تھی، ہمدرد قوم سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے خود اس کا اعتراف کیا کہ ان کی عقلمند ماں نے درد قومی عالم طفلی میں ہی ان کے دل میں بھر دیا تھا ہمارے قومی شاعر علامہ سر اقبال اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر کس طرح اپنی ماں کی عظمت کا اثر لوگوں کے دلوں پر نقش کرتے ہیں اور کس خوبی سے تربیت مادری کا اعتراف کرتے ہیں فرماتے ہیں ۔ ؎

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ رحمت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

اس ساری تمہید سے میرا مطلب یہ ہے کہ ماں کی تربیت ہی انسان کو مکمل انسان بنا سکتی ہے ماؤں کو صرف اسکول کی تعلیم پر مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ آج تک کسی بڑی سی بڑی درسگاہ نے بھی تربیت کا بار اپنے سر پہ نہیں لیا جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے ہر اسکول اپنے فرائض کو بخوبی ادا کرتا ہے بچوں کو تعلیم مکمل طور پر دی جاتی ہے لیکن اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرنا ہر ماں کا فرض ہے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے اصولوں کے مطابق بنانے کی تربیت ہر ماں کو

دینی چاہیئے عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ ہندوستانی خواتین اسکول میں بچوں کو داخل کرنے کے بعد بالکل مطمئن ہو جاتی ہیں اور پھر بعد میں بچوں کی تمام بری عادتوں کا ذمہ دار اسکول کو ٹھہراتی ہیں آخر یہ کیوں؟ کہاں تک اس کا حق اعتراض کرنے والی بہنوں کو حاصل ہے اسکول تو صرف اچھی تعلیم دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے تربیت دینے سے اس کا تعلق نہیں ہوتا اگر آجکل کی لڑکیوں کو اسکول میں پڑھنے کے بعد اپنے مذہبی عقائد سے دلچسپی نہیں رہتی تو اس کی ذمہ دار انکی لاپرواہ مائیں ہیں اسکول میں اگر لڑکیاں بیجا مصارف کی عادی ہیں خود غرض نکمی اور بیباک ہیں تو یہ اسکول میں پڑھنے کی وجہ نہیں ہے بلکہ اُن کی بیوقوف ماؤں کا قصور ہے جو اپنی لڑکیوں کی اچھی تربیت نہیں دے سکیں اس میں شک نہیں کہ مغربی تمدن نے ہندوستانی ماحول پر اتنا اثر جمایا ہے کہ فی زمانہ نوجوان لڑکیاں فیشن کی تیتریاں ہو کر رہ گئیں ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سبھی یکساں ہیں عورت فطرتاً نرم دل اور حساس ہوتی ہے۔ عام طور پر آزمایا گیا ہے کہ لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے ہر اچھی اور بری بات کا اثر جلد ہی قبول کر لیتی ہیں اس طرح انھوں نے اثراتِ مغرب کو مردوں سے زیادہ جلد قبول کر لیا عورت کا فطری ذوق نمائش و زینت ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ مردوں کے رجحان کے مطابق اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اگر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آجکل کی لڑکیاں پاؤڈر سینٹ اور مغربی نمائشی اشیا کی بہت زیادہ شوقین ہیں تو کیا اس کے ذمہ دار اُن کے فیشن زدہ باپ بھائی اور شوہر نہیں ہیں؟ جنھوں نے تعلیم کا ماحصل قیمتی سوٹ لونڈر سے بسے ہوئے رومال اور فیشن ایبل ٹائیاں سمجھ رکھی ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اگر لڑکیاں فیشن کی تیتریاں ہیں تو لڑکے فیشن کے (تیتر سے) اس موزوں مذاحیہ فقرے

ہر ہال میں خواتین کا قہقہہ گونج گیا جب سکون ہوا تو ثروت آرا نے پھر سلسلۂ تقریر شروع کیا ہماری لڑکیاں اگر آجکل کی مغرب زدہ فضا میں ان مغرب پرست نوجوانوں کے احساسات کا احترام نہ کریں تو یقیناً گنوار یا کہلائیں کوئی نوجوان بھی مشرقی قدیم روایتوں کو جو لڑکیوں کے لئے قائم کی گئی تھیں پسندیدگی کی نظروں سے اب نہیں دیکھتا۔ جن ماؤں نے اب بھی اپنی لڑکیوں کو روایات قدیم کے مطابق تربیت دی ہے اُنھوں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے یہ حسرتناک منظر دیکھا ہے کہ اُن کے خاندانی تعلیم یافتہ روشن خیال لڑکے حسنِ مغرب کے دلدادہ ہو کر اپنی نسبی شرافت خاندانی وقار کھو بیٹھے۔ اور وہ دولت جو پشتوں سے جمع کی ہوئی تھی ان سبھا کی پریوں کی بدولت لٹا دی، عزیز بہنو ضرورت ہے کہ پرانی پابندیوں کو چھوڑ کر نئی باتوں پر اعتراض کرنے کے بجائے۔ ہم سب متفق ہو کر اپنے تعلیم یافتہ لڑکوں کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنی لڑکیوں کو ایسی تربیت دیں اور ایسی تعلیم دلائیں کہ وہ اپنے خاندانی وقار کو جانتے ہوئے ان مغرب زدہ نوجوانوں کی طبیعت پر پورا پورا قابو حاصل کرنے کی قابلیت رکھتی ہوں آجکل کی فضا میں ضروری ہے کہ ہماری نوجوان بہنیں اپنے روشن خیال شوہروں کے دوش بدوش علمی اور تفریحی مشاغل میں حصہ لیں اور اپنے ملکی وقار کو قائم رکھتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھائیں۔

کسی جلسے یا پارٹی میں اور سیر گاہوں میں غازہ و پاؤڈر سے رخ کو آراستہ کئے لبوں اور ناخنوں کو رنگے ہوئے نیم عریاں لباس والی خواتین کے جھرمٹ میں چند ایسی ہستیاں بھی آپ کو نظر آئینگی جن کے رخساروں پر حیا کا غازہ ہوگا پیشانی پر صداقت کا ٹیکا جن کی ہر ادا سے بجائے عشوہ غمزے کے

عصمت وحیا ٹپکیگی اور جن کا لب ولہجہ نامحرموں سے گفتگو کرتے وقت ایک
خاص انداز متانت لئے ہوئے ہوگا اور جو موجودہ فضا میں سانس لیتے ہوئے
مغربی حیاسوز زہنیت سے اتنی ہی دور ہونگیں جیسے زمانۂ سابق کی شرم وحیا
کی دیویاں۔ ان سب خوبیوں کی حامل اُن کی اچھی تربیت ہے۔

جوانکی باعظمت ماں نے موجودہ روش کے مطابق اپنی لڑکی کو تیار کرتے ہوئے
دی ہے۔ سعادتمند لڑکی کے پیش نظر ہر وقت اپنی مقدس ماں کا چہرہ رہتا
ہے عالم طفلی کے پرنصائح مشورے ابتک اُس کو نہیں بھولتے نقص تربیت
کے ساتھ ادھوری تعلیم بھی ایک ایسا زہر ہے جو بیچاری لڑکیوں کو دین و
دنیا سے غارت کر دیتا ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لڑکیاں واقعی تعلیم یافتہ اور اچھی
تربیت پائے ہوئے ہوتی ہیں کبھی فیشن پرست نہیں ہوتیں اُنکا ذوق کتب بینی
فلسفی دماغ اتنا وقت اُن کو نہیں دیتا کہ زلف وگیسو کی آرائش یا پوڈر
اور غازے کی زیبائش میں مصروف رہ سکیں لیکن بدقسمتی سے ہماری سوسائٹی
میں ایسی بلند دماغ ہستیاں ابھی برائے نام ہیں جنکو علم کی حقیقی تلاش ہے۔
اور جو اپنا سارا وقت علم وادب کے لئے صرف کرنا اپنی زندگی کا نصب العین
سمجھتی ہیں۔ ہندوستانی لڑکیاں اور خصوصاً مسلمان لڑکیاں پچھتر فیصدی
ایسی ہیں جنکی تعلیم مڈل سے لیکر میٹرک تک محدود ہے۔ اس ادھوری تعلیم
کے ساتھ لاپرواہ ماں نے تربیت سے بے بہرہ رکھ کر لڑکی کو دین و دنیا
سے کھو دیا ہے ایسی لڑکیوں کے لئے ضروری ہے کہ جا و بیجا اپنی قابلیت
کا اظہار کریں اچھی خاصی اُردو کو بگاڑ کر زبردستی انگلش کے الفاظ انہیں
ٹھونس کر بولیں بزرگ خواتین کا مذاق اُڑائیں مذہبی مسائل کی بالکل
حقیقت نہ سمجھیں خانگی کام اُن کے لئے کسر شان اور گھر میں رہنا

وبال جان ہو بغیر قیمتی ساریوں فینسی شوز لونڈر ریسپیٹ کے زندگی دوبھر ہو سینما جانے کی روزانہ خواہش مند ہوں اور سیر کے لئے ہر شام کو بیتاب ہوں پہروں صبح و شام آئینہ دیکھا کریں ایک ایک ناخون کی آرائش میں گھنٹوں صرف کر دیں ماں جس کام کو کہے ٹکا سا جواب دیدیں اور ماں اپنی تعلیم یافتہ صاحبزادی کی صرف تعلیم کی جانب سے مطمئن ہو کر اُس کے جواب کو شہد کا گھونٹ سمجھ کر پی لے اور دل پر جبر کر کے اپنی سو ضرورتیں روک کر صاحبزادی کے لئے لوازمات فیشن مہیا کرے یہ اس بیوقوف ماں کا قصور ہے کہ اُس کی لڑکی بیباک اور خود سر ہے اسکول اور اسکول کی تعلیم کو کیوں برا کہا جاتا ہے اکثر ایسی لڑکیاں بھی جنھوں نے اسکول کی شکل بھی نہیں دیکھی تربیت ٹھیک نہ ہونے کے باعث ایسی حرکات کر گذرتی ہیں کہ اسکول میں پڑھنے والیاں جن سے واقف بھی نہیں ہوتیں والدین کا اس بیسویں صدی میں بھی یہ سمجھ لینا کہ لڑکیوں کے لئے تعلیم ضروری نہیں اور اُن کی تربیت اس پرانے اصول پر ہونی چاہئے جیسی آج سے پچاس سال قبل تھی تو یہ بہت بڑی غلطی ہے مثل مشہور ہے کہ "زمانے کے ساتھ نہ چلو گے تو سر کے بل گرو گے" بہنو غور کرو کہ لڑکیوں کو تو آپ اُسی پرانے ڈھنگ پر اُٹھائیں اور لڑکے ہوں ایم. اے بی. اے اور ولایت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نباہ کی صورت کیسے ہو؟

میاں اخبار دیکھتے ہوں اور بیوی اپنی کم علمی کے باعث کسی نوکرانی کا قصہ لے بیٹھیں بچے کے تماشہ دکھائیں، زیور کپڑے کی فرمائش کریں کیونکہ وہ غریب تو اپنی سمجھ کے مطابق ہی گفتگو کریگی. میاں اس کی بے تکی باتوں سے گھبرا کر گھر میں بیٹھنا ہی چھوڑ دیں ناچاقی بڑھتی جائے تعلقات ناخوشگوار صورت اختیار کر لیں پھر مرد کے لئے تو گھر سے باہر بھی تفریح کے لئے نت نئے

اسباب موجود ہیں ہماری ہندوستانی سوسائٹی کی پابندیوں کی بدولت غریب لڑکی ہی ماں باپ کی جان کو دعا دیتی ہوئی گھل گھل کر مرجاتی ہے۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ لڑکیوں کو تعلیم و تربیت آج کل کے ماحول کے مطابق دی جائے یہ ضروری نہیں کہ سب لڑکیاں یکساں طبیعت رکھتی ہوں بچوں کا فطری رجحان لڑکپن سے ہی اُن کے کھیلوں سے معلوم ہوجاتا ہے بعض لڑکیاں جنہیں خانہ داری کا فطری ذوق ہوتا ہے بہت شوق سے گڑیاں کھیلتی ہیں بعض جو بہت چونچال اور ذہین ہوتی ہیں کھیل ہی کھیل میں ادبی و علمی مشاغل میں منہمک رہتی ہیں ایسی لڑکیوں کی بلند فطرت اُسکی محتاج ہوتی ہے کہ اُن کو تعلیم و تربیت مکمل دی جائے غلط طریقۂ تعلیم بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے ہر معمولی دل و دماغ والی لڑکی سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ شاعرہ و ادیبہ بن جائے گی یا ایک بلند ذوق رکھنے والی لڑکی سے گھریلو کاموں میں دلچسپی لینے کی توقع عبث ہے۔ قدرت نے رنگا رنگ دماغ بنائے ہیں انسان فطری طور پر اپنے میں کوئی خاص عادت لیکر پیدا ہوتا ہے اسکو جلا دینے والی اور بنا دینے والی صحیح تعلیم اور اچھی تربیت ہوتی ہے۔

مسز سروجنی نائیڈو بلبل ہند، مسز وجے لکشمی پنڈت اور بیگم شاہنواز بیشک بہترین دماغ والی خواتین ہیں مگر کیا یہ اُن کے شفیق والدین کی عنایت نہیں ہے کہ ان بلند دماغ اور غیر معمولی ذہنیت والی خواتین کو انکی دماغی مناسبت کے لحاظ سے تعلیم و تربیت دی اور اُنکے فطری ذوق کو تعلیم و تربیت کی جلا سے چار چاند لگا دیئے۔ ہندوستان میں سینکڑوں ایسی روشن دماغ لڑکیاں ہیں جن کے دماغوں سے اُمید ہے کہ اچھی تعلیم اور موزوں تربیت پاکر قوم و ملک کے لئے باعث ناز ہونگی۔ مگر افسوس تعلیم اچھی نہ ہونے اور ناقص تربیت

کی بدولت یہ دماغ ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ نونہالان قوم کے لئے مستقل مزاج اور خود دار ماؤں کی ضرورت ہے جو اُن میں عالم طفلی سے ہی عزم و استقلال بہادری صداقت و ایثار کے سبق دیں۔

نام ماں کی گجھ دکھا ہو اوّل بجا ۔ ایک ماں کی تربیت پہ سو معلّم ہوں فدا
دایۂ فطرت نے ماں کو کر لیا قائم مقام ۔ تاکہ پائیں تربیت کے سب مراحل انصرام
ماں کے ہی اخلاف بچوں کا راس لمال ہیں ۔ سیکھتے سب کچھ بیاں ماں سے ہی آنکے لال ہیں
گر رہی ہو نوعِ انسانی پھر اُٹھا دے نو اُسے ۔ انکی کھوئی ہوئی جنت دلا دے پھر اسے
التفات ظاہری میں لطف پنہاں چاہیئے
روح کی بھی تربیت کا کچھ تو ساماں چاہیئے

ثروت آرا کے تقریر ختم کرتے ہی ہال" تالیوں کے شور سے گونج گیا کئی انکی ملنے والی خواتین نے اُن کے گلے میں ہار ڈالے اور کہا افسوس کہ اب آپ جا رہی ہیں دیکھئے پھر کب آپ کی دلچسپ اور مفید باتیں سننے کا موقعہ ملیگا اور ثروت آرا نے کہا مجھے خود آپ سب سے جدا ہو جانے کا رنج ہے اپنے شوہر کی وجہ سے مجبور ہو کر جا رہی ہوں ورنہ اپنی عزیز بہنوں سے دور ہو جانے کا اور خصوصاً الگزنڈرا ہائی اسکول کی پیاری بچیوں کو کافی عرصے تک نہ دیکھنے کا مجھے خود ملال ہے انشاءاللہ کوشش کرونگی کہ چند مہینے بعد ہی پھر دلی آسکوں پھر وہ سب سے ہاتھ ملا کر جلد ہی رخصت ہو گئیں کیونکہ آج گورنمنٹ ہاؤس کی اگار ڈن پارٹی میں اُن کو ظفر جنگ کے ساتھ جانا تھا۔

۵۶

سپیدۂ سحری کی نمود کے ساتھ فرنٹیر میل چھکا چھک کرتا لاہور پلیٹ فارم پر آگیا ٹرین کے رُکتے ہی بی ستارہ سیاہ قیمتی سمور کا کوٹ پہنے ہوئے شیر خوار بچے ننھے حمید کو سنبھالے اُتریں پیچھے پیچھے عزیز احمد بھی بیوی کا بیگ سنبھالے نسرین کی انگلی پکڑے ہوئے اُترے سرونٹ کلاس سے ایک آیا اور وردی پوش ملازم لپکے اور آناً فاناً سامان قلیوں کی مدد سے نیچے اُتار لیا گیا ایک ٹیکسی میں دونوں میاں بیوی مع بچوں کے بیٹھ گئے آیا کو بھی ساتھ لے لیا سامان ملازم شکرم میں رکھ کر روانہ ہوا۔

شوفر نے دریافت کیا حضور کہاں چلنا ہوگا۔

عزیز احمد نے کہا کمشنر صاحب کی کوٹھی مزنگ روڈ پر چلو۔

ڈرائیور نے گاڑی کو اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا بہت بہتر سرکار۔

ستارہ۔ بڑا لطف آئیگا سب خوب گھبرا جائیں گے۔

عزیز احمد۔ ستارہ تمہاری شرارتیں بھی نرالی ہیں "تار نہ دینے دیا۔ اس طرح اچانک پہونچیں گے تو بھائی ظفر جنگ کسی قدر بے تہذیب خیال کرینگے۔

ستارہ۔ اُونھ تم کو ہر وقت تہذیب کی پڑی رہتی ہے بندی بہ تکلف نہیں

کرتی دیکھنا ثروت بہن کو میں کس قدر ستاتی ہوں خوب دلچسپی رہے گی۔
عزیز احمد۔ مسکرا کر کہا کریں شریر بیوی سے پالا پڑا ہے اتنو جو بھی ہو۔
ستارہ۔ (ہنس کر) کسی مولوی کی بیٹی لے آتے ہمارے محلے کی مسجد کے امام جی کی سات بیٹیاں تھیں اگر پہلے تم مجھ سے صلاح لیتے تو وہاں تمہارا رشتہ کرا دیتی بس سارے دن تمہاری ملانی بی بیٹھی غٹر غوں کیا کرتیں۔
عزیز احمد۔ زیر لب مسکرا کر تمہارا انتخاب یقیناً بہتر رہتا مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے قسمت میں تو تم لکھی تھیں۔
ستارہ۔ بھویں تان کر خوش قسمت ہو ایسی بیوی چراغ لیکر ڈھونڈتے جب بھی نہ ملتی۔
عزیز احمد۔ خدا نے بغیر چراغ کے اندھیرے میں ہی یہ چمکتا ستارا دیدیا اسکی عنایت ہے۔
ستارہ۔ مونھ چڑا کر بس زیادہ نہ بنو
عزیز احمد۔ ہنس کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ گاڑی ظفر جنگ کی عالیشان اور خوبصورت کوٹھی کے سامنے جا کر رک گئی مسلح سنتری جو پھاٹک پر پہرہ دے رہا تھا قریب آیا اور پوچھا کہاں سے تشریف لائے ہیں حضور۔
عزیز احمد نے کہا ہم دلی سے آئے ہیں سنتری پھاٹک کھول کر ادب سے سر کو خم کئے ایکطرف ہو گیا گاڑی کو پیچھے دیکر ستارہ نے پھاٹک سے ہی رخصت کیا بچے کو آیا نے سنبھالا نسرین کی انگلی عزیز احمد نے پکڑی اور یہ سب آہستہ قدم اندر آئے سنتری نے بڑھ کر کہا صاحب کو میں آپ کے آنے کی خبر کر دوں حضور۔

عزیز احمد۔ نہیں تم نہیں صرف انکا کمرہ بتا دو۔
سنتری۔ بہت بہتر سامنے کے رُخ والا نمبر ا کمرہ صاحب کا ہے یہ کہہ کر وہ پھر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

ستارہ اور عزیز احمد نے ظفر جنگ کی خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا دھڑ دھڑ سے پہلے ثروت آرا کی آنکھ کھلی اور انھوں نے گھبرا کر ظفر جنگ کو جگایا وہ اس وقت نیند سے مدہوش تھے ہوں ہاں کر کے کروٹ لیکر پھر سو گئے۔

ثروت آرا نے جھنجھوڑتے ہوئے جھنجلا کر کہا توبہ! آپ کی نیند بھی کس غفلت کی ہے سر پر ڈھول پٹے اور خبر نہ ہو۔

ظفر جنگ چونک کر کیا ہے ڈارلنگ کیوں خفا ہو رہی ہو؟

ثروت آرا دیکھتے نہیں یہ کیا آفت آ رہی ہے کون کمبخت کیواڑ صبح ہی صبح توڑے ڈالتا ہے غفور خاں کہاں مر گیا ذرا اُٹھ کر دیکھئے۔

ظفر جنگ دروازے کے قریب جا کر ارے بھئی کون ہے۔
غفور خاں اُو غفور خاں یہ کیا ہنگامہ ہے۔

دروازے کے دو شیشے چھنا چھن کر کے نیچے آ رہے۔

ظفر جنگ نے گھبرا کر دروازہ کھولا تو بی ستارہ ہنستی ہوئی اندر داخل ہوئیں ظفر جنگ کو یا تو غصہ آ رہا تھا یا ہنس پڑے اور ثروت آرا کی جانب مڑ کر کہا تمہاری چہیتی بجا دج اس شان سے تشریف لائی ہیں۔

ثروت آرا۔ ستارہ سے معانقہ کرتے ہوئے خوب تم نے میرے شیشے توڑے ہیں دام وصول کر لونگی عزیز بھائی آپ بھی اس شہدن کے کہنے میں آ گئے۔

عزیز احمد:۔ مسکرا کر خیریت اسی میں ہی ہے کہ جو یہ کہیں میں کرتا رہوں ورنہ یہ ظالم جینے دیگی میں نے بہت منع کیا کہ بغیر اطلاع جا دھمکنے سے بھائی اور بہن

ثروت کو تکلیف ہوگی۔
ثروت آرا۔ خیر تکلیف تو کیا ہوتی ہاں میں گھبرا گئی کہ یہ کیا بلا صبح ہی صبح نازل ہوئی۔
ستارہ۔ تم دونوں میاں بیوی کی گھبراہٹ کا تماشہ تو قابل دید تھا۔
ثروت آرا۔ تمہاری شرارت تو کوئی ٹل چلتی ہے لسریا کہاں ہے؟
ستارہ۔ اپنے ابا جان کی بغل میں۔
عزیز احمد۔ ارے یہ آپا بچے کو کہاں لے گئی۔
ستارہ۔ غالباً برآمدے میں کھڑی ہے۔
ثروت آرا۔ اس شدید سردی میں بچے کو تم نے باہر رکھا شرارت میں بچوں کا بھی خیال نہیں بیٹھو میں ذرا آپا کو بچوں کے کمرے میں پہونچا دوں۔

ثروت آرا کے اٹھتے ہی ساری کوٹھی میں چہل پہل ہوگئی اور سب اپنے اپنے کمروں سے نکل کر ستارہ سے ملنے کے لئے آگئے۔

ظفر جنگ چار سال جالندھر رہ کر ایک سال سے لاہور تبدیل ہوکر آگئے تھے صفدر بھی اب لاہور میں ہی پریکٹس کرتے تھے۔ اور ظفر جنگ کے قریب ہی کوٹھی لے رکھی تھی۔ اظہر زمانی بیگم تو ڈیڑھ مہینے سے یہیں تھیں کیونکہ ثروت آرا بیگم کے یہاں سطوت کے تین سال بعد لڑکا تولد ہوا تھا چونکہ یہ بچہ بالکل ثروت کی شکل تھا اس لئے اس کا نام ثروت جنگ رکھا گیا تھا اختر اب کنڈر گارڈن تما جاتا تھا کرسمس کی تعطیلوں میں نزہت بھی جو الگزنڈرا ہائی اسکول میں پڑھتی تھی آگئی تھی بیرسٹر صاحب بھی مع مہ پارہ کے پندرہ دن سے آئے ہوئے تھے نشاط مسز نشاط صادقہ زیب النسا مع بچوں کے یہیں تھے، مسعود اب ماشاء اللہ چودہ سال کا

ہونہار اور ذہین لڑکا تھا میٹرک کی تیاری اس سال کر رہا تھا مہرالنسا اب خیر سے دو بیٹوں کی ماں تھیں شکیل حسن کے تین سال بعد خدا نے انکو دوسرا لڑکا عطا کیا تھا جواب دو سال کا تھا اور جسکا نام جمیل حسن تھا۔

ثروت آرا کو سوا مہینہ کا چلّہ نہائے ابھی ایک ہفتہ ہی گذرا تھا وہ نہایت مسرت و نشادمانی کے ساتھ سب مہمانوں کی تواضع میں مصروف تھیں صبح کی چائے کے بعد کوٹھی کے وسیع اور خوشنما باغ میں بچوں کا ایک دلخوش کن مجمع ہوگیا اور یہ سب اپنی عمر کی مناسبت سے کھیل میں منہمک ہوگئے زیب النسا کے تینوں بچے مسعود روشن آرا فلک آرا ظفر جنگ کے تینوں بڑے بچے نزہت واختر سطوت نشاط کی دونوں لڑکیاں ماہ طلعت حور طلعت ستارہ کی لڑکی نسرین صادقہ کے تینوں لڑکے نسیم شمیم سلیم صفدر کا بڑا لڑکا شکیل سب طفلانہ شوخیوں میں مصروف تھے ننھے حمید اور جمیل کو انکی آیائیں الگ ایک گوشے میں لئے بیٹھی تھیں ان سب کی پیاری شکلیں لڑکپن والہانہ شرارتیں قابل دید تھیں شکیل نے ایک بڑا گلاب کا پھول حور اپر پھینک مارا حورا نے جلدی سے سورج مکھی کا پھول توڑ کر شکیل کے مونھ پر مار دیا اور دونوں بچے آگے پیچھے بھاگتے ہوئے چکّر لگانے لگے میاں مسعود نے ایک ننھی سی ٹوکری چنبیلی اور گلاب کے پھولوں سے بھر کر نزہت ماہ طلعت اور روشن پر جو تینوں بالکل بے خبر بیٹھی گانے میں مشغول تھیں پیچھے سے جاکر الٹ دی اور یہ تینوں گھبرا کر کھڑی ہوگئیں میاں مسعود کھکھلا کر ہنس پڑے۔

نزہت۔ بگڑ کر واہ بھائی تم کو یہی رہتا ہے بڑے شریر ہو لیکنے ڈرا دیا۔
مسعود۔ سنجیدہ مونھ بنا کر اے میری نزہت ڈر گئی واقعی میں بالکل ہم اپ

ہوں خیر خفا نہ ہو غصہ تھوک دو ہمیں ایک ہار بنا دو جیسا گل بنا کر دیا تھا پھر ہم چلے جائیں گے۔
نزہت۔ تیوری چڑھا کر واہ جناب روز یہ قصہ کون لگائے کل تو میں روشن اور طلعت کے لئے ہار بنا رہی تھی تم کو بھی بنا دیا تھا۔
مسعود۔ لجاجت سے ہماری نزہت ہمیں آج صرف آج اور بنا دو پھر ہم نہ مانگینگے۔
نزہت نے جلدی جلدی بکھرے ہوئے پھولوں کو سمیٹ کر ہار بنا کر مسعود کے گلے میں ڈال دیا۔
اور مسعود نے مسکراتے ہوئے ٹوپی اتار سر کو نزہت کے سامنے خم کیا اور شکریہ! کہہ کر چلا گیا۔
اور یہ تینوں تیتریاں پکڑنے میں مشغول ہو گیا۔
خورشید صادقہ کی لڑکی اور مہ پارہ سب سے بڑی تھیں الگ ایک گلاب کے کنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔
مہ پارہ۔ دیکھو ہم اکیے امتحان میں پاس ہوتے ہیں یا نہیں۔
خورشید۔ بہن تم تو پچھلے سال بھی کلاس میں اوّل آئی تھیں اب بھی انشاءاللہ کامیاب ہو گی۔
مہ پارہ۔ اس مرتبہ ذرا میری طبیعت ٹھیک نہیں رہی اس لئے فکر ہے دوسرے بورڈ کا امتحان ہے ساتویں کلاس کی بات دوسری تھی
خورشید۔ تم ماشاءاللہ ذہین ہو اس لئے فکر کرنا بیکار ہے ضرور پاس ہو جاؤ گی۔
مجھے تو اپنی فکر ہے آئندہ سال فیل نہ ہو جاؤں" تو اب نویں میں ہوتی"۔
مہ پارہ۔ مسکرا کر دوستی نباہی میرا ساتھ دیا انشاءاللہ اب ہم دونوں ساتھ نویں کلاس میں جائیں گے۔

خورشید۔ امی کہہ رہی تھیں ہم تو پرسوں جائینگے تم کب تک ٹھہروگی۔
مہ پارہ۔ میں تو تم سے بھی ایک ہفتے پہلے آئی تھی آپا بیگم کی محبت اور مہربان اختر کی وجہ سے یہ دن معلوم ہی نہیں ہوئے جانے کو دل تو نہیں چاہتا لیکن پڑھائی کی مجبوری ہے اسکول تو کل ہی کھل جائیگا مجھے بھی آئندہ ہفتے تک ضرور دلی پہونچ جانا چاہیئے کافی چھٹی منائی۔ مس الگزنڈرا بہت ناراض ہونگی ابا جان کو آپا بیگم سے عشق ہے دل میں ہر وقت اُن کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں اُن کی دل بستگی کے لئے اور اپنا دل بہلانے کے لئے میں نے کہا ہے کہ سطوت کو بھیج دو۔
خورشید۔ سطوت ابھی پورے چار سال کی بھی نہیں خاک پڑھیگی۔
مہ پارہ۔ پڑھنا پڑھانا کیا بس ذرا شغل رہیگا اسکول بھی دو گھنٹے کے لئے بھیج دیا کرونگی نزہت بھی تو اتنی عمر سے ہی داخل ہوئی تھی۔ نزہت کو تو الگزنڈرا ایسا چاہتی ہیں کہ اُسکے ساتھ اُن کی نظر میں پھرتی ہیں۔
خورشید۔ دبی زبان سے مس الگزنڈرا ماموں جان سے شادی کرنی چاہتی تھیں مگر اُنھوں نے انکار کر دیا اس لئے ہی ہندوستان آئیں مگر کتنی شریف ہیں وہ اب تو اپنا سارا وقت اسکول کے انتظام میں گزارتی ہیں۔
مہ پارہ۔ ہاں مس الگزنڈرا کا اخلاق بہت بلند ہے۔ بڑی عالی ظرف خاتون ہیں۔ آپا بیگم کو بھی وہ بہت چاہتی ہیں اور آپا بیگم بھی انکا بہت لحاظ کرتی ہیں۔
خورشید آرا۔ ممانی جان تو تم کو بھی بہت عزیز رکھتی ہیں شاید سگی بہن بھی اتنا خیال نہ کرتی جتنا اُن کو تمہارا ہے اور تمہاری ماں تو ایسی تھی کہ تمہاری خبر بھی نہ لی۔
مہ پارہ۔ آہ سرد لیکر بہن میری ماں کا نام نہ لو گو وہ مجھکو صرف تین سال

کا چھوڑ گر گئی تھیں اور مجھے اُنکی شکل بھی پوری طرح یاد نہیں ایک خیال سا دل میں ہے کہ ایسی شکل تھی لیکن اُن کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اچھا ہوا چلی گئیں ورنہ اپنی ناقص تربیت کی بدولت میرا ابھی نہ جانے کیا حشر کرتیں آپا بیگم کی شکر گذار ہوں انھوں نے مجھے اچھی تربیت دی اور عمدہ تعلیم دلائی اور انسان بنا دیا۔ ورنہ میری ماں نے جو سلوک اُن کے ساتھ کیا وہ اس قابل تھا کہ مجھے بد تر سے بد تر حالت میں رکھتیں اباجان کو تو سنا ہے کئی مہینے مجھ سے نفرت رہی سامنے تک نہ آنے دیتے تھے۔ کہتے تھے جیسی ماں تھی ایسی ہی یہ ہوگی۔ آپا بیگم کی بدولت مجھے اُن کی شفقت دوبارہ حاصل ہوئی خدا کا شکر ہے جب میں ناسمجھ تھی ورنہ نہ جانے میرا اُنکی بے رُخی کی بدولت کیا حال ہوجاتا۔

خورشید۔ چھوڑو بھی اس رنجدہ ذکر کو گذشتہ را صلواۃ۔

اختر۔ دوڑتا ہوا قریب آکر چلو خالہ بیگم آپ کو امّی جان بلاتی ہیں۔

مہ پارہ۔ اختر کی حسین پیشانی پر بوسہ دیکر تم چلو میں ابھی آتی ہوں۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر خراماں خراماں ثروت کے کمرے میں داخل ہوئیں مہ پارہ نے دریافت کیا آپا بیگم آپ مجھے کیوں یاد کر رہی تھیں۔

ثروت۔ آج ہوا بہت تیز چل رہی ہے اس لئے بچوں کا زیادہ دیر باغ میں رہنا ٹھیک نہیں سب بچوں کو اندر بلا لو مہ پارہ جانا خورشید بہن ذرا سکو بلا لینا اور آیاؤں سے بھی کہدو کہ حمید اور جمیل کو اندر لے آئیں۔ ثروت جنگ کو بہن کی گود سے لیکر اُدہو تم جاگ رہے ہو۔

نزہت۔ آکر اچھی خالہ بیگم بھائی کو ہمیں دیدیجئے۔

ثروت آرا۔ ابھی اُسکی اوقات کیا ہے کہیں تم گرا نہ دینا۔

نزہت۔ واہ میں کوئی بچہ ہوں جو گرا دونگی لایئے خالہ بیگم بھائی کو مجھے دیجئے۔

مہ پارہ۔ مسکرا کر تم بیٹھو تو سہی۔

نزہت۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور مہ پارہ نے ننھا بچے سہمیت بچے کو اسکی گود میں رکھ دیا۔

مسعود۔ بھاگتا ہوا آیا اور کہا دیکھو نزہت میں تمہارے لئے کتنے سارے تیتریوں کے انڈے لایا ہوں۔

نزہت۔ اچھی خالہ بیگم ننھے بھائی کو آپ لے لیجئے میں تیتریوں کے انڈے لونگی۔

زیب النساء۔ ہنس کر لینے کی بھی شدت تھی دینے کی بھی جلدی ہے بچے کو نزہت کی گود سے اٹھا لیا اور نزہت مسعود کے ساتھ بھاگتی ہوئی برآمدے میں چلی گئی۔

۵۷

صبح کا سہانا وقت ہے نسیم سحری کے جھونکے دل و دماغ کو فرحت پہونچا رہے ہیں کلیاں چٹک رہی ہیں باد صبا ناز و ادا سے پھولوں پر قدم رکھتی مستانہ وار چل رہی ہے شبنم کے قطرے ہری ہری پتیوں پر مثل گوہر آبدار چمک رہے ہیں۔ بہت دنوں بعد ہمارے ناول کی ہیروئن ثروت آرا خورشید لاج کے خوشنما باغ میں نظر آ رہی ہیں۔ جو باغ کی روشوں کو پامال کرتی ہوئی خراماں خراماں پھر رہی ہیں وہ پھول جو مدت سے اُن سے بچھڑے ہوئے تھے اُن سے ملنے کے لئے ہمہ تن شوق ہیں۔ ثروت آرا اس وقت ہلکے پیازی رنگ کی کریب کا غرارہ قمیص پہنے ہوئے ہیں اسی رنگ کا جارجٹ کا دوپٹہ شانوں پر پڑا ہے غسل کر کے آئی ہیں اس لئے گھونگر والے سیاہ لانبے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور وہ اپنی لڑکپن کی رفیق جوہی سے پھول توڑنے میں منہمک اور ماضی کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہیں۔ اُنکی خوبصورت انگلیاں کبھی اس پھول پر کبھی اُس پھول پر پڑتی ہیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصور قدرت نے اپنے دست کاملہ سے ایک ایسی تصویر بنائی ہے جسمیں فلک حسن کی دیوی آسمان سے تارے توڑ رہی ہے وہ اپنی گل چینی

میں مصروف تھیں کہ ظفر جنگ جن کو خواب سے بیدار ہو کر ثروت آرا کی صورت نظر نہ آئی تھی موجود ہونے کے بعد جستجو میں بیتابانہ مثل بادصبا باغ میں داخل ہوئے ثروت آرا کے پھول توڑنے کی ادا کچھ اس قدر دلفریب تھی جہاں کھڑے تھے کھڑے رہ گئے وہ بالکل اس طرح محو تھے گویا کوئی خواب شیریں دیکھ رہے ہوں۔

ثروت۔ اچانک اس طرف متوجہ ہوئی اور شرما کر کہنے لگی آپ یہاں کب سے کھڑے ہیں؟

ظفر جنگ۔ نے اپنی محبوب بیوی پر ایک محبت پاش نظر ڈال کر کہا بہت دیر سے۔

ثروت۔ ایں اور مجھے خبر بھی نہیں کہ آپ اس طرح چوری سے کھڑے مجھے گھور رہے ہیں۔

ظفر۔ میری ثروت تمہارے پھول توڑنے کی ادا تو اس وقت مجھے کیا فرشتوں کو بھی مسحور کر لے گی کتنی دلربا ہو تم!

ثروت۔ جھینپے ہوئے انداز سے نظریں جھکا کر آپ کو تو شاعری کی عادت ہے۔

ظفر جنگ۔ ترنم ریز لہجے میں۔

اے دیوی کا روپ پجارن
تیرا روپ انوپ پجارن

ثروت۔ خیر ہے یہ کیا بہکی بہکی باتیں آج آپ کر رہے ہیں ایسا نہ ہو آپا جان ادھر آجائیں کچھ لحاظ بھی ہے۔

ظفر جنگ۔ ثروت آرا کے شانے پر محبت سے تھپکی دیکر تمہاری اس شرم نے تو ہمیں تنگ کر دیا بیسویں صدی کی ترقی یافتہ فضا میں خدا جانے یہ

مہا بھارت والی سیتا کہاں سے آگئی چار بچوں کی ماں ہوگئیں بارہ برس شادی کو ہو گئے اور شرمانی ابھی تک چوتھی کی دلہن کی طرح ہو۔
ثروت آرا۔ خدا نکردہ جو میں بے لحاظ ہوں مجھے تو تربیت ہی ایسی ملی ہے کہ میں ساری عمر اپنے بزرگوں کا لحاظ کرتی رہوں۔
مسکرا کر پھر آپ چڑھ جائیں گے اگر ماڈرن فیشن ایبل بیوی کی ضرورت ہے تو پھر میں بہن الگزنڈرا سے آپ کی سفارش کر دونگی۔
ظفر جنگ۔ تیوری چڑھا کر استغفراللہ دیکھو ثروت تمہاری یہ بد گمانی مجھے بالکل پسند نہیں آئندہ اگر ایسی فضول باتیں کیں تو ہماری کٹی تم سے ہو جائیگی۔
ثروت آرا۔ قہقہہ لگا کر آپ تو بالکل بچے بن گئے۔
ظفر جنگ۔ گلاب کا پھول ثروت آرا کے رخسار پر مار کر دریں چہ شک۔
ثروت۔ بہت خوب۔
اختر۔ دوڑتا ہوا قریب آکر چلیئے ابو جان اور امی آپکو نانا جان بلاتے ہیں۔
ثروت آرا۔ اختر کی انگلی پکڑ کر دو بڑھ قریبے سے اُدھر کر پہنچی گئے ہوئے آئیں بیرسٹر صاحب بیٹی داماد کے انتظار میں برآمدے میں ٹہل رہے تھے بیٹی کو آتا دیکھ کر انھوں نے ہاتھ بڑھا دیا ثروت انکے سامنے آداب کر کے جھک گئیں۔
بیرسٹر صاحب نے بیٹی کے سر کو سینے سے لگایا اور پھر کہا ثروت! بیٹے دریافت کیا کہ تم اس وقت کہاں ہو تو معلوم ہوا کہ تم اور ظفر میاں باغ میں ٹہل رہے ہو۔
ثروت۔ لجائے ہوئے انداز سے جی ابا جان آپ جانتے ہیں مجھے ہمیشہ سے پھولوں سے عشق ہی میری لگائی ہوئی جو ہی ہیں آجکل خوب پھول آرہے ہیں اور اماں بی

نے جو زرد گلاب لگا یا تھا وہ بھی پھولوں سے بھرا ہوا ہے اسے دیکھ کر مجھے اماں بی بہت یاد آتی ہیں۔ کیسی محبت اور شوق سے اُسکو سینچا کرتی تھیں۔

بیرسٹر۔ آہ مہرو لیکر تمہاری ماں مرحومہ تو ایسی جلدی ہم سے جدا ہوئیں کہ اپنی پھلواری کو پھولتے پھلتے بھی نہ دیکھ سکیں اگر وہ اب زندہ ہوتیں تو تمہارے بچوں کو دیکھکر کتنی خوش ہوتیں۔

ظفر جنگ کو آتا دیکھ کر بیرسٹر صاحب نے کہا آؤ میاں میرے قریب آؤ یہاں بیٹھو۔

مہ پارہ۔ ناشتہ تیار ہے ابا جان۔

بیرسٹر۔ اچھا چلو بیٹی سب کھانے کی میز کے گرد آکر بیٹھ گئے۔

بیرسٹر مہر چہر ظفر کو اٹھا کر دینے جاتے اور وہ آداب کر کے لے لیتے۔

ثروت آرا۔ دلی الگزنڈرا ہائی اسکول کے سالانہ جلسے کی شرکت کیلئے آئی تھیں اس سال مہ پارہ دلی یونیورسٹی سے میٹرک کے امتحان میں فرسٹ آئی تھی اس خوشی میں اسکول میں ایک شاندار پارٹی دی جانے والی تھی اور سالانہ جلسہ بھی تھا چائے کے بعد بیرسٹر صاحب باہر چلے گئے تو ثروت آرا نے کہا خوب یاد آیا نواب سردار علیخاں کی چھوٹی لڑکی نصرت بانو کی لڑکی سعیدہ بانو نے مہ پارہ کے ساتھ ہی امتحان میٹرک کا دیا تھا وہ بھی پاس ہوئی ہے اس خوشی میں نصرت بانو نے میلاد شریف کیا ہے بلاوا لیکر کل آئی تھیں بہت اصرار سے کہہ گئی ہیں

ظفر جنگ۔ تم کو تکلیف نہ ہو سنا ہے ان کا گھرانا پرانے خیالات کا ہے میل جول والے بھی یقین ہے ایسے ہی ہوں گے نصرت بانو کی قسمت اچھی تھی اُن کے شوہر بیرسٹر ارشد ہمارے ساتھیوں میں سے ہیں میاں آزاد خیال اور

تعلیم یافتہ ہیں اس لئے سب کی مخالفت کے باوجود نصرت بانو نے اپنی لڑکی کو اسکول میں پڑھایا ورنہ اُن کے یہاں کی تو لڑکیاں باجی صاحبہ کہنی تھیں مہترانی دھوبن تک کے سامنے نہیں آتیں ایسا نہ ہو تم پر کچھ فضول اعتراض کریں اور تم کو رنج ہو۔

ثروت آرا۔ میں ایسی کج فہم اور زود رنج نہیں ہوں کہ کچھ جاہل عورتوں کے احمقانہ اعتراضات پر بگڑ جاؤں اُن بیچاریوں کا کیا قصور ہے ہر انسان اپنے ماحول کے مطابق گفتگو کرتا ہے انھوں نے دنیا دیکھی ہی نہیں اس لئے جو کہیں ٹھیک ہے مجھے تو نصرت بانو کی خوشی کرنی ہے اُن سے اقرار کر لیا ہے کہ ضرور آؤنگی اب تو جانا ہوگا۔

ظفر جنگ۔ مجھے تمہارے جانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے تم جا تو جوبات تھی کہدی۔

ثروت آرا کا کچھ پردہ نواب صاحب کی زندگی تک تھا اُنکے انتقال کے بعد ظفر جنگ نے یہ رسمی پردہ بالکل ختم کر دیا تھا۔

مخلوط ٹی پارٹیوں اور دعوتوں میں وہ ہمیشہ بیوی کو ساتھ لیجاتے تھے البتہ شہر کے اندر پبلک جلسوں میں یا ویسے پھرنے پر ثروت آرا اس کی وجہ سے نہ جاتی تھیں کہیں اگر ضروری جانا بھی ہوتا تو کلوک پہن کر جاتی تھیں پھر بھی دلی کی پرانے خیالات والی بیگمات کا مرغوب ترین ذکر آجکل ثروت آرا کی آزادی ہی تھا جتنے موتھ تھے اتنی ہی باتیں ثروت آرا جیسی شریف باحیا پاک طینت ہستی پر جاہل اور بیوقوف عورتوں نے وہ وہ تہمتیں تراشی تھیں جس کا تصور بھی کبھی خواب میں ثروت آرا نے نہ کیا ہوگا۔

سردار منزل والوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ثروت آرا بیگم

کلوک بہن کبرا الگزینڈرا کے ہمراہ گئیں سردار منزل میں اس وقت کوئی ڈیڑھ سو عورتوں کا مجمع تھا اور ان میں زیادہ ایسی تھیں کہ جو بالکل جاہل تھیں نئی تہذیب کی سخت دشمن اور آزاد فضا سے متنفر تھیں بڑے دالان بیگمات سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے باہر کے دالان کے بیچوں بیچ میں ایک بوڑھی استانی جی چوکی پر بیٹھی ہوئی لرزتی ہوئی آواز سے غلط سلط قیامت حشر عذاب ثواب کے قصے سنا رہی تھیں جس سے سن رسیدہ خواتین بہت متاثر تھیں نوجوان لڑکیاں بجائے میلاد شریف سننے کے اپنی اپنی سہیلیوں کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں ان بیگمات کا لباس بھی زیادہ تر ایسا ہی تھا جو اب سے پچاس سال قبل دلی کے شرفا میں پہنا جاتا تھا یعنی بڑے پائنچوں کے فرشی پاجامے جاکٹ اور دوپٹے البتہ نوجوان لڑکیاں آڑے پاجامے کرتے دوپٹوں میں تھیں۔

میلاد شریف شروع ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے جو ثروت آرا پہونچیں دروازے سے ہی سینکڑوں نگاہوں کا نشانہ بن گئیں اور دالانوں تک پہونچتے پہونچتے تو خاصا تماشہ ان کو سب نے بنا لیا بھانت بھانت کی بولیوں اور ہجوم نگاہ سے وہ بالکل گھبرا گئی تھیں۔ نصرت بانو کہیں انتظام میں مصروف پھر رہی تھیں انھوں نے جو یہ ہلڑ دیکھا اور ثروت آرا کو پریشان پایا جلدی سے قریب آئیں اور ان کو لیجا کر اندر کے دالان میں بٹھایا اپنی بڑی بہن جہاں بانو بیگم اور دو تین اور ایسی خواتین کو ان کے قریب بٹھایا جو ذرا سلجھے ہوئے خیالات کی تھیں حتی الامکان ہر بیوی کو منع کیا کہ کسی پر اعتراض کرنا برا ہے مگر یہاں نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا چاروں طرف پھبتیاں کسی جا رہی تھیں ہر جانب منھ جڑے ہوئے تھے۔

ایک بوڑھی بیگم اپنی پاس والی کو ٹھوک کر اے بہن مہولی بیگم دیکھتی ہو انکو ابھی یہ کون ہیں ؟ میموں کا سا سایہ پہن رکھا ہے ساتھ بھی کوئی فرنگی ہے۔
مہولی بیگم۔ اے ہاں میں خود دیکھ رہی ہوں مسلمانوں پہ خدا کی رحمت ہے کوٹ سا بجائے برقعہ کے پہنے ہوئے تھیں اور منہ چاند سا کھلا ہوا تھا ایک اور نوجوان بیگم۔ بوڑھی بیگم سے پھوپی اماں یہ تو عشرت زمانی بیگم کی بھانج بہو ثروت آرا بیگم ہیں۔
مہولی بیگم۔ اچھا نواب اظہر جنگ کی بہو ہیں خدا کی قدرت ہے نواب صاحب کے یہاں تو پانچ برس کا بچہ بھی نہ گھس سکتا تھا انھوں نے تو سنا ہے پردہ توڑ دیا یونہی ساڑھی باندھے پھرتی ہیں
گلشن آرا۔ ہاں آج نہ جانے کیسے غرارہ قمیض پہن آئی ہیں ورنہ سنا ہے میموں کی طرح یونہی میاں کے ساتھ سایہ پہنے پھرتی ہیں۔
سکینہ بیگم۔ ارے تم کو میری قسم سچ کہو نہیں غلط ہوگا۔
گلشن آرا۔ یہ خبر بالکل صحیح ہے کیونکہ میرے یہاں کی ماما کی بہن اظہر جنگ کے ہاں نوکر ہے وہ کہتی تھی دلہن بیگم نے پردہ بالکل اٹھا دیا۔
مہولی بیگم جب ہی تو فرنگن کے ساتھ آئی ہیں اللہ توبہ دین ایمان مذہب سب کھو دیا۔
سکینہ بیگم۔ اور یہ تو دیکھو نواب کی بہو زیور نام کو نہیں لونگ آگئیں ناک میں کیل نہیں پاؤں میں پازیب نہیں نہ جانے ہاتھوں میں دو دو چوڑیاں اور کانوں میں کرن پھول بھی کیسے پہن لئے سنا ہے جہیز بھی الغاروں ملا تھا۔
گلشن آرا۔ میری نند نوان کی شادی میں موجود تھیں کہتی تھیں کہ سسرال

میکے کا زیور اتنا تھا کہ دو صندوقچے بھرے ہوئے تھے
سکینہ بیگم ۔ سہاگ کا بھی خیال نہیں آگ لگے اس فیشن کو خدا نکرے وہ کہ سہاگن کی ناک میں کیل نہ ہو ۔
بھولی بیگم ۔ بوا کیل کیسے پہنیں میم صاحب جو ہیں ۔
سکینہ ۔ میرا تو دل چاہتا ہے صورت دیکھے جاؤں بہت پیاری صورت ہے ۔ جب ہم عورتوں کا یہ حال ہے تو مرد دیکھ کر کیا کہتے ہوں گے مسلمان عورت اور یوں بے پردہ پھرے ۔
ایک اور نوجوان بیگم ۔ اے بہن گلشن ہم نے تو کچھ اور بھی سنا ہے ۔
گلشن آرا ۔ کیا بہن ناصرہ ؟
ناصرہ ۔ سنا ہے یہ گوشت بھی کھاتی ہیں شراب بھی پیتی ہیں ۔
بھولی بیگم ۔ کانوں پر ہاتھ رکھ کر اللہ توبہ ! ان کو بلانا کبھی نہیں چاہیے تھا ۔ بھلا ہم بولی کی نیاز کھانے والیاں غیر مرد کی صورت بھی خواب میں نہیں دیکھی کہاں اور کہاں یہ مردوں سے ملنے والی اور کھانے پینے والی مجھے خبر ہوتی کہ یہ یہاں آئینگی تو میں کبھی کبھی نہ آتی ۔
گلشن آرا ۔ نصرت بانو اُن کو خود بلاوہ دینے گئی تھیں ۔ سنا ہے بہت خوشامد کر کے بلایا تھا ان کے ہی بنائے ہوئے اسکول میں اُنکی بیٹی پڑھتی ہے ۔
ناصرہ ۔ جب ہی تو لڑکی ایسی ہوائی دیدہ ہے وہ فر فر انگریزی بولتی ہے کہ الٰہی توبہ !
اصغری بیگم ۔ میری اختر اور سعیدہ ایک عمر ہیں لیکن تم دیکھو اختر ایک بچے کی ماں ہے اور کیسی تمیز ہیلی اور سعیدہ چھلانگیں مارتی پھرتی ہے ۔
گلشن آرا ۔ اے بہن صحبت کا اثر ہے ۔

سکینہ بیگم۔ ثروت آرا ناچتی بھی ضرور ہونگی۔
اصغری بیگم۔ اور کیا ناچنے سے ان کو کیا انکار ہو گا احمد کے ابا کہتے تھے کہ لاٹ صاحب کے ہاں کی ٹی پارٹی میں اتنے سارے مردوں میں یہ موجود تھیں
گلشن آرا۔ کیا میاں ساتھ نہ تھے۔
نازک ادا۔ (ہاتھ مٹکا کر) ایسی ہیں تو میاں کی اُن کو پرواہ ہے میاں تو لاہور تھے وہ کہہ رہے تھے کہ لاٹ صاحب کا سکتر (سکریٹری) تنہا موا اُنکو موٹر تک پہونچانے آیا تھا۔
گلشن آرا۔ کانوں پر ہاتھ رکھ کر اُوئی اللہ توبہ! نہ معلوم آسمان کس سہارے کھڑا ہے اور قیامت کیوں نہیں آجاتی" رنڈیوں کو مات کیا نگوڑے فرنگیوں کے ساتھ ہنستی بولتی ہیں۔
چھوٹی بیگم۔ میاں بھی بہت بے غیرت ہیں جو ایسی پری جیسی بیوی کو یوں پھرنے دیتے ہیں
سکینہ بیگم۔ سرکار میں عزت جو بیوی کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہے اسلئے ہی یا ہر بیوی کو پھراتے ہیں۔
نازک ادا۔ اتنی جلدی ترقی ظفر جناب کو بیوی کی وجہ سے ملی ہے۔
اِدھر تو یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔
اُدھر ثروت آرا سے اُن کے قریب بیٹھی ہوئی بیگمات اپنی سمجھ کے مطابق سوالات کر رہی تھیں۔
ایک بیگم۔ بہن آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔
ثروت آرا۔ ضرور فرمایئے برا ماننے کی کیا بات ہے۔
وہی بیگم۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے پردہ بالکل توڑ دیا ہے۔

ثروت آرا۔ مسکرا کر جی ہاں آپ کا فرمانا درست ہے میرے شوہر پردے کو پسند نہیں کرتے اور ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ لیجاتے ہیں۔ مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔

وہی بیگم۔ لیکن آپ کو اپنے صاحب کو سمجھانا چاہیئے ان کے کہنے پر عمل کیوں کیا اسلام میں یہ جائز نہیں کہ عورت نامحرموں کے سامنے ہو۔

ثروت آرا۔ بحث کا موقعہ نہیں میلاد شریف ہو رہا ہے بے ادبی ہے جو اس وقت اور کوئی گفتگو کی جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ جس طرح آپ پردہ کرنے کے لئے مجبور ہیں میں پردہ چھوڑنے کے لئے مجبور ہوں رہا سوال آزادی تو اس مقید دنیا میں کوئی بھی آزاد نہیں۔

وہی بیگم۔ میلاد شریف تو خیر ہو رہا ہے لیکن مجھے آپ سے اس بات کا جواب لینا ضروری ہے کہ اسلام کے خلاف آپ کیوں کرتی ہیں؟

ثروت آرا۔ اگر آپ مجبور کرتی ہیں تو سنئے قرآن پاک میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ عورت جیتے جی دوسرے کاندھوں پر لدی پھرے یا کونے کی گڑیا بن کر ساری عمر گذار دے تمام زندگی گھر کی چار دیواری سے قدم باہر نہ نکالے خدا نے تو عورت غریب پر یہ ظلم کیا نہیں۔ البتہ وہ لباس جو باریک ہو جس سے جسم جھلکے (مسکرا کر) معاف کیجئے جیسا اس وقت آپ اور اکثر بہنیں یہاں پہنے ہوئے ہیں پہن کر باہر نکلنا اور بہنر بن آرائش کر کے غیر مردوں میں جانا اور بلا ضرورت مارے مارے پھرنا رقص و طرب کی محفلوں میں عورتوں کا بھی مردوں کیساتھ حصہ لینا بغیر کسی خاص ضرورت کے نامحرموں سے خلا ملا کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ موٹا لباس پہن کر اپنی زیب و زینت چھپا کر عورت مونھ کھول کر یا اگر وہ شرم محسوس کرے تو چادر و نقاب لیکر اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے

باہر جاسکتی ہے۔ قومی و معاشرتی کاموں میں حصّہ لے سکتی ہے۔ علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کر سکتی ہے۔ اپنے باپ بھائی اور شوہروں کے ساتھ تفریح بھی کر سکتی ہے۔ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم قرآن پاک میں عورت مرد کیلئے یکساں ہے اور اخلاق کی پاکیزگی کی تاکید بھی دونوں کے لئے ہے

وہی بیگم۔ پھر یہ کیسے ہوا جو عورتوں کو اتنا سخت پردہ یہاں کرایا جاتا ہے۔

ثروت آرا۔ یہ تو سماج کا ظلم ہے اور مردوں کی تنا نداری عنایت کا نتیجہ۔ وہ چاہتے ہیں ہم عورتیں اپنی حالت سے بے خبر رہیں بس پان کھائے منھ رچائے زیور سے لدی ہوئی چار دیواری میں مقید بیٹھی رہیں گھر کے آنگن اور باورچی خانے سے آگے کچھ بھی نہ جان سکیں مردوں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر دیں اور گمنام مرجائیں اسلام کا نام بھی ان لوگوں نے جو ایسا کرتے ہیں بدنام کر دیا ہے اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے بحیثیت بہن بیوی ماں بیٹی کے عورت کے حقوق کو تسلیم کیا اور عورت کو ایک خاص پوزیشن عطا کی آپ سرورِ عالم اور خلفائے راشدین کے زمانے کی تاریخ اسلام پڑھئے اس میں آپ کو عورتیں کہیں جنگ میں مردوں کے دوش بدوش رجز خوانی کرتی اپنے بھائی باپ بھائیوں شوہروں کے دل اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے بڑھاتی ملیں گی کہیں فقہ و حدیث کے سبق دیتیں نظر آئینگی اور کبھی بزم شعر و ادب کی صدر نشین ملینگی یہ تھا مسلمان عورت کا اصلی مرتبہ جس سے آج کی مسلمان عورت بالکل محروم ہے چند اچھے لوگ ہیں جو آہستہ آہستہ ہمدردی سے اپنی ماں بہنوں بیویوں کو حقوق دے رہے ہیں لیکن اکثریت ان چند کے خلاف ہے اور قوم کے زیادہ افراد ایسے ہی ہیں جو عورت کو زمانۂ جاہلیت کی طرح مقید جانور کی طرح رکھنا پسند کرتے ہیں۔

وہی بیگم۔ واہ بہن آپ تو آنکھوں سے پردے اُٹھارہی ہیں کچھ اور فرمایئے
ثروت آرا۔ اب موقعہ نہیں الگزنڈرا ہائی اسکول میں آئندہ پیر کو سالانہ جلسہ ہے اور اسی دن اس موضوع پر میں کچھ کہنے والی ہوں آپ تشریف لائیں ورسنیں

وہی بیگم۔ میں نے سنا ہے اس مرتبہ وہاں مرد بھی ہونگے۔

ثروت آرا۔ یہ صحیح ہے وہ مرد جنکی لڑکیاں یا بہنیں اسکول میں ہیں اسکول نے اس دفعہ ان کو مدعو کیا ہے اور میں نے جان کر ایسا کیا ہے تاکہ مردوں کو یہ سنا سکوں کہ وہ زمانہ گیا جب پردہ پوشی میں ہندوستان کی عزت تھی اب ہمارے مردوں کو عورتوں کو اس زمانے کے قابل بنانا چاہیئے۔

لیکن پردہ نشین خواتین کے لیئے اسکول کی گیلری میں انتظام ہے الگزنڈرا ہے بہن ان کو ضرور بلانا۔

الگزنڈرا۔ بہت بہتر آپ کا کیا نام ہے بیگم صاحبہ؟

بیگم۔ میرا نام اکبری بیگم ہے۔

الگزنڈرا۔ آپ کے صاحب کا کیا نام ہے؟

اکبری بیگم۔ شرماکر انوار احمد۔

الگزنڈرا۔ اچھا آپ دونوں کے نام کارڈ پہونچ جائیگا۔

میلاد شریف اس مباحثے میں ختم ہوچکا تھا سب بیگمات کو اب دسترخوان پر لیجاکر بٹھایا گیا کھانے کے تھوڑی دیر ثروت آرا نصرت بانو کا شکریہ کرکے رخصت ہوئیں۔

ان عورتوں کی پست حالت پر آج ثروت آرا کو بہت افسوس ہوا جن بیگمات سے آج وہ ملی تھیں وہ ایک سے بڑھ کر ایک پرانے خیال کی تھی۔ الگزنڈرا کو انھوں نے تاکید کی کہ سردار منزل کے ہر فرد کو بلوادیں۔

دوسرے دن صبح ہی سے الگزنڈرا بائی اسکول کو پھولوں اور جھنڈیوں سے آراستہ کیا جانے لگا مس الگزنڈرا بہت انہماک سے انتظام میں مصروف اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں گلابی جاڑے تھے موسم آج بہت دلکش تھا دن کسی پاکباز کے دل کی طرح روشن اور صاف تھا اسکول کے وسیع ہال میں معززین شہر یورپین ہندو لیڈیز اور اُن مسلم خواتین کے لئے جو پردہ نہیں کرتی تھیں نشست کا سامان بہت سلیقے سے کیا گیا تھا دو بجے سے موٹروں گاڑیوں کا "تانتا" لگا ہوا تھا تین بجتے بجتے سارا ہال کھچا کھچ بھر گیا پردہ نشین خواتین کے لئے دوسرے دروازے سے الگ انتظام تھا اسکول کی چند لڑکیاں مستورات کو لیجا کر گیلری میں بٹھا رہی تھیں

ٹھیک تین بجے ثروت آرا ظفر جنگ آئے الگزنڈرا نے ثروت آرا سے معانقہ کیا ظفر جنگ سے ہاتھ ملایا اور اسٹیج تک پہونچایا پہلے ظفر جنگ صاحب نے انگریزی میں تعلیم نسواں پر تقریر کی آخر میں مس الگزنڈرا کے کام کی تعریف کی انکی تقریر بہت دل نشین اور موثر تھی وہ تقریر ختم کر کے اسٹیج کے ایک کونے میں بیٹھ گئے الگزنڈرا کی مسند خاص پر ثروت آرا مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں، سب انکے حسین خطبہ کی جانب اشتیاق سے دیکھ رہے تھے کہ آج کس موضوع پر فصاحت کے دریا بہاتی ہیں۔

ثروت آرا نے چند لمحے کے سکوت کے بعد صاف اور شیریں آواز میں اپنی تقریر شروع کی

عزیز بہنو اور بھائیوں ہندوستانی گھرانوں میں عام قاعدہ ہے کہ لڑکے کی پیدائش پر بے انتہا اظہار خوشی کیا جاتا ہے۔ لیکن لڑکی کی پیدائش پر گھر ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ ساری خوشیاں ماند ہوجاتی ہیں اور سب کی صورت ایسی افسردہ ہوجاتی ہے گویا اس گھر میں کوئی بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔ مالک مالکہ سے لیکر نوکر چاکر حتیٰ کہ دائی تک مغموم ہوجاتی ہے کیونکہ کسی کا مونھ ہے جو انعام طلب کرے لڑکا تو پیدا ہوا نہیں جو بڑا ہو کا کما کر لائیگا لڑکی ہوئی ہے جو بیچاری جبتک والدین کے گھر رہے گی کونے کی گڑیا بن کر اور جب بڑی ہوگی دوسرے گھر کی زینت بن جائیگی یہ افسردگی یہیں تک محدود نہیں تھی بلکہ کنبے والوں دوستوں تک اس کا اثر جاتا ہے جو خاتون بھی آئی ہیں وہ کہتی ہیں مجھے تو یقین جانو اس کا گمان ہی نہ تھا کہ تمہارے ہاں لڑکی ہوگی جب سنا کہ لڑکی ہوئی ہے تو بہت عجیب معلوم ہوا خیر خدا نے دیا ہے تو جیتی رہے باپ پر بھاگوان ہو کنبے کی لاج رکھے نصیب اچھا ہو گھر والی ٹھنڈا سانس لیکر جواب دیتی ہے۔ ہاں بہن قسمت کی بات ہے اُن کی تو چار پشت سے لڑکی ہوئی ہی نہیں۔ میرے یہاں ہی دیکھو خیر سے اوپر تلے تین لڑکے ایک نال ہوئے اس کا خیال بھی نہ تھا کہ ایکے لڑکی ہوگی انکے جو عہدہ ہے میں ترقی ہوئی تو کہتے تھے کہ یہ لڑکا بڑا بھاگوان ہوگا مقدر کے لکھے کی کس کو خبر تھی کہ بیٹی ہو جائیگی اب اللہ نے دیدی ہے تو اس کا دیا سر آنکھوں پر خدا نصیب اچھا کرے قدردان کے پلے بندھے آنکھوں میں آنسو بھر کر بیٹی کے تو نصیب کا ہی رونا ہے یہ آغاز ہے ہندوستانی ماحول میں لڑکیوں کی زندگی کا کوئی ان نیکبخت سے یہ پوچھے کہ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک میں جو لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں نصیب کا رونا کیوں نہیں ہے؟

لڑکے لڑکیاں دوش بدوش یکساں تعلیم پاتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا گیا دنیا بھر کی بدنصیبی ہندوستانی لڑکیوں کی قسمت میں ہی آگئی ہے۔ یا یہ سب جہالت کی بدولت انکو مصائب بھگتنے پڑ رہے ہیں "اگر صفحۂ روزگار سے عورتوں کا وجود گم ہوجائے تو پھر مرد کیا سر پھوڑ رینگے" جب خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ عورت مرد کی بہترین نصف ہے تو عورت بغیر زندگی کیسے مکمل ہو سکتی ہے اور لڑکیوں کی پیدائش کیوں ضروری نہیں خیال کی جاتی کاش! ہندوستانی مائیں جو مردوں سے زیادہ لڑکی کی پیدائش پر غمزدہ ہوجاتی ہیں یہ مسئلہ ذہن نشین کر سکیں۔

لڑکی جب اس تاریک ماحول میں پلتی ہے تو اس کو اپنی پستی کا احساس ہوجاتا ہے وہ سمجھتی ہے کہ میں اس دنیا کے لئے بیکار ہوں مجھے اپنے دل اپنے دماغ پر بھروسہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ماں کی بے وجہ غصہ بھائیوں کی جھڑکیاں اور باپ کی سرد مہری اس کی حساس فطرت پر بہت برا اثر کرتے ہیں اس کے احساسات وجذبات مردہ ہوجاتے ہیں اور وہ یہ سمجھ لیتی ہے کہ بغیر مردوں کے میں اپنی زندگی نہیں گذار سکتی، اپنی حفاظت میں خود کرنے کے قابل نہیں ہیں دنیا کی ایک کمزور مخلوق ہوں۔ جو کچھ ہے بس مرد ہے میری زندگی کا ماحصل تمام عمر مرد کی خدمت کرنا اور کھانا پکانا بچے پالنا ہی ہے اس فضا میں پرورش پاکر جب وہ جوان ہوتی ہے تو والدین اس کے خیالات کا اندازہ لگائے بغیر ایک بے زبان گائے کی طرح غیر شخص کے حوالے کر دیتے ہیں اور اتنا کافی سمجھتے ہیں کہ نسب اچھا ہو کھاتا پیتا ہو صحت اخلاق صورت چال چلن کی بابت دریافت کرنا فضول سمجھا جاتا ہے ہر قسم کے مریض بڈھے بیوقوف بدمزاج بدشکل گندہ ناتراش قسم کے خاوندوں کی اطاعت کرنا اور ان کے ہر

جاو بیجا حکم کو اپنا دین و ایمان سمجھنا ہی لڑکیوں کی شرافت ہی۔ اُنکا فرض ہی کہ والدین جس کے پلّے باندھ دیں اس کو بلاچوں وچرا آنکھیں بند کرکے قبول کرلیں اور اگر یہ شادی حسب مرضی نہ ہو تو گھُل گھُل کر جان دیدیں مگر مونھ سے اُف نہ کریں واہ رے مشرق تو اور تیری سوسائٹی بقول شاعر

مرغ دل رو مت یہاں آنسو بہانا ہے منع
اس قفس کے قیدیوں کو آب و دانہ ہے منع

گنوارپنے میں تھوڑی بہت جو بیفکری میسر ہوتی ہے شادی کے بعد اس کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے رات دن کی سلگن ہمہ وقت کا فکر ساس نہ خفا ہوجائیں نند نہ بگڑ جائیں میاں کا مزاج ٹھیک رہے ایک کمزور ہستی اور اتنا بار عجا

رگ رگ میں نیش غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

بعض کمبخت لڑکیاں فطری طور پر بلند جذبات کی مالک ہوتی ہیں۔ اُن کے لئے تو اس ماحول میں رہنا پورا عذاب ہوتا ہے انکی تو مجال نہیں کہ خود کوئی رسالہ یا کتاب منگا سکیں۔ بھائیوں کے پاس جو رسالے آتے ہیں اُن کا مطالعہ کرنا اور چھپ چھپ کر مضمون نگاری کی مشق کرنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے ماں یہ چاہتی ہے کہ لڑکی ہر وقت چھوٹے بھائی بہن کی نگرانی کرے کپڑے سیئے چائے ناشتے کی تیاری میں مدد دے جہاں کوئی کتاب لڑکی کے ہاتھ میں دیکھی جاہل ماں کا لیکچر شروع ہوگیا خدائی مار ان کتابوں پر اور پھٹکار اُن کے لکھنے والوں پر آگ لگے اس زمانے کو لڑکیوں کو ان نگوڑے اسکولوں نے کھودیا میرا بس چلتا تو تجھے کبھی بھی اسکول نہ بھیجتی بادا جان کو مبارکباد دونگی جنھوں نے اسکول میں پڑھا کر لاڈو بیٹی کو کسی کام کا نہ رکھا جیں تو اس

دن کے لئے پہلے ہی ڈرتی تھی اسکول میں جا کر لڑکیاں بالکل نکمی ہو جاتی ہیں لیکن ان کو تو جیسے دُھن سوار تھی پھوپی اماں نے منع کیا آپا جان نے روکا اور اماں بی تو خدا بخشے مرتے مرتے یہ صدمہ دل پر لیگئیں کہ اُن کے ہاں کی لڑکی اسکول میں گئی مگر ان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی لڑکی کو دس جماعت تک پڑھا کر بالکل غارت کر دیا نہ جانے اب بیٹی سے کہاں نوکری کرائینگے کام کی نہ دھندے کی جب دیکھو مس بابا پڑھ رہی ہیں یا لکھ رہی ہیں ہمارے وقتوں میں تو شریف لڑکی کا ہاتھ میں قلم پکڑنا بھی عیب تھا یا اب لڑکیاں مشینوں کی طرح ہر وقت لکھتی رہتی ہیں" بے غیرت لڑکی اس پر بھی اپنا لکھنا پڑھنا جاری رکھتی ہے۔ تو محلے والیاں اور کنبے والیاں کہتی ہیں اوئی بہن تم نے کچھ اور بھی سُنا خانصاحب کی لڑکی نے تو سارے میں نام اُچھال رکھا ماں باپ سے بغیر پوچھے کوئی عورتوں کا اخبار نکلتا ہے اُس میں اپنا مضمون نکلوا دیا جلد ہو گئی ہے اب تو کنواری لڑکیاں اخباروں میں چھپنے لگیں پرسوں میں گئی تھی تو خالہ زاد بھائی سے وہ ایسی بحث رہی تھی کہ میری تو دیکھ کر عقل حیران رہ گئی زبان تھی کہ میرٹھ کی قینچی! چلے جا رہی تھی لڑکا بھی خاموش تھا توبہ ایسی مردمار لڑکیاں ہوں کہ لڑکوں کے سر چڑھ جائیں مجھ وال کی اگر ہوتی "چھریوں کے گرا تی اور زندہ گاڑ دیتی غضب خدا کا بیس برس کا لوٹھا یونہی بیٹھی ہے اماں باوا کو فکر ہی نہیں تم دیکھنا کچھ دنوں میں ایسی ناک کاٹیگی کہ ساری شیخی کرکری ہو جائیگی دیدے میں حیا نہیں شرم کا پتہ نہیں لڑکی کیا پوری شہدن ہے؟"

شادی کے بعد اور گل کھلتا ہے میاں قسمت سے اگر اچھا ملا تو ساس نندیں کھائے جاتی ہیں ہر بات پر طعن ہر بات پر طنز کہاں تک آخر بیچاری شعر و ادب بھول کر گھرداری کے دھندوں میں پڑ جاتی ہے اور وہ ہستی جس سے اُمید

تھی کہ موزوں ماحول میں رہ کر خدا جانے کتنی ترقی کرتی ہمیشہ کیلئے برباد ہو جاتی ہے۔

لیڈران قوم بار بار کہتے ہیں کہ ہماری قوم میں احساس نہیں ہماری ذہنیت غلامانہ ہے مگر افسوس وہ عورتوں کی جانب نگاہ نہیں ڈالتے نونہالان قوم اُن ماؤں کی آغوش سے پل کر نکلتے ہیں جنکی قوت احساس جن کا عزم جنکا استقلال سب کچھ مردوں نے چھین لیا ہے اور اُن کو چار دیواری میں مقید رکھ کر اپنے بچوں کو ڈرپوک بزدل بنا دیا ہے ایک ایسی ماں جو ساری عمر جا و بیجا اطاعت کرتی رہی ہو اور ہمیشہ باپ بھائی شوہر سے ڈرتی رہی ہو بزدل مریض بھنکتے ہوئے بچے پیدا نہ کریگی تو کیا کریگی؟ "جو بونے کے بعد دانہ ہائے گندم کہاں مل سکتے ہیں؟"

مبارک ہیں وہ بھائی جو اپنی بہنو بیویوں کو سہارا دیکر اس قابل بنا رہے ہیں کہ وہ بھی سمجھیں ہم زندہ ہیں ہم انسان ہیں ہمیں اپنی حفاظت کا بار خود اُٹھانا چاہیئے وہ وقت دور نہیں کہ ایسے لوگ جو صنف نازک سے برابری کا برتاؤ کرتے ہیں آئندہ نسل کو پھلتا پھولتا دیکھ لیں گے۔

عورتوں کے اس طرح کونے میں گھس جانے سے ہمارا ملک بے تہذیب ہو گیا ہماری سوسائٹی ان گھڑ رہ گئی ہے ذرا اساتذہ کرام کے دیوان اُٹھا کر دیکھئے ان کے اشعار ہماری سوسائٹی کے اخلاق کا آئینہ ہیں ہر ملک کا ادب اسکی تہذیب و اخلاق کا مکمل نمونہ ہوتا ہے ہندوستانی ادبیا کا بہت حصہ پردے کی مسموم رسم کے باعث لغویات کا دفتر ہے۔ لیکن اب سے پچاس سال قبل کی شاعری اور موجودہ شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے چند ہندوستانی خواتین کے باہر نکلنے سے اور کالجوں کی مخلوط تعلیم کے باعث ملک کی تہذیب بدل چلی ہے نوجوانوں کے جذبات بلند ہو گئے ہیں اور شعر و ادب بھی اخلاق کے سانچے

ہیں ڈھل رہا ہے داڑھی مونچھ والا خیالی محبوب ہماری شاعری سے اب خارج کر دیا گیا ہے ہمارے نوجوان بھائی بھی اکثر مہذب شائستہ ہوتے ہیں کالجوں میں مخلوط تعلیم کا اثر ان پر اچھا ہی پڑا ہے۔ عورتوں کے سخت پردے میں رہنے کے باعث مرد جو عصبی المزاج ہو گئے تھے اور کسی عورت کی جھلک دیکھنے کے بعد ہی وارفتہ ہو جاتے تھے یہ کیفیت اب معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ یوں کیوں نہ کہوں اب تصوراتی محبوبہ اور خیال عشق باقی نہیں رہا اور تعلیم یافتہ روشن خیال لوگ خواتین کا احترام کرتے ہیں یقیناً عورتیں اس لئے نہیں پیدا ہوئیں کہ اُنکی قسمت میں مردوں کی عنایت سے صرف چار دیواری ہو اور وہ اُس پکھیروں کی طرح ہوں جو پنجرے میں پیدا ہوا پنجرے میں ہی رہا اور وہیں مر گیا نہیں معلوم ہمارے بزرگ یہ کیسے گوارا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد اُن کے یہاں کی عورتوں کی صورت فرشتے بھی دیکھ پائیں۔

ہندوستانی بیواؤں اور سن رسیدہ عورتوں کی زندگی کس قدر غمناک روداد سے بھری ہوئی ہے یورپ میں اس عمر کی عورت ہزاروں کاموں میں حصہ لیتی ہیں زندگی موت کے دن تک ان کے لئے دلچسپ رہتی ہے اور اپنی مصروف زندگی کی بدولت یہ دنیا اُن کے لئے جنت بن جاتی ہے لیکن یہی جنت ہندوستانی عورتوں کے جہنم ہے جس میں اُن کے لئے

ع
نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

وہ شکایت کریں تو جاہل لڑتیں تو پھوہڑ کہلاتی ہیں۔

اگر اُن کو اس طرح قید نہ رکھا جائے تو کیا آہستہ آہستہ ان غریبوں کی زندگی درست نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کی زوال پذیری کے سینکڑوں اسباب بتائے جاتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ اصل وجہ عورتوں کی بے بلا سبب

قید ہے گھروں میں بیٹھ کر اُن کے خیالات میں ترقی ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے مغرب سے آفتاب نکلنا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک اچھی با ہوش ہستی کو بلا وجہ دائم الحبس ہونے کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟

آخر مسلمان عورتوں کے ناک کان محفوظ کیوں نہیں ہیں کیا دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ حسین وہی ہیں؟

ایران اور ترکی کی سرخ و سفید رنگ والی عذرا اور سلمیٰ کا مقابلہ تو ہندوستانی نصیبن کریمن کبھی نہیں سکتی پھر یہ پردہ کیا معنے رکھتا ہے؟

اس فقرے پر ہال میں ایک قہقہہ پڑا اور تالیوں کا شور گونج گیا سکون ہونے پر ثروت آرا نے پھر کہنا شروع کیا۔

میرے معزز بھائی اپنے کو فیشن ایبل اور آزاد خیال دکھانے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن جہاں ذکر عورتوں کا آیا اور سکوت طاری ہوا۔

فرض کیجئے، آج جاپانی لیڈیز چھم چھم کرتی گھروں میں بیٹھ جائیں جنگ ایک نیا دور شروع ہو جائیگا لیکن وہاں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی پرزے پرزے ہو جائے گی۔ اس زمانے میں جب اور قوموں کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں ہم گونے میں گھسے ہوئے ہیں یا یہ ترقی کی صورت نہیں کہی جا سکتی بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ ہماری عورتیں خود ہی آزادی کے خلاف ہیں لیکن ان کا یہ حال کیسے ہوا؟ وہ بلبل جیسے اپنے ہمدموں سے بچھڑے ایک مدت گذر گئی جس کے پر کھلی فضا کو دیکھ کر بھی نہیں کھلتے اور جو پنجرا کھلنے پر بھی محض اپنے مقید کرنے والے کے ہاتھ پر آ بیٹھتا ہے کیا اسکی یہ قابل رحم اور آزادی کی خواہش معدوم ہو جانا اُس ظالم صیاد کا قصور نہیں ہے جس نے اُس کو طاقت پرواز حاصل کر لے سے قبل ہی مقید کر کے بیکار کر دیا ہے ہمارے

معزز بھائی آہستہ آہستہ عورتوں کو آزادی دیں اپنی رہنمائی سے ان کو سہارا دیں پھر وہ اپنے کو اس زمانے کے قابل یقیناً کر دکھائینگے۔

یہ ضروری نہیں کہ رقص گاہوں سنیما تھیٹروں اور پبلک جلسوں میں بیویوں بہنوں کو لئے پھریں یا اُنھیں تنہا گھومنے دیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کو کسی نہ کسی طرح باہر نکلنے دیں تازہ ہوا کھانے دیں سورج کی چمکتی ہوئی کرنیں اور اُسکی فضا مہکتے ہوئے پھولوں کو دیکھنے دیں باغوں میں اور دریا کے کنارے گھومنے دیں تاکہ زندگی اُن کے رگ و پے میں دوڑے وہ سمجھیں کہ اُن کو بھی اس دنیا کی ہر چیز پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مردوں کو اور جانداروں کی طرح وہ بھی جان رکھتی ہیں ان کے پاس بھی دل ہے اور دل میں احساس ہے نیک و بد میں وہ بھی تمیز کر سکتی ہیں۔ اُن کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ درخت کس طرح کھلے میدانوں میں جھومتے ہیں شہر میں کیا کاروبار ہوتا ہے نہ صبح سے شام تک میاں بیوی کا قصہ اور بچوں نوکرانیوں کا جھگڑا نہیں ہے۔ اس دنیا میں چارپائیوں اور توے چولھے ہنڈیا کے سوا اور باہر فقیر کی صدا کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر جو شعریت اور طاقت عمل ودیعت کی گئی تھی وہ سب مردوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور اُن کی فطرت پر گذشتہ صدیوں میں آہستہ آہستہ اس قدر سخت قبضہ جما لیا کہ اب عورت آزادی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے بھی قابل نہیں رہی جو چند عورتیں اب آزادی کا مطالبہ بھی کرتی ہیں وہ بھی صرف ظاہری نشست و برخاست کی آزادی کو آزادی سمجھ رہی ہیں۔ باطنی آزادی تخیل کی آزادی دماغ کی آزادی اصل آزادی جبتک عورت مرد کے بغیر خود سوچنے سمجھنے خود اپنے دماغ سے راہ عمل اپنی بصیرت سے زندگی کے معموں کو حل کرنے اور اپنے ضمیر کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو وہ

آزاد نہیں ابھی تو عورتیں دھوکا کھا رہی ہیں. مرد خوب جانتے ہیں کہ جبتک
عورت کے دماغ پر غلامی کی مہر لگی ہوئی ہے اس کے دل میں صنفِ ضعیف ہونے
کا عقیدہ راسخ ہے. وہ قبضے سے باہر نہیں جا سکتی. عزیز بہنو جب تک ہم اپنے
ضمیر کو خود زندہ نہ کر لیں اور قوت احساس کو روشن نہ کریں اور اپنے پر خود اعتماد
نہ کر سکیں ہرگز آزاد نہیں ہو سکتیں آزادی کے یہ معنے نہیں کہ حسن مغرب کی طرح
ہم ناز و عشوہ فروخت کریں اور مردوں کو اپنی اداؤں سے لبھائیں آزادی کے
یہ معنے نہیں کہ صبح و شام نت نئے فیشن اختیار کریں چنتی پنٹی گڑیا بن کر تفریح
گاہوں کے گشت لگایا کریں. روزانہ سینما دیکھیں رقص کریں اور لہو لعب میں خود
کو کھو دیں اور اس طرح اپنے مشرقی وقار قومی اخلاق کو تباہ کر دیں" آزادی نام ہے
اپنے میں قوت عمل پیدا کرنے کا ہم اپنے خیالات کسی کے ماتحت نہ ہونے دیں ہمارا
جسم اپنے سرپرستوں کی اطاعت کرے مگر ہماری روح ہمارا تخیل آزاد ہو اس پر
غلامی کی مہر ثبت نہ ہو اپنے لئے ہمیں راہ عمل الگ تلاش کرنی لازم ہے خود اپنی
شاہراہ بنانی ضرور ہے دوسرے کی نقل سزاوار نہیں" کمسن یتیم لڑکیوں کے
وہ آنسو جنکے بھائیوں نے اُن کو حق وراثت سے محروم کر دیا اور نو عمر بیوی
کی وہ سرد آہیں جس کا بیوفا شوہر اپنی رفیق زندگی کو چھوڑ کر ایک آبرو باختہ
عورت کے دروازے پر سر ٹیکے ہوئے ہے غم نصیب بیوہ کے وہ دردناک
نالے جو سماج کے ظالم ہاتھوں میں گرفتار ہو کر زندگی کے کڑوے کسیلے دن
کاٹتے ہوئے سانس لے رہی ہے ضرور منتقم حقیقی کے انتقام کو جوش میں لائیں گے
شکستہ دلوں کی نکلی ہوئی آہیں ایک نہ ایک دن عرش معلے کو لرزا دینگی اور
پھر مردوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اُن کے سر بار ندامت سے جھک جائینگے
ہندوستان کی آزادی ان حالات میں ممکن نہیں جبکہ یہاں کی عورتیں عضو مفلوج

بناکر گھروں میں مقید کر دی گئی ہیں وہ قوم کیونکر ترقی کر سکتی ہے جس کا نصف حصہ بیکار محض ہو۔

میں اپنے بھائیوں سے التجا کرتی ہوں کہ وہ اپنی بیویوں بہنوں بیٹیوں کو تعلیم دلائیں اور ان کو اس قدر آزادی دیں کہ ان میں انسانیت کا صحیح احساس پیدا ہو سکے ساتھ ہی میں اپنی بہنوں سے یہ بھی کہتی ہوں کہ الحاد و کفر کی جو گھٹائیں جھوم کر مغرب سے اُٹھی ہیں اس رو میں بہہ کر وہ اپنی مشرقی خودداری اور ہندوستانی وقار کو نہ کھو دیں وہ آزادی حاصل کریں لیکن اپنے شوہروں کی باوفا مونس اور غمخوار رہیں اپنے آباؤ اجداد کے نام کو اپنی باعظمت زندگی سے چار چاند لگا دیں اور مشرق کی آن بان پر دھبہ نہ آنے دیں باہر نکل کر دکھا دیں کہ مشرق کی بیٹیاں کتنی خوددار کیسی باعفت اور کس قدر بلند خیال ہیں اپنے بچوں کو باعزم و دلیر بنائیں اور اپنی لڑکیوں کو لڑکوں سے کم مت سمجھیں اُنکے احساسات کا احترام کریں اپنے باپ بھائیوں اور شوہروں کو اپنے خلوص و محبت سے سہارا دیکر اُن کی زندگی بنائیں اور اپنا وقت بجائے بیکار باتوں میں گذارنے کے قومی و معاشرتی بہبودی کے کام کرنے میں گذاریں اسی کا نام آزادی ہے اور یونہی کوئی قوم بن سکتی ہے۔

شرم و حیا کی دیویوں مہر و وفا کی پتلیوں
اے معدن صدق و صفا خوبیوں کی حد انتہا
الحق کہ اب قوم کی باقی جمعیت تم سے ہے
لاریب صد فسانہ دنیا کی عزت تم سے ہے

ثروت آرا کا یہ لیکچر اتنا طویل تھا کہ پورے پون گھنٹے تک جاری رہا جب وہ بیٹھیں تو بہت دیر تک ہال تالیوں سے گونجتا رہا کئی قابل اصحاب نے ثروت آرا کے اس مفید لکچر کی تعریف کی ظفر جنگ کو ایسی روشن دماغ

اور سلجھے ہوئے خیالات کی ہوئی پانے پر مبارکباد دی ثروت آرا ہر ایک سے ہاتھ ملاتے ملاتے اور شکریہ کرتے کرتے تھک گئیں مگر سیلاب آنے والوں کا کسی طرح نہ تھمنا تھا خدا خدا کر کے پانچ بجے اور مردوں کے بلاوے کا وقت ختم ہوا تو یہ سب گئے اور پردہ نشین خواتین گیلری سے اُتریں کئی بیگمات نے جوش عقیدت سے ثروت آرا کے خوبصورت ہاتھوں کو چوم لیا اور کہا بہن ماشا اللہ کیسی مُوثر تقریر کی ہے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مونھ سے پھول جھڑ رہے ہیں اللہ کرے زور طبع اور زیادہ

واقعی ہیں تو اس پردے نے کسی کام کا نہ رکھا ابتو جہاں دو چار لوگوں کی آوازیں سنیں یا گلی میں بھی بچوں نے کھیلنے میں شور مچایا اور دل کو جیسے ہینچے لگ جاتے ہیں اور آنے جانے کو کہیں دل ہی نہیں چاہتا اگر کنبے میں بھی کہیں جانا ہوتا ہے تو دنوں پہلے سے دل پر ہول سوار ہو جاتا ہے

ثروت آرا نے کہا آپ بہنو کی محبت ہے جو آپ نے قدر افزائی کی ہیں کیا جانتی ہوں بس اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کا اظہار کر دیا۔

اب تقسیم انعام کا وقت تھا۔

مہ پارہ میٹرک میں دلی یونیورسٹی کے تمام گرلز اسکولوں میں اوّل آئی تھیں اس لئے سب سے پہلا انعام سونے کا تمغہ انکو ہی ثروت آرا نے دیا۔

الگزنڈرا نے کہا مہ پارہ بیگم ہمارے اسکول کی بہت ہونہار طالبہ ہیں انھوں نے الگزنڈرا اسکول کی شہرت کو اپنی ذہانت سے چار چاند لگا دیئے اور ہم سب کا سر اُن کی بدولت فخر سے اونچا ہو گیا یقین ہے وہ بھی انکے دن اپنی بڑی بیگم ظفر جنگ کی طرح ملکی قومی کاموں میں نمایاں حصہ لیں گی تمام

طالبات نے زور زور سے تالیاں بجائیں مہ پارہ نے کہا میں اپنی پیاری محبت کرنے والی پرنسپل مس الگزنڈرا ولیم اور اپنی سب شفیق استانیوں کی ممنون ہوں جن کے قدموں میں بیٹھ کر میں نے علم کی دولت حاصل کی اور جنکے فیض صحبت نے مجھے سربلند کیا آج میں اپنے پیارے اسکول کو چھوڑتے ہوئے بہت افسردہ ہوں افسوس یہ دلچسپ علمی فضا مجھ سے چھوٹ جائیگی جہاں میرا شعور بالغ ہوا اور میں نے زندگی کی قدروں کو جانا

الگزنڈرا نے اپنی پیاری شاگرد کے گلے میں پھولوں کا ایک بڑا سا ہار ڈال دیا اور مہ پارہ سلام کر کے بیٹھ گئیں اسکول کی چھوٹی لڑکیوں نے ایک نظم سنائی جو مہ پارہ کی کامیابی پر ثروت آرا نے لکھی تھی اسکے بعد جلسہ ختم ہوا۔

۵۹

مہ پارہ کی نسبت دو سال پہلے سے رشید دلہن کے چھوٹے بھائی بیرسٹر حامد سے قرار پا چکی تھی حامد ایک سال ہوا ولایت سے آ گئے تھے اور پریکٹیس کر رہے تھے صرف مہ پارہ کے انٹرنس کے امتحان کے باعث شادی رُکی ہوئی تھی دونوں طرف تیاری ہو رہی تھی بیرسٹر صاحب کا خیال تھا کہ شادی چھ ماہ بعد کریں لیکن ثروت آرا نے کہا میرا اب جلدی آنا مشکل ہے اس لئے تھوڑی بہت جو کمی تھی وہ خود ہم تھوں نے ایک مہینے میں پوری کر لی اور مہ پارہ کی شادی بالکل سادہ طریقے سے ہو گئی۔ خاندان والوں نے نام بھی رکھے ناک بھوں بھی چڑھائی مگر ثروت آرا نے کسی کی پرواہ نہیں کی صرف دو وقت کنبے والوں کو کھانا کھلا دیا زیادہ علّت مہمانداری کی نہیں کی فضول رسومات سب ختم کر دیں جہیز مہ پارہ کو ثروت آرا کی بدولت خوب اچھا اور موزوں ملا پچاس جوڑے پچیس ساڑیاں سب قیمتی اور فیشن کے مطابق چوراجورا زیور سادہ الگ جڑاؤ الگ تانبے چینی کے برتنوں اور موٹے سامان کا نقد پانچ ہزار چاندی کے پندرہ برتن چاندی کا چھپر کھٹ سونے کا خاصدان صنوبر باغ والے حصے کا پچاس ہزار جبدا پھر ثروت آرا نے بہن کا چالا بہت دھوم سے کیا بہن بہنوئی کو جوڑے اور نقد

ایکہزار دیا اس پر ہی بس نہیں کی خورشید لاج بھی مہ پارہ کے نام منتقل کردی
بیرسٹر صاحب نے کہا بھی کہ بیٹی خورشید لاج دراصل تمہاری ہی ہے میری یہ شان و
شوکت سب تمہاری ماں مرحومہ کے طفیل ہے میرے پاس سوائے نسبی شرافت
اور تعلیم کے کیا رکھا تھا۔

مجھ جیسے سینکڑوں بیرسٹر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اللہ بخشے ماموں جان
مرحوم کی عنایت تھی اُنھوں نے مجھے بیٹے کی طرح رکھا اعلیٰ تعلیم دلائی اور پھر اپنی
اکلوتی بیٹی بھی مجھے دیدی اس زمانے میں ایسے لوگ کہاں ہیں جو ایسا کریں میں
ماموں جان کو ہی باپ جانا میرے والد کا انتقال ہوا تو میں پورے چار سال
کا بھی نہیں تھا لہٰذا یہ تمہاری حق تلفی ہے کہ خورشید لاج مہ پارہ کو دی جائے۔

ثروت آرا نے کہا ابا جان آپ تو مجھے دے چکے یہ میری خوشی ہے کہ میں
مہ پارہ کو دے رہی ہوں چھوٹی بہن کو اگر میں کچھ خود خوشی سے دوں تو اس سے
حق تلفی میری کیوں ہونے لگی آپ تو مجھے دے چکے میں چاہے جسکو دوں مہ پارہ
بھی تو آپ کی اولاد ہے بھلا یہ کب زیبا ہے ایک بیٹی کو سب کچھ مل جائے ایک
کے رہنے کو گھر بھی نہ ہو حامد کا ذاتی گھر نہیں ہے جو ہے سب کے لئے مشترکہ
ہے میں نہیں چاہتی کہ مہ پارہ کرائے کی کوٹھی میں رہے مجھے آپنے صنوبر باغ
دیا اختر کے نام چھوٹی کوٹھی کردی اگر مہ پارہ کو میں خورشید لاج دیتی ہوں
تو یہ کچھ میرا احسان نہیں اُس کا حق ہے۔

بیرسٹر ۔ خدا تم کو اس کا اجر دے پیاری ثروت! مہ پارہ کی ماں بھی شاید
اُس کے لئے اتنا نہ کرتی جتنا تم نے کیا۔

مہ پارہ کی صورت و سیرت ماشا اللہ لاجواب تھی گو اُس کی ماں بری تھی
مگر اچھی تربیت اور اعلےٰ تعلیم نے اُس کو مکمل عورت بنا دیا سسرال میں

وہ ہر لحاظ سے ہر دلعزیز ثابت ہوئی اور بہن کے چار دن چالے کر کے ثروت آرا
نے مہ پارا کو خورشید لاج میں ہی بلوا لیا۔ بیرسٹر صاحب اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا
گھبراتے تھے اب مہ پارہ کے آجانے سے رونق ہو گئی۔ حامد بیرسٹر صاحب کے
ساتھ مل کر پریکٹس کرنے لگے مہ پارہ کی شادی سے فارغ ہو کر ثروت آرا ظہیر محل
آگئیں صادقہ کی لڑکی خورشید آرا کی شادی عشرت علی خاں کے چھوٹے لڑکے
نصرت علی خاں سے قرار پا چکی تھی نصرت اس سال ہی پی، ایچ، ڈی کی ڈگری
لیکر ولایت سے آئے تھے اور علیگڈھ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے خورشید کی شادی بہت
دھوم دھام سے ہوئی۔ صادقہ روشن خیال تھیں اور پرانی رسومات کی قائل نہ
تھیں مگر عشرت زمانی بیگم نے ایک نہ چلنے دی اکلوتا دلہن ولایت سے لے آئے
تھے اُن کو خدا خدا کر کے یہ موقعہ ارمان نکالنے کا ملا تھا آخری کار تھا روپیے
کی کمی نہ تھی پھر کیوں دل مارا جاتا خوب دل کھول کر ارمان نکالے۔ بیچاری
صادقہ کو مجبوری جواب دینا ہی تھا ورنہ ان کے پاس نہ عشرت زمانی بیگم
جیسا وافر روپیہ تھا نہ ایسے خیالات مگر سمدھیانے کا لحاظ تھا سب کچھ کرنا پڑا۔

نواب عشرت علی خاں نے بہت دھوم سے بیٹے کی بارات چڑھائی
پرانے اُمرا کے رواج کے مطابق دلہن کے گھر بارات دو بجے پہونچی چیدہ چیدہ
طائفے ساتھ آئے تھے سمدھیوں کے بیٹھتے ہی ناچ ہونے لگا محفل میں پرانی
تہذیب اور نئی روشنی کے دلدادہ دونوں قسم کے لوگ تھے پرانے طرز کے
لوگ وہی لباس پہنے تھے جو دلی کے شرفا میں اس زمانے میں رائج تھا ایک
برابا اُریب لٹھے کا پیجامہ قبا یا شیروانی چوگوشیہ ٹوپی دستار یا ترکی ٹوپی چند
ولایت پلٹ بگڑے دل نوجوان جن پہ صاحب بہادری کا بھوت سوار تھا
اس خالص مشرقی محفل میں بھی سوٹ بوٹ کالر ٹائی تمام لوازمات فیشن سے

آراستہ پیراستہ پرانی تہذیب کا مذاق اُڑا رہے تھے، چنانچہ ادھر کے کونے میں دو ایسے ہی فیشن زدہ حضرات تشریف فرما رکھتے تھے۔ ایک صاحب کیوں مسٹر نیازی آج آپ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟

نیازی جو اس قدر فیشن ایبل ہیں کہ اتنے مجمع میں پاؤں پھیلائے بیٹھے ہیں سگار موتھ سے نکال کر اکبر ہیری وائف تو اپنے ایک فرینڈ کے ساتھ ڈانس کرنے چلی گئی اس لئے میں ادھر آگیا۔

ایک اور نوجوان۔ قہقہہ لگا کر واہ بھئی واہ تو یوں کہیئے کہ میم صاحبہ آپ کو چھوڑ کر دوست کے ہمراہ چل دیں تو آپ اپنا سا موتھ لیکر ادھر آگئے۔

نیازی۔ بگڑ کر عباس تم نے تو معلوم ہوتا ہے لنڈن تین سال رہ کر بھاڑ ہی جھونکا ہے انگلش ایٹی کیٹ سے واقف نہیں ہو۔

عباس جو ایک ذہین نوجوان ہے (بن کر) حضرت آخر اس میں ناواقفیت کی کیا بات ہے۔

نیازی موتھ ٹیڑھا کر کے انگلش ایٹی کیٹ میں ہر ایک کا الگ فرینڈ ہوتا ہے اور ٹائم پر ہر ایک سے ملا جاتا ہے مجھ کو یہ حق نہیں کہ اپنی بیوی کو اور لوگوں سے نہ ملنے دوں۔

عباس (طنزیہ لہجے میں) حضور مجھے سب کچھ معلوم ہے جب ہی تو یہاں نامعقول تہذیب کا مذاق اُڑا رہا ہوں

نیازی اُوہ تم جاہل مردوں کی طرح بیویوں کو بند رکھنا چاہتے ہو بیڈ کلچر میں لائک نہیں کرتا۔

عباس قبلہ! آپ آخر غریب اُردو کو کُند چھری سے کیوں ذبح کر رہے ہیں اگر آپ کی مغربیت آپ کو اُردو بولنے کی اجازت نہیں دیتی تو پھر انگلش ہی بولئے اس طرح

اس غریب کا خون کرنے سے کیا حاصل ہے

اکبر۔ دوست نیازی یہ جو دولہا کے قریب سیاہ جانے وار کی شیروانی اور ٹوپی پہنے بیٹھے شان جھلا رہی دکھا رہے ہیں کون صاحب ہیں؟ تم جانتے ہو بڑے خوش رو جامہ زیب النسان ہیں لیکن اس زمانے میں بھی پرانی لکیر کے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔

نیازی۔ صورت تو شناسا سا ہی ہے پر کچھ یاد نہیں پڑتا کہ کون صاحب ہیں کہیں اُن کو دیکھا ضرور ہے۔

عباس۔ اکبر تم نواب ظفر جنگ کو نہیں پہچانے۔

اکبر۔ خوب ظفر جنگ جیسے آزاد خیال اعلےٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ابھی تک ہندوستانی لباس کو استعمال کرتے ہیں تعجب ہے۔

نیازی۔ عینک درست کر کے اچھا یہ ظفر جنگ ہیں خوب حلیہ تبدیل کیا جب ہی تو میں نے نہیں پہچانا بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ جب ایسے اونچی سوسائٹی کے فیشن ایبل لوگ یہ پرانا لباس ابھی تک پہنتے رہیں گے تو ملک ترقی کیسے کرے گا۔

عباس۔ (طنزیہ لہجے میں) جی وہ آپ کی طرح یورپ کی کورانہ تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

نیازی۔ میں آج ظفر جنگ سے ضرور اس کے متعلق تبادلۂ خیالات کروں گا کہ وہ ابھی تک اس لباس کو پہننا کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔

اکبر۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

عباس۔ تو پھر دیر کاہے کی ہے بسم اللہ تشریف لے چلئے تینوں اُٹھ کر ظفر جنگ کے قریب آئے مصافحے اور رسمی مزاج پرسی کے بعد نیازی نے ظفر جنگ سے کہا واللہ میں نے تو آج آپ کو پہچانا نہیں آپ جیسا آزادی کا علمبردار اور

پرانی تہذیب کا مخالف اور یہ لباس!

ظفر جنگ۔ مسکرا کر آخر اس لباس میں کیا غلامی کی مہر لگی ہوئی ہے جو آپ کو تعجب ہوا میری آزاد طبعی پر، تو یہ لباس اور بھی دلالت کرتا ہے میری آزاد ذہنیت پر، مغربی تہذیب کی اتنی غلام نہیں ہوں کہ بلا ضرورت مشرقی محفلوں میں بھی انگریزی تکلیف دہ لباس پہنکر بیٹھوں۔

اکبر۔ مگر نواب صاحب یہ لباس اس زمانے میں کچھ اچھا نہیں لگتا۔

ظفر۔ ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو مگر میں تو شادی بیاہ کی محفلوں میں اس لباس کو موزوں سمجھتا ہوں اب آپ اور مسٹر نیازی کس قدر تکلیف سے بیٹھے ہوئے ہیں برخلاف اس کے ہم لوگ آرام سے ہیں جس طرح کاروباری زندگی میں شیروانی ٹوپی میں جانا اچھا نہیں لگتا اس سے کہیں زیادہ ایسی محفلوں میں سوٹ بوٹ میں بیٹھنا برا لگتا ہے اس کوّے والی مثل ہو جاتی ہے جو ہنس کی چال چلنے کی کوشش میں اپنی چال بھی بھول گیا تھا خواہ اپنے کو صاحب بہادر دکھانے میں ہم کس قدر بھی اہتمام کریں لیکن مشرق پھر مشرق ہے اور مغرب پھر مغرب اس لئے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی تہذیب و معاشرت کی ہر خوبی کو بری نظر سے دیکھنے کی بجائے اس میں جو برائیاں ہیں ان کو دور کریں اور ہر خوبی کو نکھاریں۔

اسی طرح ہم اپنے ملک کو اور ترقی یافتہ ممالک کے مقابل کھڑا ہونیکے قابل بنا سکیں گے ہر تہذیب میں کچھ نہ کچھ برائیاں بھی خوبیوں کے ساتھ ضروری ہیں یورپ نے ہم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور ایک عقلمند انسان کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ ہر ایک اچھی چیز کو اپنا لیتا ہے یورپ کی ایسی نقالی سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا جو محض لباس و آرائش تک محدود ہے اگر آپ حضرات ان

نہ ہوں تو میں عرض کروں کہ یہ لباس اتنا اچھا اور آرام دہ ہے کہ عقلمند اور شریف الطبع انگریز بھی ایسی محفلوں میں اسکو ہی پہن کر شرکت کرتے ہیں دیکھئے میرے قریب ہی میرے عزیز دوست کپتان جوزف بھی اس وقت اس لباس میں بالکل ہندوستانی بنے بیٹھے ہیں اور اس مشرقی محفل کا پورا پورا لطف اٹھا رہے ہیں آدھے تیتر آدھے بٹیر بن کر نہیں آئے۔

نیازی۔ کپتان جوزف کی طرف مڑ کر شیک ہینڈ کرتے ہوئے ہلو کپتان جوزف آپ نے کمال ہی کر دیا یہ شیروانی اور ٹوپی آپ پر کتنی اچھی لگ رہی ہے۔

کپتان جوزف (فصیح اُردو میں) میرے دوست! مشرقی لباس درحقیقت بہت آرام دہ ہوتا ہے اگرچہ مجبوریاں نہ ہوں تو میں ہر وقت کرتے پیجامے میں ہی پھرا کروں پھر بھی گرمی جب زیادہ ہوتی ہے میں رات کو سوتے وقت ململ کا کرتا ہی پہن لیا کرتا ہوں اور وہ مجھکو بجائے موٹے کوٹ کہیں اچھا لگتا ہے۔

عباس۔ سنا جناب آپ نے اس غلاموں کے لباس کی تعریف فاتح قوم کے عقلمند فرد سے۔

اکبر و نیازی شرمندہ ہو کر واقعی ہم غلطی پر تھے آئندہ سے ہندوستانی لباس ہم بھی ایسے موقعوں پر استعمال کرینگے۔

ظفر جنگ۔ افسوس ہے ہماری ذہنیت پر اگر ہم یورپ زدہ ہو کر اپنے لباس کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں اگر ہمارا علم یہیں رہا تو ہم کبھی بھی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ نہ سکیں گے۔

نیازی۔ متاثر ہو کر میں قبول کرتا ہوں۔

عباس۔ قہقہہ لگا کر اُف رے آپ کی انگریزیت میں صاحب آپ نفرت کیجئے۔

سب اس فقرے پر ہنس پڑے۔

صفدر۔ جو انتظام میں مصروف پھر رہے تھے اب ذرا مہلت ملی تو ادھر آئے، ظفر جنگ کو اس طرح شمع محفل بنا بیٹھا دیکھ کر بہت بھنائے قریب آ کر تین تسلیمات بجا لائے اور کہا ماشا اللہ جہاں پناہ کا دربار جما ہوا ہے۔
ظفر جنگ۔ ہنس کر ہاں بس وزیر اعظم کی کسر تھی آخر وہ بھی آ گئے۔
صفدر۔ ہو کہ تعجب ہے وزیر جیبی شہر یار چناں۔
نیازی۔ کی طرف دیکھ کر آپ کون صاحب ہیں؟
عباس۔ یہ میرے ایک دوست ہیں
صفدر۔ حضرت آپ اس ہندوستانی محفل میں صاحب بہادر کیوں بنکر آئے
عباس۔ مسکرا کر ان کی بیوی یوریپین خاتون ہیں اس لئے یہ ہندوستانی لباس پہننا معیوب خیال کرتے ہیں۔
صفدر۔ (ٹھٹک کر) اللہ رے اک ادائے انگریزی سر سے پا تک چھائی ہوئی ــــ سب دوست ہنس پڑے بیچارا نیازی خفیف ہو کر رہ گیا۔

اب سپیدۂ سحری نمودار ہو چلا تھا محفل رقص و سرود برخاست ہوئی سب لوگ ذرا آرام کے لئے لیٹ گئے سورج نکلتے ہی جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو گئے آٹھ بجے رسم نکاح خوانی ہوئی پھر ناشتے کا سلسلہ شروع ہوا تو کہیں دولہا گیارہ بجے آرسی مصحف کے لئے اندر جا سکا اس کے بعد جہیز دکھانے اور رکھانے سے فارغ ہوتے ہوتے چار بج گئے اندر باہر رخصت کی دھوم پڑی صادقہ نے بیٹی کو حیثیت سے زیادہ جہیز دیا اور بی خورشید بھاری بھرکم جہیز لیکر سسرال سدھاریں۔

ظفر جنگ نے مہندی کے دن ہی بھائی تھے اس لئے بہت بھاری بھات صادقہ کو دیا تھا صادقہ رفیق احمد اور سب بچوں کے جوڑے صادقہ کو طلائی

بیناکار کرتے دو ہزار نقد دلہن کے لئے ہیرے یا قوت کے کرن پھول مع بہت بھاری ساڑھی کے صفدر نے بھی بھانجی کو زرکار جوڑا اور جڑاؤ ہار دیا بہن کو بنارسی ساڑھی اور ایکہزار نقد دیا۔ خورشید کی شادی کے بعد ثروت آرا نے جانے کا ارادہ کیا تو اظہر زمانی بیگم نے کہا دلہن کچھ دن اور ٹھہر جاؤ خیر سے مہرالنسا پورے دن سے بیٹھی ہیں اچھا ہے یہ بھی تمہارے سامنے فارغ ہو جائیں ایک ہفتے بعد ہی مہرالنسا کو خدا نے ایک ماہوش بچی کی ماں بنا دیا گیارھویں روز مہرالنسا چھٹی نہائیں عقیقہ ہوا بچی کا نام ناہید بانو رکھا گیا ثروت آرا ننھی کی چھٹی کے بعد لاہور سدھاریں۔

آئیں دو مہینے کے لئے چلی گئیں چار مہینے بعد۔ نزہت اب ماشاءاللہ آٹھویں کلاس میں تھی ننھی سطوت جو اب آٹھ سال کی تھی تیسری کلاس میں پڑھ رہی تھی گرمی کی تعطیل ہو چکی تھی اس لئے یہ دونوں بھی ساتھ ہوئیں چلتے ہوئے مہرالنسا بھی لاہور سدھاریں زیب النسا بھی بہن کے ساتھ گئیں اُن کا اب حیدرآباد میں دل نہ لگتا تھا کیونکہ مسعود ڈاکٹری کے لئے ایف ایس سی کرنے کے بعد لندن تین مہینے ہوئے چلے گئے تھے لڑکیاں دونوں دلی میں ہی پڑھتی تھیں تعطیلوں میں روشنی فلک نے لاہور رہ کر ثروت آرا سب کو لیکر مری پہاڑ پر چلی گئیں۔ کیونکہ لاہور میں جون کے شروع ہوتے ہی غضب کی گرمی پڑنے لگی تھی۔

۶۰

نکلنے جا رہے ہیں صبح کا سہانا وقت ہے امتحان شروع ہونے میں صرف بیس دن باقی ہیں اس لئے الگزینڈرا اسکول کی عمارت آجکل خاموش ہے جہاں دن بھر نقرئی قہقہے گونجا کرتے تھے وہاں اب مکمل سناٹا طاری ہے نوخیز چلبلی لڑکیوں کی شوخی امتحان کے خوف نے چرالی ہے آجکل یہ سب امتحان کی تیاری میں کھوئی ہوئی ہیں بعض تو کتابیں لئے الگ کونوں میں بیٹھی ہیں بعض اسٹڈی روم میں بیٹھی پڑھ رہی ہیں۔

کھانے کے کمرے سے ناشتے کی گھنٹی کی آواز سن کر سب لڑکیاں چونک کر اٹھیں اور کتابیں یونہی کھلی چھوڑ کر جلد جلد قدم اٹھاتی کھانے کے کمرے میں داخل ہو گئیں میز پر تقریباً سب ہی لڑکیاں موجود تھیں لیکن وہ پچھلے دنوں کی تازگی شگفتگی کسی میں بھی نہ تھی ان میں سے ہر ایک لڑکی سنجیدہ اور فکر مند نظر آتی تھی حور طلعت اور نفیس جنکی شرارتیں بورڈنگ ہاؤس کی رونق کا باعث تھیں وہ بھی اس وقت خاموشی سے بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں اگرچہ کسی کسی وقت حور اکا کوئی شوخ فقرہ سکوت کو توڑ دیتا تھا مگر وہ ایسا ہی تھا "جیسے اندھیرے کی لامحدود وسعتوں میں بھولی بھٹکی کرن" ممتاز، روشن آرا

نہ ہنستی بولتی تھیں مہر وغیرہ تو سدا سے سنجیدہ لڑکیاں تھیں بغیر کسی خاص ضرورت کے بہت کم بات کرتی تھیں ان کا خاموش ہونا تو بجا تھا مگر جورا کی خاموشی اور فلک، نفیس کی سنجیدگی نے فضا کو بہت افسردہ کر دیا تھا۔ البتہ ایک نسرین تھی جو رنگین تیتری کے مانند اب بھی تمام بورڈنگ میں تھرکتی پھرتی تھی اور ہر وقت خوش گپیوں میں مصروف رہتی تھی اس کی شوخ طبیعت کو امتحان کی آمد کے خوف نے بھی زنگ آلود نہیں کیا تھا لڑکی تھی کہ شعلہ جوالہ! کبھی یہاں کبھی وہاں نقلیں اتارتی چٹکیاں بجاتی گنگناتی ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر گھومتی رہتی تھی۔

چنانچہ میز پر اس کو خاموش بیٹھنا کب گوارا تھا اس بھیگے اسکوت سے اکتا کر اس نے نفیس کے سامنے سے جو بالکل غرق تخیل تھی کیلا اٹھا کر نہایت اطمینان سے چھیل کر کھایا اور چھلکا نفیس کی طشتری میں رکھ دیا وہ ایسی امتحان کے فکر میں غرق تھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اپنے خیالوں کی دھن میں کیلے کا چھلکا اٹھا لیا نسرین نے تالی بجا کر قہقہہ لگایا اور سب لڑکیاں بھی نفیس کی بدحواسی پر ہنس پڑیں نفیس چونکی اور دیکھا تو کیلے کی بجائے چھلکا ہاتھ میں ہے نادم ہو کر کھسیانی ہو گئی۔ چونکہ آج اتوار کا دن تھا اس لئے سب لڑکیاں ناشتے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں مطالعہ کرتی رہیں لیکن نسرین بہادری کو ایک منٹ بیٹھنا دشوار تھا ایک گھنٹے نفیس کا دماغ چاٹا اور پھر جورا کے سر پر جا دھمکی جورا نے اسکی بیجا شرارت سے تنگ آ کر کہا خدارا نسرین دفع ہو یہاں سے تو تو انسان نہیں بلا ہے پڑھتی تک نہیں اور ہمیشہ اچھے نمبر لاتی ہے ہم تیرا جیسا دماغ کہاں سے لائیں ہسٹری کے سارے نوٹ یاد کرنے کو پڑے ہیں اور ابھی بہت کچھ ہے دن ہیں کہ پر لگا کر اڑے جا رہے ہیں نسرین۔ بیوی بنو تم تو ہو کوڑھ مغز! ہائے خدا نگوڑے جو اس طرح پڑھ پڑھ کر اپنا

دماغ خراب کردں موتھ تو ذرا اپنا آئینہ میں دیکھو کیسی صورت پر ہوائیاں سی اُڑ رہی ہیں۔

حورا۔ (جل کر) تم کو میری صورت کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جاؤ خدا کے لئے میرا مغز نہ چاٹو۔

نسرین۔ اے بی ہوش کی دوا کرو میں تو تم کو ایک بہت اہم بات سنانے آئی ہوں اور تم ہو کہ سیدھے موتھ بات نہیں کرتیں۔

حورا۔ نسرین کی جانب متوجہ ہو کر کیوں کیا کوئی خاص بات ہے؟

نسرین۔ (ہاتھ مٹکا کر) ذرا غور سے سنو بہت بڑے راز کی بات ہے۔

حورا۔ (موتھ چڑا کر) ارے کچھ کہہ تو بکے جاتی ہو راز کی بات ہے راز کی۔

نسرین۔ (سنجیدہ ہو کر) میں نے کہا نہیں تھا تم سے کہ لیلےٰ عجیب سی لڑکی ہے اس کو ناحق مس الگزنڈرا نے بورڈنگ میں لیا یہ ہمارے اسکول کو بدنام کرے گی۔

حورا۔ جلدی سے کیوں کیا کیا لیلےٰ نے؟

نسرین۔ جو میرا گمان تھا وہی ہوا میں ایک منظر میں آڑی چڑیا کے پر گن رہی تھی ہوں فلک آرا جو نہایت انہماک سے مطالعہ میں مصروف تھیں لیلےٰ کا نام سن کر وہ بھی قریب آگئیں اور کہا مس الگزنڈرا نے لیلےٰ کو بورڈنگ میں لینا نہیں چاہتی تھیں مگر نشاط ماموں کے اصرار سے مجبور ہو گئیں۔

حورا۔ انھوں نے بھی تو اشرف چچا کی وجہ سے مس الگزنڈرا پر زور ڈال کر لیلےٰ کو بورڈنگ میں لے لیں ورنہ اس کی بیہودہ شرارتوں کا ذکر سن کر وہ خود اس کو بورڈنگ میں لانا نہیں چاہتے تھے۔ سوتیلی ماں نے کہا یہ لڑکی مجھے بدنام کرائیگی تو اشرف چچا نے اسکو بورڈنگ میں دیا۔

فلک آرا۔ لیلےٰ کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

حورا۔ دادی اماں سے سنا تھا کہ لیلیٰ کی ماں تو ایک طوائف تھی جب سے اشرف
چچا نے لیلیٰ کی پیدائش سے چند مہینے قبل نکاح کیا تھا۔ لیلیٰ کو وہ دو سال کا ہی
چھوڑ کر اُن کے ایک مالدار دوست کے ساتھ بھاگ گئی مگر لیلیٰ کو یہ علم نہیں کہ
اُس کی ماں زندہ ہے وہ سمجھتی ہے مر گئی تاہم ماں کے خون کا اثر اگر رنگ لائے
تو تعجب نہیں۔
فلک آرا۔ اب جو اشرف ماموں کی بیوی ہیں وہ تو بہت شریف ہیں۔
حورا۔ ہاں اُن کا کیا کہنا دادی اماں کہتی ہیں اصل نسل سیدانی ہیں انھوں نے
ہی تو میاں سے کہا کہ اس کو الگزینڈرا ہائی اسکول کے بورڈنگ میں رکھو میں کچھ
کہتی ہوں تو سوتیلی کہلاتی ہوں اس کی عادتیں دادی کے لاڈ نے بہت بگاڑ دی
ہیں میرے بس کی نہیں۔
نسرین۔ خیر لو اب سنو داستانِ لیلیٰ اُنھوں نے اپنا مجنوں تلاش کر لیا
حورا۔ دیکھو نسرین! لیلیٰ چھچھوری ضرور ہے مگر ہے وہ بھی ایک شریف گھرانے کی
لڑکی سوچ سمجھ کر بات موںھ سے نکالنا۔
نسرین۔ تیوری پر بل ڈال کر بولی واہ میں کوئی جھوٹی ہوں مجھے تو اس نامراد
پر غصہ آ رہا ہے سب لوگ سمجھیں گے اس اسکول کی ساری لڑکیاں ایسی ہی
ہو نگیں تم سب پر تو آجکل امتحان کا بھوت سوار ہے اپنے تن بدن کا کسی کو
ہوش نہیں بی لیلیٰ کو زرّیں موقعہ ملا اُنھوں نے نیا گُل کھلایا اور اپنے حساب
بیسویں صدی کی لیلیٰ بن بیٹھیں
حورا۔ مگر یہ تو بتاؤ تم کو کیسے پتہ چلا اور اس ثبوت کیا ہے۔
نسرین۔ مجھے اوّل دن سے اس کے ناز نخرے بناؤ سنگھار آپ ہی آپ اترانا اور
گھنٹوں آئینے کے سامنے سنورنا کھٹکا تھا دل میں ہمیشہ یہ شک رہتا تھا کہ یہ

کچھ کر کے رہے گی ہر وقت اس کی ٹوہ میں لگی رہتی تھی کچھ دنوں سے میں دیکھ رہی تھی کہ لیلےٰ چھپ چھپ کر کتابیں پڑھتی رہتی ہے اور باغ میں جا کر اکثر ٹہلتی رہتی ہے ایک دفعہ مجھکو دیکھ کر اس نے ایک کاغذ بھی چھپا لیا تھا بس میں سمجھ گئی "دال میں کچھ کالا ہے" آخر کل رات کو بھانڈا پھوٹ گیا "بی لیلےٰ کے مجنوں" ہمارے اسکول کے کلرک کے نوجوان صاحبزادے شیام بابو ہیں حورا (حیرت سے)

ارے شیام بابو ہے۔ کمبخت مذہب کا بھی خیال نہیں خاندان کی ناک کٹوادی"

نسرین۔ (بھولا منھ بنا کر) اچھی بی کوئی مسلمان نہ ملے تو پھر بیچاری لیلےٰ کیا کرے مذہب کی تفریق عشق کے لئے روا نہیں مجنوں ہونا ضروری ہے خواہ کسی بھی قوم مذہب اور عقیدے کا انسان ہو محبت اندھی ہوتی ہے نا شاد کیوپڈ نے کبھی تیر دیکھ کر بھی چلایا ہے اس لئے لیلےٰ کا کوئی قصور نہیں۔ حورا

نسرین تمہارا مذاق بہت بے موقعہ ہے توبہ کرو توبہ! ڈرنے کا مقام ہے خدا دل قابو میں رکھے اور دشمن کی عقل بھی ایسی گئی گذری نہ کرے کہ اس طرح اپنے کو رسوا کرے۔

نسرین۔ مذاق کی کیا بات ہے میں تو حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ اب تمہارے ابا جان کو بھی تمہاری نمی سے محبت ہو گئی تھی کہ نہیں۔

حورا۔ ہاں بیشک لیکن وہ مرد تھے پھر انھوں نے شادی کے خیال سے محبت کی تھی موزوں جگہ جہاں شادی کا خیال ہو محبت کرنا کوئی گناہ نہیں ہماری سوسائٹی کا نظام مرد نہیں عورت کے گرد گھومتا ہے ایک خاندان کی تنظیم بھی عورت کے دم سے ہوتی ہے۔ اس لئے عورتوں کو زیادہ رسم و رواج اور سماج کی پابندیوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔

نسرین۔ آنکھیں مٹکا کر اسے تو تم گھبراتی کیوں ہو یقیناً ہماری لیلےٰ بھی مجنوں

سے شادی کر لینگی لگمی ہوگا ذرا روایت کے خلاف اور پھر یہ افسانہ مشہور نہ نہ ہو سکیگا خیر!

فلک آرا۔ مسکرا کر ارے بہن حورا تم نسرین سے کیا جیت سکتی ہو یہ تو پوری شہدن ہے۔

حورا۔ لیکن کیا تمکو تحقیق سے معلوم ہے نسرین! شیام بابو سے ہی لیلے محبت کرنے لگی ہے۔

نسرین۔ ارے ہاں تمکو یقین کیوں نہیں آتا رات کو میں چپکے چپکے لیلے کے پاس گئی وہ تصویر دیکھ رہی تھی مجھے دیکھ کر جلدی سے تکئے کے نیچے چھپالی۔ میں نے بھی انجان بن کر موبنھ اونچا رکھا اور آہستہ باتوں میں لگا کر تصویر تکئے کے نیچے سے نکال لی اور پھر تصویر کو لیلے کے سامنے کر کے کہا یہ تصویر تمہارے پاس کیسے آئی؟

لیلے نے نہایت صفائی سے جواب دیا میز پر پڑی تھی شیام بابو چھوڑ گئے ہونگے میں اُٹھا لائی کہ کوئی چھوٹی لڑکی اس کو خراب نہ کردے کل اُنکو دیدونگی۔ مجھے اُسکی دیدہ دلیری پر غصہ آگیا اور میں نے سخت لہجے میں کہا لیلے! میں تمہاری سب حرکتیں دیکھ رہی ہوں ضرور تمہاری شکایت مس الگزنڈرا سے کردونگی تم کو شرم نہیں آتی ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہو کر ایسی رکیک حرکتیں کرتی ہو۔

لیلا ڈر سے تھر تھر کانپنے لگی اور دونوں ہاتھوں سے موبنھ چھپا کر بولی ہاں میرا قصور بیشک اتنا ہے کہ میں کبھی کبھی شیام بابو سے باتیں کر لیتی ہوں بس بنو مت مجھے سب معلوم ہے تم بہت نالائق ہو میں نے جھلا کر کہا لیلے میرے پاؤں پر گر پڑی اور کہا میری عزت نسرین آپا آپ کے ہاتھ ہے آئندہ ایسا نہ ہوگا کہ آپ کو شکایت کا موقعہ ملے۔

حورا۔ (تعجب سے) اچھا معاملہ یہاں تک پہونچا جب ہی آج ناشتے کے لئے لیلےٰ میز پر نہیں آئی کہدیا طبیعت ٹھیک نہیں۔

نسرین۔ اور کیا اُس کا خوف کے مارے برا حال ہے۔

فلک آرا۔ اور شیام بابو بھی بڑا کمینہ نکلا ایسے اچھے باپ کا اتنا برا بیٹا نہ سریش بابو بیمار ہو کر جاتے نہ یہ گل کھلتا۔

نسرین۔ میں کبھی نہیں مانوں گی کہ اس میں شیام بابو کا قصور ہے مردوں کی تو فطرت ہی ایسی ہوتی ہے شریف لڑکیاں اگر اپنی آبرو کا آپ خیال نہ رکھیں تو دنیا تباہ ہوجائے۔

فلک آرا۔ نسرین تمہارا ہم سب پر احسان ہے کہ لیلےٰ کے کرتوتوں کو بھانپ لیا اور بات نکلنے نہ پائی میں ابھی آپا نزہت سے جا کر کہتی ہوں وہی مس الگزنڈرا کو جا کر یہ قصہ سنائینگی اُن کے سامنے وہی جا کر کہہ سکتی ہیں۔

نسرین، فلک، حورا تینوں نزہت کے پاس آئیں جو اس وقت مطالعہ میں غرق تھیں نسرین نے ادب سے آہستہ آہستہ سب کچھ نزہت کو کہہ سنایا نزہت کا حسین چہرہ شرم و غصے کے ملے جلے جذبات سے سرخ ہوگیا اور اُنھوں نے حیرت و افسوس میں کئی بار اپنی انگلی کو دانتوں سے کاٹا پھر اُسی وقت اُٹھ کر مس الگزنڈرا کے آفس میں جا کر ساری روئداد نیچی نظروں اور دبے ہوتے لہجے میں اُن کو کہہ سنائی۔

مس الگزنڈرا غریب کا موہنہ کھلا کا کھلا رہ گیا اس ننھی لڑکی کی اس جسارت پر جس کی عمر پورے پندرہ سال کی بھی ابھی نہیں تھی وہ بہت حیران تھیں یہ عمر تو کھیلنے کودنے کی ہوتی ہے نہ کہ ان حرکات کی اسکول کی بدنامی کے خیال نے اُن کو بدحواس کر دیا فوراً اشرف صاحب کو ٹیلیفون کر کے انھوں نے

بلایا اور کہا آپ کی صاحبزادی کی صحت کچھ دن سے ٹھیک نہیں ہے آرام کی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے آپ ابھی اسکو گھر لیجائیں اچھے ہونے کے بعد پھر بورڈنگ میں رکھ لونگی یہ کہہ کر آیا سے کہا لیلیٰ کو بلا لائے وہ آئی تو خوف اور ندامت کے باعث اُس کا مونھ بہت اُتر گیا تھا اور ساری کانپ رہی تھی باپ نے بیٹی کا جو یہ حال دیکھا سمجھا واقعی علیل ہو گی مس الگزنڈرا کا شکریہ کر کے اُس وقت لڑکی کو لیکر چلے گئے اور مس الگزنڈرا نے بخیر و خوبی اس معاملے کے ختم ہونے پر اطمینان کا سانس کھینچا۔ شیام بابو کو فوراً علیحدہ کر کے ایک اینگلو انڈین بوڑھے کلرک کو رکھا

سب لڑکیاں نسرین کی بہت شکر گزار ہوئیں اور بی نسرین فتح و شادمانی کے غرور سے سر اونچا کئے شرارتوں میں مصروف رہیں۔

۶۱

کوہ شملہ کے فرحت افزا مقام یعنی جاکو پر ثروت آرا اپنی نو خریدہ کوٹھی ثروت لاج میں دو مہینے سے فروکش ہیں یہاں وہ جون کے شروع میں آئی تھیں اور اب اگست شروع ہو چکا ہے کوٹھی کے کمرے ملال فنی کے اعلےٰ نادر شاہکاروں سے مزین اور ہر قسم کی نفیس اشیاء سے آراستہ مونہوں سے بول رہے ہیں۔ ثروت آرا کے خوابگاہ کی شمال رُخ کھڑکی کوٹھی کے باغ کی جانب کھلتی ہے کھڑکی کے دونوں پٹ اس وقت تیز ہوا کے جھونکوں نے کھول دیئے ہیں ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں درختوں پر پڑ کر نظر فریب سماں پیدا کر رہی ہیں آسمان پر رنگ برنگ پارۂ ابر ہوا سے زیر نگیں اِدھر اُدھر اُڑ رہے ہیں مہر عالمتاب کی خونچکاں شعاعوں نے کچھ ابر کے ٹکڑوں ارغوانی رنگ دیدیا ہے درختوں کی شاخیں ہوا کے فرحت افزا جھونکوں سے مست ہو کر آپس میں گلے مل رہی ہیں۔ سریلے اور خوش گلو پرند شام کی آمد کا مژدہ شاہ بلوط کے درختوں پر بیٹھے سنا رہے ہیں۔ نزہت آرا کے نتیجہ کا دو مہینے سے سب کو انتظار تھا کل ہی ان کی بی۔ اے میں پاس ہونے کی خبر تار سے ملی ہے اور اس خوشی میں آج ثروت آرا شملے پر جتنے بھی اُن کے جاننے والے اور عزیز

موجود ہیں سب کو ٹی پارٹی دی ہے نزہت کی تمام سہیلیوں کو بھی بلایا ہے
وسیع ہال میں جو قیمتی ایرانی قالینوں مخملی صوفوں اور پردوں سے مزین ہے
بیٹھنے کا انتظام ہے اور کھانے کے کمرے کی بھی میز پر انواع اقسام کی مٹھائیاں
سموسے دال موٹھ کیک پیسٹری قرینے سے چنی ہوئی ہیں۔ گلاب کے پھولوں کی
خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا ہے۔

ثروت آرا کی عمر گو اب چالیس کے قریب ہے مگر اُن کے طلائی فریب
حسن میں کوئی فرق نہیں آیا گلابی رخسار اب بھی شکن سے ناآشنا اور گلاب کے
پھولوں کے مانند شاداب ہیں ان کی حسین صورت اب بھی اتنی ہی دلکش ہے
جیسے ایک کمسن دوشیزہ کی سپید ٹشو کی ساری زیب تن کیے ٹھیک چار بجے
وہ اپنے کمرے سے انا البرق کہتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں
نزہت روشن فلک سطوت ناہید کو جو اس وقت تک انتظام میں مصروف
تھیں شاباش دیکر لباس تبدیل کرنے کو بھیجا پندرہ منٹ بعد پانچوں لڑکیاں
تیار ہو کر آگئیں رنگ برنگی ساریوں میں یہ سب خوشرنگ تیتریاں معلوم
ہو رہی تھیں۔ خصوصاً نزہت جو بالکل اپنی ماں کی شکل تھی اور زیب النسا
کی چھوٹی لڑکی فلک آرا ماشاءاللہ سرخ ساری میں گلاب کی کھلتی ہوئی کلی معلوم
ہوتی تھی اس کی حسین صورت پر ایسی معصومیت تھی کہ ہر کس و ناکس کو اپنی
جانب متوجہ کر لیتی تھی ساڑھے چار بجے سے مہمان آنے شروع ہو گئے۔ پہلے نشاط
مسز نشاط مع ماہ طلعت اور حورا کے اور کپتان جوزف مع اپنے لڑکے البرٹ
اور لڑکی ایلس کے آئے پھر تو تانتا لگ گیا سو کے قریب سب مہمان تھے چائے
کے بعد سب کے اصرار سے لڑکیوں نے باری باری گایا نزہت اور روشن کی
آواز سوز سے لبریز اور اچھی تھی کملا اور رمیلا تو بنگالی تھیں ان کے گانے میں

تو بنگال کا جادو پوشیدہ تھا مگر واہ رے حور طلعت نشاط کی بیٹی تھی آواز کا لوچ باپ سے ننھے میں پایا تھا اس ادا سے گاتی تھی کہ دل کھنچتا تھا وہی نشاط کا انداز وہی لہجہ وہی نوا کا گلا آدھے گھنٹے تک وہ گاتی رہی اور سب اس کے سحر آفریں نغمے میں کھوئے رہے اور جب اُس نے گانا ختم کیا تو تالیوں اور واہ واہ کے شور سے ہال گونج گیا۔ شام کے بعد سب مہمان رخصت ہوئے۔ نزہت نے کملا بملا ماہ طلعت حور طلعت اور الکیس کو کھانے کے لئے روک لیا یہ لڑکیاں کوٹھی پر کرچونکہ موسم آج اچھا تھا باہر باغ میں نکل آئیں ٹہلتی بھی جاتیں اور باتیں بھی کرتی جاتیں۔

کملا۔ نزہت ڈیر سب لڑکیوں میں تم دلی یونیورسٹی سے اوّل آئی ہو ہم صرف ٹی پارٹی سے نہ مانیں گے مٹھائی بھی ضرور کھائیں گے۔

نزہت۔ (مسکراکر) واہ کملا اگر میں دلی یونیورسٹی سے فرسٹ آتی تو مٹھائی کھلا دیتی اب تو مجھ کو اس کا افسوس رہا کہ مجھ سے تمہارا کوئی ہموطن لڑکا سوشیل چٹرجی بازی لے گیا اور اس کے صرف بارہ نمبر مجھ سے زیادہ ہیں۔

کملا۔ ہنس کر اور معلوم ہے وہ سوشیل کون ہے؟

حور طلعت۔ بتاؤ تو کچھ معلوم ہو۔

کملا۔ ہماری بملا کا منگیتر۔

بملا۔ چڑکر واہ جی جی تم کو یہی مذاق رہتا ہے۔

ناہید۔ تو اتنا جھینپ کیوں گئیں۔

بملا۔ بات ٹال کر روشن آپا مسعود بھائی کب آرہے ہیں۔

روشن۔ بھائی جان کے آنے میں بس اب ایک سال اور باقی ہے۔

کملا۔ تالی بجا کر بس تو معلوم ہوگیا نزہت کی شادی بھی ایک سال بعد ہوگی۔ نہ کھلائیں یہ مٹھائی ہم مسعود بھائی سے کھائیں گے۔

ایلس۔ ہاں ہاں یہ ترکیب اچھی ہے بلکہ ایسا کیوں نہ کریں ہم سب مل کر ان کی کامیابی پر مبارکباد کا تار مسعود بھائی جان کو بھیج دیں یقیناً پھر وہ وہاں سے ہمارے لئے چوکلیٹ کے بکس لے کر آئینگے۔

ماہ طلعت۔ واہ ایلس خوب تم نے تدبیر بتائی اس میں لیڈنگ پارٹ میرا ہوگا۔

ایلس۔ زور سے ہنس کر واہ ترکیب تو بتائیں ہم اور لیڈر بنیں آپ خوب!

کملا۔ اور مجھ کو تو نہ بھول جاؤ جس نے یہ زریں تجویز پیش کی ہے۔

نزہت۔ تیوری پر بل ڈال کر واہ یہ بھی کوئی بات ہے خواہ مخواہ تم سب میرا مذاق اُڑا رہی ہو میں اب کسی سے بات نہیں کرونگی۔

روشن۔ واہ واہ ری لڑکیوں یوں نہ ہماری نزہت کو ناراض کرو ورنہ مسعود بھائی ایک کو بھی چاکلیٹ نہیں دینگے۔

ماہ طلعت۔ شوخ لہجے میں نزہت کے گلے میں بانہیں ڈال کر نا میری اچھی یوں نہ خفا ہو اب ہم تمہارے دولہا سے چاکلیٹ نہ مانگیں گے۔

نزہت۔ ان سب کے ہنسنے سے بڑبڑاتی ہوئی اندر جانے لگی۔

فلک آرا۔ اچھی میری آپا آپ نہ جائیے اب کوئی کچھ نہ کہے گا۔

نزہت آرا۔ ٹھہر کر روشن بہن اور ماہ طلعت سے کوئی مٹھائی طلب نہیں کرتا سب میرے سر ہی یہ کیا بات ہے۔ ان دونوں نے بھی تو بی۔ اے کیا ہے گھاس نہیں کھودی۔

ماہ طلعت۔ تمہاری طرح اگر اول میں سب لڑکیوں میں آتی تو پھر دیکھتیں کہ بے مانگے مٹھائی تقسیم کرتی۔

روشن آرا۔ طلعت تو پھر بھی سیکنڈ ڈویژن میں آئی ہے میں بیچاری تھرڈ کلاس کیا مٹھائی بانٹونگی۔

ماہ طلعت۔ میرا پاس ہونا بھی کوئی پاس ہونا ہے پچھلے سال تو فیل ہو چکی ہوں اس مرتبہ خیر لڑھک لڑھکا کر پاس ہو گئی ہوں۔ اگر گذشتہ سال پاس ہوتی مٹھائی بیشک کھلاتی۔

نزہت۔ اُف کیسی ندیدی لڑکیاں ہیں مٹھائی کے لئے جان دیئے دیتی ہیں۔ اچھا کملا مٹھائی دیدینگے پیچھا چھوڑو۔

کملا۔ بہت بہتر سرکار! حضور مائی باپ ہیں۔

سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

روشن۔ اب کملا تم کب تک پڑھتی رہو گی۔

کملا۔ میرا ارادہ تو ایم۔ اے کرنے کا ہے آگے پرمیشور کی مرضی۔

طلعت۔ اور بملا کی خبر بہ کیا ہے؟

کملا۔ ان کی تو سسرال والے جلدی کر رہے ہیں ایف۔ اے کا امتحان بھی مشکل سے دیا ہے۔ اب کے کرسمس کی تعطیلوں میں شادی ہے سوشیل بھائی کے پتا مر گیا تھا، ہو گئے کیلے سوشیل ہی ان کی اولاد ہیں شادی کے بعد ولایت جائیں گے۔

ماہ طلعت۔ مسکرا کر اوہو تو بملا بیگم صاحبہ بھی ولایت تشریف لیجا رہی ہیں گی۔ کیا کہنے ان کے پانچوں گھی میں ہیں کیوں بملا ہم غریبوں کو بھی یاد رکھو گی۔

بملا۔ واہ طلعت بہن کیا اچھی لگتی ہیں آپ یہ باتیں کرتی۔

طلعت۔ (شوخی سے) ہاں جی اب میں کیوں اچھی لگنے لگی اچھے تو وہ ہیں تمہارے سوشیل صاحب جو دلی یونیورسٹی میں اول آئے ہیں اور تم کو لے کر ولایت تشریف لے جائیں گے۔

بملا۔ (ہائے بھگوان) کیسا ستایا ہے ان طلعت بہن نے یہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی اس کے پیچھے سب لڑکیاں ہنستی چہلیں کرتی گئیں۔

مسعود جنگ گلاسگو یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر کے آ گئے اور حضور نظام نے اُن کو محلات شاہی کا خاص ڈاکٹر مقرر کر کے ایکہزار ماہوار پر رکھ لیا۔

نزہت اب ماشاءاللہ بیس سال کی سمجھدار لڑکی تھی بی۔ اے پاس کئے ابھی اس کو سوا برس گذر چکا تھا شادی میں دیر کیوں کی جاتی ماہ رجب کی ستائیس تاریخ مقرر کر دی گئی دونوں جانب تیاریاں ہونے لگیں۔

زیب النسا کی ساس پرانے خیالات کی بزرگ خاتون تھیں اور پشتینی نواب زادی تھیں بھلا لاڈلے پوتے کی شادی میں کیوں نہ دل کے ارمان نکالتیں زیب النسا ساس کے باعث مجبور تھیں اس لئے بہت تزک و احتشام سے شادی ہوئی سب پرانی رسومات کی گئیں۔ مسعود جیسے روشن خیال اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے کو اپنی دادی کی وجہ سے مجبور ہونا پڑا۔ ظفر جنگ نے نزہت کو سو جوڑے ہر قسم ہر وضع کے اعلیٰ ریشم کے دیئے ایک ہیرے زمرد کا سٹ ایک یاقوت کا سٹ اور ایک سونے کا سٹ دیا اور چھوٹے موٹے چند زیور اس کے علاوہ دیئے دس ہزار نقد ہوتے سامان اور برتنوں کا دیا ایک کوٹھی دلی میں فرنیچر سے آراستہ کر کے دی داماد کو ہیرے کی کلغی اور پانچ ہزار سلامی کا دیا۔ نزہت کی شادی کے ایک ہفتے بعد زیب النسا کی بڑی لڑکی روشن آرا کی شادی صادقہ کے بڑے لڑکے شمیم احمد کے ساتھ ہوئی۔ شمیم ابھی انجینرنگ کا امتحان پاس کر کے ولایت سے آئے تھے اور حیدرآباد میں ہی ملازم تھے۔ ماہ طلعت کا بیاہ چھ مہینے قبل ہی رشید احمد کے لڑکے سعید احمد سے ہو چکا تھا سعید احمد نے اس سال ہی وکالت کا امتحان دیا تھا۔ ان شادیوں کے بعد اختر جنگ جو بی۔ اے کر چکے تھے آئی۔ سی۔ ایس کے لئے ولایت سدھارے ان کے ہمراہ صادقہ کا منجھلا لڑکا نسیم احمد اور مہر النساء کا بڑا لڑکا شکیل حسن بھی گیا۔

ظفر جنگ نے ان تینوں لڑکوں کی رہائش کے لئے میم صاحبہ کو لکھ دیا پروفیسر صاحب کا انتقال ہو چکا تھا میم صاحبہ بیچاری اب اکیلی رہتی تھیں، ان لڑکوں کے اخراجات کے علاوہ ظفر جنگ نے دو سو روپے ماہوار ان کے لئے بھی مقرر کر دیا اور اُن کو یہ بڑا سہارا ہو گیا ظفر جنگ سے ان کو دلی محبت تھی تینوں لڑکوں کا بہت خیال کرتی تھیں۔ اختر ماشاء اللہ ظفر جنگ جیسے ذکی اور ذہین باد ماغ باپ کا بیٹا تھا وہی متانت اور ذہانت اس نے پائی تھی شکیل بنا بنایا صفدر تھا ہر ادا باپ جیسی تھی شکیل و اختر میں دوستی بھی ایسی ہی تھی جیسے ظفر و صفدر میں تھی ایک کو دوسرے کے بغیر قرار نہ تھا تینوں لڑکے خوب دل لگا کر پڑھتے اور کھیلوں میں بھی نمایاں شہرت انھوں نے حاصل کی تھی اختر کرکیٹ کے مشہور کھلاڑی اور کیمبرج ٹیم کے روح رواں تھے۔ شکیل ٹینس کے بادشاہ تھے غرضکہ یہ لڑکے بالکل اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔

٦٢

ظفر جنگ کا تبادلہ پشاور سے پانچ سال رہنے کے بعد پھر لاہور ہو گیا تھا اب وہ پنجاب گورنمنٹ کے قانونی ممبر تھے۔ نزہت آرا کی شادی ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے وہ اپنی سسرال حیدرآباد تھیں سطوت کوئن میری کالج لاہور میں ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تھی ثروت جنگ نے علیگڑھ کالج میں اس سال فرسٹ ایر میں داخلہ لیا تھا اختر جنگ کو ولایت پہونچے چار مہینے ہوئے تھے۔

موسم بہار کے آجانے کے بعد ہی خزاں آگئی تھی اور پت جھڑ شروع ہو گئی تھی وہ پھول جو بہار کی شگفتہ سامانیوں کی بدولت شاداب تھے اب خزاں کے ہاتھوں اپنا رنگ روپ کھو کر مرجھا چلے تھے صبح کا سہانا سماں تھا قمری کی صدائے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ صحن گلشن میں درس عبرت دے رہی تھی ظفر جنگ ابھی تک محو خواب تھے ثروت آرا حسب معمول فریضۂ سحری ادا کر کے تلاوت کلام پاک میں مصروف تھیں ساتھ ہی معنی بھی پڑھتی جاتی تھیں رعب حق سے ان کے تمام جسم میں ہلکا سا ارتعاش تھا اور حسین آنکھیں پُرنم تھیں نصف پارے کی تلاوت کرنے کے بعد انھوں نے کلام پاک کو عقیدت و خلوص کے جذبے سے متاثر ہو کر چوما آنکھوں سے لگایا اور گردانا رکھنے کے لئے کھڑی

ہوئی تھیں جو ظفر جنگ گھبرا کر اٹھ بیٹھے ان کی متوحش نظروں کو دیکھ کر انہوں نے کہا خیر سے طبیعت تو اچھی ہے؟

ظفر جنگ۔ ہاں طبیعت تو اچھی ہے مگر عجیب پریشان کن خواب دیکھا ہے خدا خیر کرے۔

ثروت آرا۔ خواب کی بات کا اعتبار کیا بعض اوقات یونہی پریشان خواب نظر آتے ہیں آپ نے ایسا کیا دیکھا جو یوں گھبرا گئے مجھے بھی تو سنائیے۔

ظفر جنگ۔ تم کلام پاک رکھ آؤ۔ اطمینان سے بیٹھو تو سناؤں۔

ثروت آرا جلدی واپس آگئیں اور ظفر جنگ کے قریب ان کی مسہری پر بیٹھ گئیں۔

ظفر جنگ نے کہا میں نے خواب میں ایک باغ ایسا خوبصورت و نزہت آگین دیکھا ہے کہ ایسا یہاں کہیں میری نظر سے نہیں گذرا اس باغ جیسے خوشنما خوبصورت پھول بھی یہاں نظر نہیں آتے نہ ایسے خوش گلو پیارے پرندے میں نے کبھی دیکھے جیسے وہاں درختوں پر بیٹھے نغمہ سرائی میں مصروف تھے قدرت نے شاید جیتے جی مجھ کو فردوس کی سیر کرا دی تھی میں اس باغ میں خوش خوش پھر رہا تھا میرے ہاتھ میں چمبیلی کے پھولوں کا ایک تازہ شاداب حسین گچھا تھا اس کو میں کبھی دل سے لگاتا کبھی آنکھوں سے ان پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو میرے دل و دماغ کو معطر کر رہی تھی میں سونگھ رہا تھا اور سونگھے جاتا تھا لیکن سیری نہیں ہوتی تھی ٹہلتے ٹہلتے میں ایک سرمریں حوض کے قریب پہونچ گیا اس حوض کے وسط میں گلاب کا درخت تھا جس پر صرف ایک بڑا سا نوشگفتہ سرخ گلاب کا پھول جھوم رہا تھا میرا دل چاہا کہ میں اس پھول کو بھی توڑ لوں لیکن پھر چمبیلی کے حسین و نازک پھولوں نے میری توجہ اپنی جانب کھینچ لی نظر گلاب پر پڑی تو گویا وہ ٹہنی پر والہانہ انداز سے جھوم جھوم کر مجھے بلا رہا تھا میں ایک جذبہ بے اختیار کے تحت پھول کے

قریب پہونچ گیا اور اس کو توڑنا چاہا۔
لیکن ایک مہیب صورت انسان نے جس کی آنکھوں سے غضب کے شعلے نکل رہے تھے مجھے گرجدار آواز سے للکارا۔
مجال تو یہ پھول نہیں لے سکتا وقت گذر گیا اس کو تو اب چھو بھی نہ سکے گا اب یہ پھول مقبول بارگاہ ایزدی ہو چکا ہے کسی فانی انسان کا ہاتھ اس تک نہیں پہونچ سکے گا"
میں نے اُس کے کہنے کی پرواہ نہیں کی اور پھول کو توڑنے کے لئے جلدی سے ہاتھ بڑھا دیا۔
اُس بدبخت نے فوراً میرے قریب پہونچ کر میرا ہاتھ اس زور سے پکڑ کر جھٹکا کہ اب بھی میرے ہاتھ میں درد ہو رہا ہے اور بھیانک آواز میں قہقہہ لگا کر پھول میرے سامنے توڑ کر مسل کر پھینک دیا اُف اُس حسین پھول کی بکھری ہوئی پتیاں کیسی معلوم ہو رہی تھیں یہ بیان نہیں کر سکتا میں نے چلا کر کہا او بیدرد ظالم! ایسے خوبصورت پھول کو تو نے ایسی بیدردی سے مسل ڈالا تجھے اس پر کچھ پیار نہیں آیا۔
میں نے تو خدا کے حکم سے ایسا کیا لیکن تم جو اپنے کو بہت نیک سمجھتے ہو اس حسین پھول کی تم نے کون سی قدر کی سنگدل انسان! مہیب صورت آدمی نے حقارت سے جواب دیا اور مجھے ہاتھ سے دھکا دیدیا، میری آنکھ کھل گئی، اُف کتنا بھیانک خواب تھا۔
ثروت آرا۔ خواب آپ کا بیشک بہت عجیب ہے اس کی تعبیر تو یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ایسی ہستی جس کو آپ اب عزیز نہیں سمجھتے لیکن دراصل وہ آپ کو عزیز ہے آپ سے دور ہو جائیگی خیر آپ خیال نہ کریں اکثر ایسے خواب تشنۂ تعبیر ہی رہ جاتے ہیں

ظفر جنگ۔ نہیں بیگم میں اس خواب سے اپنی طبیعت کو بہت متاثر پاتا ہوں مجھے کم خواب نظر آتے ہیں اور جو نظر آتے ہیں وہ کبھی بیکار نہیں ہوتے مستقبل کی خبر دیتے ہیں خالہ جان مرحومہ کے انتقال سے دو روز قبل ہی میں نے خواب میں تم کو پریشان اور روتے ہوئے دیکھا تھا حالانکہ میں ہندوستان کے حالات سے بے خبر تھا لیکن اس خواب کی تعبیر جلد ہی آ گئی پھر جانی صاحب کے واسطے قبل میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ تم پہاڑ پر کھڑی ہو میں تم کو دیکھ کر اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہوں. اور راستے میں ایک کالا ناگ پھن پھیلائے بیٹھا ہے اور میں اس کو مارنا چاہتا ہوں تو وہ تمہاری جانب جانے لگتا ہے۔ اور تم خوفزدہ ہو کر نیچے کود پڑتی ہو اس وقت تو خواب و خیال سمجھا تھا لیکن بعد کے واقعات نے اس خواب کو سچ کر دکھایا کتنی مصیبت سے میں تم کو پا سکا خدا خیر کرے میری خوشیوں کی انتہا ہو چکی ضرور کوئی ناگہانی مصیبت آنے والی ہے.

ثروت آرا۔ مسکرا کر تو یہ آپ تو بڑی بوڑھیوں کی سی باتیں کر رہے ہیں بیکار کا وہم ہے ارے خواب کا اعتبار ہی کیا یونہی فضول فکر کر رہے ہیں اٹھیے اب آٹھ بجنے والے ہیں منہ دھوئیے چائے پی کر طبیعت درست ہو جائے گی.

ظفر جنگ۔ بیوی کے کہنے سے با دل ناخواستہ اٹھے منہ دھویا چائے پی مگر خواب کا اثر دل پر باقی تھا اس لئے خاموش ہی رہے آج کوئی ہندوؤں کا تہوار تھا اس لئے آفس جانا نہ تھا تعطیل تھی اخبار لیکر بیدلی سے دیکھتے رہے.

ثروت آرا۔ میاں کو یوں مضمحل دیکھ کر ان کا خیال بٹانے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں اور وہ ہاں ہوں کر کے بیوی کی باتوں کا جواب دے رہے تھے لیکن ان کی طبیعت حاضر نہ تھی۔ خادم باادب نے صبح کی ڈاک چاندی کی تھالی میں پیش کی ثروت آرا نے اپنے خطوط الگ کئے ظفر جنگ کے خط اخبار

اُن کو دیئے ظفر جنگ کے خطوط کئی تھے دو تو سرکاری تھے دو تین کاروباری تھے ایک دو بل تھے ان سب کو چھوڑ کر ظفر جنگ نے آسمانی لفافے کا خط اٹھا لیا جو نشاط کا تھا ثروت آرا ابھی دوپہر کے کھانے کے لئے ہدایات دینے چلی گئی تھیں تنہائی میں ظفر جنگ خط پڑھتے رہے جوں جوں خط پڑھتے گئے اُن کے منہ کا رنگ متغیر ہوتا گیا۔ نشاط نے لکھا تھا۔

ظفر!

یہ حقیقت آج یعنی بائیس سال سے تم پر واضح ہے کہ الگزنڈرا نے تمہارے لئے وطن عزیز ایک بار چھوڑے اور تمہارے نام کی پرستش کرتی رہی عنفوان شباب کا غم جانگزا آخر کب تک سہہ سکتی تھی۔ نادانا تیس سال کی عمر سے تمہاری محبت کی آگ میں وہ جل رہی ہے پچھلے چند مہینوں سے الگزنڈرا کو برابر حرارت ہو رہی تھی لیکن اُس کو اپنی زندگی کی پرواہ ہی کب تھی جو غور سے علاج کرتی جب زیادہ پڑ جاتی معمولی دوا پی لیتی تھی پرسوں میں اور پھوڈوراُس سے ملنے گئے تو وہ کچھ نڈھال سی اپنے آفس میں آرام کرسی پر نیم دراز تھی معلوم کرنے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ جل رہا تھا۔ میں نے کہا ارے الگزنڈرا تم کو تو اس وقت حرارت کیا خاصا بخار ہے ایسی حالت میں بھی تم آفس میں بیٹھی ہو۔

الگزنڈرا نے مسکرا کر کہا کیا کروں تمام اسکول کی ذمہ داری مجھ پر ہے ابھی کام کرتے کرتے تھک گئی تو ذرا آرام لینے لگی ہاں نشاط آج مجھے پھر بخار ہو گیا ہے۔

تھیوڈورا نے کہا بہن تم کچھ دن کے لئے اسکول سے علیحدہ رہ کر مکمل آرام کر لو رات دن کی مصروفیت نے تمہاری صحت کو تباہ کر دیا ہے، میں تو آئے دن یہی سنتی رہتی ہوں کہ تم کو بخار ہوتا رہتا ہے۔ تم نے کسی ڈاکٹر کو دکھا کر معائنہ بھی اپنے پھیپھڑوں کا کرایا یا یہ کہ تم کو کیوں بخار رہتا ہے میں نے سوال کیا۔

نشاط بھائی۔ آپ نوخواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں معمولی سی حرارت اس وقت مجھے ہے دوا پیونگی ٹھیک ہوجاؤنگی بلکہ آج تو ایک ہفتے بعد اتنا تیز بخار ہوا ہے ورنہ ہفتے میں دو تین مرتبہ ضرور مجھے بخار ہوجاتا ہے میں نے ڈاکٹر کو اس لئے نہیں دکھایا کہ وہ فضول ہدایات کا طومار باندھتا اور میں اپنے کاموں کو جب تک نہ نبٹا ہوں چھوڑنا نہیں چاہتی اُس نے حسب معمول مستقل لہجے میں کہا۔

خدا کی پناہ! اس لاپرواہی کی بھی کوئی انتہا ہے تمہاری زندگی رہے گی تو کام بھی ہوگا ہم نے یہ کہہ کر فوراً ڈاکٹر شرما کو ٹیلی فون کرکے آنے کی ہدایت کی وہ آئے اور الگزنڈرا کے سینے اور پھیپھڑوں کا معائنہ کیا نسخہ لکھنے کے بعد جب میں شرما کو کار تک پہونچانے گیا تو انھوں نے کہا تعجب ہے نشاط! تم نے ابھی تک مس ولیم کی خبر نہ لی اور وہ خود بھی اپنی صحت کی جانب سے ایسی بے خبر رہیں ان کا بخار بہت پرانا ہوچکا ہے پھیپھڑے دونوں ناکارہ ہوگئے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ کافی عرصے سے دق کے موذی مرض کا شکار ہوچکی ہیں تعجب ہے اس حال میں وہ کام کیسے کررہی ہیں۔ اب تو ان کی زندگی اس شعلے کی مانند ہے جو بس ایک خفیف جھونکے سے بجھ سکتی ہے ہم نے صرف طاقت بحال کرنے اور فرحت پہونچانے کے لئے دوائیں دیدی ہیں ورنہ دراصل اب اُن کا مرض محتاج دوا نہیں ہاں تم ایکسرے اور کرالو مگر میرا خیال یہ ہے کہ دق کا اب آخری درجہ ہے اور اُن کا بچ جانا ممکن نہیں۔

یہ سنکر میرا تمام جسم ٹھنڈا ہوگیا اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک بت کے مانند بے حس وحرکت کھڑا رہا، پھر اپنے کو سنبھال کر اوپر آیا تھوڑو را کو میں نے کچھ نہیں بتایا ورنہ وہ رو رو کر اپنا خون کرلیتی الگزنڈرا کو بمشکل ہم نے اس لئے رضامند کیا ہے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہے اور وہ

مکمل آرام کرے اسکول کا کام مس ایلن کے سپرد کر کے کل شام الگزنڈرا ہمارے یہاں آ گئی ہے اُس کو اسکول کے انتظامات کرنے اور سامان کی درستی کے باعث تکان ہوتی۔ رات کو تیز بخار رہا تمام رات وہ بے چین رہی اور اُس ہیذیانی کیفیت طاری رہی اور اس عالم غفلت میں ظفر تمہارا نام اُس نے کئی مرتبہ لیا اللہ۔ اُس کو تم سے کتنی محبت ہے کہ تمہارے لئے جان دے رہی ہے۔ ایسی پاکیزہ محبت اس بیسویں صدی میں کہاں؟ تم کتنے خوش قسمت انسان ہو کہ تمہاری ایک سچی چاہنے والی بھی ہے اور اب یہ بیچاری اس دنیا میں کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ اگر اس حال میں بھی تم اُس کو دیکھنے نہ آؤ تو یہ تمہاری سخت بیرحمی اور انتہائی سنگدلی ہوگی۔

ظفر جنگ کے سوئے ہوئے جذبات اس خط کو پا کر جاگ گئے اور اُن کی حساس طبیعت پر اس خط کا ہر فقرہ گویا دہکتا ہوا انگارہ تھا، الگزنڈرا کی مغموم حسین صورت اُن کی آنکھوں کے نیچے پھرنے لگی اپنی بے اعتنائیاں یاد آنے لگیں اور اُن کی ہچکی بندھ گئی رونے سے ذرا دل ہلکا ہوا تو انھوں نے خود کو سنبھال کر غسل خانے میں جا کر سرد پانی کے چھینٹے منھ پر دیئے اور منھ تولئے سے صاف کر کے ثروت آرا پاس آئے اور کہا نشاط کا خط آیا ہے انھوں نے لکھا ہے مجھ کو تم سے ضروری کام ہے تم فوراً دلی آؤ میں آج شب کی ٹرین سے دلی جاؤں گا دو دن کی تو تعطیل ہے۔ چار دن کے لئے اور درخواست دیئے دیتا ہوں چھ دن بعد آجاؤں گا۔

ثروت آرا۔ ضرور جایئے اماں جان بھی آپ کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گی اور نشاط بھائی صفدر بھائی سے مل کر آپ کی طبیعت کا اضمحلال بھی دور ہو جائیگا لیکن بہتر تھا کہ آج آپ آرام لیتے اور کل جاتے۔

ظفر جنگ۔ نہیں ثروت میں آج ہی جاؤنگا نہ جانے نشاط کو مجھ سے کیا کام ہے جو اس طرح آنے کی تاکید لکھی ہے طبیعت میری بالکل ٹھیک ہے فکر نہ کرو۔

شام تک کا وقت اضطراب میں گذرا خدا خدا کر کے روانگی کا وقت آیا ٹرین میں بیٹھ کر انھوں نے نشاط کو اپنے دلی پہونچنے کا تار دیا تمام شب آنکھوں میں گذاری مریض شب ہجر کی طرح آج نیند اُن سے کوسوں دور تھی علی الصبح ٹرین دہلی کے پلیٹ فارم پر پہونچی نشاط اسٹیشن پر موجود تھے۔

ظفر جنگ پہلے ماں پاس گئے وہ اچانک بیٹے کے آجانے سے بہت خوش ہوئیں مہر النسا اور صفدر ان دنوں اظہر محل میں ہی تھے صفدر اب اسلامیہ کے سشن جج تھے تعطیلوں میں بیوی کو لیکر آئے تھے وہ بھی ظفر جنگ سے مل کر بہت خوش ہوئے غسل ناشتے سے فارغ ہو کر ظفر جنگ ڈاکٹر رفیق کو ہمراہ لے کر نشاط کی کوٹھی گئے الگزنڈرا کے کمرے تک اُن کا پہونچنا دشوار ہو گیا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی مجرم پابجولاں جارہا ہے۔

صبح کا وقت تھا اس لئے الگزنڈرا کی طبیعت ذرا بحال تھی اور بخار بھی ہلکا تھا وہ طائم تکیوں کے سہارے بستر پر نیم دراز تھی پاس ہی تھیوڈورا بیٹھی اُس کو آج کے اخبار سے ضروری خبریں سنا رہی تھی۔ ظفر جنگ نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت چاہی۔

تھیوڈورا نے کھڑے ہو کر کہا آپ تیے بھائی جان ظفر جنگ نے پہلے تھیوڈورا سے ہاتھ ملایا پھر الگزنڈرا کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

الگزنڈرا کا کمزور دل محبوب کو خلاف توقع سامنے پا کر زور سے دھڑک رہا تھا اور تمام جسم میں خفیف سی لرزش تھی۔ چند منٹ کے سکوت کے بعد اُس نے بہت آہستہ سے کہا معاف کیجئے میں آپ سے ہاتھ نہیں ملاؤنگی مجھے بخار ہے آپ کی

تشریف آوری کا شکریہ!

ظفر جنگ۔ کرسی پر بیٹھ کر الگزنڈرا یہ کیسے ممکن ہے کہ معمولی بخار کی وجہ سے تم مجھ سے ہاتھ نہ ملاؤ۔

الگزنڈرا نے حیران ہو کر اپنا نام اس بے تکلفی سے ظفر جنگ کو لیتے سنا اور وہ کچھ خوش اور تعجب کے ملے جلے جذبے سے متاثر ہو کر اُن کو تکنے لگی۔

ظفر جنگ نے بہت محبت سے اس کا نازک زرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ آنکھوں سے لگا لیا۔

اور الگزنڈرا کی سمجھ میں یہ اُن کا بے پایاں خلوص اور التفات بالکل نہ آیا آج وہ بالکل ایسا برتاؤ کر رہے تھے جیسے کوئی محبت کرنے والا اپنی محبوبہ سے کرتا ہے۔

تھیوڈورا نے کہا اچھا ہے بھائی جان آپ یہاں بیٹھے ہیں میں بہن کے لئے ذرا اوولٹین بنا لاؤں۔

ظفر جنگ۔ ڈاکٹر رفیق اور صفدر بھی میرے ہمراہ آئے ہیں برآمدے میں نشاط سے باتیں کر رہے ہیں اُن سے بھی ملو اور ڈاکٹر صاحب کو یہاں بھیج دو۔

تھیوڈورا۔ بہت بہتر کہتی ہوئی چلی گئی۔

الگزنڈرا۔ ڈاکٹر رفیق تو کل شام کو ہی آئے اس وقت صبح ہی صبح پھر انھوں نے کیوں تکلیف کی۔

ظفر جنگ الگزنڈرا کے بالوں کو محبت سے سنوارتے ہوئے اس لئے کہ تمہارا غور سے معائنہ کریں اور دوا دیں تاکہ تم جلد ہی سے اچھی ہو جاؤ تمہاری علالت نے ہم سب کو بہت پریشان کر دیا ہے۔

الگزنڈرا۔ اوہ آپ سب کو میری اس بیوقت کی بیماری کے باعث کتنی پریشانی ہے لیکن میں سمجھتی ہوں مجھے اب دوا کی ضرورت نہیں ہے نہ دعا کی بس اس دنیا

میں اب بس چند دن کی مہمان ہوں۔
ظفر جنگ۔ (گلوگیر آواز سے) کیا کہہ رہی ہو ابھی الگزنڈرا خدانکردہ تم ایسی بیمار تو نہیں ہو کہ ایسی یاس آمیز باتیں کر رہی ہو صرف معمولی بخار کو تم نے اپنی لاپرواہی سے بڑا کر لیا ہے علاج واحتیاط اور مکمل آرام لینے سے انشاء اللہ تم پھر تندرست ہو جاؤ گی۔
الگزنڈرا۔ آہ مسرد بھر کر یہ بخار معمولی ہو نہیں سکتا سوزش دل نے میرا کام تمام کر دیا ہے۔ اور زہر غم میری رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے میں کیوں زندہ رہوں اور کس کے لئے یہ دنیا فانی اور اس کی ہر چیز فانی ہے۔
ظفر جنگ۔ بیساختہ تم کو زندہ رہنا چاہئے پیاری الگزنڈرا اپنے کاموں کے لئے اور میرے لئے۔
الگزنڈرا۔ آپ کے لئے آپ سے اس زندگی میں میرا کیا تعلق ہے؟ البتہ تعلقات روحانی کو آپ توڑ نہیں سکتے آپ میرے نہ ہو سکے مگر میں ہمیشہ کے لئے آپ کی بن گئی میری محبت ابدی ہے کوئی طاقت مجھے آپ سے جدا نہیں کر سکتی شاید موت بھی مجھے جدا نہ کر سکے گی مرنے کے بعد بھی میری روح آپ کے گرد ہی پھرا کرے گی۔
ظفر جنگ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا الگزنڈرا میں تمہارا گنہگار ہوں ہاں گنہگار محبت! لیکن یاس کی اتنی سخت سزا تجویز نہ کرو کہ میں بھی مر جانے کی آرزو کرنے لگوں۔ میں نے ہمیشہ تمہاری محبت سے اپنے دل کو متاثر پایا اور تمہارا حسین چہرہ اکثر میرے خیالوں میں آتا رہا لیکن میں اپنی پیاری بیوی سے بیوفائی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے تم سے دور رہتا تھا اجتناب کرتا تھا پھر بھی تمہارا خیال بارہا مجھے آجایا کرتا تھا۔
الگزنڈرا۔ آہ یہ الفاظ میں اپنے کانوں سے سن رہی ہوں مبارک ہے یہ میری

جان لیوا بیماری. بخدا نامرادی کا رنج نہیں مرنے کا غم نہیں آپ کو پالینے کی خوشی نے مجھے اس وقت جلالیا ہے اب آپ میرے پاس سے نہ جائیے جن. دلوں کی بات ہے دم نزع آپ میرے بالیں پر ہوں یہ میری آخری آرزو ہے.

ظفر جنگ ۔ الگزنڈرا پر جھک کر میں اب تم کو یوں تنہا نہ چھوڑوں گا الگزنڈرا اب تم مجھ کو بالکل بدلا ہوا انسان پاؤ گی خدا تم کو صحت دے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے احساسات کا بھی احترام کروں گا.

الگزنڈرا ۔ (مسکرا کر) آپ کا یہ وعدہ بہت جانفزا ہے. لیکن اب وقت گذر گیا میں اس وقت عالم موت کے کشمکش جنگ میں ہوں خیر!

مسلسل باتیں کہتے رہنے سے وہ کافی تھک گئی تھی اس لئے اس نے ایک لمبا سانس کھینچ کر آنکھیں بند کرلیں اور ظفر جنگ اس نحیف و زار جسد ناتواں کو حسرت سے دیکھتے رہے جو چمپلی کے پھولوں کے ڈھیر کی مانند بستر پر پڑا تھا ڈاکٹر رفیق آئے بہت دیر تک معائنہ کرتے رہے اور پھر سر جھکائے کمرے سے نکل گئے ظفر جنگ ان کے ساتھ باہر گئے.

ڈاکٹر رفیق نے افسوس کے انداز سے سر ہلا کر کہا ڈاکٹر شرما کا خیال صحیح ہے الگزنڈرا کی زندگی بچنا محال ہے شاید ہی یہ پورا مہینہ لے سکے علاج کس کا ہو ؟ دوا کیسے دی جائے خون جسم میں نہ ہونے کے برابر ہے.

ظفر جنگ ۔ ڈاکٹر صاحب خون تو اور بھی کسی کا دیا جا سکتا ہے آپ الگزنڈرا کو کسی نہ کسی طرح بچا لیجئے میں اس کے لئے اپنا خون دینے کو تیار ہوں.

اسی وقت نشاط ایکسرے کا فوٹو لے کر آ گئے اور مایوس لہجے میں کہا الگزنڈرا کیسے بچ سکتی ہے ۔ دونوں پھیپھڑے چھلنی ہیں.

صفدر ۔ افسوس بیچاری ابھی بالکل جوان ہے خدا کرے جیتی رہے.

ظفر جنگ کا افسوس و ندامت سے برا حال تھا وہ اپنے کو الگزنڈرا کی اس خطرناک علالت کا ذمے دار سمجھ رہے تھے صفدر سے کہا میرے کپڑے اور بستر بیرا کے ہاتھ تم اظہر محل سے یہاں بھجوا دینا مگر اماں جان کو نہ بتانا ان کے پاس میں شام کو کسی وقت ضرور آؤں گا۔

الگزنڈرا کا بخار دن چڑھتے ہی تیز ہو گیا اور اس پر اب غفلت طاری تھی ظفر جنگ نے اس کے قریب بیٹھ کر ہی پندرہ روز کی چھٹی کے لیے درخواست لکھی اور ثروت آرا کو خط میں لکھا کہ میں نے یہاں آ کر الگزنڈرا کو سخت علیل دیکھا وہ مجھے غفلت میں یاد کر رہی تھی اس لئے لنشا نے مجھکو بلایا ڈاکٹر رفیق اور دہلی کے تمام اچھے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ دق کے نامراد مرض کا شکار ہو گئی ہے اور اس کا جانبر ہونا مشکل ہے ہم سب اس کی جانب سے مایوس ہیں ہاں اگر خدا شفا دیدے تو اسکی مہربانی ہے تم سے یہ پوشیدہ نہیں کہ الگزنڈرا مجھ سے ہمیشہ سے محبت کرتی ہے اور میرے لئے اس نے وطن عزیز و اقربا ماں تک کو چھوڑ دیا میں نے حتی الامکان اس کی جانب سے تغافل برتا تاکہ اپنے فرائض کو نہ بھلا دوں لیکن اب اس کی خواہش ہے کہ میں کچھ روز اس کے پاس رہوں اور اس حال میں کہ وہ بستر مرگ پر ہے میں اس کی آخری آرزو کو ٹھکرانا انسانیت کے خلاف سمجھتا ہوں تم کو قدرت نے حساس دل دیا ہے اور بلند دماغ یقین ہے مجھے معاف کرو گی اور میرے یہاں رہنے کا رنج نہ کرو گی۔

خط کو پوسٹ کرنے کے بعد وہ پھر الگزنڈرا کی تیمارداری میں لگ گئے اسطرح دو ہفتے گذر گئے ماں کے پاس صبح روزانہ وہ سلام کو جاتے اس کے بعد کا تمام وقت انکا الگزنڈرا پاس گذرتا تھا حالانکہ رات دن کی دو نرسیں بھی رہتی تھیں لیکن وہ تمام تمام رات الگزنڈرا کی پٹی سے آرام کرسی لگائے بیٹھے رہتے اگر وہ سو جاتی وہ بھی کرسی پر

رہی سو جاتے وہ بے چین ہوتی تو یہ بھی اُس کے ساتھ جاگتے رہتے اپنے ہاتھ سے دوا پلاتے خود کھانا کھلاتے الگزنڈرا اُن کی اس عنایات سے جوانمرگی کا غم بھول گئی تھی جس زندگی کو وہ تمام عمر ناکارہ سمجھتی رہی تھی اب محبوب کو مہربان پاکر وہ اُس کے لئے خوشگوار ہوگئی تھی۔

"آہ اندھی محبت تیری فریب کاریاں" اندنوں جب بھی الگزنڈرا کی طبیعت سنبھلتی اُس کے خشک ہونٹوں پر ایک والہانہ تبسم کھیلتا رہتا ایسا تبسم جیسے نئی دلہنوں کے لبوں پر رقص کرتا رہتا ہے۔

دو روز سے الگزنڈرا کی طبیعت زیادہ خراب تھی کمزوری کے باعث اُس پر غفلت کا عالم طاری رہا تھا ڈاکٹر طاقت کے انجکشن برابر دے رہے تھے ظفر جنگ نے دو دن سے غسل کیا تھا نہ شیو ماں پاس بھی نہیں گئے تھے۔ صبح ہوتے ذرا اُسکی طبیعت سنبھلی تو یہ بھی آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے رات بھر کے جاگے تھے ایسے سوئے کہ خبر نہ رہی کوئی نو بجے تھیوڈورا نے شانہ ہلاکر خط ہاتھ میں دیا تو آنکھیں ملتے ہوئے خط لیتے ہوئے باہر نکل گئے ابھی اُن کو گئے چند منٹ ہوئے تھے کہ الگزنڈرا نے غفلت سے چونک کر تھیوڈورا سے کہا ظفر کہاں ہیں؟ کیا ابھی وہ سو رہے ہیں۔

تھیوڈورا۔ اُن پر تو تمہاری علالت نے خواب و خور حرام کر دیا ہے وہ کہاں سوتے ہیں یہیں کرسی پر بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی لاہور سے بھابی جان کا خط آیا ہے وہ دیا ہے غالباً اُس کو باہر جاکر دیکھ رہے ہونگے وہ یہ کہہ رہی تھی کہ ظفر جنگ آگئے۔

الگزنڈرا۔ نحیف آواز میں ثروت بہن نے کیا لکھا ہے؟ وہ بیچاری وہاں تنہا ہیں میری وجہ سے اُن کو کتنی تکلیف ہوئی۔

ظفر جنگ۔ مسکرا کر الگزنڈرا تم تو جانتی ہو کہ ثروت آرا اور عورتوں سے بہت مختلف باحوصلہ اور حساس دل کی مالک ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میں اپنی

پیاری بہن کی علالت سے سخت پریشان ہوں اور دل سے ان کی صحت یاب ہونے کے لئے دعا کر رہی ہوں آپ نے الگزنڈرا بہن کو سخت رنج پہونچایا ہے اب خدا ان کو جلدی شفا دے پھر وہ بھی میرے ساتھ رہیں گی۔

الگزنڈرا۔ پیاری ثروت خدا کرے زندہ رہے زندگی کی بہاریں دیکھے قدرت نے جتنی حسین صورت اس کو دی ہے اتنی ہی حسین سیرت بھی۔ بڑی نیک طینت اور باحوصلہ خاتون ہے آہ میں اب زندہ نہیں رہ سکتی میرے لئے اب سب فضول ہے ذرا رُک کر میرے قریب بیٹھ جاؤ ظفر!

ظفر جنگ۔ بیٹھتے ہوئے الگزنڈرا تم میرا ہر وقت کیوں دل دکھاتی ہو میں کہتا ہوں تم کو وہم ہوگیا ہے مرض تمہارا ایسا کوئی سخت نہیں کہ تم مایوس ہو کر ایسی باتیں کرتی ہو دیکھو آج تو تم کو بالکل بخار نہیں صبح پارہ بالکل صاف تھا۔

الگزنڈرا۔ میں اپنی حالت کو سمجھ رہی ہوں ظفر! میں اب چند گھنٹوں کی مہمان ہوں۔ کلمہ پڑھ کر گواہ رہنا میں مسلمان ہوں اچھا اب مجھے کلام پاک کا کچھ حصہ سناؤ۔

ظفر جنگ نے دو زانو بیٹھ کر لیسین شریف شروع کی شدت رنج سے آنکی آواز گلے میں پھنس رہی تھی مگر دل کو سنبھال کر پڑھتے جا رہے تھے ابھی انھوں نے لیسین ختم نہیں کی تھی کہ الگزنڈرا کا جسم لرزنے لگا خوبصورت پیشانی پر پسینہ آیا۔

ظفر جنگ۔ گھبرا کر کیسی ہو الگزنڈرا؟

الگزنڈرا۔ بہت دھیمی آواز میں رخصت! اس کے بعد دو ہچکیاں اک طویل گہرا سانس لیکر وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

ظفر اس مجسمہ حسن و شباب کو یوں مٹتا دیکھ کر اور بہار شباب پر ظالم موت کے ہاتھوں خزاں آتے دیکھ کر تاب نہ لا سکے۔ وہ الگزنڈر کے قدموں میں سر دیئے بے خود بیٹھے تھے اور ہائے ہائے کی مسلسل صدا انکے مونھ سے نکل رہی تھی۔

تھیوڈور انشاط بھاگے ہوئے الگزنڈرا کو بے حس و حرکت مومی گڑیا کی طرح پڑے دیکھ کر تھیوڈورا تو چیخیں مار کر رونے لگی نشاط نے ظفر جنگ کو پکڑا اُن کی بیقراری کم نہ ہوئی تھی کہتے تھے ہائے یہ حسین صورت میری وجہ سے مٹی میں مل جائیگی حشر میں خدا کو کیا جواب دونگا۔

صفدر ڈاکٹر رفیق سب آگئے صادقہ مہرالنسا بھی آگئی تھیں جنازہ تیار ہوا سفید کفن کھلے ہوئے بال ہنستی ہوئی صورت پیشانی پر دوشیزگی کی پاکیزگی کا نور موت کے ظالم ہاتھوں نے گو بہار شباب لوٹ لی تھی لیکن صورت پر معصومیت کا حسن باقی تھا ایسا معلوم ہوتا تھا الگزنڈرا مری نہیں سو رہی ہے ظفر جنگ ابھی تک بیقرار تھے آخری مرتبہ صورت دیکھنے آئے یہ حسین صورت پرنا کامی کی بیکسی اور جوانمرگی پھر اپنی بے اعتنائی کا خیال تاب نہ لاسکے ہائے کر کے بیہوش ہوگئے تابوت اُٹھایا گیا اور مسلمان طریقے سے تجہیز و تکفین کی گئی بیچاری الگزنڈرا ہر منوں مٹی پڑ گئی لوگ دفن کر کے واپس آگئے مگر ظفر جنگ ابھی تک بیہوش تھے ڈاکٹر رفیق اور ڈاکٹر نہال اُن کی نبض اور دل کا معائنہ کرتے رہے دل کی حرکت بہت دھیمی تھی اس سے دونوں ڈاکٹر متفکر تھے خدا خدا کر کے دن کے تین بجے کے بیہوش ہوئے ہوئے رات کو آٹھ بجے ہوش میں آئے تو پھر ہائے الگزنڈرا کہہ کر رونے لگے۔

صفدر نے کہا وہ بیچاری تو اب تمہارے رونے دھونے سے آنے سے رہی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اسی طرح رو رو کر اپنی جان دوگے۔ خالہ جان کی پریشانی کا تم کو خیال ہے نہ بھابی کا تم کو دھیان ہے۔ الگزنڈرا کیا مری گویا ہم سب تمہاری جانب سے مر گئے مردوں کی طرح حوصلے سے اس غم کو برداشت کرو مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر نہیں جاتا ایک دن سب کو ہی جانا ہے یہ کیا فضول تم نے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اُٹھو دل سنبھالو مگر ظفر جنگ کے بیقرار دل کو صبر نہ آنا تھا وہ ہائے

ہائے کرکے پھر بیہوش ہوگئے ڈاکٹر شرما نے آلہ لگا کر اُن کے دل کی حالت دیکھی اور کہا اُن کا دل سخت صدمہ پہونچنے کے باعث ہل گیا ہے اور اگر چوبیس گھنٹے انکی حالت یہی رہی تو زندگی خطرے میں پڑ جائیگی میں ایک انجکشن دے چکا ہوں دوا دے دونگا خدا کرے یہ سنبھل جائیں ڈاکٹر رفیق نے کہا فوراً دلہن کو تار دو وہ آجائیں ظفر میاں کی حالت قابلِ اطمینان نہیں ہے ممکن ہے اُن کے آنے سے اُن کی طبیعت سنبھل جائے صفدر ان دونوں کی پریشان کن گفتگو سے گھبرا گئے ثروت آرا کو ارجنٹ تار دیا بیگم صاحبہ سے ابھی تک ظفر جنگ کی حالت کو سب نے چھپایا تھا مگر ظفر جنگ کی یہ حالت دیکھ کر صادقہ اُن کو بھی جا کر لے آئیں سب الگزنڈرا کو بھول کر ظفر جنگ کی خیر منانے لگے صادقہ مہرالنسا کے حواس باختہ تھے بے اوسان پھر رہی تھیں بیگم صاحبہ ظفر جنگ کی سلامتی کی دعائیں سجدے میں پڑی مانگ رہی تھیں اور صفدر نشاط دونوں ڈاکٹر اُن کے ارد گرد بیٹھے تھے۔

۶۳

ثروت آرا جس روز سے ظفر جنگ دلی آئے تھے اور الگزنڈرا کی علالت کی خبر اُن کو ملی تھی پریشان تھیں اب میاں کی علالت کا تار پاکر بدحواس گھر کو نوکروں پر کھلا چھوڑ کر ایک منشی کے ساتھ فوراً دلی روانہ ہوگئیں سر و پا کا ہوش نہ تھا سارے راستے میاں کی بیماری کے خیال نے اُن کو بے چین رکھا دعائیں مانگ مانگ کر رہ گئیں اسٹیشن پر صفدر کی صورت دیکھتے ہی ایسی حواس باختہ ہو رہی تھیں کہ سلام نہ دعا گھبرا کر سوال کیا بھائی خیر تو ہے؟ اب آپ کے بھائی کیسے ہیں؟ ہائے اللہ یہ کیا بیٹھے بٹھائے مصیبت آگئی۔

صفدر۔ بھابی گھبراؤ نہیں ظفر بھائی کی طبیعت اب سنبھل گئی ہے خدا نے اپنا بڑا کرم کیا اب وہ خطرے سے نکل گئے پرسوں تو ہم سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑے ہوئے تھے خدا کی پناہ! اُدھر الگزنڈرا بیچاری کی جوانمرگی کا صدمہ اِدھر ان حضرت کی غشی خدا کا شکر ہے آج رات کو وہ آرام سے سوئے اور اب اُن کے دل کی حالت بالکل ٹھیک ہے۔

ثروت آرا۔ تو بیچاری الگزنڈرا بہن آخر ختم ہوگئیں افسوس! اُنکی پاکیزہ صورت آنکھوں میں پھر رہی ہے اور میٹھی آواز کانوں میں گونج رہی ہے جب تک اُن کو

اتنا صدمہ ہوا جانے والی تو گئی اب خدا اُن کا دم بچائے گیا اب بھی نشاط بھائی
گئے یہاں ہیں۔
صفدر۔ نہیں کل سہ پہر کو طبیعت سنبھلتے ہی اُن کو اظہر محل لے آئے تھے وہاں انکو
اور بھی بار بار الگزنڈرا کے تصوّر سے دقت ہوتی تھی اور دل بگڑ تا تھا۔ انھیں
باتوں میں راستہ ختم ہو گیا۔
ثروت آرا اُتریں سامنے چوکوں پر ساس بیٹھی تھیں اُن کو آداب کیا
اُنھوں نے کہا سائیں جیئے بوڑھ سہاگن ہو پوتا کھلاؤ۔ اے ہے دلہن تمہارے
دشمنوں کی بھی کیا طبیعت کچھ بدمزہ تھی کتنا سا مونھ نکل آیا ہے اور رنگ بھی
زرد ہو رہا ہے۔
ثروت آرا۔ طبیعت تو میری اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہے بس پریشانی کے مارے
یہ حال ہو رہا ہے۔
بیگم صاحب۔ ہاں بیٹی ظفر میاں کو اُس نگوڑی فرنگن کے مرنے کا اتنا رنج ہوا
کہ غشں پر غش آ رہے تھے خدا خدا کر کے اب طبیعت ذرا سنبھلی ہے۔
ثروت آرا۔ بیچاری بالکل جوان تھی ایسی جوان موت پر افسوس ہوتا ہی ہے۔
بیگم صاحبہ۔ ظفر اپنے کمرے میں ہیں جاؤ دیکھو۔
ثروت آرا اجازت کی منتظر ہی تھیں جلدی جلدی قدم اُٹھاتی ہوئی چلیں،
اور کمرے میں گھس گئیں۔
ظفر جنگ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے مہر النسا پاس بیٹھی تھیں ثروت آرا نے
اپنا معطر رومال ظفر جنگ کی پیشانی پر پھیرا اُنھوں نے آنکھیں کھول دیں بیوی
کو دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور آہستہ سے کہا ابی تم کب آئیں؟ مجھے
خبر بھی نہیں ہوئی۔

ثروت آرا۔ ابھی آپ کی علالت کا تار پاکر آپ کے دشمن بیمار ہوتے اور میں اطمینان سے بیٹھی رہتی یہ کیسے ممکن تھا افسوس بیچاری الگزنڈرا بہن کاش پہلے آجاتی تو ہم انکو بھی دیکھ لیتی کیا خبر تھی کہ اتنی جلد یہ ہم سے جدا ہونے والی ہیں۔

ظفر جنگ۔ (آہ سرد بھر کر) اب وہ کہاں؟ آں قدح بشکست آں ساقی نماند وہ مہر و وفا کی پتلی تھی اور میں سنگدل جفا کار رہ رہ کر مجھے اپنے آپ پر غصہ آتا ہے۔

ثروت آرا۔ آپ سنگدل نہیں تھے بلکہ آپ کو فرائض کی ذمے داری نے سنگدل بنا دیا تھا آپ نے میری خاطر اُن کو بھلا دیا تھا

ظفر جنگ۔ ایک حزیں مسکراہٹ کے بعد دیکھا ثروت میرے خواب پریشاں کی تعبیر! کتنی دلشکن آئی اور کیسی جلد۔

ثروت آرا۔ بہن الگزنڈرا کی روح ضرور یہ زبان حال سے کہتی ہوگی۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ظفر جنگ۔ ہائے ثروت تم بھی مجھے جفا کار سمجھتی ہو۔

ثروت۔ توبہ صاحب توبہ! مجھے تو مرحومہ بہن کی بیوقت موت کا صدمہ ہی۔

ظفر جنگ۔ آہ مجھے خبر نہ تھی کہ میری روح پر اس قدر الگزنڈرا طاری ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے مرجانے کے بعد میری خوشیوں کا خاتمہ ہوگیا ہر طرف مایوسیوں کا کاجل برستا نظر آتا ہے۔ اس لامحدود اندھیرے میں تمہاری ذات کی ایک روشنی میری زندگی کا سہارا ہے اب میں صرف تمہارے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں ورنہ سچ پوچھو تو لطف زندگی باقی نہیں رہا۔

ثروت۔ گلوگیر لہجے میں خدا آپ کو صبر دے مرحومہ واقعی آپکی سچی چاہنے والی اور بہت باہمت بہادر خاتون تھیں ایسے لوگ اب اس دنیا میں عنقا ہیں آپ

کی وجہ سے مجھے کتنا عزیز رکھتی تھیں اور نزہت پر تو اسطرح جان دیتی تھیں گویا وہ میری نہیں آنکی اولاد ہے اُس کی شادی میں کتنی خوش تھیں سارا کام انھوں نے ہی کیا مجھے تو معلوم بھی نہیں ہوا ایسی خوش اسلوبی سے انتظام کیا کہ ہر طرف واہ واہ ہو گئی۔

ظفر جنگ۔ کون کہتا ہے مغربی عورت میں وفا نہیں خود داری نہیں الگزنڈرا تو پیکر وفا تھی اور ایسی خود دار کہ شمع سا گُھل گُھل کر ختم ہو گئی لیکن مجھکو اپنے حال سے خبردار نہ کیا مجھ سے ہمیشہ دور رہی اور مجھ پر فدا رہی۔

ثروت آرا۔ جس روز میرا اسکول میں لیکچر ہوتا تھا اُس کا انتظام اور ان کی خوشی کا خیال آ رہا ہے۔

ظفر جنگ۔ ثروت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اب تک میں تمہاری دلجوئی کرتا تھا مگر اب الگزنڈرا کی موت نے میرا دل توڑ دیا ہے۔ تم یقین ہے ایک دل شکستہ غمگین انسان پر رحم کرو گی اور اسکو میری بے اعتنائی نہ سمجھو گی۔

ثروت۔ واہ آپ بھی بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں مجھے آپ کی محبت پر اعتماد ہو پھر بھلا میں کیوں آپ سے بدگمان ہونے لگی اچھا اب آپ آرام کریں ابھی کمزور ہیں۔

مہر النسا۔ بھابی آپ نے ابھی مونھ نہیں دھویا میں چائے منگواؤں۔

ثروت آرا۔ بہن مونھ دھونا کیسا تمہارے بھائی کی علالت کی خبر پا کر مجھے تن بدن کا ہوش نہیں تھا اب تو اوسان درست ہوئے ہیں۔

ظفر جنگ۔ افسوس تمکو میری بیماری کے باعث کتنا پریشان ہونا پڑا جاؤ مونھ دھو۔

ثروت آرا۔ تم چائے منگوا لو میں مونھ دھو کر ابھی آتی ہوں۔

رفتہ رفتہ ظفر جنگ سنبھلے اور ایک ہفتے بعد اُن کا غسل صحت ہوا۔ اظہر زمانی بیگم نے بیٹے کی صحت یابی پر میلاد شریف بھی کرایا اور مستحقین کو کھانا بھی کھلایا۔

الگزینڈرا کا تعزیتی جلسہ اسکول میں ہوا کالی جھنڈیاں لگائی گئیں. ثروت آرا بیگم بھی سیاہ ماتمی لباس میں تھیں اور اسکول کی تمام لڑکیاں کالے ربن اپنے اپنے بازو پر باندھے ہوئے تھیں الگزینڈرا کی بڑی تصویر ہال میں لگائی گئی تھی۔

ثروت آرا نے رقت آمیز لہجے میں الگزینڈرا مرحومہ کے کاموں کی تعریف کی اور مسز صفدر نے اُن کے حالات زندگی سنائے پھر نویں کلاس کی طالبات نے وہ پردرد مرثیہ پڑھا جو ظفر جنگ نے لکھا تھا یہ مرثیہ کیا تھا گویا اپنے اشکوں اور آہوں کو انھوں نے اشعار کی صورت دیدی تھی. سب خواتین اشکوں سے اشکبار ہوگئیں اور کئی حساس دل طالبات تو اپنی شفیق پرنسپل کی یاد میں چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

نزہت آرا پرسوں ہی حیدرآباد سے باپ کی بیماری کا سن کر آئی تھی الگزینڈرا کی بیماری کی تو اُنکو خبر تھی لیکن اُن کے مرنے کی خبر انکو کسی نے نہیں دی تھی دہلی آکر جب سے انھوں نے یہ خبر وحشت اثر سنی تھی وفور غم سے اُنکا عجب حال تھا رو رہی تھیں اور روئے جاتی تھیں نزہت کو اُن کی جان سے دو ر الگزینڈرا چاہتی بھی بہت تھی چار سال کی عمر سے پندرہ سال تک تو وہ اسکول میں ہی رہی اسکے بعد بھی یہ حال تھا کہ نزہت کو دیکھے بغیر الگزینڈرا کو چین نہ آتا تھا بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شمع پہ پروانہ ہیں شادی پر بہت قیمتی ساری نزہت کو اور ہیرے کے ٹوپس دیئے تھے دولہا کو سلامی میں ایکہزار روپیہ دیا تھا اب بھی مرنے کے بعد جب اُن کے سامان، اسباب بینک کے روپے کے متعلق معلوم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بینک کے تیس ۳۰ ہزار روپے میں سے نصف انھوں نے نزہت کے نام اور نصف اپنی چھوٹی بہن روزا کے نام چھوڑا ہے اور سب سامان کتابیں فرنیچر اسکول کے لئے تھا لباس وغیرہ ثروت آرا نے غریب عیسائی عورتوں کو دیدیئے فاتحہ کا

انتظام ظفر جنگ کی جانب سے نہایت فراخدلی سے کیا گیا تھا چھ لڑکیاں اسکول میں ایسی تھیں جن کے مصارف الگزنڈرا خود برداشت کرتی تھی اُن کے لئے ثروت آرا نے اپنے پاس سے انتظام کر دیا اور پانچ ہزار اسکول کو اس لئے دیا کہ اسکو الگزنڈرا فنڈ کی صورت میں رکھا جائے اور غریب لڑکیوں کی آدھی فیس اس سے ادا کی جائے۔

الگزنڈرا ہائی اسکول کی پرنسپل مسز خان ایک مسلمان خاتون مقرر کی گئیں یہ شریف خاندانی خاتون تھیں اور ولایت کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھیں۔ الگزنڈرا ہائی اسکول کا بند و بست کر کے ثروت آرا میں رو زدہلی رہ کر لاہور سدھاریں۔

مہر النسا، صفدر بھی ظفر جنگ کا دل بہلانے کی غرض سے ساتھ گئے، صفدر نے ایک مہینے کی چھٹی اور ریلی بی ستارہ بھی ساتھ ہولیں۔ ظفر جنگ کی سالگرہ کی ٹی پارٹی کے بعد جب سب مہمان رخصت ہولئے اور گھر کے لوگ رہ گئے تو باتیں ہونے لگیں۔

ستارہ۔ ظفر بھائی ابھی تک گم سُم ہیں وہ ہنسنے کی عادت نہیں رہی۔

ثروت آرا۔ اللہ کا شکر ہے وہ ہوژ بی دورہ تو پھر نہیں ہوا مگر اکثر راتوں کو سوتے سوتے گھبرا کر اُٹھ بیٹھتے ہیں اور پھر گھنٹوں سرد آہیں بھرا کرتے ہیں اور کروٹیں لیتے رہتے ہیں ان کو دلی رنج ہے۔

مہر النسا۔ ہاں الگزنڈرا کی وفات سے بھائی جان کو بہت سخت صدمہ پہونچا ہے آج بھی مجھ سے کہہ رہے تھے بیچاری الگزنڈرا! کبھی میری سالگرہ پر تحفہ اور مبارکباد بھیجنی نہ بھولتی تھی کہیں بھی میں ہوتا اسکا خط اور تحفہ دس اکتوبر کو مجھے ملجاتا تھا آہ اس مرتبہ کیسی سالگرہ اور کیا اس کی خوشی وہ میری سالگرہ کی خوشی منانے والی نہ رہی جس کو میں اتنا عزیز تھا تو پھر یہ سب بیکار ہے۔

ستارہ۔ ہاں اینو بیچاری کو اس جہان سے گئے دو مہینے ہو جائینگے۔ ساری

جوانی یونہی مٹادی بڑی ہمت والی اور بات کی پوری تھی ۔
ثروت ۔ ابھی عمر ہی کیا تھی غم دل نے کام تمام کر دیا چالیسواں سال بھی پورا نہ کر سکی اسکی حسین صورت آنکھوں میں پھرتی ہے ۔
ستارہ ۔ بہن تم تو خوش ہو کانٹا نکلا کھٹکا گیا ۔
ثروت ۔ توبہ کرو ستارہ میں اس غریب کی جوانمرگی پر کیوں خوش ہوں مجھ سے اس نے کیا چھین لیا تھا خدا گواہ ہے مجھے اُس کے مرنے کا دلی رنج ہے دل پر کسی کو اختیار نہیں وہ اُن سے محبت ہی تو کرتی تھی میں تو خوش تھی کہ کوئی میری طرح اور بھی انکا چاہنے والا ہے ایسے مخلص دوست اب اس دنیا میں کہاں ملتے ہیں جیسی مرحومہ تھی خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے بہت نیک دل ہستی تھی ۔
ستارہ ۔ خیر بہن تمہارا حوصلہ بھی بہت ہے کہ اُسکا رنج کرتی ہو جو سوکن بن تو نہ سکی لیکن اگر ذرا بھی بھائی ظفر توجہ کرتے یقیناً تمہارے سر پر آدھمکتی ۔
ثروت آرا ۔ پھر میرا کیا لیتی سچ مجھے بہت افسوس ہے اللہ نگار کے دنیا سے اس طرح نامراد اُٹھ جانے کا یہاں تو بیچاری نے زندگی کا کوئی سکھ نہیں دیکھا خدا وہاں کی اچھی کرے ۔
مہرالنساء ۔

بنا کردند رسمے خوش بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۶۴

قمری مہینے کی اوّل تاریخیں ہیں نکہت سبز مشکبار ہوا مستانہ روی سے چلکر غنچۂ دل کھلا رہی ہے ظفر جنگ دہلی میں پانچ سال سے ایگزیکیٹو کونسل کے قانونی ممبر تھے ابھی اُن کی سروس کا ایک سال باقی تھا لیکن پچھلے چند مہینے سے انکی طبیعت درست نہیں تھی ہر وقت سر میں ہلکا ہلکا درد رہتا تھا اس لئے دو مہینے سے چھٹی لیکر بمبئی عالیشان اور خوشنما شہر میں سمندر کے کنارے ایک خوشنما بنگلے میں فروکش ہیں یہاں کے اچھے ڈاکٹر کے علاج سے اُنکی طبیعت اب بالکل درست ہے پچھلی پُر ملال باتوں کو بھلا کر اِن دنوں وہ بہت مسرور ہیں کیونکہ اُن کا قابل ہونہار بیٹا اختر جنگ آئی سی ایس کے امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو کر دو روز ہوئے ولایت سے آیا ہے شکیل حسن بھی پی ایچ ڈی کی ڈگری لیکر آیا ہے۔ نشاط مسز نشاط صادقہ زیب النسا خسرو جنگ سب ان دونوں لڑکوں سے ملنے کے لئے آئے ہوئے ہیں اور ظفر جنگ کے مہمان ہیں۔ اس لئے دو منزلہ وسیع کوٹھی میں ماشاءاللہ تل رکھنے کی گنجائش نہیں۔ نزہت آرا اب ایک چھ مہینے کی بچی کی ماں ہیں صفدر اور مہر النسا تو ایک مہینے سے یہیں ہیں بھلا ظفر جنگ کو بغیر صفدر کے چین کہاں اُنکے اصرار سے صفدر نے بھی تین مہینے کی چھٹی لیلی اب سب

نشۂ خوشی سے چور اور بہت مسرور ہیں۔
اختر و شکیل کی کامیابی کی خوشی میں آج بہت بڑا ڈنر ظفر نے اپنے احباب اور بمبئی کے سربر آوردہ طبقے کو دیا ہے۔
سب مہمان تقریباً سوا سو کے قریب ہیں بمبئی کی اعلےٰ سوسائٹی کی روح کھنچ کر یہاں آگئی ہے کھانے کی میزیں چونکہ گرمی ہے کوٹھی کے وسیع صحن میں لگی ہوئی ہیں بٹلر بوائے سفید براق صافے باندھے چیکن پہنے انتظام میں مصروف اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے ہیں بینڈ کی سریلی صدا آنے والوں کا خیر مقدم کر رہی ہے ہر ایک کے موتھ سے شادمانی ٹپکی پڑتی ہے۔ اختر اور شکیل سیاہ شیروانی ٹوپی اور چوڑی دار پیجامہ زیب تن کئے آنے والوں کا استقبال کر رہے ہیں آٹھ بجے تک سب مہمان آگئے کھانا شروع ہوا بیگم ظفر جنگ سفید قیمتی ریشم کا غرارہ قمیص اور سفید شیفون کا کامدانی کا دوپٹہ پہنے ہوئے میزبانی کے فرائض بہت خوش اسلوبی سے ادا کر رہی ہیں۔ انگریزی ہندوستانی بیشمار کھانے لذیز پکوان برابر آرہے ہیں جن کو مہمان بہت شوق سے کھاتے اور تعریف کرتے جاتے ہیں۔
صفدر۔ ارے بھئی ظفر دیکھو یہ سہراب کیا حرکتیں کر رہا ہے۔
ظفر۔ سہراب کیوں کیا بات ہے بلا وجہ کیوں بے تحاشہ ہنسے جا رہے ہو۔
سہراب۔ اب کچھ نہ پوچھو تم نے صفدر کو میرے مقابل کیوں بٹھایا ہے۔ یہ ظالم کسی وقت بھی مذاق سے باز نہیں آتا اُس طرف جو بڑھیا بیگم صاحبہ بیٹھی ہیں اُن کے کھانے کی نقل موتھ بنا بنا کر اُتار رہا ہے مجھکو تو کھانا دوبھر ہو گیا کھاؤں یا ہنسوں۔
ظفر جنگ۔ ایں ایں صفدر یہ کیا بیہودگی ہے تمہارا مسخرا پن بعض وقت بہت بے موقعہ ہوتا ہے کوئی اور دیکھ لیگا تو کیا کہیگا۔

صفدر۔ آہستہ سے تم نے ان پوپلی بیگم کو بلایا کیوں؟ میں آدمی ہوں فرشتہ نہیں ہوں آخر ہنسی آنی ہی ہوگی

ظفر جنگ۔ اپنی عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو تمہارا لڑکپن کسی طرح نہیں جاتا وہ کمشنر رابرٹ کی ساس ہیں ان کے یہاں آئی ہوئی تھیں وہ ان کو بھی لے آئے رابرٹ دیکھ لیگا تو کیا کہے گا۔

صفدر۔ کہیگا تو کہا کرے اپنی ساس کے دانت ٹھیک کرکے کیوں نہ لگوائے چاہے کمشنر کی ساس ہو یا گورنر کی بندے تو یونہی نقلیں اتاریںگے بڑھیا کا بناؤ تو دیکھو اللہ رے نخرہ! بار بار رومال سے مونھ صاف کرتی ہیں۔ جیسے حسینان جہاں کی سرتاج یہی ہیں۔

نشاط۔ چپ بھی رہو صفدر کیا فضول بک بک لگائی ہے۔

صفدر۔ بجا ارشاد ہوا یہ فقرہ کہتے کہتے نشاط کے آگے جو سموسہ رکھا ہوا تھا خود اٹھا کر کھا گئے نشاط نے جو نیچی نظر کی تو سموسہ غائب تھا نشاط کے قریب جو یورپین خاتون بیٹھی ہوئی تھی اس نے قہقہہ لگا اور سب نے تالیاں بجائیں نشاط کھسیانے ہوکر رہ گئے

صفدر۔ نے اب خسرو جنگ کی جانب رُخ کیا بڑھیا میم صاحبہ اُن کے ہی قریب بیٹھی تھیں مسکرا کر کہا واللہ بھائی صاحب آپ کے مذاق کی داد دینے کو دل چاہتا ہے آپ کی ہمنشیں تو خوب ہیں۔ اللہ نے اپنے ہاتھ سے جوڑا بنایا ہے چاند سورج کی جوڑی ایسے ہی موقعوں بڑے لوگ کہتے ہیں انگریز اور بمبئی کے لوگ خاک اس پھبتی کا مطلب سمجھتے سب ان کا مونھ دیکھتے رہے۔ البتہ نشاط اور ظفر جنگ مسکرانے لگے۔

خسرو جنگ صاحب نے چیں بجبیں ہوکر فارسی میں کہا خاموش رہو صفدر تم بہت

بے تہذیب ہوا تنے بڑے مجمع میں ایسا بھونڈا مذاق کر رہے ہو۔

ظفر جنگ۔ مسکرا کر اختر اور شکیل کا تو لحاظ کرو۔

صفدر۔ اُن کو یہ سکھا رہا ہوں کہ ہنسی مذاق ہی زندگی کا سب سے ضروری جزو ہیں کھانا اب ختم ہو گیا تھا تکلف کے مہمان تھوڑی دیر بعد رخصت ہوئے چند بے تکلف احباب کو لیکر ظفر جنگ کوٹھی کی بالائی منزل کے برآمدے میں جا بیٹھے یہاں سے سمندر صاف نظر آتا تھا چاند کی شفاف کرنیں ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا بیرون چاندی گلا کر پانی میں بہادی گئی ہے۔ سب اس خوشنما منظر کا لطف اُٹھا رہے تھے ظفر جنگ کی فرمائش پر نشاط گا رہی تھی کہ صفدر کو کوئی شرارت سوجھی ظفر جنگ سے کچھ سرگوشی کر کے اور سب مہمانوں سے یہ معذرت کر کے کہ میری طبیعت ذرا مضمحل ہے سونا چاہتا ہوں اُٹھ گئے خسرو جنگ نے اُن کا جانا غنیمت جانا کیونکہ صفدر اُن کو بہت ستاتے تھے نشاط نے اپنا گانا ابھی ختم کیا تھا کہ ظفر جنگ کے بیرا نے آکر کہا حضور ایک لالہ جی آئے ہیں نواب صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔

ظفر جنگ۔ یہ ملنے کا کونسا موقعہ ہے کون بیوقوف گھس آیا کہہ دو صبح ملنا۔

بیرا۔ حضور میں نے تو پہلے ہی کہا تھا لیکن وہ کہتا ہے مجھے بہت ضروری کام ہے اور صبح دلی جاؤنگا۔

ظفر جنگ۔ یا وحشت خیر بھیج دو۔

چند منٹ بعد ایک لالہ جی جو ململ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے مع بڑی سی توند کے نمودار ہوئے اُن کی سیاہ فام صورت کو بڑی بڑی مونچھوں نے اور بھی بگاڑ دیا تھا لالہ جی نے سب کو جھک جھک کر فرشی سلام کئے اور

پھر خسرو جنگ سے مخاطب ہوکر بولے حضرت نواب صاحب جو کپڑا پارسال آپ نے ہم سے خریدا تھا اُس کے دام ابتک ہم کو نہیں ملے کئی بار آپ کو حیدر آباد بھی لکھا پر کوئی سندیسہ نہیں ملا۔
خسرو جنگ۔ حیران ہوکر لالہ جی میں تو تمکو پہلی بار آج دیکھا ہے تمہارا نام کیا ہے کہاں رہتے ہو؟
لالہ جی۔ نام تو میرا گوپی لال ہے اور دلّی چاوڑی بجار میں لالو جان طوائف کے کوٹھے کے نیچے میری دکان ہے چندر روج سے بیوپار کی کھاطر یہاں آیا ہوا تھا۔
خسرو جنگ۔ لالہ تم کو غلطی ہوئی ہے میں نے تم سے کپڑا نہیں لیا ممکن ہے میرا کوئی اور ہمنام ہو۔
گوپی لال۔ نو نار بہ ہاتھ پھیر کر واہ امیر آدمی ہو کر ایسی باتیں اپنے دام لیکر جاؤنگا۔
خسرو جنگ۔ یہ اچھی زبردستی ہے میں نے شکل نہیں دیکھی تم دام مانگتے ہو۔
گوپی لال۔ واہ صاحب پانچ سو کا کپڑا خریدا اور بھول گئے میں تو اپنے دام لیکر جاؤنگا
خسرو جنگ۔ بھائی تیرا دماغ خراب ہوا ہے جو شریف آدمیوں کے سر ہوتا ہے۔
گوپی لال۔ اجی دماگ آپ کا کھراب ہوگا جو لیکر بھول جاتے ہیں۔
خسرو جنگ۔ غصے میں بھرائی ہوئی آواز سے نکل بدذات یہاں سے ورنہ ابھی تیرا جلوس نکال دونگا بدمعاش ٹھگ کہیں کا۔
گوپی لال۔ روتی آواز سے دہائی ہے سرکار کی میں لٹ گیا۔
خسرو جنگ۔ غصے میں لال پیلے ہو رہے تھے اتنے سارے لوگوں کے سامنے ناحق یہ رسوائی ہو رہی تھی تاب نہ لائے بیٹے کے ایک تھپڑ مار دیا۔
گوپی لال۔ غل مچا کر ارے رام مار ڈالا
ظفر جنگ۔ ہائیں ہائیں بھائی صاحب کیا کرتے ہیں آپ! معلوم ہوتا ہے یہ

بنیا شراب پی کر گھس آیا ہے ابھی نکلوائے دیتا ہوں لیکن خسرو جنگ کا نوابی کا جلال اب پوری شان پر تھا انھوں نے ایک دشنی اور گوپی لال کا کان پکڑ کر باہر نکالنا چاہا کان کے ساتھ لانبی مونچھ بھی اتر کر خسرو جنگ کے ہاتھ میں آ گئی اور گوپی لال قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اب خسرو جنگ سمجھے کہ یہ میاں صفدر ہیں سب لوگ جو اب تک اس سوانگ کو حیران و ششدر دیکھ رہے تھے، ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔
صفدر نے کہا کیوں بھائی صاحب شرط ہے کہ ہتک عزت کی نالش کروں بقصور آپ نے مجھے ایسا طمانچہ مارا کہ ابھی تک گال جھنجنا رہا ہے۔
خسرو جنگ۔ بس کرو صفدر تم بہت نالائق ہو اس وقت سے میرا دماغ تم نے پریشان کر دیا تھا تمہاری شرارت کی سزا تم کو مل گئی۔ ان دلچسپ باتوں میں بارہ بج گئے اور سب مہمان رخصت ہوئے چند مہینے بعد ظفر جنگ کو پنشن مل گئی ان کی حسن خدمات کے ریکارڈ گورنمنٹ آف انڈیا میں بہت اچھے تھے ظفر جنگ کو بمبئی اتنی پسند آ گئی کہ انھوں نے وہیں رہائش اختیار کر لی سمندر کے کنارے ایک بہت بڑی کوٹھی خرید لی بمبئی کی دلکش شام اور اپالو بندر کے جھمگھٹے انکو دل سے پسند تھے ثروت آرا بمبئی کی اعلیٰ سوسائٹی میں بھی نمایاں شہرت کی مالک اور ہر دلعزیز تھیں معزز طبقے کی خواتین یہاں بھی انکو آنکھوں پر بٹھاتی تھیں کئی ادبی اور اصلاحی انجمنوں کی وہ روح رواں تھیں۔

صبح کا سہانا سماں ہے ظفر جنگ کو پنشن لئے ابھی چار مہینے ہی ہوئے ہیں ثروت صبح کی چائے کے بعد بیٹھے ہی تھے کہ صفدر جو اب پنشن لیکر بمبئی آ گئے تھے اور ظفر کے پاس ہی تھے مسکراتے ہوئے آئے اور کہا لو بھئی ظفر مبارک!
ظفر جنگ۔ صبح ہی صبح کس بات کی مبارکباد دے رہے ہو
صفدر نے ٹائمز آف انڈیا کا تازہ پرچہ الٹ پلٹ کر ایک صفحہ پڑھنا شروع

کہا "نواب ظفر جنگ جنکی قومی خدمات کی پبلک اور گورنمنٹ آف انڈیا معترف ہی اُنکی بیدار مغزی پر بھروسہ کرکے اور قومی ریفارمر سمجھ کر گورنمنٹ آف انڈیا نے اُنکو پارلیمنٹ برطانیہ کا انڈیا کی طرف سے ممبر منتخب کیا اور ساتھ ہی اُنکی حسن خدمات کے صلے میں سر کا خطاب دیا ہم نواب سر ظفر جنگ کو اس ڈبل کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ نواب صاحب پارلیمنٹ برطانیہ میں بھی اپنے ملک و قوم کی بہتری کے لئے کام کرینگے"

ظفر جنگ۔ لیکن مجھے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی اور اخبار میں آ بھی گیا۔

ثروت آرا۔ اخبار میں غلط خبر کیسے آسکتی ہے اور وہ بھی ٹائمز میں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بیرا نے ایک تار ادب سے لاکر پیش کیا۔

ظفر جنگ نے پڑھکر مسرت بھرے لہجے میں کہا ہاں یہ خبر صحیح ہے وزیر اعظم برطانیہ کا تار ہے اسی عہدے پر تقرر کی اطلاع اُنھوں نے مجھے دی ہے اور ہدایت کی ہے کہ آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ کو مجھے اپنا کام سنبھال لینا چاہیئے۔ یہ خبر بجلی کی طرح بمبئی میں پھیل گئی اور ظفر جنگ کے احباب کا وسیع حلقہ جوق در جوق مبارکباد دینے کے لئے آنے لگا۔ نزہت آرا مسعود جنگ کے پاس حیدرآباد تھیں اختر جنگ کی شادی زیب النسا کی چھوٹی لڑکی فلک آرا سے ولایت سے آنے کے بعد تین مہینے بعد ہو گئی تھی اور اب وہ مع بیوی کے اپنی ملازمت پر سیتاپور میں تھے ثروت جنگ کو ولایت گئے ایک سال ہو چکا تھا صرف سطوت آرا جن کی شادی فرخندہ کے لڑکے بیرسٹر ہمایوں بخت سے ایک مہینہ قبل ہوئی تھی مع شوہر کے والدین پاس تھی ہمایوں بخت بمبئی میں پریکٹس کرتے تھے۔ تار دیکھ کر ظفر جنگ نے نزہت اختر فلک نشاط صداقت زیب النسا کو تار دیا۔ ثروت آرا دہلی چار دن کے لئے باپ سے ملنے گئیں وہ آجکل بہت کمزور ہو گئے تھے نواب میر کے پرانے

عارضے نے ان کو ستا رکھا تھا سفر کرنے کے قابل نہ تھے۔ دو ہفتے کی تیاری کے بعد ظفر جنگ مع بیوی کے ولایت سدھارے صفدر مہر النسا نشاط منزل نشاط مع حورطلعت کے اختر جنگ نزہت سطوت فلک سیر کے لئے سبھا کی موٹر اٹھا کر ساتھ لے گئے صادقہ زیب النساء ولی واپس گئیں۔

بیگم صاحبہ اختر کی شادی کے بعد مکہ معظمہ حج کرنے کے لئے گئی تھیں انکا ارادہ دوسرا حج کرنے آنے کا تھا اس لئے مدینہ منورہ میں تھیں اظہر محل میں حشمت وغیرہ کے سپاہی منشی وغیرہ تھے بمبئی کی کوٹھی کا ایک حصہ ہمایوں بخت کے لئے کھلا رہا باقی مقفل کر کے دو نوکر ایک چوکیدار اسکی حفاظت کے لئے ثروت آرا نے چھوڑے جہاز چودھویں روز بندرگاہ پر لگا یہاں ظفر جنگ کے وہ کلاس فیلو دوست خیر مقدم کے لئے آئے تھے جو زمانہ طالب علمی میں انکے ساتھ رہے تھے خصوصاً چارلس جو ایک شاہی رسالے کے کرنل تھے بہت جوش وخروش سے ملے ثروت جنگ جمیل حسن اور صادقہ کا چھوٹا لڑکا سلیم احمد بھی کیمبرج سے ان سے ملنے کے لئے آئے۔

ظفر جنگ کو نو سرکاری کوٹھی مل گئی صفدر اور نشاط ہوٹل میں دو مہینے رہے پھر یہ سب قافلہ واپس ہوا صرف سطوت رہ گئی اسکی حالت سفر کرنے کے قابل بھی نہ تھی حمل سے تھی اور خون کی کمی کی شکایت تھی اس لئے اسکو ڈاکٹروں نے ولادت ہو جانے تک سفر کرنے کی ممانعت کر دی۔

یہ سب پہلے مصر گئے پھر وہاں سے مکہ معظمہ پہونچے حج کیا بیگم صاحبہ سے ملے وہ ان سب کو دیکھ کر خوش ہوئیں ان کو لیکر مدینہ کربلا بغداد شریف ہوتے زیارتیں کرتے پورے چھ مہینے بعد بمبئی پہونچے دہلی ایک ہفتہ رہ کر سفر کی تکان اتار کر سب اپنی اپنی جائے قیام پر سدھارے۔

٦٥

نزہت آرا اپنی سسرال حیدر آباد میں خسرو کیسل کے ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں مخملی صوفے پر نیم دراز ہیں ہاتھ میں آج کا اخبار ہے اور وہ اسکو دیکھنے میں منہمک ہیں پاس ہی اُن کی شیر خوار بچی گیتی آرا کو آیا کھلونوں سے کھلا رہی ہے دروازہ کھلا اور اُن کے انہماک کو ان کی بوڑھی مغلانی کی آمد نے توڑ دیا جو مع ایک نوجوان عورت کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ مغلانی اللہ پندرہ دن کا کہہ کر گئی تھیں پورے مہینے کے بعد آئی ہو نزہت نے کہا۔

ہاں کیا کروں موئے جاڑے بخار نے ایسا ستایا کہ آپ سے چھوٹا ہونا پڑا مغلانی نے ہانپتے ہوئے برقعہ اُتار کر جواب دیا۔

یہ تمہارے ساتھ کون ہیں نزہت نے پشمینہ ساڑی میں لپٹی ہوئی عورت کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

یہ ایک شریف مصیبت زدہ لڑکی ہے مغلانی نے جواب دیا اور لڑکی سے کہا بیٹی آرام سے بیٹھو مونھ اونچا کرو۔

اُس نے مونھ اونچا کیا تو نزہت آرا نے دیکھا ایک بالکل نوعمر سانولی سلونی صورت کی جامہ زیب لڑکی ہے لیکن اس کو تو کہیں دیکھا ہے۔ کب؟ کہاں؟ یہ

یاد نہ آتا تھا مہربانی کے لہجے میں نزہت نے کہا بیٹھو بہن کہاں کی رہنے والی ہو اس عمر میں تمکو گھر سے نکلنے کی کیا وجہ پیش آئی۔ مغلانی یہ تمکو کہاں ملیں۔

مغلانی نے کہا بیوی میں تو مرادآباد کے اسٹیشن پر جب سوار ہونے کو آئی تو انکو کھڑے ہوئے اور روتے پایا انکی بھولی صورت اور جوانی پر رحم آیا یہ کہتی ہیں ان کا کوئی نہیں ہے ایک شوہر تھا وہ بھی در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اُن کو چھوڑ کر چلا گیا اس لئے ان کو میں اپنے ساتھ لے آئی آپ کو لباس رکھنے والی کی ضرورت تھی یہ میرے خیال میں کام اچھی طرح انجام دے سکیں گی۔ باقی حال آپ اُن سے پوچھ لیجئے۔

نووارد عورت بغور نزہت کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی ان کو پہلے دیکھ چکی ہے آخر اُس نے رُکتے رُکتے سوال کیا کیا آپ دہلی کی رہنے والی ہیں آپ کا کیا نام ہے؟

نزہت۔ ہاں بہن میں دہلی کی ہی ہوں حیدرآباد تو بیاہ کر آئی ہوں اور میرا نام نزہت آرا ہے۔

نووارد عورت۔ آہ نزہت باجی! مجھے قسمت لائی بھی تو آپ کے پاس مگر میں کیا اتنی بدل گئی ہوں کہ آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔

نزہت۔ بہن یاد پڑتا ہے تمکو دیکھا ضرور تھا تمہاری آواز بھی کانوں کو آشنا معلوم ہوتی ہے ٹھہرو مجھے یاد آگیا تم وہ بیلے تو نہیں ہو جس نے سات مہینے الگزنڈرا ہائی اسکول میں پڑھا تھا۔

نووارد عورت۔ ہاں ہاں میں ہی بد نصیب ذلیل و رسوا بیلا ہوں جو اپنی ذلیل عادت کی وجہ سے اسکول سے نکالی گئی تھی کاش میں مرجاتی اور یوں کلنک کا ٹیکا اپنے خاندان اور نامور باپ کے نام پہ نہ لگاتی۔

نزہت نے مغلانی اور آیا کو ہاتھ سے باہر جانے کا اشارہ کیا لیلےٰ کو ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور کہا لیلےٰ اچھ سال بعد مینے تمکو دیکھا اور پھر ساڑی میں دیکھا اسلئے جلدی نہ پہچان سکی تم اس طرح گھر سے کیوں نکلیں تمکو اس حال میں دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا پچھلی مرتبہ جب میں دلی گئی تھی تو مینے یہ سنا تھا کہ تم بہت علیل رہی تھیں اور تمکو تمہارے والد کلکتے علاج کے لیئے لے گئے تھے وہاں سے اچھی ہو کر تم آگئی تھیں اور تمہاری شادی ہونے والی تھی پھر یہ کیا ہوا؟ جو تم اب اس قدر پریشان حال ہو گیا تم پر گذری مفصل سناؤ۔

لیلےٰ نے سرد آہ بھر کر کہا سناؤنگی آپ کو میں نزہت باجی اپنی تباہی کی شرمناک داستان الھڑ لڑکیوں کو یہ پڑھے لکھے چلتے ہوئے نوجوان کسی طرح دھوکا دیتے ہیں اور کیسے انکی کمزور فطرت سے فائدہ اٹھاتے ہیں سب سناؤنگی میری کہانی ایک روداد عبرت ہے ان ہی بھولی لڑکیوں کی جنکو لڑکپن میں اچھی تربیت نہیں ملتی اور جو گندے بازاری عشق کی جھوٹی کہانیاں پڑھ کر خود بھی وہ کھیل کھیلنا چاہتی ہیں اور ہیروئن بننے کی خواہشمند ہوتی ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے میری ماں ایک طوائف تھی جو مجھکو تین سال کا چھوڑ کر نکل گئی اباجان نے دوسری شادی پھر ایک سیدانی سے کی میری سوتیلی ماں بیچاری بہت نیک اور پاکیزہ خیال کی خاتون ہیں جیسی کہ شریف گھرانوں کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ میری فطرت تو خراب تھی ہی اور دادی اماں مرحومہ کے بیجا لاڈ نے اور بھی مجھکو بگاڑ دیا سوتیلی ماں کو وہ بالکل کچھ نہ کہنے دیتی تھیں اگر کسی بات پر وہ مجھے ٹوک دیتیں تو دادی اماں انکے پیچھے پڑ جاتی تھیں اسلئے وہ بیچاری میری تمام بیہودگیوں کو صبر سے برداشت کرتی رہیں اور میری عادتیں عمر کے ساتھ بگڑتی ہی چلی گئیں دس گیارہ برس کی عمر تک مینے قرآن پاک ختم نہیں کیا البتہ قصہ کہانیوں کے شوق میں اردو خاصی پڑھنے لگی اور ٹوٹا پھوٹا لکھ بھی

لیتی تھی اور جب میں بارہ سال کی ہوئی تو ادھر اُدھر سے چٹ پٹے ناول اُٹھتی جوانی، میٹھی چھری، دہاتی دوپٹہ وغیرہ مینے لیکر پڑھنے شروع کردیئے ابا جان جو مجھکو ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا راشد الخیری کی تصانیف لاکر دیتے تھے وہ میں دیکھتی بھی نہیں تھی بھلا یہ خشک پند ونصائح سے لبریز کتابیں میرے کس کام کی تھیں۔ میں تو ہیروئن بننے کی فکر میں تھی اور آئینے کے سامنے گھنٹوں اپنے کو ناقدانہ نظر سے دیکھنے کے بعد مینے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ میں ہیروئن بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہوں میرا رنگ کھلتا ہوا سانولا تھا میرے خط وخال دلکش تھے آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں بال لانبے اور گھنے تھے جسم چھریرا تھا قد موزوں تھا پھر میں کیوں نہ ہیروئن بنتی لیکن سوال یہ تھا میرا ہیرو کہاں ہے؟ جسوقت مینے اپنی عمر کے چودھویں سال میں قدم رکھا تو مجھے ان لغو ناولوں کی بدولت وہ سب باتیں آگئیں جو مجھ سے بڑی عمر والی شریف لڑکیاں بالکل نہیں جانتیں شام کو روزانہ بن سنور کر اکثر میں کوٹھے پر چڑھ جاتی اور آنے جانے والوں کو مسکرا مسکرا کر دیکھا کرتی اماں بی مجھکو منع کرتی رہتی لیکن میں اُن کی نہ سنتی تھی۔ دادی جان اُلٹا بہو سے لڑتی تھیں اور وہ غریب خاموش ہو جاتیں آخر سامنے کے گھر والے وکیل صاحب کے لڑکے سے مینے پینگ بڑھانے شروع کر دیئے گھنٹوں ہم دونوں کوٹھے پر کھڑے اشارے کرتے رہتے لیکن اس میل جول کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ اچانک اُس لڑکے کو اُسکے والد نے پڑھنے کے لیے کہیں باہر بھیج دیا مجھے اُسکے جانے کا بہت صدمہ ہوا کئی دن تک میں روتی رہی اور کوٹھے پر بھی نہ گئی لیکن کچھ دن کے بعد پھر میں اپنے معمول کے مطابق ہیرو کی تلاش میں لگ گئی دادی جان کا انتقال ہوگیا اور اب اماں بی مجھ پر ہر وقت روک ٹوک کرنے لگیں اور ابا جان سے انھوں نے کہا صاحب تمہاری لڑکی کے طور طور ایسے ہیں کہ میں کیا کہوں تمہاری اماں نے اسکا لاڈ میں ستیاناس کردیا یا تو

اسکا کہیں تم جلدی سے نکاح کر دو ورنہ کچھ اور انتظار کرو میرا نام بدنام ہوگا اسکی حرکتیں دیکھ کر میں جلی جاتی ہوں۔

"تم تو چاہتی ہو کہ وہ بڑی بوڑھیوں کی طرح ہر دم مٹھی رہے ابھی بچہ ہے ایک دو سال بعد ذرا سمجھ آجائیگی تو وہ تمہارے کہنے پر چلیگی نکاح اتنی سی لڑکی کا کیسے کر دوں ابھی تو پندرھویں سال میں اُس نے قدم رکھا ہے پھر کنیے میں تو کوئی کریگا نہیں اسلئے کہ اسکی ماں خاندانی نہ تھی اور ہر اُدھر دیکھ کر کرونگا ایک دم کہاں دھکا دیدوں ابا جان نے ذرا برہم ہوکر کہا" اچھا تو میرے خیال میں الگزنڈرا ہائی اسکول کے بورڈنگ میں اسکو داخل کر دو وہاں سنا ہے ایسا اچھا انتظام ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا اور پڑھائی کا تو کیا کہنا میری بھتیجی سلیلے نے صرف آٹھ جماعت تک پڑھا ہے۔ ماشا اللہ فر فر انگریزی بولتی ہے اچھا ہے وہاں کچھ پڑھنا لکھنا اسکو آجائیگا ڈھنگ سلیقہ بھی سیکھ جائیگی اماں بی نے زوردار انداز سے کہا۔

ہاں یہ بات تم نے ٹھکانے کی کہی والد نے خوش ہوکر کہا اور دوسرے روز ہی مجھے الگزنڈرا ہائی اسکول میں داخل کر دیا اور میں بورڈنگ میں رہنے لگی۔ مس الگزنڈرا نے مجھکو والدین کے کہنے سننے سے ساتویں کلاس میں لے لیا تھا ورنہ قابلیت مجھ میں چھٹے کلاس کی بھی نہیں تھی بیچاری بڑی محنت سے ایک گھنٹے روزانہ خود مجھکو انگریزی پڑھاتی تھیں حساب بھی تھی مجھے الگ اسپیشل کلاس میں سکھایا جاتا تھا اس علمی فضا اور ان مشاغل میں بھلا میرا وحشی دل کیسے لگ سکتا تھا بہت گھبرائی تھی نہ یہاں بناؤ سنگھار کرنے کے لئے وقت ملتا تھا نہ سیر و تلاش کرنے کی آزادی تھی میں بالکل بے بس اور مجبور تھی گھبرا گھبرا کر رہ جاتی تھی کاش قسمت نے شیام بابو کی صورت میں مجھے دھوکا نہ دیا ہوتا تو ممکن تھا کہ کچھ عرصے بعد اچھی صحبت مجھے انسان بنادیتی لیکن تقدیر جب کسی کی بری ہوتی ہے تدبیر

کارگر نہیں ہوتی میرے لئے بھی ایسا ہی ہوا ہریش بابو بیمار ہوئے اور اُنکے خوشرو گریجویٹ نوجوان صاحبزادے اُنکی جگہ آنے لگے ہیں جو فیس وہ دیتے تھی تو اور لڑکیاں تو فیس دیکر چلتی ہوئیں لیکن میں شیام بابو کی صورت ہی دیکھتی رہ گئی اُنھوں نے جو مجھے اسطرح حیران کھڑے دیکھا مہربانی سے کرسی سرکادی اور مسکراکر کہا مجھے آپ کچھ تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہیں تشریف رکھیئے۔ ہاں آج میری طبیعت کچھ مضمحل سی ہے میں نے گھبراکر کہا۔

تو پھر کچھ دیر آرام کر لیجئے کرسی پر بیٹھ جایئے انھوں نے مجھ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

جی نہیں شکریہ ! میں جارہی ہوں اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے آپ کیا کل بھی آئینگے میں نے جلدی سے کہا۔

ہاں محترمہ پتا جی دو مہینے کے لئے آرام کرنے پہاڑ پر گئے ہیں جبتک مجھے یہاں آنا پڑے گا ابھی تو انکو گئے ایک ہفتہ ہی ہوا ہے ہریش بابو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور میں چلی آئی۔

دوسرے روز میں پھر ٹالے بالے دیکر وقت نکال کر پہونچی شیام بابو کا خوبصورت چہرہ مجھے دیکھ کر پھول کی مانند شگفتہ ہو گیا اور وہ کرسی سے اُٹھ کر بولے بڑا کرم کیا آپ نے کہ آج پھر آگئیں میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔

اچھا میں نے مسکراکر کہا۔

میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں فرمایئے انھوں نے اپنی مخمور آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر کہا۔

مجھے یہاں دل بہلانے کو اچھی کتابیں نہیں ملتی کچھ کتابیں آپ پاس ہوں تو لادیجئے۔ اسکول کی لائبریری میں بہترین کتابیں موجود ہیں پھر آپ کو اور کونسی کتابیں پسند

ہیں شیام بابو نے متعجب ہو کر سوال کیا۔

وہ سب تو ایسی خشک کتابیں ہیں جنکو دیکھنے سے دل گھبراتا ہے مجھے تو ناول پسند ہیں میں نے جواب دیا۔

اچھا تو یوں کہیے کہ آپ بھی میری طرح ناولوں کو پسند کرتی ہیں میرے پاس کئی انگلش ناولوں کے دلچسپ ترجمے ہیں میں آپ کے لیئے کل لیتا آؤنگا شیام بابو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

میں نے کہا شکریہ اور جانے کے لیئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

ہاں آپکا نام کیا ہے یہ تو فرمایئے اُنھوں نے سوال کیا۔

لیلےٰ میں نے جواب دیا۔

خوب آپکا نام کسی نے خوب تجویز کیا ہے کتنا پیارا نام ہے لیلےٰ شیام نے شوخ لہجے میں کہا۔ اور میں نے لجاتی ہوئی ایک نظر اُن پر ڈالی اور چلی آئی۔

دوسرے روز شیام بابو جو کتابیں لائے اُس میں زہر عشق بھی تھی اب میں نے معمول باندھ لیا روزانہ ایسے وقت اُن کے پاس جاتی جب وہ بالکل تنہا ہوتے دن بدن وہ بے تکلف ہوتے جارہے تھے کبھی کبھی میرے سامنے ایسے شوخ فقرے کہہ جاتے کہ میں شرم کے مارے پسینے پسینے ہوجاتی لیکن میں اُن کی کسی بات کا برا نہیں مانتی تھی جس دن بھی اُن سے نہ مل سکتی بے چین رہتی یونہی کافی دن گذر گئے نسر میں بہن بہت عقلمند تھیں اُنھوں نے مجھے اس طرح آتے جاتے دیکھ لیا اور پھر میرے پاس شیام بابو کی تصویر دیکھ لی اور آپ سے کہدیا مس الگزنڈرا تک خبر پہونچی اور اُنھوں نے فوراً مجھے والد کے ہمراہ گھر بھیجدیا اسکول سے اس طرح ذلیل ہو کر نکلنے پر مجھے اگر میں خود دار ہوتی ضرور کچھ شرم اور میں اپنے کو آئندہ رسوا ہونے سے بچالیتی لیکن میں اسکول سے جانے پر رنجیدہ ضرور تھی مگر اپنی بدنامی پر نہیں بلکہ اس لئے کہ شیام بابو

سے اب نہ مل سکونگی کتنے غلط راستے پر میں چل رہی تھی اس کا احساس مجھے اب بھی نہیں ہوا گھر آکر واقعی میں بیمار ہوگئی ہر وقت سر منھ لپیٹے شیام بابو کے تصور میں کھوئی ہوئی پڑی رہتی تھی اور بیچاری اماں بی مجھکو واقعی بیمار سمجھکر بڑی محبت سے میری تیمارداری کرتی رہتی تھیں اور اسی طرح دو سال گذر گئے میں اب شیام بابو کو کچھ بھول چلی تھی اور زندگی میں پھر دلچسپی لینے لگی تھی لیکن میری بدقسمتی نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا ایک روز شام کو ایک ہندنی میلی سی ساری پہنے ادھر اُدھر دیکھتی دبے پاؤں میرے پاس آئی گرمی کا موسم تھا میں باہر پلنگ پر بیٹھی تھی اماں بی باورچی خانے میں تھیں اس عورت نے خط میرے ہاتھ میں دیا اور چپکے سے کہا جواب لکھ رکھنا کل اسی وقت لیجاؤنگی وہ تو یہ کہکر چل دی میں نے خط کمرے میں جاکر پڑھا شیام بابو کا تھا اُنھوں نے لکھا تھا:-

”لیلے! میں تمکو ابھی تک نہیں بھلا سکا اور نہ شاید زندگی بھر بھلا سکونگا کلکتے میں آجکل ملازم ہوں لیکن تم سے ملنے اور تمکو پانے کی بابت میں ہمیشہ سوچتا رہا ہوں اگر تمہارے دل میں اب بھی میری محبت باقی ہے تو ہمارے ملنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ تم اپنے کو بیمار کرلو جوڑوں میں درد بتاؤ اور جب یہاں کے ڈاکٹروں کے علاج سے فائدہ نہ ہو تو تم اپنے والد سے کہو کلکتے چلو وہاں اس کا علاج ایک ڈاکٹر کرتا ہے میرا ایک دوست کلکتے میں ڈاکٹر ہے۔ اس کے ذریعہ سے ہماری ملاقات ہو سکے گی۔“

میں نے خط کے جواب میں صرف اتنا لکھدیا میں تمہاری تجویز پر عمل کرونگی

دوسرے دن وہ عورت آئی تو اسکو دیدیا اور دو تین دن بعد میں پھر بیمار بن گئی رات دن ہائے ہائے کرتی رہتی تھی بظاہر کوئی بیمار نہ تھی لیکن میں کہتی تھی کہ میرے تمام جوڑوں میں ایسا درد ہے کہ دم پر بنی ہوئی ہے روزانہ ڈاکٹر آتے تھے دوائیں دی جاتی تھیں لیکن مجھے فائدہ نہ ہوتا تھا مرض ہوتا تو فائدہ ہوتا وہ تو فریب تھا آخر

میں نے کہا دہلی کے ڈاکٹروں کے علاج سے یہ درد اچھا نہ ہوگا کلکتے میں اس کا علاج ہے میری ایک کلاس فیلو لڑکی کو یہی درد تھا کلکتے کے کسی ڈاکٹر کے علاج سے اسکو فائدہ ہوا میں اُس سے اس ڈاکٹر کا پتہ منگا لونگی والد بیچارے میری محبت کی خاطر کلکتے چلنے کو تیار ہو گئے لیکن مشکل یہ آپڑی کہ کچھ دن بعد اماں بی کے یہاں ولادت ہونے والی تھی وہ اس حالت میں سفر نہیں کر سکتی تھیں مگر میری رات دن کے ہائے ہائے سے تنگ آکر والد نے اماں بی اُنکی ماں بہن کو چھوڑا اور مجھکو لیکر مع بڑی چچی اماں کے کلکتے گئے چچی اماں بہت اونچا سنتی ہیں اور ویسے بھی بالکل سیدھی سادھی پرانے زمانے کی خاتون ہیں وہ میری چالاکی کو کیا سمجھ سکتی تھیں وہ ہندو عورت ضرور ہفتے میں ایک دو بار آتی تھی اور میں نے اماں بی سے کہہ دیا تھا کہ اسکول کی ایک ہندو اُستانی اسکو میری خبریں دریافت کرنے کو بھیجتی ہیں اس کی معرفت میں نے شیام کے دوست ڈاکٹر کا پتہ منگا کر والد کو دیا اور جس روز کلکتے کی روانگی تھی اس کی شیام کو اطلاع دیدی وہ بھی اس ٹرین سے ہی کلکتے روانہ ہوا والد مردانے میں تھے میں اور چچی اماں زنانہ درجے میں. شیام ہر اسٹیشن پر اترتا اور ہمارے درجے کے سامنے ٹہلتا رہتا تھا رات کو جب چچی اماں سوتی ہوئی تھیں ہم دونوں ہر اسٹیشن پر باتیں کرتے رہے کلکتے پہونچ کر ہم ایک ہوٹل میں ٹھہرے اور والد جاکر شیام بابو کے دوست ڈاکٹر کو بلا لائے اُنھوں نے آکر مجھے دیکھا اور کہا آپ کی صاحبزادی کے جوڑوں کی ہڈیوں میں درد ہے اس کا علاج میرے دوست ڈاکٹر شیام اچھا کر سکیں گے وہ ابھی ولایت سے خاص اس مرض کے ماہر بنکر آئے ہیں میں اُنکو بھیج دونگا شام کو شیام ڈاکٹری کا بیگ اُٹھائے مسکراتے ہوئے آموجود ہوئے پردیس میں بھلا پردہ کون کرتا ہے اور میں تو مریضہ تھی اور وہ ڈاکٹر اُنھوں نے مجھے خوب اچھی طرح دیکھا اور والد سے کہا جناب ابھی تو یہ مرض

خطرناک نہیں ہے ہاں کچھ روز اگر علاج ٹھیک نہ ہوتا تو یہ خطرناک ہو جاتا اس مرض کو دوا سے نہیں بجلی لگانے سے آرام ہوگا پورے تین مہینے کا علاج ہے ہفتے میں ایک مرتبہ بجلی لگائی جائے گی۔

والد نے کہا خیر میری لڑکی بچ جائے غنیمت ہے یقین ہے روپیہ بہت صرف ہوگا

مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے آپ اتنی دور سے تشریف لائے ہیں اسلئے میں آپ سے بالکل فیس نہیں لونگا صرف بجلی کا جو صرف ہوگا وہ آپ سے لیا جائیگا اسکا بل غالباً پانچسو سے زیادہ نہیں ہوگا اور آپ ہوٹل میں نہ ٹھہریئے میں تو اکیلا آدمی ہوں میرے پاس تین کمروں کا فلیٹ ہے ایک کمرہ میرے لئے کافی ہے آپ میرے گھر پر ہی تشریف رکھیں شیام بابو نے مہربانی آمیز لہجے میں کہا۔

والد نے کہا ڈاکٹر صاحب ایک تو آپ فیس نہیں لیں گے اور پھر گھر میں ہم سب کو رکھ کر بھی آپ تکلیف اٹھائیں یہ میں پسند نہیں کرتا آپ کی یہی مہربانی کافی ہے کہ میری لڑکی کو آرام ہو جائے۔

شیام بابو نے کہا دیکھئے آپ بھی دہلی سے تشریف لائے ہیں اور میں بھی دہلی کا ہوں ہموطن ہونے کے لحاظ سے اگر میں آپ کا خیال کر دوں تو یہ بیجا نہ ہوگا اور آپ کے رہنے سے تو مجھے آرام ملیگا کمبخت نوکر بھاگ گیا ہے کھانا ہوٹل سے کھانا پڑتا ہے آپ ہونگے تو وقت پر مزے دار کھانا ملیگا اور مجھے گھر جیسا آرام آپکی بدولت میسر ہو جائیگا۔

والد نے کہا بیٹا آپ بڑے اچھے نوجوان ہیں خدا آپ کی کمائی میں برکت دے اچھا دو چار دن بعد میں آپ کے پاس آجاؤنگا آپ بیلا کا علاج تو شروع کر دیجئے۔

اور شیام نے کہا نہیں قبلہ آپ کل صبح ہی میرے گھر چلنے کو تیار ہو جائیے۔ میں صبح نو بجے آپ کو لینے آؤنگا اور مجھ پر ایک محبت بھری نظر ڈال کر وہ رخصت ہوا۔

دوسرے روز صبح ہی اپنا مختصر سامان سمیٹ کر ہم سب تیار ہو بیٹھے اور شیام

نو بجتے ہی آ موجود ہوا اور ہم سب کو اپنے فلیٹ میں لے گیا اپنے لئے ایک کمرہ اس نے لیا ایک ہم کو دیدیا ایک کمرے میں کھانے کی میز بھی لگی ہوئی تھی اور ایک صوفہ سٹ بھی پڑا تھا گویا کھانے اور بیٹھنے کا مشترکہ کمرہ تھا ہم کو فلیٹ میں چھوڑ کر وہ اپنے آفس چلا گیا وہ کسی تجارتی فرم کا ایجنٹ تھا مگر والد اسکو ڈاکٹر سمجھے تھے ہم سب اپنی جگہ مطمئن خوش تھے۔ والد اس لئے کہ میرا علاج ٹھیک ہو رہا تھا۔ میں شیام سے ملکر۔ چچی اماں اور کریمن بوا اپنی خانہ داری اور کھانے پکانے میں۔

بجلی لگانے کے لئے شیام بابو مجھے اپنے ڈاکٹر دوست کی دکان پر تین بجے لے گیا والد باہر برآمدے میں بیٹھے رہے اور میں اور شیام اندر کمرے میں ایک گھنٹے خوش گپیاں کرتے رہے یونہی تین مہینے تک ہوتا رہا ہفتے میں ایک مرتبہ بجلی لگائی جاتی رہی اکثر ایسا ہوتا کہ میں تنہا ہی شیام کے ساتھ چلی جاتی اور ادھر ادھر گھوم کر گھر ایک گھنٹے بعد پہونچ جاتی میری صحت واقعی ہر وقت کی خوش دلی اور تفریح سے بہت بحال ہوگئی رنگ نکھر گیا اتوار اور چھٹی کے دن اکثر شیام بابو ہم سب کو پکنک کے لئے باہر لیجاتے تھے اور دو تین مرتبہ سینما بھی گئے اور والد کو بہت اصرار کرکے لے گئے شیام کا کھانا چائے سب ہمارے ساتھ تھا راتوں کو بھی ہم اکثر ملتے رہتے تھے شیام کی محبت نے مجھے بالکل اندھا کر دیا تھا اور میں اپنا سب کچھ اُس کو سونپ چکی تھی انجام سے بے خبر حال میں مگن تھی تین مہینے آنکھ بند کرتے گذر گئے۔ والد نے شیام سے پوچھا اب تو لیلےٰ بالکل ٹھیک ہے اور انھوں نے کہا ہاں۔ والد دہلی آنے کی تیاری کرنے لگے سوغات خریدنے بازار گئے تو میں نے شیام کے سامنے رو رو کر جل تھل بھر دیئے اور اُس نے محبت سے مجھے گلے لگا کر کہا ایسی پاگل نہ ہو اس طرح افشائے راز کا خوف ہے اب تم گھر جاؤ میں بھی ایک مہینے بعد رخصت پر آؤنگا پھر کچھ تدبیر کرینگے کہ میں اور تم پھر کبھی الگ نہ ہوں میں مجبور ہو کر خاموش ہوگئی اور دہلی واپس

آکر مضمحل اور خاموشی رہنے لگی شیام وعدہ کے مطابق ایک مہینے بعد دہلی آگیا اور یہاں چوری چھپے ہماری ملاقاتیں جاری رہیں مگر یہ دہلی تھی کلکتے کی سی آزادی یہاں میسر نہ تھی میں اس کو ہی غنیمت سمجھتی تھی لیکن اب ایک نیا گل کھلا دہلی آئے مجھے دو مہینے ہوگئے تھے اس زمانے میں واقعی میری طبیعت کچھ عجب سی رہتی تھی بھوک بالکل بند ہوگئی تھی جی متلاتا تھا اور کچھ بھی اچھا نہ لگتا تھا مجھے اس کا احساس ہوا کہ مجھ میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے میں نے اس کا ذکر شیام بابو سے کیا اور انھوں نے تبدیلی کی جو وجہ بتائی اس نے مجھے آسمان سے زمین پر پھینک دیا

آہ میرا گناہ اب ظاہر ہونے والا تھا اپنی یہ حالت معلوم کرنے کے بعد میرا خوف و شرم سے برا حال ہوگیا اور شیام بابو نے کہا کہ اب سوائے اس کے کوئی تدبیر نہیں کہ تم میرے ہمراہ کہیں نکل چلو اور میں بھی اب اس کے لئے مجبور تھی دو تین مہینے اس فکر میں گذر گئے نکلنا چاہتی تھی تو والد کی محبت خاندان کی بدنامی کا ڈر دامنگیر ہوتا تھا اُدھر رسوائی کا خوف شیام کی محبت کھینچتی تھی ان سب پر طرۃ یہ ہوا کہ والد نے میری نسبت بھی ٹھہرادی اور شادی کی تاریخ تک مقرر ہوگئی اب تو میرے حواس باختہ ہوگئے اپنا تمام زیور اور کچھ روپیہ اور چند اچھے جوڑے لیکر شادی کی تاریخ سے ایک ہفتے قبل شیام کے ساتھ نکل گئی وہ مجھکو لیکر سیدھا کشمیر گیا پیچھے کیا ہوا مجھے خبر نہیں میں بے غیرت تو شیام کی محبت میں سب کو بھول گئی تھی کشمیر جنت نظیر کے مناظر کے ہم دونوں لطف لے رہے تھے نقد روپیہ میرے اور شیام کے پاس زیادہ نہ تھا باوجود ہر طرح کی کفایت کے تین مہینے میں ہی صرف ہوگیا اور اب زیور فروخت ہونے کی نوبت آئی۔

جب انسان کی تقدیر برگشتہ ہوتی ہے تو ایک طرح سے نہیں ہوتی آٹھواں مہینہ لگتے ہی میں تپ محرقہ میں مبتلا ہوگئی اس حالت میں مردہ بچہ پیدا ہوا اور

میں پورے ڈیڑھ مہینے بستر علالت پر رہی شیام نے جان توڑ کر میری خدمت کی اور مجھ سے اسی حالت میں بہت محبت بھرا برتاؤ کیا آخر میں بستر بیماری سے اٹھی لیکن اتنے روز کی علالت نے ایسا کمزور کر دیا تھا کہ بمشکل شیام کے سہارے سے چند قدم چل سکتی تھی نہ صورت پر تازگی باقی رہی تھی نہ جسم میں دلکشی شیام نے کچھ روز بعد بتایا کہ اُس نے میری بیماری میں اپنے ڈاکٹر دوست سے دو ہزار روپیہ منگایا تھا وہ بھی اب ختم ہو چکا ہے ساتھ ہی اُس نے یہ ذکر کیا کہ میرے ایک عزیز ملے تھے وہ کہتے تھے کہ پتاجی اس طرح تمہارے لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے سخت علیل ہو گئے ہیں۔

تو پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے میں نے گھبرا کر کہا۔

نہیں پیاری لیلےٰ تمکو بھلا اب کیسے چھوڑ سکتا ہوں مجھے اب کہیں نوکری کرنی چاہیئے میری پہلی نوکری اس آوارہ گردی کے باعث چھوٹ چکی ہے اب ہم پہلے لکھنؤ چلیں گے اور وہاں سے کلکتے۔ میں خاموش ہو گئی میرے پاس اب دو زیور رہ گئے تھے ایک ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں دوسرے جڑاؤ کرن پھول میں نے چوڑیاں اُتار کر شیام کو دیں انکو فروخت کر کے ہم نے چلنے کا بندوبست کیا اور دو دن بعد ہم روانہ ہو گئے دہلی کے اسٹیشن پر گاڑی تبدیل کرنے کے لئے ہم کو اُترنا پڑا اور مجھے لکھنؤ کی گاڑی میں بٹھا کر شیام اسٹیشن پر ٹہلنے لگا انجن نے سیٹی دی اور گاڑی چل پڑی مگر وہ بیفکر ٹہلتا رہا

میں چیخی لیکن اُس نے بہت اطمینان سے مسکراتے ہوئے الوداعی طور پر رومال ہلایا اور ایک خط کھڑکی میں سے میری پھینک دیا میں نے خط کھولکر دیکھا اس میں لکھا تھا۔

لیلےٰ!

تم بہت خوبصورت اور دلچسپ لڑکی تھیں مگر اب بالکل معمولی عورت ہو کر رہ گئی ہو تم میں میرے لئے اب کوئی کشش نہیں پھر کونسا بندھن ہمیں باندھ سکتا ہے

میری شادی ایک خوبصورت لڑکی سے قرار پا چکی ہے اس کو جہیز میں نقد دس ہزار ملنے والا ہے۔ میرے پتاجی یہ شادی ٹھہرا چکے ہیں اگر اب میں انکار کرونگا تو انکو رنج ہوگا تم مجھکو چاہو جتنا برا کہو تمہارا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا میں بیشک بیوفا ہوں مگر میں تمہارے ساتھ پوری زندگی نہیں گذار سکتا اسلئے مجھے معاف کر دینا خدا تمہارے دل کو چین دے اور جس طرح میں تمکو بھلا رہا ہوں تم بھی مجھکو بھلا سکو۔

شیام"

اس خط کو پڑھ کر میں پاگل سی ہو گئی زمین آسمان مجھے گھومتے نظر آئے آہ شیام وہ شیام جس کے لئے میں نے تن من دھن سب تیاگ دیا تھا۔ اُس نے بھی مجھے بیدرد زمانے کی ٹھوکریں کھانے کو تنہا چھوڑ دیا یہ فریب کار مرد کتنے خود غرض ہوتے ہیں بیچاری بھولی بھالی لڑکیوں کو محض کھلونا سمجھتے ہیں جتنا چاہا اُن سے کھیلتے رہے جب چاہا اُن کو چھوڑ دیا پہلی مرتبہ مجھے اپنی تباہی و بربادی کا احساس ہوا رگوں میں خون کھولنے لگا بہت دیر تک میں منہ چھپائے روتی رہی مرادآباد کے اسٹیشن پر ٹرین رکتے ہی میں سوچے سمجھے بغیر اُتر پڑی اور وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر اپنی بیکسی پر رونے لگی وہاں آپ کی یہ مغلانی ملیں اور مجھے اس حال خراب میں دیکھ کر دلاسا دینے لگیں اور ساتھ لے آئیں اپنی سرگذشت بیان کر کے لیلےٰ آنسو بہانے لگی۔

نزہت نے آہ سرد کھینچ کر کہا کاش لیلےٰ تم اپنے کو ایک غیر مرد کے لئے یوں تباہ نہ کرتیں اپنی عفت کی جب تم نے قدر نہ کی اور خود کو یوں گرادیا تو پھر کسی کا شکوہ فضول ہے خیر اب یہ تمہارا گھر ہے تم میری بہن ہو یہاں رہو شرافت سے زندگی گذارو اپنی گذشتہ رنگین حرکات پہ نادم ہو خدا سے توبہ استغفار کرو شاید کوئی صورت تمہارے لئے بہتری کی نکل آئے۔

دو مہینے بعد ہی نزہت نے لیلیٰ کا نکاح ایک ایسے صاحب سے کرا دیا جو پہلے ولایت سے میم صاحبہ کو لے آئے تھے اور یہ میم صاحبہ دو بچوں کو چھوڑ کر ان کے ایک اور زیادہ مالدار دوست کے ساتھ فرار ہو گئی تھیں اب یہ بیچارے چار سال سے تنہائی کی زندگی گذار رہے تھے۔

لیلیٰ کو نزہت کے خیال و محبت کی بدولت دوبارہ شرافت کی زندگی نصیب ہوئی وہ بالکل شریف خاندان لڑکیوں کی طرح شرم و حیا سے رہتی تھی شوہر کی اطاعت اور دونوں بچوں کی خدمت میں اپنا تمام وقت گذارتی تھی تاکہ جو لغزش اس سے ہوئی تھی، اس کا کفارہ ہو سکے اپنے باپ سے بھی جا کر اس نے معافی مانگی اور پھر پر سکون زندگی بسر کرنے لگی۔

٦٦

سر ظفر جنگ کو پارلیمنٹ برطانیہ میں کام کرتے ہوئے پانچ سال گذر گئے اسی عرصے میں اُنھوں نے ہندوستان کی ترقی کا برابر خیال رکھا اُن لڑکوں کو جو بغرض تعلیم ولایت جاتے ہیں ہر ممکن آسانی بہم پہونچائی اب ان کو انکی خدمات کو بہترین الفاظ میں سراہتے ہوئے بار ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا ہر کہہ و مہ کو سر ظفر جنگ کی واپسی ہندوستان کا افسوس تھا۔

آج سر ظفر جنگ اور بیگم ظفر جنگ نے آخری مرتبہ اپنے احباب کو عظیم الشان ضیافت دی ہے اس دعوت کے تعظیمی مہمان علامہ اقبال ہیں جو ان دنوں یورپ میں تشریف رکھتے ہیں اور ظفر جنگ کے عزیز دوست ہیں علامہ اقبال کے علاوہ دو کیمبرج سے بھی نوجوان ہندوستانی شاعر آئے ہیں اور ایک ترک شاعر فخری اور سفیر ایران کے بھانجے پرویز بھی ہیں برنارڈ شا اور یورپ کے اور مشہور اُدبا مُلا سفر سب جمع ہیں۔ سر عبدالقادر بھی موجود ہیں۔ وسیع ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ لیڈی ظفر جنگ سیاہ زرکار ساری میں ایسی چمک رہی ہیں جیسے ساون کی کالی راتوں میں کبھی کبھی چاند چمکا کرتا ہے۔ اُن کے قریب اُنکی حسین ماہوش بیٹی سطوت بھی زمردیں بادلہ نگار ساری میں اس اندر سبھا کی سبز پری بنی ہوئی بیٹھی ہے

مسز صفدر اور مسز نشاط بھی جگمگاتے لباسوں میں مہمانوں کی تواضع میں مصروف ہیں گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے معطر جھونکے آنے والوں کا خیر مقدم کر رہے ہیں جون کا زرد روشن چاند سرو کے درختوں کی اوٹ سے طلوع ہوتا ہوا بہت بھلا لگ رہا ہے سر ظفر جنگ مع صفدر کے اپنے مہمانوں کے استقبال کے لئے برآمدے میں کھڑے ہیں ماہتاب انکے حسین و شگفتہ چہرے سے کسب ضیا کر رہا ہے فارغ البالی نے باوجود کافی عمر ہو جانے کے اُنکے شگفتہ چہرے کو شکنوں سے نا آشنا رکھا ہے اُنکی آنکھوں میں اب بھی نوجوانوں جیسی چمک باقی ہے اور صورت شاداب ہے مصری سگار کے کش پر کش لیکر وہ علامہ ڈاکٹر اقبال اور برنارڈ شا کا انتظار کر رہے ہیں چند لمحوں بعد یہ دونوں حضرات ساتھ ہی آئے۔ اُنکے ہمراہ ایک بلند و بالا خوش رو انسان اور بھی ہے قریب آکر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا معاف کرنا بھئی ظفر مجھے دیر ان حضرت کی وجہ سے ہو گئی یہ کل ہی آئے ہیں۔

سر ظفر جنگ نے برنارڈ شا سے پہلے ہاتھ ملایا پھر ان دونوں حضرات سے پر جوش معانقہ کیا اور کہا واللہ میں بھی کتنا خوش قسمت ہوں کہ مسعود تم بھی آگئے۔
آگے آگے معزز مہمان اور پیچھے ظفر جنگ صفدر ہال میں داخل ہوئے دوسرے صاحب نواب سر راس مسعود جنگ ظفر جنگ کے کلاس فیلو اور عزیز دوست ہیں۔

لیڈی ظفر جنگ نے ان سب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اپنے سب مہمانوں سے ملوایا۔ صفدر نے ظفر جنگ سے کہا لو یہ مسز اسٹواٹ تم کو تلاش کر رہی تھیں ظفر جنگ مسکرا کر اچھی ہو روزا پیاری میجر اسٹواٹ کہاں ہیں۔ روزا وہ اُدھر بیٹھے تمہارے بھوڈورا سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیڈی ظفر جنگ آج کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔
ظفر جنگ۔ تم بھی تو اس وقت اس گلابی لباس میں بالکل گلاب کا پھول معلوم

ہو رہی ہو۔
روزا نے دلکش ادا سے مسکرا کر تھینک یو اچھا اب آپ اپنے اور مہمانوں سے باتیں کریں میں لیڈی ظفر جنگ سے جا کر ملتی ہوں۔

ظفر جنگ کو اس وقت الگزنڈرا یاد آگئی روزا بالکل اپنی بڑی بہن کی ہمشکل تھی اور کبھی کبھی اسی دلربایانہ انداز سے باتیں کرتی جیسی اسکی بڑی بہن کرتی تھی اس لئے اسکو دیکھ کر ہمیشہ وہ افسردہ ہو جایا کرتے تھے اس وقت بھی چند منٹ تک وہ بت کے مانند کھڑے رہے اور پھر بمشکل اپنے کو سنبھال کر وہ اپنے مہمانوں کی جانب متوجہ ہوئے۔

کھانا اب میزوں پر لگ چکا تھا انگریزی کھانوں کے علاوہ ظفر جنگ کے رکابدار نے آلوؤں کا دلمہ نرگس کباب ورقی سموسے گوشت فیل متنجن آش اور کئی قسم کے اچار مربے بھی اتنے اچھے تیار کر کے پیش کئے تھے کہ تمام یوروپین اصحاب ان ہندوستانی کھانوں پر ایسے ٹوٹے کہ اپنے ملکی کھانوں کو آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھا خاصے دو گھنٹے میں تو کھانا ختم ہوا پھر مشروبات کی باری آئی اور لوگوں کیلئے تو پینے پلانے کا سامان الگ تھا ظفر جنگ اور ان کے ہندوستانی احباب نے کافی پینے پر اکتفا کی۔

اس سے فراغت پا کر رب سے قبل نشاط نے علامہ اقبال کا قومی ترانہ ترنم سے سنایا سب مہمانوں نے تعظیماً سر خم کر دیئے اس کے بعد دونوں ہندوستانی نوجوان شاعروں جمالی اور اختر نے اپنا کلام سنایا پھر پرویز اور فخری نے فارسی اور ترکی اشعار سنائے ظفر جنگ نے بھی ایک قومی نظم پڑھی رب کے بعد علامہ اقبال نے اپنے کچھ اشعار سنا کر سامعین کو محظوظ فرمایا اب لیلائے شب تا یہ کمر آچکی تھی۔ اس لئے سب مہمان رخصت ہوئے۔

دوسرے دن صبح اس عالیشان ضیافت اور مشاعرہ کا ذکر ہر کلب اور ہوٹل میں تھا چونکہ پارلیمنٹ برطانیہ کے تمام ممبر اور ہندوستان کے جتنے بھی راجہ رئیس لندن میں تھے سب اس دعوت میں شریک ہوئے تھے

اس لئے لندن کی ہنگامہ خیز فضا میں ہر جگہ سر ظفر جنگ کے ادبی ذوق شائستگی مہمان نوازی اور لیڈی ظفر جنگ کے حسن وسلیقے کا چرچا تھا ہر ایک ان پر رشک کرتا تھا اور یہ خوش نصیب جوڑا ان تمام باتوں کی جانب سے بے نیاز اپنے مشاغل میں مصروف تھا یہ تین دن اُنکے بہت مصروف گذرے آخر رخصت کا دن آپہونچا ظفر جنگ کے احباب کا کثیر حلقہ الوداع کہنے کے لئے بندرگاہ تک آیا جہاز کے دور تک چلے جانے کے بعد بھی پُر شوق نگاہیں ان کی بلائیں لیتی رہی. اور رومال ہلا ہلا کر خلوص و دلی محبت کا پتہ دیتے رہے سب سے زیادہ ظفر جنگ کے جانیکا ملال روزا کو تھا. ظفر جنگ اس کو بالکل بہنو کی طرح چاہتے تھے خود وہ اس لئے رنجیدہ تھے. کہ الگزنڈرا کی عزیز بہن اور ہمشکل انکی نظروں سے دور ہو جائیگی. آخر کار جہاز رفتہ رفتہ نظروں سے اُوجھل ہو گیا اور سب لوگ افسردہ گھروں کو واپس گئے.

سر ظفر جنگ مع سارے قافلے کے پہلے بصرے گئے پھر حج کا زمانہ آگیا تھا. اس لئے مکہ معظمہ گئے اظہر زمانی بیگم بھی یہیں تھیں اُنکو ہمراہ لیکر مدینہ شریف گئے روضۂ رسول پر حاضری دی کربلائے معلیٰ ہوتے ہوئے روم کے خوبصورت شہر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے. مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کی اُن کو بیش قیمت تحفے دیئے اُنھوں نے اُن کو چند نادر اشیا اور رنگ کی ریشم دیا ایک مہینے یہاں رہ کر دمشق کی سیر کی مصر گئے وہاں بھی شاہی مہمان ہوئے پھر بغداد شریف کی زیارت کرتے ہوئے پورے آٹھ مہینے سیر و سیاحت میں گذار کر ہندوستان پہونچے بمبئی میں ہمایوں بخت اختر جنگ مع بیوی کے نزہت آرا مسعود سب خیر مقدم کیلئے موجود تھے یہاں پندرہ دن آرام لیکر سب قافلہ دہلی روانہ ہوا۔ ۵۴۴

۶۷

ثروت آرا دلی آکر خورشید لاج میں ٹھہریں بیرسٹر صاحب کی اب ضعیفی تھی بواسیر کے دیرینہ مرض نے بہت ان کو کمزور کر دیا تھا باپ کی علالت کے باعث مہ پارہ بہن کے خیر مقدم کے لیے بمبئی بھی نہ جا سکی تھیں ہر وقت باپ کی دیکھ بھال میں لگی رہتی تھیں ثروت سے بیرسٹر صاحب کو عشق تھا اُن کے آنے ہی چاق چوبند ہو گئے بیگم صاحبہ کے اظہر محل میں آجانے سے دوبارہ رونق ہو گئی مہرالنسا زیب النسا نزہت فلک روشن سب آجکل اظہر محل میں تھیں سطوت نانا کی لاڈلی تھی اسلئے خورشید لاج میں ماں کے ساتھ تھی. ظفر جنگ کبھی یہاں کبھی وہاں ثروت آرا روز ساس کے سلام کو عصر کے وقت اظہر محل جاتیں اور پھر رات کا کھانا کھا کر واپس آتیں. ثروت جنگ دو سال سے کشمیر میں پرائیویٹ سکریٹری کے عہدے پر...

ممتاز تھے نوجوان مہاراج اُن کے کلاس فیلو اور دوست تھے. بمبئی نو جانہ سکے تھے اب دلی ایک مہینے کی چھٹی لیکر مع بیوی کے آئے انکی شادی قیام لندن کے زمانے میں صفدر کی حسین و ماہوش لڑکی ناہید سے ہو چکی تھی. شکیل حسن بھی لاہور سے سب سے ملنے اور بیوی کو لینے کے لئے آئے چھوٹا جمیل ماشاءاللہ اب دلی کے کامیاب بیرسٹروں میں سے تھا صفدر کے عزیز دوست سرجارلس کی صاحبزادی مس فلوری چارلس

سے اُسکی شادی ولایت میں ہی ہوگئی تھی۔

اظہر محل ماشاءاللہ ان سب کی آمد سے اندر سے باہر تک کھچا کھچ بھر گیا تل رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ بیگم صاحبہ ان خوبصورت جوڑوں کو دیکھ کر باغ باغ تھیں سب پر آیات قرآن پڑھ پڑھ کر دم کرتی تھیں۔

ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا تھا مسلمانوں نے جوش و خروش سے اپنے پیارے ہادی اور پیشوا کے یوم پیدائش منانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اسلامی انجمنیں جا بجا جلسے کر رہی تھیں۔

الگزنڈرا ہائی اسکول میں بھی حسب دستور میلاد النبی کا جلسہ بارہ تاریخ کو تھا لیکن اس مرتبہ چونکہ ثروت آرا دہلی میں موجود تھیں اس لئے جلسہ بہت بڑے پیمانے پر تھا مسز خان پرنسپل الگزنڈرا ہائی اسکول نے کہا صدر جلسہ کے فرائض آپ انجام دیں۔

ثروت آرا نے جواب دیا بہن اس جلسے کے صدر نشین خود سرور عالم ہیں یہ امتیاز صدر اس جلسے میں ضروری نہیں اسکی خصوصیت عام جلسوں سے الگ ہونی چاہیئے۔

مسز خان نے بطور اعتراف سر جھکا لیا۔

جلسے والے دن مسز خان نے اسکول کے وسیع صحن میں نشست کا انتظام کیا چونکہ فروری کا مہینہ تھا دھوپ میں زیادہ تمازت نہ تھی پھر بھی ایک بڑا شامیانہ تپش روکنے کے لیئے لگا دیا گیا تھا۔

مسز خان بہت سگھڑ اور شائستہ خاتون تھیں اس سلیقے سے اسکول کو سجایا کہ سب آنے والی بیگمات عش عش کر رہی تھیں۔ تمام صحن میں چھڑکاؤ کر کے دریاں اُس پر چاندنیاں بچھوائی تھیں اسٹیج پر قالین بچھے گاؤ تکیے لگے ہوئے

اسٹیج کے بیچوں بیچ میں ایک چاندی کی چوکی رکھی گئی تھی اس چوکی پر سبز مخمل کا قالیچہ تھا اور اسٹیج کے سامنے پھولوں کے ہاروں کو اس طرح باندھا گیا تھا کہ پھولوں کے محرابدار دروازے بن گئے تھے اسٹیج کے پچھلے حصے میں بھی ہار آویزاں تھے اسکول کی نویں دسویں کلاس کی لڑکیاں سپید براق لباس میں سبز دوپٹے اوڑھے ہوئے دروازے سے اسٹیج تک دو رویہ استقبال کے لیے کھڑی تھیں اور مہمانوں کو بٹھا رہی تھیں تمام جلسہ گاہ گلاب اگر کی خوشبو سے مہک رہی تھی چھوٹی چھوٹی تپائیوں پر بلوری طشتریوں میں پستئی پانوں کی گلوریاں لال قند کی لچکا لگی صافیوں میں لپٹی ہوئی رکھی ہوئی تھیں۔

جلسۂ عید میلاد النبی اور پھر وہ بھی الگزنڈرا ہائی اسکول میں اور پھر ثروت آرا کی تقریر کی خبر بھی سب کو خدا جھوٹ نہ بلوائے دلی کی نسوانی سوسائٹی کی روح الگزنڈرا ہائی اسکول میں کھنچ آئی تمام خواتین اُمنڈ پڑیں ایک بجے سے جو تانتا لگا تو تین بج گئے مگر موٹریں گاڑیاں ڈولیاں تانگے برابر آتے جاتے تھے انتظام کرنیوالی لڑکیاں بیچاری بٹھاتے بٹھاتے تھک گئیں پر آنے والیوں کا سیلاب نہ تھما ایسا معلوم ہوتا تھا گویا رنگ و بو کا ایک سمندر لہریں لے رہا ہے. جہاں تک نظر کام کرتی تھی جلسہ گاہ میں رنگا رنگ لباسوں کا لالہ زار کھلا نظر آتا تھا۔

الگزنڈرا کے انتقال کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ اتنا بڑا جلسہ اسکول میں ہوا تھا اور ثروت آرا اس میں بولنے والی تھیں ٹھیک تین بجے آسمانی رنگ کے غرارے قمیض میں ثروت آرا لڑکیوں کے حلقے میں خراماں خراماں آئیں سر پر بھی وہ آسمانی وائل کریپ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں اور اس سے انکا خوبصورت چہرہ چاند کے مانند چمک رہا تھا جاننے والی بیگمات سے انھوں نے ہاتھ ملایا مزاج پرسی کی اور پھر مسز خان سے جلسہ شروع کرنے کو کہا سب اہل محفل خاموش مؤدب ہو بیٹھے اور منتظم

لڑکیوں نے ہر جانب گلاب پاش کر کے فضا کو مہکا دیا مہ پارہ نے بڑی بہن کے اشارہ پر چوکی پر دو زانو بیٹھ کر سورۂ الحمد کی تلاوت بہت خوش الحانی سے کی مہ پارہ کی دلپذیر قرءت کے اثر سے بہت سی حساس دل خواتین کی آنکھوں میں آنسو آگئے تلاوت ختم کر کے مہ پارہ اُٹھیں اور مسز خان نے بلند آواز سے کہا نعرۂ اللہ اکبر جتنی لڑکیاں اسٹیج کے ادھر اُدھر کھڑی تھیں سب نے اُن کا ساتھ دیا اس کے بعد چھوٹی کلاسوں کی لڑکیوں نے ایک ساتھ اسٹیج پر کھڑے ہو کر ایک نعتیہ نظم پڑھی جو ثروت آرا نے لکھی تھی پھر اللہ اکبر کا ورد کیا گیا اب نزہت آرا چوکی پر آکر بیٹھی اور حضور سرور عالم کی پیدائش سے قبل جو عورتوں کی حالت تھی بتائی رسول اکرم کے احسانات اور صنف لطیف کے ساتھ آپ کا بے مثل سلوک دلنشیں پیرائے میں بیان کیا گو ابھی وہ نو عمر تھیں لیکن ماں کا طرز انداز تقریر سے ٹپک رہا تھا نہایت خوش اسلوبی سے بیس منٹ تک بولتی رہیں اور ان کی تقریر ختم ہوتے ہی پھر نعرۂ اللہ اکبر فضا میں گونج گیا فلک آرا اسٹیج پر آئیں اور انھوں نے حضرت امیر خسرو کی ایک فارسی نعت بہت خوش الحانی سے پڑھی انکے اسٹیج سے اُترتے ہی پھر نعرۂ تکبیر گونجا اور ساتھ ہی ثروت آرا اپنی جگہ سے اُٹھ کر اسٹیج پر آئیں اُنکو اُٹھتا دیکھ کر سب بیویاں سنبھل بیٹھیں کچھ بیگمات جو سرگوشی میں مصروف تھیں ساکت ہو گئیں ثروت آرا نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر صاف شیریں لہجے میں کہا آج جو کچھ مجھے کہنا ہے بجائے کھڑے ہو کر کہنے کے اطمینان سے بیٹھ کر اپنی بہنوں سے کہونگی سرور عالم کی پیدائش کی خوشی میں یہ جلسہ ہے اس لئے اسکی ہر بات عام جلسوں سے الگ ہے اور پھر چوکی پر بیٹھ کر انھوں نے کہا بہنو اب سرور عالم کی خدمت میں درود سلام کی نذریں پیش کرو سب نے با آواز بلند درود پڑھا اور درود حمد کے نغموں سے فضا گونج اُٹھی۔ ثروت آرا نے بھی پہلے درود پڑھا اور پھر اپنی تقریر شروع کی لطف یہ تھا کہ صرف چند نوٹ تھے جن پر سرسری نظر ڈال کر وہ مسلسل کہہ رہی تھیں، الفاظ اُنکے

مونھ سے اسی طرح نکل رہے تھے گویا گوہر شاہوار ڈھل رہے ہیں یہ فاضلانہ خطبہ ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔

پیغمبر اسلام

عزیز بہنو، خدا کی رحمت و عنایت کا اہل بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک تدبیر بتائی ہے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ اس مذہب کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں ان پر عمل کیا جائے لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر یہ کی ہے کہ اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سامنے رکھ دیا ہے اور اس کی پیروی و اتباع کو "خدا کی محبت" کا مستحق بننے کا ذریعہ بتایا ہے اسلام میں دو چیزیں ہیں (کتاب اور سنت) کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن کے ذریعہ ہم تک پہونچے اور سنت کے لغوی معنے راستے کے ہیں یعنی عمل کا وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گذرے۔ رسول صلعم کا عملی نمونہ جسکی تشریح احادیث میں بصورتِ الفاظ ہے ایک مسلمان کی کامیابی تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ (سنت نبوی) ہے جو قرآن و احادیث کا مجموعہ ہے۔ وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف سے متعلق ہوں اس دنیا کی بنیاد اختلاف عمل پر ہے۔ باہمی تعاون مختلف پیشوں اور کاموں کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم اور رعایا بھی امن و امان کے لئے قاضیوں اور ججوں کی بھی ضرورت ہے اور فوج کے سپہ سالاروں اور افسروں کا ہونا بھی لازمی ہے غریب بھی ہونگے اور دولت مند بھی رات کے عابد بیدار بھی ہونگے اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی اہل و عیال بھی ہونگے اور دوست احباب بھی تاجر و سوداگر بھی ہونگے اور امام و پیشوا بھی غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام پر ہی موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے

لئے عملی مجسمے کی اور نمونے کی ضرورت ہے اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی کی پیروی کی دعوت دیتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کیلئے اپنے پیغمبر کی عملی صورت کے نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ چراغ ہدایت بن سکتا ہے اسلام کے صرف اس نظریئے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت سے لینے انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر صنف کے لئے آپ کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے درس موجود ہیں ایک حاکم کیلئے محکوم کی زندگی ایک محکوم کے لئے حاکم کی زندگی ایک دولت مند کے لئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لئے دولت مند کی زندگی نمونہ نہیں بن سکتی اس لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر دائمی پیغمبر کی زندگی جو ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ ہے اس کی پیروی کی جائے عزم و استقلال شجاعت صبر و شکر توکل و رضا قناعت و استغنا ایثار و خلوص جود و تواضع خاکساری غرضکہ نشیب و فراز کے ہر بلند و پست پر ہم کو عملی ہدایت و مثال کی ضرورت ہے مگر وہ کہاں مل سکتی ہے ؟ صرف رسول اکرم کے پاس حضرت موسیٰ کے پاس ہمکو سرگرم پرجوش قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں حضرت عیسیٰ کے ہاں نرم اخلاق کی پہنات ہے مگر سرگرم اور خون میں حرکت کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں لیکن انسان کو ان دونوں قوتوں کی معتدل اور جامع مثال کی ضرورت ہے اور جامع مثال صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہے وہ شخصی زندگی جو ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف رسول اکرم کی ذات اقدس ہے۔

اس لئے طبقہ انسان کے ہر طالب اور نور ایمان کے ہر متلاشی کے لئے صرف رسول صلعم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے جس کی نگاہ کے سامنے رسول اکرم کی سیرت ہے گویا تمام انبیا کی سیرتیں موجود ہیں اور نبیوں کی

کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی دوکان ہیں لیکن ہمارے ہادی ہمارے سردار
دوعالم کی سیرت اعمال واخلاق کا دنیا کا سب سے بڑا مارکٹ ہے جہاں ہر جنس کے طالب
اور ہر چیز کے خریدار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔
حضرت نوح کی زندگی کفر کے خلاف غیض وغضب کا ولولہ پیش کرتی ہے حضرت
ابراہیم کی حیات بت شکنیوں کا مظہر ہے حضرت موسیٰ کی زندگی صرف کفار سے
جنگ وجہاد اور شاہی نظم ونسق کے قوانین اجتماعی پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسےٰ کی
زندگی صرف راہبانہ خاکساری تواضع عفو درگذر کی تعلیم دیتی ہے حضرت سلیمان کی
زندگی شاہانہ اُلوالعزمیوں کا نمونہ ہے۔ حضرت ایوب کی حیات صرف صبر وشکر سکھاتی
ہے حضرت یوسف کی زندگی قید وبند میں بھی تبلیغ مذہب کی دعوت دیتی ہے حضرت
داؤد کی سیرت گریہ وبکا حمد وستائش کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوب کی زندگی اُمید خدا
پر توکل اور اعتماد کی مثال پیش کرتی ہے لیکن حضور اکرم کی سیرت اقدس دیکھو کہ
اس میں جملہ انبیا کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر یکجا ہو گئیں ہیں آپ کے وقت پیدائش
پر ایک ضعیف روایت ہے کہ حضور کی ولادت پر غیب سے ندا آئی کہ محمد صلعم کو ملکوں
ملکوں پھراؤ اور سمندر کی تہوں میں لیجاؤ تاکہ تمام دنیا ان کے نام ونشان سے
واقف ہو جائے اور ہر جن وانس چرند وپرند ان کو پہچان لے اُن کو آدم کا خلق
شیث کی معرفت نوح کی شجاعت ابراہیم کی دوستی اسمٰعیل کی زبان اسحاق کی
رضا صالح کی فصاحت لوط کی حکمت موسےٰ کی سختی ایوب کا صبر یونس کی اطاعت
یوشع کا جہاد اور داؤد کی آواز دانیال کی محبت الیاس کا وقار یحییٰ کی پاکدامنی
عیسےٰ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں غوطہ دو یہاں تک تو رہی
رنگین بیانی مگر دراصل جن اصحاب نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے
انکا منشاء درحقیقت پیغمبر اسلام کی شخصیت کی جامعیت کو نمایاں کرنا ہے یعنی جو کچھ

اور انبیا کو اللہ تعالیٰ نے متفرق طور پہ دیا تھا حضور سرورِ عالم کو ایک ساتھ عنایت کر دیا۔

سے

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسےٰ قانون لیکر آئے حضرت داؤد دعا مناجات لائے اور حضرت عیسےٰ زہد و اخلاق لائے مگر حضور اکرم قانون بھی لائے اور دعا و مناجات بھی زُہد و اخلاق بھی لائے اور ان سب کا مجموعہ الفاظ معانی میں قرآن اور عمل میں (سیرت محمدی) ہے۔

بہنو اب سیرت محمد کی جامعیت کا ایک اور پہلو بھی دیکھئے تعلیم انسانی کی وہ درسگاہیں جن کے اساتذہ اور انبیا ہیں ان کا جائزہ لو تو پہلے کہیں دس بیس کہیں ساٹھ کہیں ستر یا سو دو سو ہزار دو ہزار طالبعلم آپ کو ملیں گے لیکن جب مدرسہ نبوی کی آخری تعلیم گاہ کی جانب نظر ڈالو تو آپ کو ایک لاکھ سے بھی زائد طالبعلم اس حلقے میں نظر آئیں گے۔ پھر دوسری درسگاہوں کے طلبا کو جاننا چاہو کہ وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ اُن کے اخلاق اور حالات زندگی کیا تھے؟ اور اس تعلیم و تربیت کے نتائج کیا ہوئے؟ تو ان سوالات کا جواب نہیں مل سکتا مگر اسلام کی تاریخ اور محمد صلعم کی سیرت میں آپ کو ہر ہر چیز مل سکتی ہے اسی درسگاہ کے طالبعلم کا نام و نشان حالات و سوانحات نتائج تعلیم و تربیت ہر ایک چیز تاریخ اسلام کے اوراق پر ثبت ہے آگے بڑھو نبوت دعوت مذہب کی ہر درسگاہ کا آج یہ دعوےٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لئے کھلے ہوئے ہیں مگر اس درسگاہ کے بانی اور پہلے متعلم کی سیرت پڑھو کہ اُسکے عہد میں اسکی درسگاہ میں صرف ایک ہی نسل ایک ہی ملک ایک ہی خاندان کے طالبعلم ہیں یا ہر نسل ہر ملک کا باشندہ بلا امتیاز نسل و مذہب اس میں داخل تھا حضرت موسےٰ کی تعلیمی سیرت دیکھو صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے اور حضرت عیسےٰ کی تعلیم صرف

چند فلسطینی فقرا تک تھی لیکن رسول اکرم کی زیر تعلیم ایک طرف نجاشی بادشاہ حبش رئیس ذوالکاح اور عامر بن شھر قبیلہ ہمدان کا رئیس ہے تو دوسری طرف بلال حبش حباب عمار دوش بدوش نظر آتے ہیں شاہ و گدا دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہیں ایک طرف عقلائے روزگار اسرار فطرت کے محرم دنیائے جہانبانی کے پیشوا اور ملکوں کے فرمانروا اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں تو دوسری طرف وہ زہاد عابد شب زندہ دار جن پر کونین کو خود ناز ہے ابوبکر صدیق ہیں عمر فاروق ہیں عثمان غنی ہیں علی مرتضیٰ ہیں معاویہ بن ابی سفیان ہیں اور یہ وہ جامع صفات ہستیاں ہیں جنکی فرماں روائی عدل وانصاف کی دھوم چار دانگ عالم میں تھی اور یہی جنہوں نے افریقہ اور ہندوستان کی سرحد تک فرماں روائی اور کشور کشائی کی جو فاتح بھی تھے اور خدا پرست بھی جو شہنشاہ بھی تھے اور عابد شب زندہ دار بھی دنیا کی سیاسی تاریخ میں اُن کو وہ درجے حاصل ہیں جنکی مثال اب پیش نہیں کی جا سکتی دوسری طرف خالد بن ولید سعد بن وقاص ابوعبیدہ بن جراح عمرو بن العاص جیسے جری بہادر ہیں جو مشرق و مغرب کی دو ظالم اور گناہگار انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا خاتمہ کر دیتے ہیں یہ دنیا کے وہ فاتحین اعظم ہیں جن کی قدر آج بھی کی جاتی ہے سعد بن وقاص نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اُتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا خالد اور ابوعبیدہ نے شام جیسے ملک پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا عمرو بن العاص فاتح مصر ہیں عبداللہ بن زبیر نے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کو جانفشانی سے فتح کر لیا دوسری طرف وہ علما فقہا ہیں جن کے زہد و عبادت نے فرشتوں کو شرما دیا اس گروہ میں ابوہریرہ عبداللہ بن عباس عبداللہ بن مسعود حضرت موسےٰ اشعری ہیں نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتوں کے لئے بھی سرور عالم کا بحر فیض جاری تھا یعنی اس فضا میں عورت و مرد کی تفریق نہ تھی رحمت عالم کی محبت بھری نظریں سب کے لئے

یکساں فیض رساں تھیں علما کی صف میں ام المومنین عائشہ اسما بنت ابی بکر حضرت ام سلیم ہمیں نظر آتی ہیں اور اُن کی لکھی ہوئی روایات کو مستند مانا جاتا ہے میدان جنگ میں بھی عورتوں کا نمایاں حصہ ہے عرب کی مایہ ناز بیٹی اور اسلامی خواتین کا نام زندہ رکھنے والی بہادر خولہ ہمیں شجاعت و بہادری کے سبق آج بھی اپنے کارناموں سے دیتی ہے۔

یہ غور کا مقام ہے وحشی عرب، بت پرست عرب بداخلاق عرب کیسے ایک اُمی کی تعلیم سے روشن دل روشن دماغ صلح کل انصاف پسند راست باز متقی قاضی زاہد عالم سپہ سالار فاتح بن گئے۔ درسگاہ محمدی مدینہ یونیورسٹی میں ہر قسم ہر طریقے ہر فرقے کے طالب علم دیکھیے بادشاہ امیر بھی اور غلام و مفلس بھی اسکو دیکھ کر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کوئی ذی عقل انسان بھی اور کیا کہہ سکتا ہے کہ رسول اکرم کی ذات صفات حسنہ اور انسانی کمالات کا مجموعہ تھیں اور یہ سب اُن کی صفات ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیق و فاروق بنکر چمکیں اور کبھی ذی النورین و مرتضےٰ بن کر نمایاں ہوئیں کبھی خالد ابو عبیدہ کبھی سعد و جعفر کی شکل میں سامنے آئیں اور کبھی بوذر و سلیمان بن کر ظاہر ہوئیں ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی وہ بادشاہ ہوں یا گدا حاکم ہوں یا محکوم زاہد ہوں یا عابد قاضی ہوں یا گواہ افسر ہوں یا سپاہی استاد ہوں یا شاگرد غازی ہوں یا شہید توحید کا نور اخلاص کی روح مولے کی رضا قربانی کا ولولہ ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا اور یہ صرف سرور عالم کی تربیت کا اثر تھا۔

یہ دنیا انسانی صلاحیتوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کیجیے سرور عالم کی ذات بابرکات کے سوا اس کا آخری عالمگیر رہنما کوئی نہیں بن سکتا اس لئے آپ نے خود فرمایا ہے۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"یعنی اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو" جو اس فرمان پر پیروی کرنے والا ہے تحقیق وہ کامیاب ہوگا۔ خدا ہم سب کو صفاتِ محمدی کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیے۔

ثروت آرا ذرا رکیں اور پھر کہا میں اس وقت آپ کو ایک ایسا واقعہ سناؤنگی جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ولایت میں جب میں گئی تو ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر اور اس وقت کے عظیم ترین انسان سے میں ملاقات کو گئی تو انھوں نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ میں محمد صاحب کو عالم انسانیت کا سب سے بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسی وجوہ ہیں جن کی بنا پر آپ نے ہمارے پیغمبر کو دنیا کا کامل ترین انسان سمجھا اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھکو اُن کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اُوصاف جمع نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے جمع کرکے نہیں دکھائے وہ سلطان ایسا کہ پورے ملک پر قابض ہو اور بے بس ایسا کہ اُس کی جان بھی اپنے قبضے میں نہ ہو اور اُس کو خدا کی ملکیت سمجھے دولت مند ایسا کہ خزانے پر خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اُس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں محتاج ایسا کہ مہینوں اُس کے گھر میں چولھا نہ جلتا ہو۔ سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر آدمیوں کو لیکر ہزاروں کی غرق آہنی فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پرجوش جاں نثاروں کی ہمرکابی میں صلحنامے پر دستخط کر دیتا ہو شجاع و بہادر ایسا کہ ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں تنہا کھڑا ہو نرم دل ایسا کہ کبھی انسانی خون کا قطرہ بھی اس نے نہ بہایا ہو با تعلق ایسا کہ عرب کے ذرے ذرے کی اس کو فکر ہو۔ بیوی بچوں کی اس کو فکر ہو غریب و مفلس اپاہج کی اس کو فکر۔ خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اسکو فکر غرض سارے سنسار کی اس کو فکر اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی کی اسکو پرواہ نہیں اس نے کبھی اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیا بلکہ اپنے برا چاہنے والوں

کے حق دعائے خیر کی مگر خدا کے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کیا۔ عین اس وقت جب اُس پر تیغ زن کشور کشا کا دھوکا ہوتا ہے وہ ایک عابد شب زندہ دار کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے عین اُس وقت جب اُس پر ایک بہادر فاتح کا شبہ ہوتا ہے وہ پیغمبرانہ معصومیت سے جلوہ گر ہوتا ہے عین اُس وقت جب ہم اُس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ رکھے چٹائی پر محوِ خواب نظر آتا ہے عین اُس وقت جب صحن مسجد مال غنیمت سے بھر نظر آتا ہے اُس کے اہل و عیال میں فاقہ ہوتا ہے ان تمام صفات کو یکجا دیکھنے کے بعد کون ذی عقل انسان ہوگا جو محمد صاحب کو کامل انسان تسلیم نہ کریگا" ایک غیر مذہب کے تعلیم یافتہ اہل دل باخبر بزرگ سے یہ اعتراف سن کر میں اس معجزے پر حیران رہ گئی کہ حضور اکرم کی سیرت اب بھی اہل بصیرت کے قلوب کو فتح کر لیتی ہے بلاشبہ اسلام کے استحکام اور اس کے اطراف عالم میں پھیل جانے کا راز اُس کے پیشوا کی مکمل سیرت میں پوشیدہ ہے لیکن افسوس ہم مسلمانوں کی حالت پر کہ اور مذہب والے جن کو قدرت نے وسیع دل اور روشن دماغ عطا کیا ہے سرور عالم کی سیرت سے متاثر ہیں لیکن ہم کور باطن اور لوگوں کے طریقے میں سکون روح کا سامان ڈھونڈتے ہیں۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

دراصل اب ہم نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ہمارے افعال ہماری سیرت مسلمانوں کی سی نہیں ہے۔

وضع میں ہم ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

ہماری حالت زار کا نقشہ شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر اقبال نے خوب اپنی تازہ ترین تصنیف بال جبرائیل میں کھینچا ہے۔

فرماتے ہیں سہ

محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ — نہیں ممکن امیری کا بے فقیری!

اس موثر تقریر سے حاضرین محفل بہت متاثر ہوئے ہر ایک کے لب پر سلام و درود تھا اور ہر طرف رگوں میں خون کے ساتھ جوش اسلام دوڑ رہا تھا۔

ثروت آرا کے خاموش ہونے ہی نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند ہوا جب ذرا جوش کم ہوا تو حور طلعت اور ناہید اسٹیج پر آئیں اب اندھیرا ہو چلا تھا اس لئے برقی جھاڑ روشن کر دیئے گئے ساری محفل جگمگا اٹھی گلاب چھڑکا گیا حور طلعت اور ناہید نے ملکر حضرت حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام سے سرورِ عالم کی پیدائش کا ذکر خاص حفیظ صاحب کے دلکش انداز میں سنایا سماں بندھ گیا در و دیوار سب جھومنے لگے درود مناجات کے نغمے لبوں کو چومنے لگے سلام پڑھنے کیلئے ثروت آرا نزہت فلک بھی ان کے ساتھ مل گئیں اور بہت خوش الحانی سے ان سب نے آواز بلند سلام پڑھا۔ مسز خان نے اسٹیج پر کھڑی ہوئی بیگمات کے خود عطر لگایا اور سب خواتین سے طالبات نے عطر لگایا۔ سلام کے بعد مسز خان نے نہایت موثر اور رقت انگیز لہجے میں دعا مانگی سب خواتین آمین آمین کہتی رہیں۔ دعا ختم ہوتے ہی ثروت آرا نے کھڑے ہو کر کہا بہنو! مجھے ایک اور بات بھی آپ سے کہنی ہے۔

کئی آوازیں بلند ہوئیں فرمایئے فرمایئے۔

ثروت آرا نے آہ سرد بھر کر غمگیں لہجے میں کہا کہ آج میں جس وقت سے یہاں آئی ہوں اپنی پیاری مرحومہ بہن الگزنڈرا کی یاد مجھے بہت ستا رہی ہے جو اس اسکول کی روح رواں اور بانی تھیں مرنے والی بہن سچی مومنہ تھیں اپنی تمام زندگی اپنی جنس کی بہبودی کی خاطر وقف کر دی اور مرتے دم تک وہ کام کرتی رہیں

چند خواتین نے کہا بیشک مس الگزنڈرا مرحومہ کی یاد کبھی دل سے فراموش نہیں ہو سکتی ہم سب اُن کے ممنون ہیں۔

ثروت آرا۔ ہم کو چاہیئے کہ میلاد النبی کی خوشی میں اپنی مرحومہ بہن کو تحفہ بھیجیں سب بہنیں ایک ایک مرتبہ الحمد اور تین تین مرتبہ قل پڑھ کر بہن مرحومہ کی روح کو بخشیں سب بیگمات نے ثروت آرا کے کہنے پر عمل کیا۔

ثروت آرا۔ اب میں مسز خان کے انتظام سلیقے کی داد دیتی ہوں خدا کا شکر ہے الگزنڈرا بہن کے بعد یہ اسکول ایسے سلیقہ مند ہاتھوں میں ہے کہ اگر بہن مرحومہ کی روح آج یہاں موجود ہوگی تو ضرور زبان حال سے اس سلیقے کی داد مسز خان کو دے رہی ہوگی۔ خدا کرے ہماری یہ بہن ہمدردی و خلوص کے ساتھ اسکول کی ہمیشہ خدمت کرتی رہیں۔

سب نے کہا آمین۔

ثروت آرا کی جانب سے سب کو مٹھائی تقسیم کی گئی اور پھر یہ عظیم الشان جلسہ برخاست ہوا۔

۶۸

ولایت سے واپس آئے ہوئے سر ظفر جنگ کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور یہ سارا وقت اُنھوں نے اور اُن کی نیکدل بیگم نے اپنے قوم و ملک کے لئے اصلاحی کام کرنے میں گذارا ہے سر ظفر جنگ اب بجائے سلک کے سوٹوں کے کھدر کی شیروانی ٹوپی پہنتے تھے اور کانگرس کے جلسوں میں تقریریں کرتے تھے سر کا خطاب بھی اُنھوں نے واپس کر دیا۔

ثروت آرا ہندوستانی عورتوں کی بہبودی کے لئے برابر کام کرتی رہتی تھیں انھوں نے ایک ایسی انجمن بنائی تھی جہاں ہر قوم اور ہر مذہب کی بیوہ لاوارث غریب عورتوں کو سلائی کشیدہ کاری سکھائی جاتی تھی اور ان کے ہاتھ کے بنے ہوئے کام فروخت کر کے ان کو مناسب مزدوری دی جاتی تھی ایک ہسپتال بھی ظفر جنگ نے ایسے لوگوں کے لئے بنوایا تھا جو بالکل محتاج تھے ان لوگوں کو دوا خوراک کپڑا سب ہسپتال سے ملتا تھا ہر پیر کو ثروت آرا پھول اور تازہ پھل لیکر مریضوں کو دیکھنے جاتی تھیں اس پیر کو بھی وہ حسب معمول صبح دس بجے ہسپتال گئیں مہ پارہ اور مہر النسا بھی ساتھ تھیں۔ مردانہ زنانہ وارڈ الگ تھے مردانہ وارڈ کو دیکھتی ہر ایک مریض کو پھول پھل دیتی ہوئی زنانہ وارڈ کی جانب گئیں

اور لیڈی ڈاکٹر کے ہمراہ مرلیجنہ عورتوں کو دیکھنے لگیں ایک پلنگ کے پاس وہ ذرا ٹھٹکیں بیمار عورت کی صورت اُن کو شناسا معلوم ہوئی لیکن یہ یاد نہ آتا تھا کہ اُنھوں نے اس کو کب اور کہاں دیکھا ہے۔

مس سنگھ یہ مرلیجنہ کب آئی ہے انھوں نے لیڈی ڈاکٹر سے سوال کیا۔

لیڈی صاحبہ۔ اس بیچاری کو پرسوں ہسپتال لایا گیا ہے غریب بخار میں بیہوش کمپنی باغ کے دروازے کے قریب پڑی تھی ہم شام کی ہوا خوری کے لئے نکلی تھی بمشکل ہوشیار کر کے حال پوچھا اور یہاں اُٹھا لائی

ثروت آرا۔ متاثر ہو کر خدا تم کو اس کا اجر دیگا مس سنگھ یہ بیچاری بالکل لاوارث معلوم ہوتی ہے اور مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ اس کو میں نے کہیں دیکھا ہے ہماری گفتگو کے باعث مرلیجنہ جو ضعف کی وجہ سے نیم مدہوش سی آنکھیں بند کئے پڑی تھی ہوشیار ہوگئی اور اُس نے آنکھیں کھول کر بغور ثروت آرا کو دیکھا۔

مس سنگھ۔ مرلیجنہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بی بی اب مزاج کیسا ہے؟

مرلیجنہ کراہتے ہوئے مس صاحبہ جسم میں بہت درد ہے اُف ہائے

مس سنگھ۔ دیکھو بی بی یہ لیڈی ظفر جنگ ہیں ان کا ہی بنوایا ہوا یہ ہسپتال ہے۔

مرلیجنہ۔ ثروت آرا کو سلام کر کے اللہ نے دنیا میں کتنے نیک لوگ پیدا کئے ہیں آہ میں نے کوئی بھی اچھا کام نہیں کیا۔

ثروت آرا۔ مرلیجنہ کے قریب پھول رکھ کر گھبرایئے نہیں خدا آپ کو شفا دیگا۔

مرلیجنہ۔ ثروت آرا کی آواز پر چونکی اور پھر اُن کو ایک گہری نظر سے دیکھنے کے بعد کہا ہائے اللہ ثروت آرا یہ تم ہو۔ قسمت نے مجھے کس حال میں تمہارے پاس پہونچایا ہے۔

ثروت آرا۔ میں آپ کو پہچاننے کی بہت دیر سے کوشش کر رہی ہوں حالانکہ یہ

خیال ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو بارہا دیکھا ہے اور آواز بھی آپ کی آشنا معلوم ہوتی ہے نام بتلایئے شاید میں آپ کو پہچان سکوں۔

مہ لقیعہ ہمارے اللہ کیا میں اتنی بدل گئی کہ ثروت بھی مجھے نہ پہچان سکیں خیر ہزار شکر ہے کہ مجھے اپنے برے افعال کی معافی مانگنے کا موقعہ دیا پیاری ثروت میں ہوں تمہاری گنا ہگار ناز بیگم۔

ثروت آرا افسوس و حیرت کے لہجے میں ایں آپ؟

یہ آپ کا کیا حال ہوگیا نہ وہ رنگ رہا نہ وہ صورت کس قدر بدل گئیں ہیں آپ۔

ناز بیگم۔ بیٹی بدکرداری کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ اللہ نے اس ظلم کا بدلہ لیا جو میں نے بوچھ تم پر کیا تھا۔

ثروت آرا۔ آہ آپ کی دلربا صورت آپ کی زیبائی آنکھوں کے نیچے پھر رہی ہے اس قدر آپ بدل گئیں بھلا میں کیسے پہچان سکتی تھی۔

ناز بیگم۔ کاش خدا مجھے اچھی صورت کے ساتھ اچھی سیرت بھی دیتا۔ تم سنو تو اپنی داستان تباہی تمکو سناؤں۔

ثروت آرا۔ کرسی پر بیٹھ کر فرمایئے۔

ناز بیگم۔ جب مجھے خبر ملی کہ بیرسٹر صاحب کو سارا حال معلوم ہوگیا اور میری چال کارگر نہ ہوئی تو جو کچھ ہاتھ لگا لیکر فرار ہوگئی۔ مہ پارہ کو بھی اس پریشانی میں ساتھ نہ لیا اور یہ اچھا ہی ہوا ورنہ اپنے ساتھ اس کی بھی مٹی پلید کرتی آہ میری مہ پارہ کیسی ہے؟

ثروت آرا۔ مہ پارہ کا ہاتھ پکڑ کر یہ رہیں مہ پارہ آپ کے قریب کھڑی ہیں میں یہ خوشخبری سنا کر آپ کو بہت مسرور ہوں کہ اب مہ پارہ ماشا اللہ تین پیارے بچوں کی ماں ہیں ان کی شادی دس سال ہوئے بھائی رشید دلہن کے چھوٹے بھائی

بیرسٹر حامد کے ساتھ ہو چکی ہے۔

ناز بیگم نے مہ پارہ کا ہاتھ چوم کر کہا سکھی رہو بیٹی پھولو پھلو دیکھ کر دل ٹھنڈا ہو گیا ذرا پانی پلاؤ میرا گلا خشک ہو رہا ہے۔

مس سنگھ نے جلدی پانی کا گلاس مہ پارہ کے ہاتھ میں دیا نرس نے سہارا دیکر ان کو اٹھایا پانی پی کر وہ لیٹ گئیں اور پھر اپنی داستان شروع کی۔

”ہاں تو بیٹی یہاں سے میں اور اماں سیدھے لکھنؤ گئے لیکن وہاں بھی اس لئے نہ ٹھہرے کہ بڑی جگہ ہے تمہارے باپ کو پتہ مل جائیگا بارہ بنکی چلے گئے میرے پاس چاندی کے سامان زیور اور قیمتی لباس کے علاوہ نقد دس ہزار موجود تھا اور یہ شریفانہ گذر اوقات کے لئے کافی تھا لیکن مجھکو ہر وقت شیطان انگلی دکھاتا رہتا تھا اماں کو جانی صاحب سے عشق تھا اُس کے قید ہو جانے کے بعد اُن کو ایک منٹ بھی چین نصیب نہ ہوا۔ اور ایک سال بعد ہی متواتر تین مہینے بخار میں مبتلا رہ کر وہ مر گئیں مجھے اُن کے مرنے کا یوں ہی سا رنج ہوا روپیہ اب آدھے سے کچھ زیادہ میں خرچ کر چکی تھی اس لئے بارہ بنکی کے ایک بوڑھے لاولد رئیس پر میں نے ڈورے ڈالے آہ اپنی شرمناک روداد بیان کرتے ہوئے مجھے کس قدر شرم محسوس ہوتی ہے مگر یہ داستان عبرتناک ہے۔ دس سال تک میں اس رئیس کے نکاح میں رہی اُس کی تمام جائداد میں نے اپنے نام لکھوائی اُس کی شریف اور خاندانی بیوی پر ایسے مظالم کئے کہ وہ غریب تنگ آ کر اپنے میکے چلی گئی اور جن غریب رشتے داروں کی رئیس مدد کرتا تھا وہ سب میں نے بند کر دی وہ مجھکو بددعائیں دیتے کوسنے ادھر میں ہنستی وہ آنسو بہاتے میں ہنستی بوڑھا رئیس میرے ہاتھ میں کٹھ پتلی کے مانند ناچتا تھا اُس کے مرتے ہی میں نے اُس کے جوان منشی سے نکاح کر لیا منشی سے میرا رئیس کی زندگی میں ہی رابطہ تھا اب کھلے بندوں میں عشق کر رہی تھی لیکن رئیس کی پہلی بیوی نے مہر کا دعوے کر کے

پچاس ہزار کی جائداد اپنے جہیز میں لیلی پھر بھی میرے پاس دو گانوئں تھے رہنے کے
لئے عالیشان محل نما گھر تھا باغ تھا اور زندگی عزت سے گذر رہی تھی ایک لڑکا
بھی میرے یہاں ہوا لیکن دو سال کا ہو کر مر گیا۔ جانی صاحب رئیس کے سامنے
ہی قید سے چھوٹ کر آ گئے تھے اور میرا پتہ لگاتے ہوئے میرے پاس پہونچ گئے تھے
میں نے جانی صاحب کا نکاح منشی کی یتیم خوبصورت بھتیجی سے کر دیا تھا یہ لڑکی
بہت نیک طبیعت ہے جانی صاحب شراب کے نشے میں کبھی کبھی غریب کو اتنا
مارتا تھا کہ کئی کئی دن ہلدی تھوپی جاتی لیکن وہ بیچاری اُف نہ کرتی تھی بری
عادتوں نے جانی صاحب کی صحت کو پہلے ہی گھن لگا دیا تھا دس سال کی قید
نے اور بھی اس کو کمزور کر دیا۔ شراب خواری کی لت نے تو بالکل ختم کر دیا اور
قید سے نکلنے کے چھ سال بعد ہی وہ جسم کی قید سے بھی ایک دو سال کی بچی چھوڑ کر
آزاد ہو گیا میں ابھی جانی صاحب کے سوگ میں تھی کہ بوڑھے رئیس کا کوئی رشتے
کا بھتیجا بنارس سے اپنے مالدار چچا کے مرنے کی اطلاع پاکر اور جائداد میرے قبضے میں
پاکر بہت برافروختہ ہوا مجھ پر مقدمہ کر دیا کہ اس عورت نے شراب کے نشہ میں سب کچھ
اپنے نام لکھوا لیا ہے اصل وارث میں ہوں مقدمہ تین سال تک چلتا رہا ہزاروں
روپیہ اس میں میرا تباہ ہوا آخر فیصلہ اس کے حق میں ہوا مجھے صرف رہنے کے لئے ایک
چھوٹا سا گھر ملا ادھر فیصلہ سنایا گیا ادھر میرا میاں منشی جو ہمیشہ دل کا مریض تھا دل کی
حرکت بند ہو جانے سے ختم ہو گیا مجھ پر دوہری مصیبت آ پڑی گذارے کے لئے جو
گورنمنٹ نے میرا پچاس روپے ماہوار مقرر کیا تھا اس میں سے بھی نصف رئیس کے
بھتیجے شاکر نے مقدمے میں جو اس کا خرچ ہوا تھا اس میں سے لینا شروع کر دیا بھلا
پچیس روپے مہینے میں میرا کیا گذارہ ہو سکتا تھا میری صورت اب بھی کافی دلکش تھی
اپنی صورت کی جانب سے مطمئن ہو کر میرے گندے دل نے ایک نئی ترکیب سوچی۔

ایک مرتبہ پھر میں اپنے حسن کی تجارت کرنے پر آمادہ ہو گئی میں نے یہ سن لیا تھا کہ شاکر بھی آوارہ مزاج انسان ہے۔ پھر یہ موقعہ کیوں ہاتھ سے جانے دیتی کچھ دن بعد میں نے اپنے کو بیمار مشہور کر دیا اور پھر شاکر کو پرچہ بھیجا کہ میں تمہارے مرحوم چچا کی بیوی تھی اب مجھے اپنی زندگی کی آس نہیں دو باتیں میری آکر سُن جاؤ"۔ میرا تیر کارگر ہوا شاکر آیا میں نے اُس کو بہت دیر تک بٹھائے رکھا چائے بنوا کر پلائی اور ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ وہ اُلٹا اپنے برے برتاؤ پر معافی مانگنے لگا اور دوسرے روز آنے کا وعدہ کر کے اُٹھا دوسرے دن وہ آیا تو اپنے ہمراہ پھل اور وہ روپے لایا جو تین مہینے سے وہ میرے گذارے میں سے وصول کر رہا تھا غرضکہ اب وہ روزانہ شام کو میری مزاج پرسی کو آتا حالانکہ اب یہ اس کو معلوم تھا کہ میں تو ایک ہفتے بعد ہی اچھی ہو گئی تھی رنگین مزاج شاکر میری صورت اور میری اداؤں پر ریجھ چکا تھا اور میں بن سنور کر روز اس کی منتظر رہتی تھی آخر اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اُس نے ایک دن دل کی بات کہہ سنائی اور میں" آئندہ یہ شرمناک بات کہتے ہوئے کتنی شرمندہ ہوں" کہ بطور داشتہ کے اُس کے رہنے لگی پھر اب میں مر رہی ہوں اس لئے سب کچھ کہہ دینا ہی اچھا ہے جانی صاحب کی لڑکی جمیلہ اور اُسکی بیوی اصغری اب بھی میرے دم کے ساتھ تھیں اصغری بے حد شریف اور نیک لڑکی ہے جانی صاحب کے مرنے کے بعد میرے بہت کہنے پر بھی وہ رنگا ہیلا نہ پہنتی تھی موٹا جھوٹا کھاتی اور سفید کپڑے پہنتی اُس کے دو ہی کام تھے میری خدمت یا خدا کی عبادت شاکر کے آنے کے وقت وہ اپنے کمرے میں ایسی بند ہو جاتی تھی کہ وہ اُس کی جھلک بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ شاکر علاوہ میرے پچاس روپے ماہوار کے جو مجھے گورنمنٹ سے ملتا تھا دو سو روپے ماہوار الگ دیتا تھا اور جس کپڑے یا زیور کی فرمائش کرتی تھی وہ مجھے بھیج دیتا تھا روزانہ تازہ پھل اور مٹھائی

بھی میرے لئے لکھنؤ سے آتی تھی اور پھر میں خوب ٹھاٹ سے زندگی بسر کر رہی تھی نہ مجھے ماضی کا خیال آتا تھا اور نہ مستقبل کا فکر تھا۔

لیکن اب قدرت کو مجھے میری سیاہ کاریوں پر سزا دینی تھی اس لئے شاکر سے تعلق ہوئے ڈھائی سال گذرے تھے کہ سچ مچ میں بیمار پڑ گئی اور میعادی بخار میں مبتلا ہو گئی۔ تین ہفتے تک تو مجھے جان کا بھی ہوش نہ تھا ایسی کیفیت تھی۔ بخار اُترنے کے ڈیڑھ مہینے بعد میں کہیں اس قابل ہوئی کہ پلنگ سے اُٹھوں لیکن اس موذی بخار نے صورت کی دلکشی بالکل ختم کر دی اور جسم میں خون باقی رہا نہ چہرے پر سرخی اور اس بیماری سے اُٹھنے کے بعد میں پھر پنپ نہ سکی اور بالکل بوڑھی ہو گئی کیونکہ واقعی اب جوانی میری نہ رہی تھی وہ تو میں نے خود کو ابھی غذا اور رغازے پاؤڈر کی بدولت جوان بنا رکھا تھا۔ میرے عارضی حُسن کو اس بیماری نے بالکل ختم کر دیا شاکر نے میری بیماری کے زمانے میں تو کافی دیکھ بھال کی لیکن جب بستر سے اُٹھنے کے بعد بھی میں اپنی پہلی دلکشی کو واپس نہ لا سکی تو اُس نے رفتہ رفتہ میرے یہاں آنا بالکل چھوڑ دیا اور جو وہ دو سو روپے ماہوار دیتا تھا وہ بھی بند کر دیا بس پچاس روپے مہینہ گذارے کا لئے جاتا تھا اور کبھی کبھی کوئی پھل یا مٹھائی یا کپڑا شاکر بھجوا دیا کرتا تھا۔ مجھے بھی اس طویل بیماری میں پہلی مرتبہ خدا یاد آیا تھا اور راستے میں اپنا تمام وقت توبہ استغفار میں گذارتی تھی۔ اپنی بد اعمالی پر اکثر اب میں آنسو بہاتی تھی اور چاہتی تھی کہ تم سے مل کر کہیں اپنے کئے کی معافی مانگوں بدقسمتی سے پچھلی برسات میں میرا گھر جو بہت پرانا تھا گر پڑا رہنے کا بھی سہارا گیا شاکر سے اب میں مدد لینا نہیں چاہتی تھی صغریٰ کی خالہ دہلی میں رہتی ہیں اس لئے اُس نے کہا کہ دہلی چلو اور میں صغریٰ کے ساتھ اپنا مختصر سامان لیکر دہلی آ گئی صغریٰ کی خالہ بہت اچھی بیوی ہیں میری بہت خاطر کرتی ہیں ایک الگ کمرہ مجھے اور صغریٰ کو رہنے کے

لئے اُنھوں نے دیدیا ہے۔ پچاس روپیہ مہینہ میرے گذارے کا آجاتا ہے۔ اس سے میرا اصغری اور جمیلہ کا خرچ چل جاتا ہے۔ میری طبیعت کئی دن سے ماندہ تھی بخار ہوجاتا تھا اس دن بھی اصغری کے منع کرتے کرتے میں برقعہ اوڑھ کر گھبراہٹ میں کمپنی باغ نکل گئی واپسی پر مجھے بخار چڑھا اور میں بیہوش ہو کر گر پڑی اور اس بیہوشی میں ہی مس صاحبہ مجھے ہسپتال میں اٹھوا لائیں۔ میرے حواس اپنے بجا نہ تھے کہ پورا حال کہتی تمکو دیکھ کر مجھ میں طاقت آگئی ہے پیاری ثروت! ناز بیگم نے لمبا سانس کھینچ کر کہا۔

ثروت آرا۔ ہمدردی کے لہجے میں آپ کی دردناک داستان نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے خدا آپ کو معاف کرے۔

ناز بیگم۔ غریب اصغری میرے لئے بہت پریشان ہوگی اور جمیلہ نے تو رو رو کر برا حال کیا ہوگا ان دونوں کو یہاں بلوا دو تمہارا احسان ہوگا

ثروت آرا۔ آپ پتہ بتا دیجئے میں ابھی جا کر اصغری بہن کو بلوا لونگی اور کل انکو اپنے ہمراہ لیکر آؤنگی۔

ناز بیگم نے پتہ بتا دیا اور تکان کے باعث آنکھیں بند کر لیں۔

مہ پارہ شرم سے عرق عرق تھی ماں کی یہ شرمناک داستان زندگی سنکر اُس پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا رو رہی تھی۔

ثروت آرا نے مہ پارہ کو تسلی دی اور کہا تمہارے رنجیدہ ہونے کا اثر صحت پر بہت برا ہوگا بیشک یہ داستان عبرت سن کر تم کو رنج ہوا ہوگا مگر وہ آخر تمہاری ماں ہیں تم اُن کے پاس رہو میں کل پھر آؤنگی۔

مہ پارہ نے بہن کے حکم پر سر جھکا لیا حالانکہ ماں سے اس کو بجائے محبت کے اُس کے برے افعال کی بدولت نفرت ہوگئی تھی لیکن قدرتی لگاؤ اور خاطر شکنی کے خیال نے مجبور کر دیا اور وہ ناز بیگم کے قریب بیٹھ کر اُن کا سر دبانے لگیں۔

گھر پہونچ کر ثروت آرا نے اصغری اور جمیلہ کو بلا لیا۔ ناز بیگم کی سرگزشت سن کر اور حالت دیکھ کر ان کا حساس دل بہت متاثر تھا اس لئے رات کو بھی طرح نیند بھی نہیں آئی اور صبح نو بجے ہی مع اصغری اور جمیلہ کے ہسپتال پہونچ گئیں۔

مس سنگھ نے کہا مریضہ کی حالت آج اچھی نہیں تمام رات بہت بے چین رہی ہے اور کئی بار آپ کو یاد کر چکی ہے۔

بیگم حامد بہت پریشان ہیں آپ کو ٹیلی فون کرنے میں جا رہی تھی۔

ثروت آرا۔ میرا خیال خود اس جانب تھا اس لئے چائے پینے کے بعد ہی آگئی مریضہ کے قریب جا کر کیسی ہیں آپ؟

ناز بیگم۔ آنکھ کھول کر اچھا ہوا تم آگئیں اب میرا آخری وقت ہے تم میرے ان مظالم کو بھول جاؤ جو میں نے تم پر کئے اور مجھے معاف کر دو تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔

ثروت آرا۔ میں نے سب معاف کیا خدا بھی آپ کو معاف کرے آپ بار بار کیوں کہتی ہیں۔

ناز بیگم۔ بیٹی تمہارے شریف والد کو میں نے اپنی بدکرداری سے بہت رنج پہونچایا ان کی سچی بے لوث محبت کی قدر نہ کی اور وہ گھر جس میں جنت کا مزا میں نے پایا تھا اپنی بدبختی سے اس کو اس طرح چھوڑا اپنی ساری زندگی میں وہ ساڑھے چار سال جو تمہارے یہاں میں نے بسر کئے میرے لئے یادگار ہیں کاش میں تمام عمر شرافت کے ساتھ اس گھر میں گذار سکتی تمہارے مکرم والد سے معافی مانگنے کی آرزو دل میں ہے لیکن یہ مونھ اس قابل کہاں؟ کہ ایک شریف پاکباز انسان کو دکھانے کے لائق ہو تم میری جانب سے ان سے معافی مانگ لینا تمہارے تصدق میری خطا کو وہ معاف کر دیں اُف آہ میں نے کتنے دل توڑے ہیں سب کو دھوکے دیتی رہی ساری عمر فسق و فجور میں

مبتلا رہی ایسا کوئی بھی کام نہیں کیا جو مرتے وقت میرے لئے باعث تسکین ہو پرآہ یہ دھوکے میرے لئے ایک دھوکا ہی ثابت ہوئے میں خود نقصان میں رہی لیکن رب یارب معاف کردیجیو مجھے۔ سانس کی آواز بے ربط ہوتی گئی۔ اور دو گھنٹے بعد ہی ناز بیگم اللہ اللہ کرتی رخصت ہوئیں اور وہ حسن و دلربائی کا ایک دل پذیر نمونہ جس نے اپنی حسین صورت سے ایک زمانہ کو فریب دیا موت کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے فنا ہوگیا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

ثروت آرا کے دل پر ناز بیگم کی موت کا بہت اثر ہوا اور بیچاری مہ پارہ تو دونوں افسردہ رہی ماں کے مرنے سے زیادہ اُس کی شرمناک زندگی کا خیال مہ پارہ کے لئے سوہان روح تھا جب وہ خیال کرتی تھی کہ میں ایک ایسی ماں کی بیٹی ہوں جو ایسی بدافعال تھی تو اُس کو تمام دنیا کی نظروں میں اپنی ہستی ذلیل نظر آتی تھی ہر ایک اپنے پر ہنستے لگا معلوم ہوتا تھا ہر وقت کڑھتے رہنے کے باعث اُس کی صحت خراب ہونے لگی خون کی کمی کی شکایت ہوگئی۔ بہت بہاں دل بہلانے کی کوشش کرتے باپ خیال ہٹاتے لیکن مہ پارہ کے پژمردہ دل کی کلی کسی طرح نہ کھلتی تھی ثروت آرا بہن کا یہ حال دیکھ کر گھبرا گئیں۔ گرمی کا آغاز ہوچکا تھا مہ پارہ کو لیکر ثروت جنگ کے پاس کشمیر سدھارے اصغری اور جمیلہ اُن کے ساتھ رہتی تھیں اصغری اب ثروت آرا کی مصاحب اور گھر کی مختار تھیں مودی خانہ توشہ خانہ سب اُن کے زیر اہتمام تھا گھر کے سارے نوکر اُن کے اشارے پر چلتے تھے ثروت آرا بہت خیال اور عزت کرتی تھیں بیچاری اصغری کو بھی شادی کے بعد شاید پورا اطمینان وسکون یہیں آکر ملا تھا۔ جمیلہ کی عمر اب تیرہ سال کی تھی شریف ماں کی بیٹی نیک طینت سلیقہ شعار

اور ماں جیسی خوش شکل اُس کا نکاح حشمت کے لڑکے سے ثروت آرا نے کر دیا
جو ثروت جنگ کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔

ثروت آرا کے گھر پہونچتے ہی تانتا لگ گیا۔ صفدر، مسز صفدر، اختر جنگ مع بیوی کے نزہت مسعود سب آگئے صفدر کا چھوٹا لڑکا جمیل حسن اب کشمیر میں سیشن جج کے عہدے پر متمکن تھا ثروت جنگ نے بہت کوششوں سے اُن کو کشمیر بلوا لیا تھا صفدر اپنے بیٹے پاس ٹھہرے تھے باقی سب لوگ ثروت جنگ کے یہاں تھے اور کشمیر جنت نظیر کی موسمی کیفیات کا پوری دلچسپی کے ساتھ لطف لے رہے تھے۔ ظفر جنگ کی عمر اب ساٹھ سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی مگر اُن کی وجیہہ صورت پر اب بھی رعنائی اور جوانوں کی سی شادابی تھی اُن کی بلند پیشانی اب بھی بڑھاپے کی شکنوں سے نا آشنا تھی اور نہ کیوں ہوتی شروع سے اس وقت تک عروس کامیابی سے ہمکنار رہے اقبال انکا غلام عزت اُن کی لونڈی رہی ایسا خوش نصیب انسان کم دیکھا ہے بیوی ملی تو حور اولاد سب خوبصورت سعادت مند۔ ثروت آرا جیسی خوش قسمت بیٹیاں الٰہی کل دنیا جہان کی ہوں شوہر اعلےٰ تعلیم یافتہ خوبصورت خوش سیرت قدر دان ہمیشہ بیوی کی ناز برداری کی والدین نے سر آنکھوں پر رکھا تو شوہر نے پھولوں کی طرح پلا اس لئے اُن کی حسین صورت میں اب بھی چمک باقی تھی اُن کا رنگ اب بھی ارغوانی تھا۔

پانچ بجے کا عمل ہے دھوپ کی زرد کرنیں ثروت جنگ کی عالیشان کوٹھی پر نچھاور ہو رہی ہیں ظفر جنگ سفید کھدر کے لباس میں ملبوس ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں دوسری جانب مخملی صوفے پر بیٹھی ہوئی بیگم ظفر جنگ کشمیری سلک کی ساری پہنے ہوئے ٹمٹنگ کر رہی ہیں۔ اُن کے ارد گرد بہوئیں بیٹیاں ہیں۔

ننھے ننھے بچے جو اس وقت سامنے کھیل رہے ہیں آٹھ ہیں نزہت آرا کی بڑی لڑکی گیتی آرا جواب سات سال کی ہے الگزنڈرا ہائی اسکول میں پڑھتی ہے دہلی اظہر زمانی بیگم پاس ہے، یہاں دونوں چھوٹے بچے ہیں اقبال مسعود اور حسن آرا سطوت آرا کے دو بچے سلیمان بخت اور فرخ سیر اختر جنگ کے دو بچے جمال اختر اور نجمہ ثروت جنگ کی لڑکی نیلوفر، ظفر جنگ اور ثروت آرا ان نونہالوں کو دیکھ کر بہت شادماں ہیں ننھا سلیمان اور نیلوفر سب میں چھوٹے ہیں۔

ظفر جنگ۔ ہاتھ پھیلا کر آؤ نیلوفر پیاری ہمارے پاس آؤ۔

نیلوفر۔ ثروت آرا کی جانب بھاگ کر اوں اوں ہم تو اماں جان پاس جائینگے

ثروت آرا نے جلدی سے نیلوفر کو گود میں اٹھا کر پیار کر لیا۔

ایک کار کے ٹھہرنے کی آواز آئی۔

ظفر جنگ نے کہا لو وہ صفدر آ گئے ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ روح رواں سوسائٹی زندہ دلوں کے بادشاہ میاں صفدر مع بیوی کے اندر داخل ہوئے پیچھے جمیل حسن مسز جمیل حسن آئے۔

صفدر کو دیکھ کر سب بچے ان کے گرد جمع ہو گئے جمال اختر دادا جان ہم کو آپ اپنے کوٹ کا پھول دیدیجئے؟

صفدر پھول دیکر بیٹے دادا تو تمہارے یہ میاں ظفر ہیں میں تو تمہارا دلدادہ ہوں۔

ظفر جنگ۔ مسکرا کر دوست کب تک جوان رہو گے؟

صفدر۔ موت کے لمحے تک۔

ظفر جنگ۔ بہت خوب؟

ثروت آرا۔ نشاط بھائی نے بھی کچھ لکھا کب تک آ رہے ہیں؟

صفدر۔ بھابی اُن کی قسمت میں تو لاہور کی جلتی ابلتی گرمی لکھی ہے۔ جیسی "روح ویسے فرشتے" مقدمے کے مارے پھنسے ہوئے ہیں البتہ اُن کی بیوی آئندہ ہفتے تک آجائینگی آج ہی تو خط آیا ہے۔ میرے اور ظفر کے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ اور ایک شعر بھی جڑ دیا ہے۔

فرماتے ہیں ؎

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
آہ مجھے یارانِ وطن بھول گئے

تمام شد

پرنٹر و پبلشر احمد الدین نظامی۔ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں یو۔پی